

تذکرہ و سوانح

قائم
ماہنامہ
القائم

حضرت مولانا سید سعدنی

العلیہ

مرتب

مولانا عبدالقیوم حقانی



فدائے ملت مولانا سید سعدنی نے اپنے پورے زندگی میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کی ایک پورے عہد کی ترجمان دستاویز ہے۔ ان کی خدمات قابل فخر و شکر ہیں۔ ان کی خدمات کا ایک پورے عہد کی ترجمان دستاویز ہے۔ ان کی خدمات قابل فخر و شکر ہیں۔ ان کی خدمات کا ایک پورے عہد کی ترجمان دستاویز ہے۔

القائم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ



عالمی اسلامی تحریکوں اور جامعہ ابو ہریرہ کا ترجمان

ماہنامہ
القائم
خالق آباد
نوشہرہ

اشاعتِ خاص
تذکرہ سوانح
حضرت مولانا سید سعد مدنیؒ

جلد 10 / جمادی الثانی، رجب ۱۴۲۷ھ / جولائی اگست 2006ء / شماره 3, 4

زیر سرپرستی

مولانا عبدالقیوم حقانی

☆☆☆

ڈیرہ مسنگول

حافظ محمد قاسم

رابطہ کیلئے

جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس
خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

Jan Mohammad Jan

Composing:

بدل اشتراک

سالانہ 200 روپے
فی شمارہ 20 روپے
بذریعہ وی پی 230 روپے
بیرونی ممالک 35 امریکی ڈالر

☆☆☆

بذریعہ ڈرافٹ/چیک

اکاؤنٹ نمبر 8-21399
حبیب بینک نوشہرہ کینٹ

☆☆☆

فون نمبر

(0923)630237

فیکس : 630094

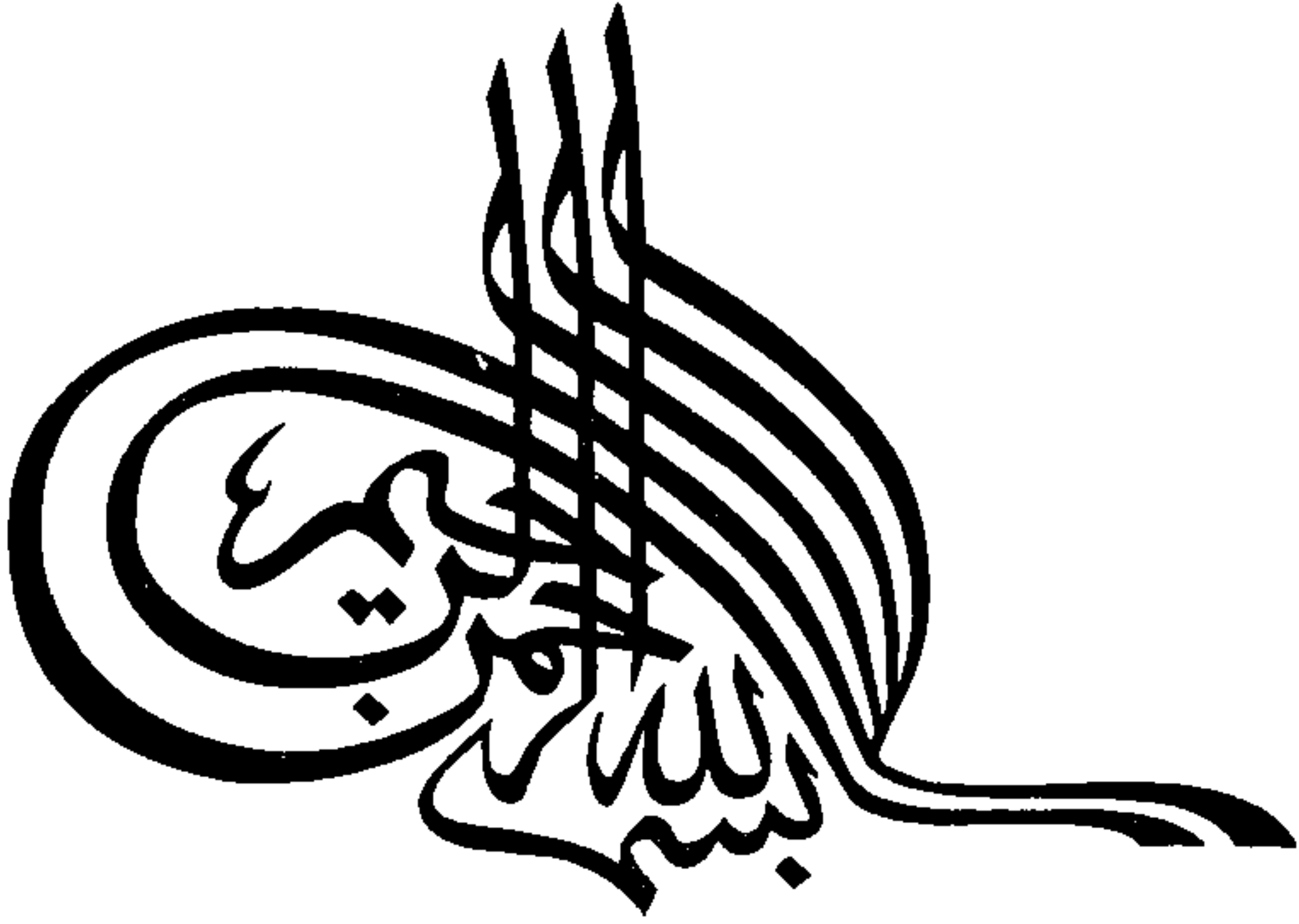
جملہ حقوق بحق القاسم اکیڈمی محفوظ ہیں

نام کتاب	:	تذکرہ وسوانح حضرت مولانا سید اسعد مدنی
مرتب	:	مولانا عبدالقیوم حقانی
کیوزنگ	:	جان محمد جان رکن القاسم اکیڈمی
ضخامت	:	512 صفحات
تعداد	:	1000
تاریخ طباعت اول	:	جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ / جولائی 2006ء
تاریخ طباعت دوم	:	ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ / جنوری 2007ء
ناشر	:	القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ
		فون نمبر : 0923-630237 فیکس : 630094
		موبائل نمبر : 0333-9102770

ملنے کے پتے

- ☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس المنظر پارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد سبیلہ چوک کراچی
- ☆ مولانا سید محمد حقانی، مدرس جامعہ ابو ہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ
- ☆ مکتبہ رشیدیہ جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید، ۱۱۰ لکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
- ☆ مولانا خلیل الرحمن راشدی صاحب، جامعہ ابو ہریرہ، چنوں موم ضلع سیالکوٹ
- ☆ مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی

اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے



عقل تو سود و زیاں کے فکر میں اُبھی رہی
جم گئے اہل جنوں خوف و خطر کے سامنے

مدتیں گزریں انہیں جس راہ سے گزرے ہوئے
روز لے آتا ہے دل اس رہ گذر کے سامنے

خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں رازِ حُسن و عشق
اہلِ دل ، اہلِ جنوں ، اہلِ نظر کے سامنے

میرا مقصد جستجو ہے اور پیہم جستجو
میری منزل ہے مری گردِ سفر کے سامنے



فہرست مضامین

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی

- عرض مرتب ----- مولانا عبدالقیوم حقانی ----- ۱۳
- قصیدہ دارالعلوم دیوبند ----- شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی ----- ۱۶
- شیخ الاسلام مدنی "بنام اسعد مدنی" ----- (ادارہ) ----- ۱۷
- باب : ۱ نقوش زندگی، خاندانی حالات، تحصیل و تکمیل علم
- اور سیرت وسوانح کے مختلف روشن پہلو
- حیات طیبہ پر ایک نظر ----- مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری ----- ۲۱
- حضرت امیر الہند کا سوانحی خاکہ ----- قاری تنویر احمد شریفی ----- ۲۳
- حیات و خدمات پر ایک نظر ----- مولانا شیر محمد امینی ----- ۲۵
- خاندانی نجابت، تعلیم و تربیت، درس و تدریس اور قومی و ملی اور سیاسی خدمات ----- مولانا مرغوب الرحمن لاجپوری ----- ۳۱
- ایک شجر سایہ دار ----- مفتی ریاست علی قاسمی ----- ۳۸
- مختصر سوانح ----- میاں محمد الیاس کنجاہلوی ----- ۴۴
- مدتوں رویا کریں گے ----- محمد سلمان منصور پوری ----- ۴۸
- شخصیت کے چند امتیازی پہلو ----- محمد منزل الحق الحسینی ----- ۵۵
- چند مشاہدات اور چند یادیں ----- حاجی میاں فیاض الدین دہلوی ----- ۵۸
- امیر الہند مولانا اسعد مدنی "کون اور کیا تھے ؟" ----- مولانا محمد اختر قاسمی بہراپنچی ----- ۶۱

باب : ۲ سیرت وسوانح، علم و فضل، اوصاف و کمالات اور جامعیت۔ ۶۳

- ایک باکمال شخصیت ----- مولانا عبدالقیوم حقانی --- ۶۵
- اوصاف و کمالات کا حسین امتزاج ----- مولانا محمد ابو بکر غازی پوری --- ۷۰
- جامعیت و کمال ----- مولانا اللہ بخش ایاز ملک انوی --- ۷۶
- ایک نادرہ روزگار شخصیت ----- مولانا حبیب اللہ مردانی --- ۸۳
- مدتوں رو یا کریں گے جام و پیمانہ مجھے ----- مولانا مفتی محمد زبیر قاسمی --- ۸۵
- عظیم المرتبت شخصیت ----- مفتی شبیر احمد مراد آباد --- ۹۰
- عظیم صلاحیتیں اور فولادی عزم و ہمت کی نمود ----- مولانا نظام الدین فخر الدین --- ۹۵
- علم و فن کے حسین قافلے قلم گئے ----- حکیم ظل الرحمن، دہلی --- ۹۸
- علوم نبوت کے شارح و امین ----- مولانا محمد انعام اللہ قاسمی --- ۱۰۱

باب : ۳ عظمت مقام، رفعت شان اور عالمانہ جلالت قدر۔ ۱۰۵

- وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ----- مولانا حبیب الرحمن اعظمی --- ۱۰۷
- دشت جنون کے سپاہی ----- مولانا نور عالم ظلیل امینی --- ۱۱۲
- شرافت اور وضع داری کی نادر مثال ----- احمد سعید ملیح آبادی --- ۱۲۰
- کس کو بٹھائیں بزم میں تیرے مقام پر ----- ڈاکٹر راحت مظاہری --- ۱۲۲

باب : ۴ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے جانشین،

اوصاف و کمالات اور خدمات میں مماثلت۔ ۱۲۷

- مولانا سید حسین احمد مدنی اور اسعد مدنی کی خدمات میں مماثلت ----- مولانا ضیاء الدین اصلاحی --- ۱۲۹
- مجاہد ملت کا جانشین ----- مدیر ہفت روزہ ”نئی دنیا“ --- ۱۳۳
- مولانا حسین احمد مدنی کے جانشین ----- سینیٹر قاری محمد عبداللہ --- ۱۳۵
- مولانا حسین احمد مدنی کے علوم و معارف کے ترجمان ----- مولانا محمد سلیم جلوی --- ۱۳۸
- بیعت و ارشاد میں شیخ الاسلام کے حقیقی جانشین ----- ڈاکٹر منور حسن کمال --- ۱۳۹
- انہیں دیکھ کر شیخ الاسلام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی ----- مولانا سید محمد احمد --- ۱۴۱
- قافلہ عزیمت کے سالار اور مسلم کا ز کے محافظ ----- مولانا عبید اللہ انور --- ۱۴۳

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی" ----- ﴿ ۷ ﴾

مولانا حفظ الرحمنؒ کا جانشین اور مسلمانوں کا چارہ گر ----- محترم عزیز الحسن صدیقی --- ۱۳۵

باب : ۵ امیر الہند فدائے ملتؒ، اعزہ واقرباء کی نظر میں --- ۱۶۳

عزم و استقلال کا کوہِ گراں ----- مولانا ارشد مدنی --- ۱۶۵

جولاکھوں میں یکتا تھے ----- محترمہ سعیدہ مدنی --- ۱۶۹

ہمارے ماموں جان ----- مفتی عفتان منصور پوری --- ۱۷۳

”بڑے بابو“ ----- ام سلمان سیدہ عمرانہ مدنی --- ۱۸۱

قیسی کا داغ ----- مولانا سید اسجد مدنی --- ۱۸۳

ایک فطری عمل ----- مولانا سید اشہد رشیدی --- ۱۸۹

باب : ۶ نقوش و تاثرات --- ۱۹۳

مولانا سید اسعد مدنی" ----- مولانا فضل الرحمن --- ۱۹۵

سولہ کروڑ مسلمانوں کا سہارا و پشتیبان ----- قاضی حسین احمد --- ۲۰۰

انا بفراقک یا شیخ المدنی لمحزونون ----- مولانا اللہ وسایا --- ۲۰۱

اسعد زماں ----- مولانا قاضی عبدالکریم --- ۲۱۰

دور تک قافلہ صبح کے آثار نہیں ----- مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی --- ۲۲۳

مولانا اسعد میاںؒ جو ایررحمت میں ----- مولانا عتیق الرحمن سنبھلی --- ۲۲۷

حضرت امیر الہندؒ ! چند تاثرات ----- مولانا محمد یحییٰ --- ۲۲۹

اللہ جو ایررحمت میں جگہ دے ----- عبدالرحمن ساجد الاعظمی --- ۲۳۲

خودی ہوزندہ تو ہے موت اک مقام حیات ----- مولانا رفاقت حسین قاسمی --- ۲۳۳

مولانا اسعد مدنیؒ میں کردار صحابہؓ کی جھلک ----- مولانا امام علی دانش --- ۲۳۵

عظیم باپ کے عظیم فرزند ----- ادارہ --- ۲۳۷

باب : ۷ قیادت و شجاعت، تدبیر و بصیرت، سیاسی کارنامے

اور قومی و ملی خدمات --- ۲۴۳

جمعیت علمائے ہند کی قیادت و خدمات اور آئینہ ایام ----- جناب عادل صدیقی --- ۲۴۵

- مولانا اسعد مدنی اور جمعیت علمائے ہند ----- مولانا اخلاق حسین قاسمی - ۲۵۱
- ملی قیادت کاستون ----- مولانا محمد اسرار الحق قاسمی - ۲۵۵
- تحریک مدارس کار و روح رواں ----- مولانا شوکت علی قاسمی بستوی - ۲۵۸
- مولانا اسعد مدنی اور دارالعلوم دیوبند ----- عادل صدیقی - ۲۶۶
- پُر آشوب دور میں گرانقدر خدمات کا نمونہ ----- ڈاکٹر شکیل صدیقی - ۲۶۹
- حق گوئی و بے باکی ----- مولانا کبیر الدین فاران - ۲۷۱
- وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان ----- مولانا سلمان بجنوری - ۲۷۳
- جلتے ہوئے مراد آباد میں داخل ہونے والی پہلی شخصیت ----- محمد عتیق صدیقی - ۲۷۵
- وہ بولتے تو ایوان لرز جاتا تھا ----- الف عین دیوبندی - ۲۷۷
- دین و سیاست کا خوبصورت امتزاج ----- عبدالحمید نعمانی - ۲۸۰
- اقتصادی تحریک اور مولانا مدنی ----- جناب حبیب صدیقی - ۲۸۴
- جمعیت علمائے ہند کا اقتصادی اور معاشی پروگرام ----- ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہا پوری - ۲۸۶

باب : ۸ فتنوں کا تعاقب اور اسفار ۲۹۵

- حضرت امیر الہند فتنوں کے تعاقب میں ----- قاری سید محمد عثمان منصور پوری ۲۹۷
- سفر پاکستان کی ایک روئیداد ----- مولانا مجاہد الحسنی - ۳۰۰

باب : ۹ اپنے استاذ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق سے تعلق خاطر، مکاتبت

- جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں تشریف آوری اور خطابات ----- ۳۱۱
- شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اور جامعہ حقانیہ سے تعلق خاطر ----- مولانا عبدالقیوم حقانی - ۳۱۳
- شیخ الحدیث مولانا عبدالحق سے ملاقات کا ایک منظر ----- مولانا سید نصیب علی شاہ - ۳۱۴
- مولانا سید اسعد مدنی کی رسم دستار بندی ----- حضرت مولانا سمیع الحق - ۳۱۵
- حضرت مولانا محمد اسعد مدنی بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ----- // // // // - ۳۱۸
- مکاتیب بنام مولانا سمیع الحق ----- حافظ محمد طیب - ۳۲۲
- تحریک ریشمی رومال اور اس میں کون کیا تھا؟ مولانا عزیز گل کا مثالی کردار ----- مولانا اسعد مدنی - ۳۲۸

- حضرت امیر الہند اور دارالعلوم حقانیہ ----- مولانا سلیم بہادر ملک انوی۔ ۳۳۵
 دین اور حاملین دین کا مقام ----- مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی۔ ۳۳۷
 زندگی اور اس کے تمام مشاغل ----- حبیب اللہ ----- ۳۳۳
 حقیقت اتباع سنت کا قابل فخر طریقہ ہے ----- مولانا عرفان الحق ----- ۳۳۶
 امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی کا عظیم سانحہ ارتحال ----- مولانا راشد الحق سمیع حقانی۔ ۳۵۱
 جامع کمالات و اوصاف شخصیت 'حضرت امیر الہند' چند یادیں 'چند نقوش' ----- مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی۔ ۳۵۳

باب : ۱۰ سلوک و ارشاد اور مدنی نسبتیں ----- ۳۶۳

- سلوک و ارشاد کے امام ----- قاری تنویر احمد شریفی -- ۳۶۵
 حضرت امیر الہند اور مدنی نسبتیں ----- " " " " ----- ۳۶۶
 سلوک و طریقت ----- " " " " ----- ۳۸۲

باب : ۱۱ مواعظ، خطبات اور افادات ----- ۳۹۹

- اکابرین دیوبند کا مشن اور اہداف 'صد سالہ اجلاس دیوبند' ----- کریم الاحسانی انڈیا -- ۴۰۱
 تحفظ سنت اور علماء دیوبند ----- حافظ محمد قاسم ----- ۴۰۳
 دعوت و تبلیغ 'علماء کرام کی ذمہ داریاں اور این جی اوز کی یلغار' ----- جان محمد جان ----- ۴۱۹
 دینی مدارس کی بقاء اور ہماری ذمہ داریاں ----- حافظ محمد طیب ----- ۴۲۷
 فہرست خلفاء و مجازین حضرت امیر الہند ----- ادارہ ----- ۴۳۱

باب : ۱۲ منظوم خراج عقیدت ----- ۴۳۷

- جانشین شیخ امت سوائے علیین چلا ----- مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی۔ ۴۳۹
 محسن و غم خوار کہاں ہے ؟ ----- مفتی اسرار احمد دانش -- ۴۴۰
 عظمت دارالعلوم دیوبند ----- سید سلمان گیلانی ----- ۴۴۱
 جس سے ملتی تھی ہدایت رخصت ہو گیا ----- مولانا امام علی دانش ----- ۴۴۲
 اے حسین احمد کے بیٹے زندہ و پائندہ باد ----- قاری محمد الحق حافظ سہارنپوری۔ ۴۴۳
 میر کارواں جاتا رہا ----- مفتی اشفاق احمد اعظمی -- ۴۴۴

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی” ----- ﴿ ۱۱ ﴾

عاشق رسول ﷺ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی” ----- پروفیسر ریحانہ تبسم فاضلی۔ ۴۶۶

قطعات امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی” ----- // // // // ۴۶۷

صدحیف! آج نازشِ دوراں چلا گیا ----- محمد اصغر ہاپوڑ ۴۶۸

چل بے شیخِ زمن ----- محمد راشد اسعد الرحیمی ۴۷۰

روشن آفتاب ----- جناب زاہد ٹانڈوی ۴۷۱

فدائے ملت کے اوصاف حمیدہ ----- ماجد بستوی ۴۷۲

لوحِ حادثہ جانکاہ دین پرور سید اسعد مدنی” ----- ۴۷۳

نفسِ نفس ہے غم نصیبِ زندگی تیرے بغیر ----- قاضی محمد ارشد الحسنی ۴۷۶

باب : ۱۳ سفرِ آخرت ----- ۴۷۷

رحلتِ اسعد مدنی” ملک و ملت کا ناقابلِ تلافی نقصان ----- ایڈیٹر ”نئی دنیا“ دہلی۔ ۴۷۹

لوگِ خضرِ کاروانِ حال کہتے ہیں تجھے ----- ادارہ ندائے شاہی ۴۸۲

رحلتِ مدنی” ایک علمی اور سیاسی حادثہ ----- مولانا محمد شاہد ڈیروی۔ ۴۹۷

امیر الہند” کا سفرِ آخرت ا پولو سے مزارِ قاسمی تک ----- مفتی ذکوات حسین قاسمی۔ ۴۹۹

باب : ۱۴ متفرقات ----- ۵۰۳

أصول کے پکے ----- مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ۔ ۵۰۵

چند لمحے دیدار کے ----- حبیب الرحمن نقشبندی۔ ۵۰۶

ایک طالب علم کا جذبہِ محبت ----- قاری محمد عبداللہ۔ ۵۰۸

حضرت مدنی” کی دینی غیرت و حمیت ----- مولانا محمد ایاز کانگڑہ۔ ۵۰۹

مدنی معمولات ----- منیۃ الزہراء۔ ۵۱۰



سنگِ گراں ہیں راہ میں لاکھوں تو کیا ہوا
منزلِ چُھپی ہوئی تو میرے حوصلوں میں ہے

.....

منزل ہے دور ، پھر بھی مسرت یہ کم نہیں
ہمت بڑھی ہوئی ہے ، کسی فاصلوں میں ہے



عرضِ مرتب

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام على خاتم الرسالة۔

امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہ کا سانحہ ارتحالِ ملتِ اسلامیہ کا عظیم سانحہ اور حادثہ ہے۔ آپ جمعیت علماء ہند کے عظیم قائد، مسلمانوں کے بے باک رہنما، دارالعلوم دیوبند کے محافظ و پاسباں، ہزاروں مدارس کے سرپرست و نگہبان ہی نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کے ولولوں اور امیدوں کے آخری سہارا تھے۔ آپ کی رحلت سے جمعیتِ علماء ہند، دارالعلوم دیوبند اور مدارسِ اسلامیہ ہند یہ بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ یتیم ہو گئی ہے۔

اصابتِ رائے، عزم و ہمت، جرأت و بے باکی، قوتِ عمل، ہمتِ مردانہ، اٹل ارادہ، ایمانی فراست، سیاسی بصیرت، ملی و سماجی شعور، فکری اعتدال، احقاقِ حق و ابطالِ باطل آپ کا طرہ امتیاز تھا، حق تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل، اخلاص و تقویٰ، کردار و اخلاق، عزم و استقلالِ ملت کی درمندی اور ہمدردیِ خلائق کے تابناک جوہر عطا کئے تھے۔

ان گونا گوں اوصاف و کمالات کے ساتھ آپ کی پوری زندگی جہدِ مسلسل اور سعیِ پیہم کا عملی نمونہ تھی۔ ملتِ اسلامیہ کے اس عظیم مجاہد اور معمارِ قوم نے جمعیتِ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی دینی و دنیوی فلاح و ترقی، جان و مال کی حفاظت، دستوری حقوق کی بازیابی، شہریت کے تحفظ، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، مظلوموں کی اعانت و دادرسی، ریلیف و باز آباد کاری، مدارسِ اسلامیہ اور تعلیمی اداروں کی سرپرستی

و نگہبانی، اسلامی اوقاف کی حفاظت، سماجی و معاشرتی اصلاح، مسلم پرسنل لاء کی حفاظت، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، اقتدار میں حصہ داری اور مختلف میدانوں میں مسلمانوں کی نمائندگی جیسے صدہا ملی مسائل کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اسی کے ساتھ یہ مردِ مجاہد فرقہ پرستی کی مخالفت، قومی یکجہتی کے فروغ، جمہوریت و سیکولرزم کے بقا و استحکام، امن و قانون کی بالادستی، ملک و ملت کی تعمیر و ترقی کے لئے سرگرم عمل رہا اور جمعیت علماء ہند کے اسٹیج سے پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا تک مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی اور حفاظت کے لئے ہمہ تن مصروفِ جہاد رہا۔ علاوہ ازیں آپ نے بیعت و ارشاد کے ذریعہ لاکھوں انسانوں کی ظاہری و باطنی اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ الحاصل ملی خدمت کا کوئی میدان ایسا نہیں جہاں آپ کی جدوجہد کے روشن نقوش موجود نہ ہوں۔

حضرت فدائے ملت کے وصال کے بعد آپ کے پاکیزہ افکار و خیالات کو عام کرنا، مجاہدانہ خدمات سے نسلِ نو کو آگاہ کرنا اور آپ کے مشن اور ملی تحریکات سے روشناس کرانا، تمام وابستہ افراد اور اداروں بالخصوص جمعیت علماء ہند دارالعلوم دیوبند اور جمعیت علماء اسلام پاکستان اور دیگر متوسلین کی ذمہ داری ہے، اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ براری کے لئے ہر دونوں جمعیتیں اس کے لئے اقدام اور لائحہ عمل اختیار کرنے کے لئے اپنے اپنے اہداف پر کام کر رہی ہیں۔ ماہنامہ القاسم نے بھی خریدارانِ یوسف میں اپنا نام لکھوانے کے لئے مولانا سید اسعد مدنی ”نمبر کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے تاکہ آپ کی حیات و خدمات کے مختلف پہلو محفوظ ہو جائیں اور آئندہ نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک تحریک اور ایک ادارہ تھے۔ وہ ایک ہمہ گیر و ہمہ جہت و ہمہ پہلو شخصیت تھے۔ قدرت نے انہیں نگاہِ بلند سخنِ دل نواز اور جان پر سوز ایسی صفات حمیدہ سے نوازا تھا۔ وہ بیک وقت مفسر، محدث، خطیب، داعیِ مدبر، مجاہد، روحانی پیشوا، خادمِ خلق، پیکرِ ایثار، پیامِ انسانیت کے علمبردار اور ہندوستان کی سیاست میں اُمتِ مسلمہ کے لئے گل و گلزار تھے۔

جس نمبر کو پیش کرنے کی سعادت ماہنامہ القاسم کو ہو رہی ہے، اس کے مضامین میں اور بیان کئے گئے اوصاف کے ہر وصف گویا ایک مستقل باب بلکہ کتاب ہے جو قارئین کی چشمِ بصیرت و بصارت کو تسکین دینے کے لئے، روح کو گرمانے کے لئے، قلب میں سوز پیدا کرنے کے لئے، برصغیر پاک و ہند کے ارباب

رُشحاتِ قلم اور دنیا کے کونے کونے سے اصحابِ علم و دانش کی علمی و ادبی کاوشوں سے جمع کئے گئے ہیں۔
بجملہ ڈیڑھ ماہ کی شبانہ روز محنت اور مسلسل کاوش کے بعد ہم اس فرض سے سبکدوش ہو رہے
ہیں۔ اپنے محدود وسائل اور اپنی بے مایہ صلاحیتوں کے ساتھ اس عظیم نمبر کی تکمیل و تزئین کے لئے ہم جتنا
کچھ بھی اپنی طالب علمانہ بساط کی حد تک اپنے جذبوں کو بروئے کار لاسکتے تھے، اس کا نتیجہ آپ کے سامنے
ہے۔ اس کا اندازہ آپ ہی فرمائیں گے کہ ہمیں اپنے ارادوں اور کوششوں میں کہاں تک کامیابی حاصل
ہوئی ہے۔

خدا کرے کہ یہ تمام محنت اور کوشش خلقِ خدا کی ہدایت اور راہنمائی کے کام آئے اور عند اللہ مقبول

ہو۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

۲۰ جماری الثانی ۱۴۲۷ھ / ۱۷ جون ۲۰۰۶ء

نتیجہ فکر ! شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی

قصیدہ دارالعلوم دیوبند

یہ قصیدہ حضرت شیخ الہندؒ نے ۲۰/صفر ۱۳۲۳ھ کو ایک مجلس میں خود سنایا اور مجلس کو مضطرب و بے قرار بنا دیا۔ یہ نایاب اور بابرکت قصیدہ سنیر مولانا قاری محمد عبداللہ نے بھیجا ہے، ان ہی کی پسند اور انتخاب ہے اور ان کے شکر یہ کے ساتھ نذر قارئین ہے..... (ادارہ)

پیش دنیا میں جو کچھ آتا ہے اندوہ و الم
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم
جس طرف آنکھ اٹھاتے تھے محیط عالم
ظلمتِ جہل سے مخلوق تھی اعمی و اصم
چند مردانِ خدا باندھ کے صف ٹھونک کے خم
کوڑہ میں کہ جہاں بیٹھے ہیں ارباب ہم
آرہا تیز روی سے ہے لئے ساتھ علم
علمِ دیں زندہ ہوا جہل نے لی راہِ عدم
قاسمِ علم بھلا کیوں نہ ہو پھر اس کا علم
الغرض رو بہ ترقی ہی رہا ہر ہر دم
دیکھ لیں آپ کہیں اپنی زباں سے کیا ہم

رحمتِ حق کی ہے تمہید سمجھ او نادان
انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو
کل کی ہے بات کہ تھی جہل کی گھنگھور گھٹا
آبِ حیواں کی طرح علم ہوا تھا مخفی
رحمتِ حق ہوئی حامی تو یکا یک اٹھے
سلسلہ ڈالا فقیرانہ بنامِ ایزد
اتنے میں دیکھتے بس کیا ہیں کہ اک مردِ خدا
اس مربی دل و جاں کی مسیجائی سے
دولتِ علم سے سیراب کیا عالم کو
کام اس مدرسہ کا فضل و کرم سے اس کے
پھر تو کیا تھا دی خدا نے وہ ترقی اس کو

پیروی کرتے رہو سعی کو ہاتھوں سے نہ دو
بدے یا درے یا قدمے یا بقلم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی بنام مولانا محمد اسعد مدنی

عزیز مہتمم علمکے اللہ تعالیٰ - اللہم علیم و رستہ اللہ و بکانتہ -
 عباد را خط میو پیا اور تہ بون کے امتحان اور غیر کا حال معلوم کر لکھتے
 خوشی ہوئی - خدا کرے باقیہ زندہ تہ بون میں ہیں ایسے ہی اچھے بزرگ ہیں
 ایسے بہت حدیث ہے کہ تم نے تہ بون کے پڑھنے اور یاد کرنے میں اچھی محنت
 کی ہے - اسی کی بہت ضرورت ہے - خوب محنت کے ساتھ تہ بون کو پڑھو
 اور صلہ کا میاں کے ساتھ تمام علوم اور فنون کے فراغت حاصل کر لو
 علم ہی کے ان ن شرافت حاصل کرتا ہے - یہ سب تمہاری محنت اور
 کھیلے ذریعہ ہوگا - خیانتی رہی تمہاری تو جو اور غنا سے تمہاری لے کر
 اور کھا حکم برابر مانا کرو - وہ تم پر بہت شفیق ہیں - اللہ تعالیٰ اور کو دونوں
 بیان میں فائز الزام فرمائے آئیں - اور اپنی آپا کو ہمیشہ خوش رکھو - اور فائدہ
 اور تمہاری کامیابیوں سے - میں نے اس کے لیے خط بھیجا ہے - تم کو بلا ہوگا - تم کو میری
 گرفتاری کا کچھ بھی خیال نہ ہونا چاہیے - اللہ کو فطرت سے تو میں جلد آزاد تھا -
 سب لوگوں سے خصوصاً نبی آیا - شہزادوں اپنی دونوں بیویوں کو فطرت سے
 سوزوں کے ساتھ کہہ دو - نیز شہزادوں کو فطرت سے فطرتی رہتوں ہی کو
 جتنے کو شہزادوں سے - اور اور اس حال میں سب کے ساتھ سنوں کہہ دو - وہ سب

تمام دستاویزوں کا ادب کی پروا نہ کرنا
 میں نے بھی نہ سائے کوئی کتاب نہ کر دو -
 یہ خط میرے حبیب ہیں - میں نے سب کتابوں کو اور اس میں جب تک ان پر لکھتے رہے ہوں
 کہ تہ کی نصیحت لکھ کر لکھتے - میں نے پہلے خط میں ہی ضروری نصیحتیں لکھی تھیں اور اب یہ
 لکھ رہا ہوں - خدا سے کہہ کر خط لکھ کر اس کا حکم کرو اور اس خط میں نے اپنے
 اور تمہاری اظہار کرو - اپنی آپا اور تہاری جی کا حکم کرو کہ نہیں ضرورت کرو - اور تہ کو
 دیکھو کہ میں کا ادب کرو - بیچلے نہ تہا ز اور حاجت کا خیال رکھو کہ تہ کی تہ نصیحتوں
 صبح کے وقت کی نماز کا سنت زیادہ پڑھ کر - سب اچھے افسانوں سے تمہیں آواز
 اور جو وضع کرو اور دلہا کے ساتھ بہت جاؤ - تمہارا خط ابھی تھا نہیں پورا ہے
 کہنے کی مشق زیادہ کرو - تہ بون کے پڑھنے میں پورا دھیان رکھو اور محنت کرو کہ یہ
 اور ایشہ فریو سید شہید صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے ہے - یہاں کو فطرت سے
 صاحب عزیز فضل الرحمن انکی والدہ ماجدہ اور سید لورین اور دیگر افراد کے ساتھ
 تمام عزیز ہیں - حضور ماہی فطرت اور ماہی کو شہزادوں سے بہت باہمیوں پرست اور باہمی
 بہت والذریعہ کے ہیں انکا ادب اور طہارہ کر دو - صرف تاکہ واداروں کا گونا گونا گونا
 نیز ذرا زور اور سنو - اور کی شہزادوں کا خط اور خط فطرت سے لگا دو وہاں
 بھلا نہ نامہ رسوخ کی اولاد اور نصیحت تہری شہزادوں میں ان کے نبی اور انرا تمام کا علم
 رکھو - وہ سب

عزیزم اسعد علمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

تمہارا خط پہنچا اور کتابوں کے امتحان اور نمبر کا حال معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی۔ خدا کرے باقی ماندہ کتابوں میں بھی ایسے ہی بلکہ اس سے اچھے نمبر آئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے کتابوں کے پڑھنے اور یاد کرنے میں اچھی محنت کی ہے۔ اسی کی بہت ضرورت ہے، خوب محنت کے ساتھ کتابوں کو پڑھو اور جلد کامیابی کے ساتھ تمام علوم اور فنون سے فراغت حاصل کر لو۔ علم ہی سے انسان شرافت حاصل کرتا ہے۔ یہ سب تمہاری محنت کا اثر اور سعادت مندی کے لئے ذریعہ ہوگا۔ جناب قاری صاحب کی توجہ اور عنایت تمہارے لئے اکسیر ہے۔ اُن کا حکم برابر مانا کرو۔ وہ تم پر بہت شفیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو دونوں جہاں میں فائز المرام فرمائے۔ (آمین) اور اپنی آپا کو ہمیشہ خوش رکھو اور اُن کا کہنا مانو اور کسی قسم کا فکر نہ کرو، میں نے اس سے پہلے خط بھیجا ہے تم کو ملا ہوگا۔ تم کو میری گرفتاری کا کچھ بھی خیال نہ ہونا چاہئے۔ اللہ کو منظور ہے تو میں جلد آؤں گا۔ سب لوگوں سے خصوصاً اپنی آپا، شہراتن، اپنی دونوں پھوپھیوں اور گھر میں آنے والی عورتوں سے سلام کہ دو۔ نیز شبیر، نصیر، محمد امین، محمد مختار، متولی، جی، صوفی، جی، منشی محمد شفیع صاحب اور دوسرے پرسان حال اصحاب سے سلام مسنون کہ دو۔ والسلام

تمام استادوں کا ادب کیا کرو، کسی کی شان میں نہ پیچھے نہ سامنے کوئی گستاخی کرو۔

تنگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۰ رجب ۱۳۶۱ھ

یہ خط میرے جیب میں تھا، میں نے پہلے لکھا تھا مگر مولوی یسین صاحب نکالنا بھول گئے، تم نے مجھ سے کہا تھا کہ نصیحت مجھ کو لکھنا۔ میں نے پہلے خط میں بھی ضروری نصیحتیں لکھی تھیں اور اب بھی لکھ رہا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ مطمئن الحیا طر رہو، کسی قسم کا فکر اور اضطراب دل میں نہ آنے دو اور نہ کسی سے اظہار کرو۔ اپنی آپا اور قاری صاحب کا حکم مانو، کبھی خلاف نہ کرو، استادوں اور دیگر مدرسین کا ادب کرو، بھنگانہ نماز اور جماعت کا خیال رکھو، کسی وقت کی نماز قضا نہ ہو، صبح کے وقت کی نماز کا بہت زیادہ انتظام کرو، سب سے اچھے اخلاق سے پیش آؤ، شریر اور بد وضع لڑکوں اور طلباء کے پاس مت جاؤ۔ تمہارا خط ابھی صاف نہیں ہوا ہے اس لئے لکھنے کی مشق زیادہ کرو۔

کتابوں کے پڑھنے میں پورا دھیان لگاؤ اور محنت کرو۔ ریحانہ اور ارشد، فرید، سعید رشید، صفیہ، رضیہ سب سے محبت سے پیش آؤ۔ بھائی محمد ظہیر صاحب، بھائی محمد شبیر صاحب، عزیزم فضل الرحمن، اُن کی والدہ ماجدہ، مولوی حمید الدین اور دوسرے اعزہ سب کے سب ہمارے تمہارے عزیز ہیں۔ خصوصاً بھائی ظہیر صاحب اور بھائی محمد شبیر صاحب ہم

سب بھائیوں سے بڑے اور بجائے ہمارے والد مرحوم کے ہیں، ان کا ادب اور لحاظ کرو، یہ سب ہمارے دادا مرحوم کا گھرانہ ہے۔ نیز ڈاکٹر زوار حسین صاحب، اُن کی ہمشیرہ صاحبہ فاضلہ لوبو اور منشی خلیل صاحب گارڈ صاحب یہ سب بھی ہمارے نانا مرحوم کی اولاد اور نہایت قریبی رشتہ دار ہیں، ان سے بھی ادب اور احترام کا معاملہ رکھو۔ والسلام

تنگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۰ رجب ۱۳۶۱ھ



باب : ۱

نقوشِ زندگی، خاندانی حالات،
تحصیل و تکمیلِ علم، اور سیرت و
سوانح کے مختلف روشن پہلو

حیاتِ طیبہ پر ایک نظر

پیدائش: ۳/۲۷/۱۳۲۶ھ مطابق ۲۷ اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ بمقام دیوبند (اسی سال آپ کے والد ماجد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ دارالعلوم کی صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ پھر ایوں ضلع مراد آباد کے حکیم سید غلام علی صاحب کی چھوٹی صاحبزادی تھیں، جن سے حضرت شیخ الاسلام نے مالٹا سے واپسی کے بعد نکاح فرمایا تھا)

والدہ کا وصال: ابھی آپ کی عمر ۹ سال تھی کہ ۱۳۵۵ھ میں آپ کی والدہ محترمہ کا وصال ہو گیا۔

ابتدائی تعلیم: حضرت شیخ الاسلام کے خادم خاص اور خانوادہ مدنی کے مربی حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب سے آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم اور فراغت: اس کے بعد دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، بعد ازاں چند سال مدینہ منورہ میں قیام رہا۔

تدریسی خدمات: ۲۸/شوال ۱۳۷۰ھ کو آپ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا اور ۱۳۸۲ھ تک ۱۲ سال آپ نے درس نظامی کی ابتدائی اور متوسط کتابوں کا درس دیا۔

قیادت کے افق پر: ابتدا میں آپ جمعیت علماء شہر دیوبند کے نائب صدر بنائے گئے، ۱۹۶۰ء میں آپ اتر پردیش جمعیت کے صدر بنے، ۱۹۶۳ء میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب صدر جمعیت علماء ہند نے آپ کو جمعیت علماء ہند کا ناظم عمومی نامزد کیا، اور اگست ۱۹۷۳ء میں آپ کو جمعیت علماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا، جس پر آپ آخر تک جلوہ افروز رہے اور اس منصب پر رہتے ہوئے قوم و ملت کے لئے بے مثال خدمات انجام دیں۔

پارلیمنٹ کی رکنیت: آپ تین مرتبہ پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا راجیہ سبھا کے رکن رہے، پہلی مرتبہ: ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۳ء تک، دوسری مرتبہ: ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۶ء تک اور تیسری مرتبہ: ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۳ء تک۔

منصب رشد و ہدایت پر: آپ حضرت شیخ الاسلام کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے تھے۔ حضرت کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے حکم سے آپ کو خلافت دی، نیز حضرت شیخ الاسلام کے سبھی خلفاء نے مل کر آپ کو اجازت بیعت سے نوازا اور

حضرت کے متوسلین کو آپ کی طرف رجوع ہونے کی تلقین کی، چنانچہ تادم واپس آپ نے مدنی خانقاہ کو آباد اور شاداب رکھا، اور بلا تانہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا تسلسل قائم رکھا، اور ڈھائی سو سے زیادہ افراد کو آپ نے بیعت کی اجازت دی۔ آپ کا روحانی فیض چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے۔

حج و زیارت: آپ کو حرمین شریفین کی حاضری اور حج و زیارت سے خصوصی انس تھا، سالوں سے بلا تانہ ہر سال حج کا معمول تھا۔ احقر کے اندازہ کے مطابق آپ نے ۴۰ سے زیادہ حج کئے ہوں گے۔ اور درمیان سال میں بھی عمرے کے لئے کئی کئی سفر ہو جایا کرتے تھے۔

مجلس خدمات کے اہم عنوانات: تحفظ مدارس و مساجد، تحفظ اوقاف، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، مسلمانوں کے لئے ریزرویشن اور فسادات میں معقول معاوضہ کی تحریک، ملک و ملت بچاؤ تحریک، فرقہ واریت مخالف کنونشن، سیاہ بل کے خلاف تحریک، ادارۃ الباحث الفقہیہ، فقہ قادیانیت کی بیخ کنی، تردید عیسائیت، تردید مودودیت، تردید منکرین حدیث، ملت مسلم اتحاد، سیکولر سیاسی پارٹی کے قیام کی کوشش وغیرہ اور دارالعلوم دیوبند کی نشاۃ ثانیہ۔

وفات: ۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶ فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر بوقت شام پونے چھ بجے بمقام اپولو ہسپتال دہلی۔
نہماز جنازہ: ۸ محرم الحرام مطابق ۷ فروری صبح ۲۵-۷ منٹ پر دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

تدفین: حزار قادی دیوبند میں (حضرت شیخ الاسلام کے دائیں جانب) دفن کیا گیا، ہزاروں ہزار افراد نے نماز آنکھوں سے اپنے ہر دل عزیز قائد کو الوداع کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ۰۰۰

ارباب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال از ! مولانا عبدالقیوم حقانی

دورنگہ ٹائٹل اپنے موضوع پر اردو زبان میں سب سے پہلی منفرد اور لاجواب کتاب، ماہنامہ الحق اور پاکستان کے دینی جرائد کے علاوہ مرکز علم دارالعلوم دیوبند کے ماہنامہ ”دارالعلوم“ میں بھی بالا قسط شائع ہوتی رہی۔ موچیوں، کسانوں، چرواہوں، صنعتکاروں، کاریگروں، تاجروں، درزیوں، دھوبیوں، قصابوں، روغن سازوں، حلوائیوں، ہیٹل گروں، ریشم سازوں، لوہاروں، بڑھیوں، لکڑہاروں اور مزدوروں کے طبقہ اور پیشوں سے تعلق رکھنے والے علماء، فضلاء، مفسرین، مشائخ اور ائمہ اسلام کا تذکرہ و تعارف، مضبوط جلد بندی، لیمینیشن ٹائٹل، عمدہ طباعت، بہترین کاغذ۔

صفحات : 232 قیمت : 90 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

83958

حضرت امیر الہند کا سوانحی خاکہ

- نام: مولانا سید اسعد مدنی ابن مولانا سید حسین احمد مدنی
- ولادت: ۶ ربی قعدہ ۱۳۴۶ھ / ۲۷ اپریل ۱۹۲۸ء بہ روز جمعہ المبارک
- بہ مقام: پتھراؤں ضلع سہارن پور
- اساتذہ کرام: والد محترم مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی امر و ہوی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا قاری اصغر علی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا عبدالحق اکوڑوی۔
- دورہ حدیث سے فراغت: دارالعلوم دیوبند۔ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ / جولائی ۱۹۴۶ء
- تعلق بیعت و ارادت: والد محترم مولانا سید حسین احمد مدنی سے رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ / اگست ۱۹۴۶ء
- میں مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے مشورے سے قائم کیا۔
- فراغت کے بعد: مدینہ منورہ میں دو ڈھائی سال مقیم رہے۔
- نکاح اول: مولانا سید احمد مہاجر مدنی کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ مرحومہ کا مدینہ منورہ میں ہی انتقال ہوا۔ اس کے بعد دوسرا نکاح مولانا حمید الدین کی صاحبزادی سے ہوا۔
- تدریس: دارالعلوم دیوبند۔ شوال المکرم ۱۳۷۰ھ / جولائی ۱۹۵۱ء تا ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء = بارہ سال۔
- خلافت: ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو والد محترم مولانا سید حسین احمد مدنی کا انتقال ہوا۔ مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے حکم پر خلفائے حضرت شیخ الاسلام نے خلافت دی اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے بھی خلافت عطا فرمائی۔ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے بھی خلافت حاصل ہے۔
- جمعیت علمائے ہند: صفر المظفر ۱۳۸۳ھ / جولائی ۱۹۶۳ء میں جمعیت کے ناظم عمومی مقرر ہوئے۔ شعبان

المعظم ۱۳۹۲ھ / ستمبر ۱۹۷۱ء میں صدر اور امیر منتخب ہوئے۔ ۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ / یکم دسمبر ۱۹۸۶ء میں نائب امیر الہند مقرر کیا گیا۔ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی، جو امیر الہند کے منصب پر تھے، کے انتقال کے بعد ۶ رذوالحجہ ۱۴۱۲ھ / ۷ جون ۱۹۹۲ء کو امیر الہند کے منصب پر آپ کا تقرر ہوا۔

ممبر پارلیمنٹ: مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے انتقال کے بعد مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے ۱۹۶۳ء میں پہلی مرتبہ ممبر منتخب ہوئے۔ اس کے بعد کئی مرتبہ مقرر ہوئے۔

تصانیف: تصنیف و تالیف کا کام اپنی مصروفیات کے باعث انجام نہ دے سکے، لیکن پھر بھی چند تاریخی تحریرات یہ ہیں:

- ۱۔ خود ساختہ داستان - حقائق کے آئینے میں!
- ۲۔ بابرہ مسجد - تاریخ حقائق کی روشنی میں!
- ۳۔ صدائے حق (پارلیمنٹ کی تقاریر کا مجموعہ)
- ۴۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی سے مراسلت
- ۵۔ خطبات امیر الہند (زیر ترتیب)

وفات:

۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ / ۶ فروری ۲۰۰۶ء

عمر:

۸۰ سال ۲ ماہ ایک دن / ۷۷ سال ۶ ماہ ۷ دن

اولاد:

مولانا احمد مدنی فاضل و مہتمم مدرسہ علوم شرعیہ - مدینہ منورہ

مولانا سید محمود احمد مدنی فاضل دیوبند، ناظم جمعیت علمائے ہند

مولانا سید مسعود احمد مدنی فاضل دیوبند

مولانا سید محمد مدنی فاضل دیوبند

مولانا سید مودود مدنی فاضل دیوبند

دو صاحب زادیاں ہیں۔ ایک مولانا انوار الرحمن ابن مولانا مرغوب الرحمن بجنوری

کے نکاح میں ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حیات و خدمات پر ایک نظر

۶ فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ محرم ۱۴۲۷ھ کو شام پونے چھ بجے، دہلی کے اپولو ہسپتال میں جمعیت علماء کے صدر امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی - رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ - کی زندگی کا افتاب غروب ہو گیا، یہ دن ملی، قومی و دینی حوالے سے ایک عظیم سانحہ کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ یہ حادثہ ایک فرد کا نہیں، ایک امت کا ہے، رونا ایک خاندان کا نہیں، پوری ملت کا ہے، لیکن موت ایسی اٹل حقیقت ہے، جس سے کسی کو مفر نہیں، ہر موجود کو فنا کے گھاٹ اترنا ہے، کل نفس ذائقۃ الموت سے ہر ایک کا سابقہ اتنا ہی یقینی ہے، جتنا ہر موجود کو ہر آنے والی سانس پر زندگی کا احساس۔

موت سے کس کو رستگاری ہے

آج وہ کل ہماری باری ہے

امیر الہند، فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی - نور اللہ مرقدہ - کی شخصیت اس دور میں جہد مسلسل اور حق کی حمایت کے لئے شبانہ روز محنت اور جدوجہد کا عنوان تھی۔ آپ کی ۸۰ سالہ زندگی کے بیشتر لمحے قوم و ملت کے لئے وقف رہے، آپ کی مخلصانہ اور دوراندیشانہ رہنمائی سے ملت اسلامیہ برابر مستفیض ہوتی رہی۔

مولانا مرحوم اپنے عظیم والد کے نقش قدم پر چلتے رہے، جب کبھی دین و ملت کے خلاف کوئی نازیبا بات سامنے آتی، وہ سینہ سپر ہو جاتے اور آواز اٹھاتے، تاریخ میں ایسی شخصیات کم گزری ہیں، جنہوں نے سیاست کے ساتھ اصلاح باطن کو بھی جمع کیا، اور عوامی و سماجی زندگی میں رہتے ہوئے بھی علمی اشغال اور تزکیہ نفس کی طرف توجہ کی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے پوری ایمانی جرأت و جمعیت کے ساتھ انگریزوں سے مقابلہ کیا تھا، اور

متعدد بار جیل بھی گئے، وہ ایک ربانی بزرگ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور ہندوستان کی جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے، دوسری طرف تربیت و تزکیہ نفس اور دعوت و اصلاح کا کام بھی کرتے تھے، ان سب خصوصیات کو ان کے فرزند اکبر مولانا سید اسعد مدنی نے اپنے اندر جمع کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ تعلیم و تدریس سے بھی وابستہ رہے، انھوں نے دعوت و اصلاح کے کام کے ساتھ سیاست کے میدان کو بھی اختیار کیا، جس کی انھوں نے ملت کے فلاح و بہبود کے لئے ضرورت سمجھی۔ ملی خدمت کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے، جہاں آپ کی جدوجہد کے روشن نقوش موجود نہ ہوں، آپ نے جمعیتہ علماء ہند کی قیادت ایسے وقت سنبھالی، جب کہ جماعت کے صفِ اوّل کے قائدین دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اور ملک کے طول و عرض میں ہولناک فسادات نے ملک کو دہشت زدہ کر دیا تھا، آپ ملک میں امن و امان کے قیام اور قومی یکجہتی قائم رکھنے اور سیکولر اقدار و روایات کی حفاظت کے لئے آخری دم تک محنت کرتے رہے، اسی دوران آپ نے جمعیتہ علماء کو ایک ہمہ گیر، بلکہ عالم گیر تنظیم کی شکل میں تبدیل کر دیا۔

جمعیتہ علماء ہند کے مختلف اجلاس عام کے خطباتِ صدارت اور دیگر کانفرنسوں کی صدارتی و افتتاحی کلمات مولانا مرحوم کی بیدار مغزئی، ژرف نگاہی اور بصیرت افروزی کے عمدہ نمونے ہیں، ان کی قیادت میں جمعیتہ علماء مسلمانوں کی موثر ترجمان اور تعمیر ملت کی داعی تنظیم کی حیثیت سے ابھری، فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی باز آباد کاری میں تاریخی و مثالی رول ادا کیا ہے، انسانی حقوق کی پاسداری، اور کمزور طبقوں کی تعلیمی و اقتصادی ترقی کے لئے ان کے کام سے جمعیتہ کو بڑا وقار اور احترام ملا، ان کے عہدِ نظامت و صدارت میں ملک و ملت کا شاید کوئی مسئلہ ہو، جو جمعیتہ علماء ہند کا مرکز توجہ نہ بنا ہو، وقت کے تمام مسائل اس کے احاطہٴ جدوجہد میں رہے ہیں، سیکڑوں دینی، سماجی، فلاحی اداروں کی سرپرستی و رکیت کا انھیں شرف حاصل رہا ہے، کانگریس ورکنگ کمیٹی، راجیہ سبھا کی ضوابط کمیٹی، سرکاری یقین دہانی کمیٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ، رابطہ عالم اسلامی مکہ المکرمہ، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ، مؤتمر اسلامی تونس، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد، مرکزی وقف کونسل، اردو کونسل، ہمدرد ٹرسٹ، مرکزی حج کمیٹی کے رکن ہونے کے علاوہ مسلم پرسنل لا بورڈ، اور آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے بانی ارکان میں سے تھے۔ مولانا مدنی کی شخصیت مختلف شعبہ ہائے زندگی کو محیط اور ملک و بیرون ملک میں رہنے والے مسلمانوں کی دینی، ملی رہنمائی، دعوت و تبلیغ، روحانی تربیت سب ان کا محور تھیں۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظر اور اپنے اثر کو، مسلمانوں کے مسائل

کو جمعیت علماء ہند کی وساطت سے قومی اسٹیج تک لے جانے کی کوشش کی، جمعیت علماء ہند کی نمائندہ حیثیت منوانے کے لئے مسلمانوں کے مسائل کو مسلم محلوں کی گلیوں تک محدود نہیں رکھا، اسی احساس کے تحت جمعیت علماء ہند کے مرکزی دفتر کو گلی قاسم جان سے وہ آئی بی او کے قریب مسجد عبدالنبی میں لے گئے، یہ شہر کا مرکزی مقام ہے۔ وہ مسلمانوں کے مسائل کو مسلمانوں کی نظر سے دیکھنے اور دکھانے کے قائل نہیں تھے۔ یہی خصوصیت ان کی قیادت میں جمعیت علماء ہند کو مسلمانوں کی دیگر تنظیموں سے ممتاز کرتی ہے۔ مولانا کا یہ کارنامہ معمولی نہیں کہ انہوں نے جمعیت کا دفتر ایسی جگہ پر بنادیا، جس پر ساری دنیا کی نظر پڑتی ہے۔

مولانا کے دور قیادت میں، مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں جو جلسے اور اجلاس ہوئے، وہ سپر ہاؤس میں ہوئے، فکلی آڈیٹوریم میں ہوئے، رام لیلا گراؤنڈ میں ہوئے، ان جلسوں میں ہر سیاسی پارٹی کے نمائندوں کو مدعو کیا گیا، اس طرح مسلمانوں کے بارے میں ایک قومی رائے پیدا کرنے کی کوشش کی، انہوں نے اپنے کام کو جلسے جلوس تک محدود نہیں رکھا، جب ضرورت سمجھی، عوامی پرامن احتجاجی تحریک شروع کرنے میں تکلف نہیں کیا، اس سلسلے میں ”ملک و ملت بچاؤ“ کے دو دور قابل ذکر ہیں، ان تحریکوں کو ملک کے ہر حصے سے حمایت ملی، ان تحریکوں کی بدولت ہر سیاسی پارٹی مسلمانوں کے مسائل پر غور کرنے اور ان کے حل کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگی ہے۔ ترقی پسند اتحاد حکومت نے اپنے کم سے کم پروگرام میں اس کو جگہ دی ہے۔ تازہ ترین وزارت سازی میں اقلیتی امور کی وزارت کا قیام اس جہت میں ایک اہم پیش رفت ہے۔ اس کے علاوہ اس دستخطی مہم کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، جو مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے پارلیمنٹ، اسمبلیوں، سرکاری حکموں اور تعلیمی اداروں میں ریزرویشن دلانے کے لئے چلائی گئی تھی، آزادی کے بعد اردو کے حق میں چلائی گئی وسیع دستخطی مہم کے بعد یہ دوسری بڑی مہم تھی، ان مطالبات کے حق میں میمورنڈم ایکس لاکھ افراد کے دستخطوں سے صدر جمہوریہ کو پیش کیا گیا۔ حضرت مولانا کے دور میں جن اہم کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا، ان میں سے چند کے نام اور عنوان ملاحظہ فرمائیں: جیسے دینی تعلیمی کنونشن، جمہوری کنونشن ۱۹۶۳ء، اوقاف کانفرنس ۱۹۷۹ء، تعلیمی و ملی کانفرنس ۱۹۸۴ء، فرقہ واریت مخالف کانفرنس ۱۹۹۱ء، قومی اتحاد کانفرنس ۱۹۹۲ء، تحفظ شہریت کانفرنس ۱۹۹۳ء، تحفظ شہریت کانفرنس ۱۹۹۳ء، قومی کانفرنس ۱۹۹۳ء، یکساں سول کوڈ مخالف کانفرنس ۱۹۹۵ء، ان کے علاوہ جمعیت علماء ہند کے اجلاس عام کا ہر خطبہ صدارت ملک و ملت کے مسائل پر جامع تبصرہ اور مفصل تجزیہ ہوا کرتا تھا۔ ان کے دور صدارت میں اجلاس عام کو خاص اہمیت دی گئی، اس کو ملی مسائل کو قومی منظر پر ابھارنے کا وسیلہ بنایا

گیا، یہ عنوانات ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مسائل پر ان کی گرفت کتنی مضبوط تھی، اس کے علاوہ فرقہ وارانہ فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی دادرسی و بحالی کے لئے ان کی قیادت میں جو کام ہوا، وہ پوری کتاب کا مستحق ہے۔

گجرات کے مسئلے پر جمعیت نے مسلمانوں کے ساتھ ہوئے ظلم کو سختی سے ملک کے لیڈروں کے سامنے اٹھایا، اور بڑے پیمانے پر گجرات میں متاثرین کی باز آباد کاری کا کام کیا، پچھلے چند سالوں میں جب سے امریکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک طرح سے نفرت آمیز دشمنی کا مورچہ کھولا ہے، اور پوری دنیا میں مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے میں لگا ہوا ہے، مولانا علیہ الرحمہ نے علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود جگہ جگہ جلسے اور کنونشن کر کے غیر مسلم عوام اور حکومت کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں، اور یہ مسئلہ مولانا نے مختلف ممالک میں اٹھا کر مسلمانوں کی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش فرمائی۔

مدارس اسلامیہ کی اہمیت و مرکزیت اور افادیت کے پیش نظر، تحریک مدارس کے سرخیل، مفکر ملت مولانا سید اسعد مدنی نے دارالعلوم دیوبند اور جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے مدارس کی ترقی و استحکام میں قابل قدر اور لائق رشک خدمات انجام دی ہیں، مدارس کے ذریعہ ملک و ملت کی خدمت کا یہ جذبہ ان کا موروثی تھا، جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی - نور اللہ مرقدہ - سے انہیں ملا تھا۔ دارالعلوم اور جمعیت علماء کے بنیادی اغراض و مقاصد میں علوم عربیہ و اسلامیہ کی اشاعت و ترویج اور مختلف مقامات پر مدارس عربیہ کا قیام شامل تھا، اس غرض کو رو بہ عمل لانے کے لئے، اکابر کے نقش قدم پر، مولانا اسعد مدنی علیہ الرحمہ نے بھی مکاتب و مدارس اسلامیہ کے قیام کے سلسلے میں بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ جمعیت علماء ہند نے دینی تعلیم کے فروغ کے لئے ایک مستقل بورڈ قائم کر رکھا تھا، مولانا مرحوم نے اس کو ترقی اور فعالیت کی راہ پر گامزن رکھا، اور اس کے لئے درج ذیل نظام تجویز فرمایا:

(۱) دینی تعلیم کو ہر گھر، ہر مکتب اور ہر اسکول، کالج تک عام کرنے کے لئے جدوجہد اور ہر مسجد کو دینی تعلیم کا سینٹر بنانا۔

(۲) دینی مکاتب و مدارس کے لئے تربیت یافتہ اساتذہ فراہم کرنا، اور اساتذہ کی تدریسی تربیت کے لئے سینٹر قائم کرنا۔

(۳) پسماندہ علاقوں میں دینی مکاتب قائم کرنا، دینی تعلیمی اداروں میں باہمی تعاون و اشتراک کی فضا قائم کرنا۔

(۴) دینی تعلیم کی ترویج و اشاعت کے لئے عام مسلمانوں میں دینی اجتماعات منعقد کرنا، اور مشاہیر علماء کرام اور ماہرین تعلیم کا ایک بورڈ قائم کرنا، جو ملک کا دورہ کرے اور مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کے مطابق ان کی رہنمائی کرے۔

حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمہ کے طویل دور نظامت و صدارت میں مذکورہ امور کی انجام دہی جاری رہی، اور ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی جمعیت علماء ہند کی اکائیوں کو ہدایت دی گئی کہ مجوزہ نظام عمل اور رہنما اصولوں کی روشنی میں دینی تعلیم کا نظم قائم کیا جائے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے چپے چپے میں دینی مکاتب اور اسلامی مدارس کا جال بچھ گیا۔ مولانا مرحوم مدارس کے مسائل بڑی توجہ سے سنتے اور ان کو حل کرنے کے لئے ہر ممکن تعاون فرماتے، اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود دور دراز اور پسماندہ علاقوں کے مدارس کے تعلیمی و اصلاحی پروگراموں میں شرکت فرماتے، جمعیت کے اجتماعات میں ذمہ داران مدارس کو مدعو کرتے، ملک و ملت کے حوالے سے اپنی امیدوں اور اندیشوں سے فرزندانِ توحید کو آگاہ فرماتے، درپیش خطرات سے بچنے کی موثر تدابیر پیش کرتے، حالات کی نامساعدت کے باوجود مدارس کی تعمیر و ترقی کا جامع پروگرام آپ نے جاری رکھا۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا

وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے تھے انداز خسروانہ

فرقہ پرست عناصر نے جب امن و امان اور شرافت و انسانیت کے گہواروں یعنی مدارس کو بدنام کرنا شروع کیا، مدارس کو ملک دشمن سرگرمیوں کا مرکز اور دہشت گردی کی آماج گاہ تک کہا جانے لگا تو حضرت مولانا نے پوری پامردی کے ساتھ ان کو لٹکارا اور ان کی بھرپور مذمت کی، مدارس اسلامیہ کو داخلی اور خارجی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے مولانا مرحوم نے مدارس کے باہمی ربط و اتحاد کے فروغ پر زور دیا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا کی تحریک پر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے فیصلے کے مطابق، دارالعلوم دیوبند میں اکتوبر ۱۹۹۳ء میں پورے ملک کے مدارس عربیہ اسلامیہ کے نمائندوں کا ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں اتفاق رائے سے مدارس کی تنظیم "رابطہ مدارس اسلامیہ" کا قیام عمل میں آیا۔ اس رابطہ کے بڑے نتائج مرتب ہوئے، مدارس اسلامیہ کے حوالے سے مولانا مرحوم کی خدمات کا تذکرہ ادھورا رہے گا، اگر دارالعلوم دیوبند کا ذکر نہ کیا جائے۔ کون نہیں جانتا کہ بحرانی دور سے دارالعلوم کو نکالنے اور تعمیر و ترقی کی وسیع شاہراہ پر گامزن رکھنے میں ان کی مساعی جلیلہ کا بڑا دخل ہے، تعلیمی اور تعمیری ہر لحاظ سے پچھلے چند سالوں میں دارالعلوم نے حیرت انگیز ترقی کی ہے، نظم و ضبط بہتر ہوا ہے، معیار تعلیم و تربیت بلند ہو رہا ہے،

پرانی عمارتوں کی مرمت اور جدید عمارتوں کی تعمیر بڑے پیمانے پر جاری ہے، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے درودیوار اپنے اس عظیم معمار کے انتقال پر ماتم کناں اور سوگوار ہیں۔

ویران ہے میکدہ، خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمہ کو محبوبیت و فدائیت کا مقام حاصل تھا۔ تاحیات منصبِ رشد و ہدایت پر فائز رہے، اگرچہ انھیں اصلاً خصوصی خلافت و اجازت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی، تاہم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے تمام خلفاء و خدام نے متفق ہو کر اجازت سے نوازا تھا۔ اس اعتبار سے آپ کا حلقہ بہت وسیع ہے، اس سلسلے میں آپ کے اتنے دعوتی و تبلیغی اسفار، ملک و بیرون ممالک ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے سیاح بھی ان سے پیچھے رہ جائیں گے۔ عبادت اور ذکر و فکر کا انہماک و معمول مثالی تھا۔ مدھیہ پرودیش کے مفتی مولانا عبدالرزاق اور دوسرے بہت سے حضرات یہ کہتے تھے کہ ہمیں مولانا اسعد مدنی کی نماز نے گرویدہ بنایا ہے، سیاسی حلقوں میں بھی انھیں احترام حاصل تھا، تمام سیاسی پارٹیوں کے ذمہ دار لحاظ کرتے تھے، اور ان کی شخصیت کا وزن محسوس کرتے تھے، حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے ہم سے جدا ہو جانے سے ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، جس کا پورے ملک و ملت کو شدت سے احساس ہے، مولانا کی زندگی ہمارے لئے سراپا جدوجہد اور قوم و ملت کے لئے بے مثال قربانی پیش کرنے کی ترغیب اور تحریک و عمل کا پیغام ہے۔ مولانا نے دین و سیاست، اصلاح و تربیت اور ملی جدوجہد کے پنبہ و آتش کو جس طرح نباہ کر دکھایا، وہ غیر معمولی اور ناقابل فراموش ہے، بقول شاعر۔

بر کلفے جام شریعت، بر کلفے سندانِ عشق

ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باخترن

مولانا ملکہ، و ملت کی گراں بار ذمہ داریوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھاتے اٹھاتے تھک چکے تھے، اس لئے ان کے پروردگار نے انھیں ابدی آرام کے لئے اپنے پاس بلا لیا۔ خدا اس مردِ جلیل کی مغفرت فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

بہرہ نورتہ اس گھر کی نگہبانی کرے



حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری

خاندانی نجابت، تعلیم و تربیت، درس و تدریس اور قومی و ملی اور سیاسی خدمات

مؤرخہ ۷/محرم الحرام ۱۳۲۷ھ مطابق ۶/فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر جمعیتہ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا سید اسعد مدنی "اپنے رب حقیقی سے جا ملے (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپ کی نماز جنازہ دیوبند میں حضرت مولانا طلحہ صاحب کی امامت میں ادا کی گئی۔ بعض حضرات کی اطلاع کے مطابق چار لاکھ لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ اپنے والد گرامی حضرت شیخ الاسلام کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کے دادا حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کے خلیفہ مجاز تھے۔ بڑے ذاکر، شاعر، پاکباز و باخدا انسان تھے۔ مستجاب الدعایے کہ جس نے ستایا اور ان کے لئے بددعا نکلی تو وہ پھنسنے نہیں پایا۔ کشف ان کا بہت قوی تھا، ویسے حضرت کے اسلاف سب کے سب اولیاء اللہ تھے۔ حضرت اقدس مدنی "ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

"ہمارے خاندان اولیاء اللہ اور سچے فقراء باطن کا ہے، جہاں تک میں نے والد مرحوم سے سنا ہے دادا مرحوم یا ان سے پہلے لوگ اہل وطن اور اہل نسبت تھے، دنیا دار اور مال و متاع وزمین کے کتے نہ تھے"۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۲۹۸ ج ۴، مکتوب نمبر ۱۰۸)

۔ آپ تقویٰ و طہات، علم و عمل، سیاسی بصیرت، ملی و قومی خدمت میں اپنے والد گرامی کے صحیح جانشین اور

خلف الصدق تھے۔

آپ کی ولادت ۶/ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۷/اپریل بروز جمعہ دیوبند ہوئی۔ حضرت اقدس مدنی نے اپنے اسفار اور کثرت مشاغل کی وجہ سے آپ کی تربیت حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب (معتد خصوصی

حضرت شیخ الاسلامؒ کے سپرد کی تھی۔ قاری صاحبؒ نے اس طرح تربیت فرمائی کہ بلا ضرورت گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی، ضروریات کی ہر چیز اور تفریحات کا ہر سامان گھر میں مہیا کیا جاتا تھا۔ باہر سے آئے ہوئے مہمانوں اور حضرتؒ کے مریدین سے بلا ضرورت ملاقات و گفتگو تک کی اجازت نہ تھی کہ مبادا ان حضرات کی عقیدت و شیفتگی عجب و نحوہ یا دوسرے ذمائم کا سبب بن جائے۔

تربیت کا ایک واقعہ :

ان حالات میں ایک مرتبہ حضرتؒ کو ایک معتمد فرصت میسر آ گئی کہ قاری صاحب بیمار ہو کر اپنے وطن تشریف لے گئے اور حضرت والد صاحبؒ کے متعلق یہ علم تھا، وہ آج ۱۰ بجے صبح کی ٹرین سے سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں، چنانچہ آپ چند دوستوں کے ساتھ پک پک کے طرز کی ایک تفریح کے لئے شہر سے باہر چلے گئے اور صبح سے گئے تو شام ۳ بجے واپس آئے۔ کئی میل کا پیدل سفر تھا، تھک کر چور ہو گئے، مگر طبیعت مطمئن تھی اب کھانے اور کھینے کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں اور کوئی نگران بھی باز پرس کرنے والا نہیں، مگر جوں جوں آبادی کے قریب ہوئے یہ طلسم ٹوٹا گیا، جو شخص بھی ملتا حیرت سے دیکھتا اور کہتا حضرت (مدنی) نے تمام شہر میں تم لوگوں کی تلاش میں آدمی دوڑائے ہیں، القصد آپ پہنچے، حضرتؒ باہر مجلس عام میں تشریف فرما تھے، اندر تشریف لائے اور ضروبِ یضروب کی عملی گردان شروع فرمائی، چار طمانچے مارے اور فرمایا تو نے یہ سمجھ لیا کہ میں سفر پر رہتا ہوں تو، تو آزاد ہو گیا ہے، جس دن میں قبر میں چلا جاؤں اس دن سمجھنا تو آزاد ہے۔ اکثر اولاد کو ڈانٹتے ہوئے یہ فرماتے :

”گدھے! دوزخ کا کندہ بننا چاہتا ہے، کیا اسی لئے پیدا ہوا تھا؟“

(شیخ الاسلام نمبر ص ۲۳۳، رد و بدل کے ساتھ)

ابتدا سے انتہا تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد ۱۳۷۰ھ سے ۱۳۸۲ھ تک

دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس طرح مسلسل بارہ سال متوسط کتابوں کا درس دیا۔

اللہ تعالیٰ کو آپ سے سرزمین ہند پر مختلف النوع خدمات لینی تھیں تو درس و تدریس کا سلسلہ موقوف ہو گیا

اور ملی و قومی خدمات میں زندگی بھر مصروف رہے۔ آپ کی خدمت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

تدریسی ذمہ داری سے فراغت پر ابتداء میں جمعیتہ علماء اتر پردیش کے صدر منتخب کیے گئے، پھر ۱۹۶۳ء

میں جمعیتہ علماء ہند کے ناظم عمومی کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس دور میں آپ نے جس مجاہدہ و محنت سے قوم و ملت کی

خدمات کی ہیں، اس کی تفصیل بڑی طویل اور قابل رشک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے اپنی بے مثال

جدوجہد سے جماعت میں ایک نئی جان ڈال دی، اور ۱۹۷۲ء میں جمعیتہ علماء ہند کے بالاتفاق صدر منتخب کئے گئے اور

تاوفات اس عہدہ عظیم پر فائز رہے۔

جمیۃ علماء کی ترقی آپ کی توجہات اور انتھک محنت کی ربین منت ہے۔ ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۳ء تک مختلف مرحلوں میں مجموعی طور پر ۱۸ سال تک پارلیمنٹ کے ایوانِ اعلیٰ (راجیہ سبھا) کے ممبر بھی بنے۔

۱۹۶۲ء میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی کے سانحہ ارتحال سے مظلوموں خصوصاً مسلمانوں کے حقوق کے لئے اور فرقہ پرستی، ناانصافی کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے کے سلسلے میں جو خلا پیدا ہوا تھا، اسے حضرت نے بخوبی پر کیا۔ جرأت و ہمت، حق گوئی میں علماء دیوبند کے صحیح وارث تھے، کسی بھی مقام پر مدہانت کو گوارا نہ فرما کر بغیر کسی خوف و ملامت کے احقاقِ حق کا جو فریضہ انجام دیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ پارلیمنٹ میں کی گئی تقاریر کسی کی نظر سے گزری ہوں تو وہ محسوس کرے گا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس درجہ جرأت و ہمت عطا فرمائی تھی۔ بطور نمونہ چند اقتباسات ناظرین کی خدمت میں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اُڑیسہ بہار کے سیلاب زدگان کی مدد کے لئے آپ نے مرکزی سرکاری پرزور ڈالتے ہوئے فرمایا کہ :
 ”کسی پارٹی کی گورنمنٹ ہو، اس کا مطلب یہ نہیں کہ غریب لوگ مرتے جائیں اور راجہ بیٹھے رہیں منسٹر بنے ہوئے اپنی کرسیاں سنبھالے رہیں اور انسان کی جان کی کوئی قدر نہ ہو۔ ایسی کرپٹ گورنمنٹ ہے جو اپنی کرسی بچانے میں لگی ہوئی ہے اور اس سے آپ رپورٹ مانگتے ہیں، یہ پارٹی کا سوال نہیں، انسانیت کا سوال ہے۔“ (صدائے حق ص ۷۶، ۷۷)

ایک موقع پر فرقہ پرست عناصر نے الزام لگایا کہ مسلمان کئی کئی شادیاں کرتے ہیں اور اس کے لئے پارلیمنٹ میں نکاح بل پیش کیا گیا تو حضرت نے اس کی مخالفت میں سخت بیان دیا اور فرمایا :

”اگر گورنمنٹ مردم شماری کرے تو شاید مسلمانوں میں ہزار میں سے ایک دو فیملیاں بھی ایسی نہیں نکلیں گی جنہوں نے کئی کئی شادیاں کر رکھی ہوں، جس چیز کا عام وجود نہیں اس کے لئے یہ واویلا کیوں؟ اس سے کہیں زیادہ قتل، چوریاں، ریپ اور زنا اور طرح طرح کی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ عورتیں ہماری بہنیں ہیں، مائیں ہیں، بیٹیاں ہیں، صرف بیویاں نہیں، ہم کو عورتوں کی عزت و آبرو عزیز ہے۔ آج سینما اور فحش تصویروں سے طرح طرح کی خرابیاں بڑھ رہی ہے، صرف چند روپے کمانے کے لئے کہ سینما کمپنیاں لکھ پتی ہو جائیں اور گورنمنٹ کو زیادہ ٹیکس ملے تمام معاشرہ کو عیب دار بنایا جا رہا ہے۔ اس واقعہ کے خلاف، میں احتجاج کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس طرح کیوں بدنام کیا جاتا ہے؟ اس ہاؤس میں اس طرح کی باتیں کرنے کی کیوں

اجازت دی جاتی ہے؟۔ (صدائے حق ص ۱۰۰)

۳ مارچ ۲۰۰۳ء کو بڑی صفائی کے ساتھ فرمایا :

”یاد رکھئے ! ایک ظلم سے ہزار ظلم جنم لیتے ہیں اور معاملات خراب ہوتے ہیں۔ آج مسلمان انتہائی مصیبت اور پریشانی میں ہیں، ایسے وقت میں اس معاملہ کو نہ دیکھنا اور صحیح رخ اختیار نہ کرنا غداروں کا کام ہے، جھوٹ اور بے ایمانی ہے اور یہ ملک کے ساتھ کوئی وفاداری ہرگز نہیں ہے، وفاداری کا تقاضہ یہ ہے کہ ملک کے تمام بسنے والوں کو چین، امن اور سکھ سے رہنے کا موقع دیا جائے اور ملک کے دشمنوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے۔“ (صدائے حق ص ۲۵۷)

الغرض مسئلہ آسام، شہریت کے مسائل، بابر مسجد، مقابر و مساجد کے تحفظ، فسادات کی روک تھام، ریلوے، امن و قانون کی بحالی، مسلم یونیورسٹی، اس کا اقلیتی کردار، اقلیتوں، خصوصاً مسلمانوں کے آئینی حقوق کا تحفظ، زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کی مناسب نمائندگی، یکساں سول کوڈ، مسلم پرسنل لاء اور وقف جیسے مسائل و مشکلات پر حضرت نے جس جرأت و صفائی سے اپنے نقطہ نظر و خیالات کو پیش کیا ہے، حتیٰ کہ اپنے پارٹی کے خلاف بھی جس بیباکی سے محض انصاف کے تقاضوں کی تکمیل اور امن و قانون کی بالاتری کے لئے آوازِ حق بلند کی ہے، وہ صداقت شعاری، حق گوئی کی روشن مثالیں ہیں۔ (حضرت) کی ایوانِ اعلیٰ میں کی گئی وہ تقاریر ”صدائے حق“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے) ان تقریروں کے مطالعے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ہمارے سامنے آ جاتی ہے کہ حضرت نے مظلوموں کی حمایت اور حب وطنی کی ایک تاریخ رقم کی ہے، ایسی مثال بہت کم ہے کہ پارٹی کے مفاد سے اوپر اٹھ کر محض انصاف اور سچائی کے حق میں آواز بلند کی گئی ہو، لیکن حضرت نے اس شاندار روایت کی پوری پاسداری کی ہے۔ (صدائے حق ص ۷)

برطانیہ کے سفر میں راقم نے متعدد مرتبہ آپ کا بیان سنا، پوری قوت اور اعتماد کے ساتھ بغیر کسی کی پرواہ کئے کہ کوئی میرے بیان میں آدے، نہ آدے، کوئی مسجد والا میرا بیان رکھے، نہ رکھے، اپنی بات مکمل کر فرماتے۔ مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں کو اسلامی اسکول کی ترغیب دیتے اور لوگوں کو متوجہ فرماتے کہ اپنے اسلامی اسکول ہر ہر شہر میں کھولیں، بہت صاف الفاظ میں فرماتے، اگر ان ممالک میں رہتے ہوئے تمہارے دین کی حفاظت مشکل ہو یا تمہاری اولاد دین سے نکل رہی ہو تو تمہارے لئے ان ممالک میں قیام کرنا حرام ہے اور تم پر ہجرت فرض ہے۔

حضرت کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ کل ہند امارتِ شرعیہ کا قیام بھی ہے، جس کے پہلے صدر حضرت

مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی اور نائب صدر حضرت منتخب کے گئے۔ ۹۲ء میں حضرت محدث کی وفات کے بعد ۹۲ مئی ۹۲ء کے عظیم الشان نمائندہ اجتماع نے آپ کو امیر الہند منتخب کیا اور وفات تک اس عہدہ پر قائم رہے۔ ایک سال قبل حکومت سعودی عرب نے حضرت کو غسل کعبہ کی تقریب سعید میں شرکت کے لئے خصوصی طور پر مدعو کیا تھا، جس میں حضرت نے شرکت فرمائی.....

ع ایں سعادت بزور بازو نیست

دارالعلوم دیوبند کے قضیہ نامرضیہ میں بد قسمتی سے علماء دیوبند دو جماعت میں بٹ گئے اور یہ اختلاف اتنا شدت اختیار کر گیا کہ مقدمہ تک نوبت آگئی، ایک دوسرے کے خلاف اشتہار بازی ہوئی۔ اکابر سے زیادہ اصاغر نے حصہ لیا، پون صدی تک اختلافات کی خلیج قائم رہی، مگر پچھلے سال حج کے موقع پر حضرت کی شدتِ علالت کی وجہ سے جب آپ شاہ فہد ہسپتال جدہ میں داخل کئے گئے تو حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ کا فون مزاج پُرسی کے بہانے سے گیا اور اللہ تعالیٰ نے عداوت کو محبت سے بدلنے کا فیصلہ فرمایا، حضرت روبہ صحت ہو کر ہندوستان تشریف لائے تو فوراً حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ کی خدمت میں درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا، جس نے اس اختلاف کی آہنی دیوار کو ایک دم ڈھا دیا۔

حضرت کا گرامی نامہ مولانا محمد سالم مدظلہ کے نام :

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے خاکسار کی صحت و عافیت اور خیریت پوچھی۔ حج سے فراغت کے بعد طبیعت حد سے زیادہ ناساز ہونے کی وجہ سے کنگ فہد ہسپتال کے آئی، سی، یو، میں داخل ہو گیا، جہاں ڈکٹروں کی خصوصی توجہ رہی، اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور آپ حضرات کی دعاؤں سے طبیعت سنبھل گئی، تین دن ہسپتال میں رہ کر کل ۳۰ جنوری ۲۰۰۵ء کو بخیر و عافیت مدینہ منورہ سے دہلی واپسی ہوئی۔ الحمد للہ رفتہ رفتہ روبہ صحت ہو رہا ہوں۔ خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ نانوتوی قدس سرہ العزیز جماعت کی بنیاد ہیں، ہم تو ان کی خاک کے برابر بھی نہیں، ماضی میں جو اختلافات ہوئے وہ بد نصیبی تھے اور ہیں، اس لئے جو کہا، کیا اور رہا، اس

کو معاف کرنا چاہئے اور آخرت کے لئے نہیں رکھنا چاہئے۔ دعواتِ صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔

اس گرامی نامہ کے جواب میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ نے بھی جواباً جو مکتوب تحریر فرمایا وہ بھی قابلِ مطالعہ ہے (ترجمان دیوبند مارچ ۲۰۰۵ء میں وہ شائع ہو چکا ہے)

اس چیز کا تذکرہ یہاں کرنے کا مقصود صرف یہ ہے کہ یہ دونوں اکابر تو ایک دوسرے سے مل کر، معافی مانگ کر اپنی آخرت درست کر گئے اور جنہوں نے ان حضرات کے اختلافات پر کسی ایک کی حمایت میں دوسرے کی غیبت یا تحقیر و تذلیل کی انہیں اپنی آخرت کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ بہر حال اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق لینا ہے کہ اکابر کے اختلافات کے سلسلہ میں زبانِ درازی، ایک دوسرے کی حقارت و غیبت سے بالکل پرہیز کرنا چاہئے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی ”الاعتدال فی مراتب الرجال“ ہر صاحبِ علم کو ضرور پڑھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کے قلم سے اس کتاب میں ایسی باتیں جمع کروادی ہیں جنہیں اگر خالی الذہن ہو کر اصلاح کی نیت سے پڑھا جائے تو زبان کی بُرائی، اہل علم کی توہین اور اکابر کی دل میں کدورت سے ضرور حفاظت ہو جائے گی۔

مولانا عزیز احمد اعظمی آپ کے متعلق لکھتے ہیں :

”صاحبزادہ عزیزم اسعد سلمہ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور آج کل دارالعلوم ہی میں مدرس ہیں۔ موصوف بہت اچھے مقرر، نیک صالح ہیں، مہمان نوازی، تواضع و انکسار اور اخلاق و ایثار میں اپنے والد کے صحیح جانشین ہیں۔ موصوف اپنے والد سے بیعت ہیں اور اشغالِ باطنی میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے زیر سرپرستی پوری جدوجہد کی۔ حضرت شیخ الاسلام کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ مجاز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے اور حضرت شیخ کے دیگر خلفاء نے صاحبزادہ اسعد سلمہ کو بیعت کی اجازت دی ہے۔“ (شیخ الاسلام نمبر ص ۲۳۹)

راقم کا بیعت کا تعلق حضرت ہی سے تھا۔ غالباً ۱۹۶۸ء میں جب حضرت برطانیہ تشریف لائے تو نئی ٹن (برطانیہ کی ایک بستی کا نام ہے، اس زمانہ میں میرا قیام وہیں تھا) تو میں نے بعد نمازِ عشاء بیعت کی درخواست کی۔ اول تو اپنے مخصوص انداز میں پوچھا، کون ہے؟ حضرت جد امجد مولانا مفتی مرغوب احمد صاحبؒ کا پوتے ہونے کی نسبت معلوم کر کے فرمایا صبح بعد فجر ملنا، نماز فجر سے فراغت پر خود یاد فرما کر تنہائی میں بیعت فرمایا۔ صبح و شام کی

تبیحات کے ساتھ ذکرِ جہری کی اجازت بھی مرحمت فرمائی اور حضرت مولانا حسن صاحب مدظلہ (خلیفہ مجاز حضرت) سے فرمایا کہ اس کو ذکرِ جہری سکھادیں۔ تین دن کے بعد دوسری وجہ سے ذکرِ جہری موقوف کروادیا۔ صرف تبیحات صبح و شام پر پابندی کی ترغیب دی۔ افسوس اس طویل عرصہ میں حضرت سے سوائے رسمی بیعت کے کچھ حاصل نہ کر سکا۔

حضرت شیخ کی سوانح میں ایک ملفوظ نظر سے گذرا، جس میں حضرت کے متعلق دعا کا تذکرہ ہے تو خیال آیا کہ اسے بھی یہاں نقل کر دوں :

”ہندوستان کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے، بڑے بنگامے ہو رہے ہیں، ہمارے مولوی اسعد نے سنا ایک الٹی میٹم بھی دیا ہے ان کو کہ فلانے وقت تک اگر بند نہ ہوئے تو میں سول نافرمانی شروع کروں گا، وہ وہی وقت ہوگا جو میرے وہاں جانے کا ہوگا، دیکھئے! کیا کروں۔ بھئی! بہت دعا کیجیو، اللہ تعالیٰ مولوی اسعد کی بہت ہی مدد کرے، بے چارہ تنہا ہے وہ اور لڑ پڑا۔ اس کا خط مدینہ آیا تھا، اس میں لکھا تھا میں نے یہ اعلان کیا ہے، دعا کیجیے بھی اور کرائیے بھی۔ وہاں بھی دوستوں سے کہتا رہا، تم حضرات سے بھی عرض کروں گا۔ بھئی! مولوی اسعد کے واسطے بہت ہی اہتمام سے دعا کیجئے، اللہ تعالیٰ بہت ہی کامیابی عطا فرماوے“

(حضرت شیخ الحدیث اور ان کے خلفائے کرام ص: ۳۷۰، ج: ۱)



اسلامی انقلاب اور اس کا فکری لائحہ عمل : از ! مولانا عبدالقیوم حقانی

اشتراکیت، سرمایہ داریت، فسطائیت اور لادین مغربی جمہوریت کے چھائے ہوئے گھپ اندھیروں میں اسلامی انقلاب کے خدو خال، نوجوانوں میں فکری الحاد اور ارتداد کی یلغار اور اس کے اسد اوکا مناسب طریق کار، پرائیویٹ شریعت بل سے سرکاری شریعت بل تک کے مختلف کردار، پھر کیا ہوا؟ کیا ہوتا رہا؟ اور کس نے کیا رول ادا کیا؟ تاریخ کے سربستہ رازوں کا انکشاف، ملک کی سیاست کے ایک تاریخی دور پر رواں اور دلکش تبصرہ، تحریر میں بے ساختگی اور برجستگی کے علاوہ مزہ زبیر انشاء کی تمام خصوصیات نمایاں ہیں۔ اس کا مطالعہ تحریک انقلاب اسلامی کے تمام کارکنوں اور قومی سیاست کے ہر طالب علم کا فرض ہے۔ صفحات : 208 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

ایک شجرِ سایہ دار

برصغیر میں دینی، ملی، قومی، ملکی اور سیاسی خدمات کے حوالہ سے جن ممتاز اور نامور شخصیات کو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ان میں عالم اسلام کے عظیم رہنماء، عبقری شخصیت، فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ سابق صدر جمعیت علماء ہند کی ذات گرامی بھی شامل ہے، جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے :

خاندان اور ولادت :

آپ حسینی سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو تقریباً انیس پشت قبل ہندوستان آیا تھا، آپ کی والد ماجد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ ہندوستان کے نامور بزرگ، شہرہ آفاق محدث، تحریک آزادی ہند کے عظیم قائد و رہنما دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث اور مشہور شیخ طریقت تھے اس بابرکت خاندان میں ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۷ اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ بمقام دیوبند آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد سے دیوبند آ کر مقیم ہو گئے تھے، بعد میں آپ نے دیوبند میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔

تعلیم اور فراغت :

آپ کا تعلیمی سلسلہ از ابتداء تا انتہا دارالعلوم دیوبند میں جاری رہا، قرآن کریم حفظ و ناظرہ، دینیات، تجوید اور درس نظامی کی جملہ کتب دارالعلوم ہی میں پڑھیں اور ۱۹۴۷ء میں فراغت پائی۔

اساتذہ کرام :

آپ کے اساتذہ کرام میں آپ کے والد ماجد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے علاوہ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امرہوی، امام المعقولات علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری، مولانا قاری اصغر علی صاحب سہسپوری، مولانا جلیل احمد

صاحب کیرانوی، مولانا سید فخر الحسن مراد آبادی جیسے جلیل القدر اکابرین اور علوم نبوت کے آفتاب و ماہتاب شامل ہیں۔

خاص اور ممتاز رفقاء درس :

آپ کے خاص رفقاء درس میں مولانا قاری محمد میاں صاحب گلاؤنھی سابق صدر جمعیت علماء صوبہ دہلی و استاذ حدیث مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، مولانا قاری مشتاق احمد بلند شہری، سابق شیخ الحدیث جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ، مولانا عبد اللہ صاحب بستوی مہاجر مدنی، مولانا قاری شریف صاحب گنگوہی، مولانا ناظر حسین صاحب مہتمم جامعہ عربیہ خادم الاسلام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

درس و تدریس :

فراغت کے بعد مختصر مدت کے لئے اپنے والد کے ہمراہ صرف اور ان کی خدمت کی سعادت حاصل کی، پھر شوال ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء مسلسل بارہ سال تک درس نظامی کی کتب کا درس دارالعلوم دیوبند میں دیا، آپ کے زیر تدریس عام طور سے متوسط درجہ کی کتب رہتی تھیں، پھر ملی ضروریات اور قومی خدمات کے پیش نظر تدریسی سلسلہ موقوف ہو گیا اور آپ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گئے۔

جمعیت علماء ہند سے وابستگی اور مختلف عہدوں پر خدمات :

جمعیت علماء ہند اور اس کے مقاصد سے تعلق آپ کو ورثہ میں ملا تھا، تاہم اس کے ساتھ عملی طور سے وابستگی کا آغاز جمعیت علماء دیوبند کے نائب صدر کی حیثیت سے ہوا۔ اس وقت ان کے والد بقید حیات تھے، پھر جمعیت علماء اتر پردیش کا صدر منتخب کر لیا گیا، اس دوران آپ کی قومی، ملکی اور اجتماعی خدمات جمعیت علماء کی تاریخ کا سنگ میل ہیں۔

جمعیت علماء ہند کی نظامت عمومی اور صدارت :

۹ اگست ۱۹۶۳ء کو آپ کو جمعیت علماء ہند کی نظامت عمومی کے منصب پر فائز کیا گیا اور اپنی بے مثال جدوجہد سے پوری جماعت میں تازگی پیدا کی، جمعیت علماء ہند کے ورکروں میں نئی روح پھونک دی اور مکمل دس سال تک آپ نے اس عظیم منصب کو زینت بخشی، پھر ۱۱ اگست ۱۹۷۳ء میں جمعیت کی مرکزی صدارت نے آپ کی قدم بوسی کی اور اتفاق رائے سے جمعیت علماء ہند کی صدارت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے اور اپنی حیات مستعار کے

آخری سانس ۶ فروری ۲۰۰۶ء تقریباً ۳۳ سال تک اس عظیم منصب پر فائز رہے۔ جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے آپ نے ہمیشہ مسلمانوں کے حقوق کی لڑائی اور باب اقتدار سے لڑی، ملی امور اور مسلمانوں کے مسائل میں کبھی مصلحت کوشی سے آپ نے کبھی کام نہیں لیا۔ آپ نے اسلاف کے سچے جانشین اور اکابر کے ورثہ کے امین اور رہنما ہونے کے ناطے جمعیت علماء ہند کے وقار اور اس کے اثرات ہی میں اضافہ نہیں کیا بلکہ اس کے وسائل اور ذرائع میں بھی اضافہ کیا ہے۔

آپ نے اپنے دورِ صدارت و نظامت میں پورے ملک میں جمعیت علماء ہند کی شاخوں کا جال پھیلا دیا اور اس کے تمام شعبوں کو اتنا شاندار متحرک اور فعال بنا دیا کہ جمعیت کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جمعیت علماء ہند کے تعلق سے آپ کی خدماتِ جلیلہ کے عنوانات (جو اپنی جگہ مستقل تاریخ ہیں) کی مختصر فہرست اس طرح ہے۔

فسادات کی روک تھام اور مظلومین کی امداد اور فریاد رسی، مسئلہ کشمیر، مسئلہ آسام مسلم اوقاف کی حفاظت اور جدوجہد اردو کا تحفظ اور اس کی بقاء عالم اسلام سے ملت کا واسطہ اور تعلق، بابر مسجد، مسلم یونیورسٹی کا تحفظ اور اس کے اقلیتی کردار کی بحالی کے لئے جدوجہد، مسئلہ امداد اور اس کا ڈٹ کر مقابلہ، مسلمانوں کی اقتصادی بحالی کے پروگرام، مسلم پرسنل لاء، تحفظ حرمین شریفین، مسئلہ فلسطین، مسئلہ افغانستان، چینیا، بوسنیا ہرزے گوینا، مسئلہ عراق و کویت، تحفظ شریعت، تحفظ حقوق شہریت، یکساں سول کوڈ، اصلاح معاشرہ، رویتِ ہلال، امارتِ شرعیہ، مسئلہ کوسٹوڈین، جبری نسبندی، تعمیر و تعلیمی پروگرام اتدادی علاقوں میں مکاتب کا قیام عصری تعلیمی اداروں کا قیام اور اس کے لئے جدوجہد ملت اسلامیہ ہند کے حقوق کی بازیابی کے لئے جدوجہد اور کوشش فرق باطلہ اور فرق ضالہ کا دفاع، فتنہ قادیانیت کی بیخ کنی کے لئے جدوجہد، مسلک دیوبند اور اکابرین دیوبند کی خدماتِ جلیلہ کا عالم اسلام میں تعارف دارالعلوم دیوبند اور دیگر عظیم مدارس کی سرپرستی اور شوروی کی رکنیت، محاکم شرعیہ کا قیام، ادارۃ المباحث الفقہیہ کا قیام اور مشکل مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے پورے ملک کے مفتیان کرام اور با بصیرت علماء کرام کے فقہی اجتماعات ہیں جو مستقل تصانیف کی متقاضی ہیں اور ان شاء اللہ کوئی مؤرخ اس عظیم خدمت کو انجام دے گا۔

امیر الہند کا منصبِ جلیل :

ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لئے امارتِ شرعیہ کا قیام ہندوستانی مسلمانوں کی دیرینہ آرزو اور علماء کرام کی جدوجہد کی تاریخ کا روشن باب ہے۔ اس کا آغاز انگریزی دور حکومت میں ۲۰ فروری ۱۹۱۹ء سے ہو گیا تھا۔ جمعیت علماء ہند نے اپنے قیام کے روزِ اول سے کل ہند طریقہ پر امارتِ شرعیہ کے قیام کی جانب بھرپور توجہ مبذول رکھی اور مختلف مواقع پر اس کے لئے کسی نہ کسی حد تک جدوجہد جاری رہی، چنانچہ صوبہ بہار میں جمعیت علماء ہند

کی جدوجہد سے امارت شرعیہ کا نظام ۱۹۲۱ء سے برابر جاری ہے اور اس وقت مولانا نظام الدین صاحب دامت برکاتہم بہار کے چھٹے امیر شریعت ہیں، اس سعی مسلسل کے نتیجے میں جمعیت علماء ہند کی دعوت پر ۲ نومبر ۱۹۸۶ء مدنی ہال بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی میں علماء کرام، مفتیان عظام اور دانشوران ملک و ملت کا ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا جس میں پورے ملک کے چودہ صوبوں سے تین ہزار سے زائد افراد شریک تھے اور باتفاق رائے امارت شرعیہ ہند کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، اس کا اولین امیر الہند محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی نور اللہ مرقدہ اور نائب امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کو منتخب کیا گیا، پھر فوراً بعد امیر الہند کے دست مبارک پر حاضرین نے بیعت فرمائی اور شرعی امور میں سمع و طاعت پر عہد کیا۔ پھر امیر الہند اول حضرت محدث کبیر کے وصال کے بعد ۹ مئی ۱۹۹۲ء کے عظیم الشان نمائندہ اجتماع میں حضرت والا کو امیر الہند منتخب کیا گیا۔ مجاہد ملت کے وصال کے بعد پارلیمنٹ کے ایوان بالا میں کوئی مسلمانوں کا ترجمان باقی نہ رہا تھا، اس لئے حضرت والا نے ۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا کی رکنیت قبول فرمائی اور مسلسل اٹھارہ سال (تین ٹرم) تک حضرت مولانا راجیہ سبھا کے رکن رہے اور برابر حضرت والا کی حق و صداقت کی آوازوں سے ایوان حکومت گونجتا رہا۔ آپ کی پارلیمانی تقاریر (صدائے حق) کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ آپ اگرچہ پشتینی کانگریسی تھے اور کانگریس کی حمایت بالواسطہ نہیں بلکہ براہ راست کرتے تھے لیکن انہوں نے جمعیت علماء ہند کو کانگریس یا کسی اور سیاسی پارٹی کی ذیلی تنظیم نہیں بننے دیا اور کانگریس میں رہتے ہوئے کانگریس کے غلط اقدامات پر برابر نکیر فرماتے رہے اور ان کی غلط کاریوں سے ایوان حکومت کو مطلع کرتے رہے اور مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے برابر کوشاں رہے۔

دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس کی سرپرستی :

آپ دارالعلوم دیوبند کے فرزندِ جلیل اور نامور فیض یافتگان میں سے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند ہی سے آپ کو سب کچھ حاصل ہوا۔ بلاشبہ آپ اپنے مادر علمی کے مخلص سپوت ہیں، اس لئے مادر علمی کی خدمت اور اس کی ترقی و استحکام کے لئے جدوجہد آپ کا نصب العین رہا ہے۔ فراغت کے بعد مسلسل بارہ سال تک تدریسی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے، پھر بعض ملی، قومی تقاضوں کے پیش نظر اگرچہ آپ نے تدریسی ذمہ داریوں سے خود علیحدگی اختیار کر لی تھی مگر باہرہ کردار العلم دیوبند کی خدمت انجام دیتے رہے۔ چنانچہ صدر جمہوریہ عالی جناب فخر الدین علی مرحوم کی دارالعلوم دیوبند تشریف آوری کے موقع پر اس طرح اجلاس صد سالہ کے موقع پر دارالعلوم کے لئے آپ کی خدمات دارالعلوم کی تاریخ میں سنہرے باب ہیں لیکن شعبان ۱۴۰۵ھ میں دارالعلوم دیوبند کی ہیئت حاکمہ

میں شامل ہو گئے اور دارالعلوم کے وسائل کی توسیع اور دیگر امور میں آپ کی مخلصانہ کاوشیں آخری دم تک قائم رہیں، اور آپ کی مساعی جمیلہ سے دارالعلوم کا حلقہ اثر داخلی اور خارجی ہر اعتبار سے شاہراہ ترقی پر رواں دواں رہا۔ دارالعلوم دیوبند میں کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام، شعبہ تخصص فی الحدیث، شعبہ انگریزی ادب، شیخ الہند اکیڈمی وغیرہ کا اضافہ آپ کی خصوصی دلچسپی کا ثمرہ ہے۔ نیز ۸/ربیع الاول ۱۳۷۸ھ سے مسلسل آپ مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی مراد آباد کے رکن رکین ہیں۔ مدرسہ شاہی کی تعمیری، تعلیمی اور انتظامی اور آپ کی دلچسپی تادم حیات قائم رہی ہے، مدرسہ شاہی میں آپ کی حیثیت سرپرست اعلیٰ کی تھی۔ مدرسہ شاہی آپ کی اصابت رائے، عاقبت اندیشانہ فیصلوں سے برابر مستفید ہوتا رہا۔ اس کے علاوہ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، جامعہ عربیہ خادم الاسلامہ ہاپوڑ، دارالعلوم حسینیہ مظفرنگر، مدرسہ محمودیہ سروٹ، مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ، نورالعلوم بہرائچ، ادارہ محمدی لکھنؤ پوری کھیری، مدرسہ فرقانیہ گوئڈہ، مدرسہ حسینیہ جو پور نیز بہار، بنگال، آسام، گجرات، راجستھان، میوات، ہریانہ، پنجاب، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، مدھیہ پردیش، اڑیسہ، کرناٹک وغیرہ کے مدارس شامل ہیں۔

دیگر ذمہ داریاں :

مدارس کی سرپرستی، جمعیت علماء ہند کی صدارت، امارت شرعیہ ہند کی قیادت کے علاوہ آپ جن اداروں سے بحیثیت رکن وابستہ رہے، ان کے نام اس طرح ہیں، کانگریس ورکنگ کمیٹی، راجیہ سبھا کی ضوابط کمیٹی، سرکاری یقین دہانی کمیٹی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، مرکزی وقف کونسل، ہمدرد ٹرسٹ دہلی، مرکزی حج کمیٹی، مجمع الجوٹ الاسلامیہ قاہرہ، مؤتمر اسلامی تیونسیا، مؤتمر فقہی ریاض، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ وغیرہ ان تمام اداروں سے وابستہ رہ کر آپ نے قوم و ملت کی بے لوث خدمات انجام دی ہیں۔

بیعت و ارشاد :

آپ کا بیعت و ارشاد کا تعلق اپنے والد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے تھا، انہی کی زیر سرستی رہ کر آپ نے سلوک کے منازل طے فرمائے اور شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد تمام ہی خلفاء شیخ الاسلام نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا، پھر خواص اور عوام الناس کی عظیم تعداد نے آپ سے بیعت ہو کر اپنی اصلاح فرمائی۔ ملک و بیرون ملک میں لاکھوں کی تعداد میں آپ کے مریدین ہیں، جن میں سینکڑوں کی تعداد میں خلافت سے بھی سرفراز ہو چکے ہوں گے، ماہ رمضان میں مسجد رشید دارالعلوم دیوبند آپ کے شیدائیوں سے کچھ کھج بھری رہتی اور معرفت کے جام پی کر عشق الہی میں مست رہتے۔ آج آپ کی رحلت سے

ایک دنیا سونی ہوگئی ہے اور ایک عظیم خانقاہ اُجڑ گئی ہے۔ ایک عظیم تربیت گاہ پر ماتم کے بادل چھا گئے ہیں.....
ع خدارحمت کندایں عاشقانِ پاک طینت را

مجمع حسنات وخصائل :

غرض آپ کمالات وفضائل کا مجمع البحار تھے اور آنے والی نسل بلاشبہ آپ کے لائق تقلید کارناموں سے فائدہ اٹھائے گی اور آنے والے مورخین آپ کی حیاتِ طیبہ کے مخفی گوشوں پر لکھتے رہیں گے۔

علالت اور وفات :

آپ متعدد مواقع پر طویل بیماریوں کے عوارض سے دوچار رہے اور طبیعت سنبھل جانے کے بعد اپنی ملی، قومی و اصلاحی خدمات میں مصروف ہو جاتے تھے اور آپ کے ملک و بیرون ملک طویل اسفار سے ہم جیسے کم ہمتوں کو رشک آتا۔ آخری مرتبہ ماہ رمضان ۱۴۲۶ھ میں آپ کو عارضہ قلب کا دورہ پڑا، پھر عید الفطر کے بعد آپ گر پڑے اور آپ کے سر میں چوٹ آئی، پھر برابر آپ کو غشی طاری رہی۔ اپولو ہسپتال میں زیر علاج رہے اور مکمل علاج آپ کو فراہم کیا گیا۔ عالم اسلام میں آپ کی صحت کے لئے دعا ہوئی، مگر وقت موعود آچکا تھا۔ بالآخر ۶ فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ بروز پیر شام قبل مغرب آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون۔

جنازہ دیوبند لے جایا گیا، بعد نماز فجر مورخہ ۸ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا محمد طلحہ مدظلہ کی امامت میں لاکھوں افراد نے ادا کی اور مقبرہ قاسمی میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صحبتے با اہل حق : ترتیب ! مولانا عبدالقیوم حقانی

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے اُن ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ، جن میں عصر حاضر کے ذوق اور مزاج کے مطابق زندگی کی اصلاح کا پیغام، ایمان و یقین کی احسانی کیفیت پیدا کرنے کا وافر سامان اور حکایات و تمثیلات کے پیرائے میں تصوفِ اسلامی کا عطر اور علوم و معارف کا لب لباب آ گیا ہے۔ ڈائی دارجلد۔ صفحات : 408 قیمت : 180 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

مختصر سوانح

امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنی جو شیخ الاسلام مولانا سیدنا حسین احمد مدنی کے لختِ جگر اور جانشین تھے اور لاکھوں مسلمانانِ ہند کا مرجع اور مرکز تھے۔ ۶ فروری بروز پیر اسی (۸۰) سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا اسعد مدنی ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت مدنی اپنے عہد کے علماء کے امام و امیر دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور اہل علم کے سر تاج و ماہتاب تھے۔ آپ کی تربیت اس عالم ربانی اور محبوب سبحانی کے ہاتھوں ہوئی جس سے بڑھ کر تربیت کرنے والا اس وقت روئے زمین پر نہ تھا اور تعلیم اس شخص کے زیر سایہ ہوئی جس سے بڑا معلم کرۂ ارض پر نہ تھا۔

مولانا سید اسعد مدنی نے اول سے آخر تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالحق حقانی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب مراد آبادی، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی جیسے اساطینِ امت شامل ہیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریس سے عملی زندگی کا آغاز کیا اور حدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں، اپنے والد حضرت مدنی کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی اور انہی کے زیر سایہ روحانی درجات طے کئے۔ آپ کی روحانی تربیت اکابر ثلاثہ حضرت مدنی، حضرت رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری کے زیر سایہ ہوئی۔ ۱۹۵۷ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد حضرت مدنی کے خلفاء کی متفقہ اجازت سے آپ حضرت مدنی کے جانشین قرار پائے۔

حضرت مولانا محمد اسعد مدنی کی خوش بختی تھی کہ حضرت الامام مدنی کے چشمہ علم و عرفان سے جہاں اوروں نے اپنی بساط اور ظرف کے مطابق شرابِ طہور کے جام بھرے۔ آپ نے خم کے خم لٹڈھائے، مگر نہ تو مست ہوئے نہ کسی کو خبر ہوئی۔ اس کا پتہ تبھی چلا جب انہوں نے خود کو علمی اور اصلاحی میدان میں اپنے والد کا نعم البدل

ثابت کر دکھایا۔ خدمت اور صرف خدمت اس مدنی زادے کی نس نس میں بسی ہوئی تھی، اپنے والد کی قیادت میں صاحبزادہ بننے کے بجائے خادم زادہ بن کر رہے اور اس کے بعد بھی خادم ہی کی حیثیت سے عمر بتادی۔

دسمبر ۱۹۵۷ء میں حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد سیاست میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا اور مولانا حافظ الرحمن سیوہارویؒ کے شانے سے شانہ ملا کر چلتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا حافظ الرحمنؒ کے انتقال کے بعد جمعیت علمائے ہند کے امیر چنے گئے اور ہندوستان میں مسلم حقوق کے سب سے بڑے علمبردار، محافظ اور پشتیبان کے طور پر اپنے آپ کو منوایا۔ ۱۹۶۷ء میں پہلی بار بھارتی لوک سبھا (قومی اسمبلی) کے ممبر منتخب ہوئے اور تھوڑے سے وقفہ کے استثناء کے سوا عمر بھر رکن پارلیمنٹ منتخب ہوتے رہے۔ وہ طویل سیاسی اور پارلیمانی تجربہ رکھتے تھے اور پارلیمنٹ کے اندر اور باہر مسلمانوں کی سب سے مضبوط آواز سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان میں مسلمان جس حال میں اور جس حیثیت میں بس اور جی رہے ہیں، اس حال میں ان کے قومی تشخص کو منوانے کے لئے آپؒ عمر بھر شب و روز سرگرم عمل رہے۔ ہمہ وقت مسلمانان ہند کی خدمت اور ان کے وجود و شعائر کا تحفظ مولانا اسعد مدنیؒ کا شعار رہا۔ مسلمانوں کے دینی و دنیوی مدارس و کالج، اوقاف و املاک کا تحفظ اور ملازمتوں میں بلحاظ آبادی نمائندگی کو یقینی بنانا ان کی نمایاں خدمات ہیں، مگر ان کا سب سے بڑا کارنامہ مسلم فنڈ کا قیام ہے جو انہوں نے انتہائی بے سروسامانی کے ساتھ شروع کیا تھا، مگر آج مسلمانان ہند کا سب سے بڑا اور مؤثر مالی ادارہ ہے جو ان کو تجارت و کاروبار کے لئے بلا سود قرضے دیتا ہے، مختلف کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدرسوں میں زیر تعلیم طالب علموں کو وظائف دیتا ہے۔ غریب و سکین اور بے بس مسلمانوں کو ماہانہ وظیفے جاری کئے ہیں اور حقدار مسلمانوں کی بچیوں کی شادی اور بے گھروں کیلئے مکانات کی تعمیر میں مدد دیتا ہے۔

چنانچہ بلا خوف تردید یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ مسلم فنڈ سے کروڑوں مسلمان مستفید ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ تا وفات دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ ملیہ دہلی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مجالس شوریٰ کے رکن، آل انڈیا شریعت بورڈ، مؤتمر عالم اسلام کے ممبر، جمعیت علماء ہند کے امیر اور دارالعلوم دیوبند کے ابنائے قدیم کی مؤتمر کے صدر رہے۔ اس کے علاوہ لاکھوں طالبان حق کے مرشد و مرجع بھی تھے۔ آسام سے پنجاب اور دامن ہمالیہ سے بحر ہند کے ساحلوں تک پھیلے ہوئے ملک ہندوستان میں ہزاروں لاکھوں مسلمان ان کے دامن معرفت سے وابستہ تھے اور وہ اپنے حلقہ ارادت کے لوگوں کی عملی اصلاح اور روحانی تربیت کے لئے مسلسل سفر میں رہتے۔ دین متین کی دعوت و تبلیغ کے کام میں ہمیشہ مستعد رہتے۔ وہ فی الواقع آسمان ہند تلے سرمایہ ست کے نگہبان بن کر زندہ رہے اور اسی حیثیت میں انتقال فرمایا۔

مولانا سید محمد اسعد مدنی، علم و عرفان کی جن منزلوں پر تھے، اپنے والد کی زندگی میں کسی کو نظر ہی نہ آتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں اسباق کے بعد جو وقت بچتا وہ حضرت مدنیؒ اور ان کے مہمانوں کی خدمت میں گزرتا، مگر دسمبر ۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد مدنی سلسلہ کے شیوخ طریقت نے جب اصلاح و تربیت کا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال دیا، تب وہ عمر کی صرف تیس بہاریں ہی دیکھ پائے تھے اور ظاہر ہے کہ تیس سال کی عمر میں اپنی اصلاح تو کی جاسکتی ہے، مگر ہزاروں لاکھوں مریدوں کو سنبھالنا عمر خضر کا تقاضا کرتا ہے۔ اس میدان میں علم سے کہیں زیادہ تجربہ اور مشاہدہ کام دیتا ہے۔ مگر مولانا محمد اسعدؒ نے یہ کام بھی کر دکھایا اور سلہٹ سے خیبر تک پھیلے ہوئے لاکھوں مریدان مدنیؒ کی اصلاح و تربیت کا فریضہ سرانجام دیا اور عمر بھر دیا۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ہزاروں لاکھوں مرید و عقیدت مندوں کے مسکن پاکستان کے کئی اسفار کئے۔ لاہور کا جامعہ مدنیہ جہاں حضرت شیخ الاسلامؒ کے سلسلہ طریقت میں مجاز مولانا سید حامد میاںؒ اپنا چراغ جلائے ہوئے تھے، مولانا سید اسعد مدنی نے پاکستان میں اسی جامعہ کو اپنا مستقر بنایا اور ہزاروں ”مدنی“ یہاں آ کر ان سے اصلاح لیتے تھے۔

وہ اپنے اسلاف و اکابر کی محبت و عقیدت سے سرشار تھے۔ پاکستان آمد پر حضرت مولانا عزیز گلؒ ”اسیر مالٹا“ کی خدمت میں ضرور حاضری دیتے اور ان کے گاؤں سخاکوٹ کا مستقل سفر کرتے۔ راستے ہی میں اپنے استاذ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ ”اکوڑہ خٹک“ سے ملاقات کرتے اور دعائیں لیتے۔ جمعیت علماء اسلام کے ناظم عمومی مفکر اسلام حضرت مفتی محمودؒ اور ان کی وفات کے بعد قائد جمعیت مولانا فضل الرحمن مدظلہ سے خصوصی ملاقاتیں ہوتیں اور ان کو اپنی مفید مشاورت سے نوازتے۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ جو حضرت شیخ الاسلامؒ کی محبت میں سرشار اور ان کے عاشق زار تھے، ان کا ہمیشہ معمول رہا کہ مولانا اسعد مدنیؒ جب بھی پاکستان تشریف لاتے، راولپنڈی اور انک میں ان کا پروگرام رکھتے۔ دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کی جامع مسجد میں ان کا اصلاحی بیان ہوا کرتا تھا اور ہزاروں لوگ ان سے بیعت کی سعادت حاصل کرتے۔ اس کے علاوہ کراچی، ملتان، چکوال، فیصل آباد اور بہاولپور بھی تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی پاکستان آمد ۲۰۰۱ء میں ہوئی تھی جب آپ خدمات دارالعلوم دیوبند انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کے لئے پشاور تشریف لائے تھے، آپ اتحاد بین المسلمین بالخصوص اتحاد علمائے دیوبند کے جذبے سے سرشار تھے، اگرچہ قضیہ دارالعلوم دیوبند کی وجہ سے ہندوستان میں ان کی ذات گرامی پر بعض دیوبندی حلقوں کی طرف سے اعتراضات بھی ہوئے مگر بحیثیت مجموعی ان کا کردار ہمیشہ مصلحانہ رہا۔ بالخصوص پاکستان کے لئے تو ان کی ہمیشہ کوشش رہی کہ تمام علماء باہم شیر و شکر ہو کر رہیں اور علمی اختلافات کی بنیاد پر نفرتوں کے

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت مولانا اکابر علماء کی محبت اور ان کے احترام سے سرشار تھے اور ہمیشہ ان کی خواہش اور رائے کے سامنے جھک جاتے۔ اپنے والد ماجد سے تعلق رکھنے والوں سے عمر بھر تعلق رکھا۔ ذیل کا واقعہ اکابر علماء سے محبت و عقیدت کے عنوان پر ان کے کردار کی شہادت دیتا ہے جو حضرت مولانا حسین علی واں بڑوی کے حفید پروفیسر صفی الرحمن نے گذشتہ روز فون پر سنایا :

”واں پھر اں کا ایک شخص ملک کلیم پھر PIA میں ملازم تھا اور لاہور کے ہوائی اڈے پر ڈیوٹی دیتا تھا۔ یلوی العقیدہ تھا اور ہمارے دادا مرحوم (مولانا حسین علی) کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ وہ بتاتا ہے کہ مولانا اسعد مدنی زریف لارہے تھے اور بہت سے علماء ان کے استقبال کے لئے جمع تھے اور ملاقات میں سہولت کے لئے قطار بنا لی تھی، میں بھی ان میں کھڑا ہو گیا، مولانا آئے ایک ایک سے خیریت دریافت کی میں تو محض رسماً کھڑا تھا، مولانا نے پوچھا بھائی آپ کہاں سے آئے ہیں؟ تو بتایا کہ واں پھر اں سے، اس پر انہوں نے مجھے گلے لگا لیا اور فرمایا پ تو ہمارے مرشد حضرت مولانا حسین علی کے گاؤں کے ہیں“ اور پھر حضرت کے بارے میں اپنی عقیدت کا اظہار ن الفاظ میں کیا، میں نے سوچا کہ بھائی اگر مولانا حسین علی ایسے ہی تھے جو یہ ہندوستانی بزرگ بتا رہے ہیں تو ہم تو بے وقوف ہیں جو انہیں برا بھلا کہتے ہیں۔ ملک کلیم نے بتایا کہ پھر میں نے علماء دیوبند کے عقائد کا مطالعہ کیا دیوبندی ہو کر داڑھی بھی رکھ لی، یہ سب مولانا محمد اسعد مدنی صاحب کا فیض ہے۔“

قارئین ! اس واقعہ سے حضرت مولانا محمد اسعد مدنی کے کردار کے حسن کی ایک جھلک صاف دیکھی جا تی ہے۔ حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی ”بہت بڑے شیخ طریقت تھے، بہت بڑے عالم دین تھے، بہت ہی مدبر باست دان تھے، مگر ان کی شخصیت اور تمام تر اوصاف و کمالات اپنے والد حضرت شیخ الاسلام مدنی کی بھاری بھر کم نصیت تلے دب گئی تھی اور انہوں نے بھی اس کے نیچے دبے رہنے کو ہی سعادت سمجھا اور وہی ان کی پہچان تھی۔ لکھنے والے مولانا اسعد مدنی کو دیکھتے تو نظر شیخ الاسلام مدنی پر جا ٹھہرتی اور مولانا اسعد نے چالیس سال میں ثابت ردیا کہ وہ اس حسین احمد مدنی کے بیٹے ہیں جو عرب و عجم کا شیخ تھا، جو شیخ الاسلام تھا، جو امیر المؤمنین فی الحدیث تھا و اس دھرتی پر اپنے وقت کے کاملین کا امام تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محمد سلمان منصور پوری

مدتوں رو یا کریں گے.....

بالآخر وہ خبر سن ہی لی گئی جس کو سننے کے لئے کان تیار نہ تھے، اور جس پر یقین کرنے کو دل آمادہ نہ تھا۔ ۷ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ کی شام جب کہ سورج معمول کے مطابق غروب ہونے کو تیار تھا، عین اسی وقت دہلی کے اپولو اسپتال میں ۸۰ سال تک غیر معمولی فعالیت، جدوجہد و عمل اور بے مثال قوت ارادی کے ساتھ زندگی گزارنے والی شخصیت بھی حیاتِ مقدسہ کے آخری پڑاؤ پر پہنچ کر داعی اجل کو لبیک کہنے کی منتظر تھی۔ سفر آخرت کا بگل بج چکا تھا، متاعِ زندگی تو شہ آخرت بن کر تیار تھا، مسافر کی نظریں گویا کہ راستہ پر لگی ہوئی تھیں، آخر کار قضا و قدر کے فیصلہ کے مطابق مقررہ وقت آ پہنچا، اور ملتِ اسلامیہ ہند کا وہ گوہر نایاب جو نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک ملی قیادت کے افتخار پر چمکتا رہا، اسلامیان ہند کا وہ لعل جس نے کبھی بھی کسی موڑ پر ملت کی خیر خواہی اور مخلصانہ خدمت سے گریز نہیں کیا، دینی حمیت و غیرت کا وہ گہرا جو ہمیشہ باطل طاقتوں اور گمراہ کن فتنوں کے سامنے سد سکندری بن کر سینہ سپر رہا، اور اصلاح امت اور رشد و ہدایت کا وہ سفیر جس نے اپنی حد تک دین محمدی کی اشاعت اور اپنے اکابر و اسلاف کی امانت کو امت تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، وہی عزم و ہمت کا ماہتاب اور استقامت و عزیمت کا آفتاب اسی شام پونے چھ بجے اپنے رب رحیم کا نام لیتے ہوئے غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی جدائی کا غم امت آسانی سے بھلا نہ پائے گی، ملی سفر کے قدم قدم پر آپ کی یاد آئے گی۔ بالخصوص مشکلات کی گھڑی اور نت نئے اٹھنے والے فتنوں کے وقت آپ کی اصابت رائے اور قوت عمل کے نقوش مٹائے نہ مٹ سکیں گے۔

فدائے ملت

ملی خدمت کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جہاں آپ کی جدوجہد اور خدمات جلیلہ کے زریں اثرات موجود نہ ہوں، آپ نے جس گھر میں آنکھیں کھولی تھی وہاں مہمان نوازی، ایثار و قربانی اور دین پر مٹنے ہی کا شب و روز ذکر ہوتا تھا، تجریکات آزادی پورے زور و شور سے جاری تھیں، اسی ماحول میں آپ نہ صرف پروان چڑھے بلکہ آپ نے اپنے عظیم ترین والد؛ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے افکار و نظریات اور عادات و اطوار میں اپنے آپ کو پوری طرح ڈھال لیا، اور پوری زندگی انہی افکار کے تحفظ میں گزار دی، حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد آپ نے نو عمری کے باوجود جس انداز میں حضرت کے چھوڑے ہوئے کاموں کو سنبھالا تو دیکھنے والوں نے اسی وقت اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر ملت کا مسیحا اور ملک و قوم کا عظیم قائد بنے گا۔ چنانچہ ان توقعات کو پورا ہونے میں دیر نہیں لگی، اور جلد ہی دنیا نے دیکھ لیا کہ عظیم باپ کا یہ عظیم فرزند جب ملت کی امانت ”جمعیۃ علماء ہند“ کا امین بنا تو پھر اس نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، اور جس طرح تقسیم ملک کے موقع پر

”مجاہد ملت“ حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروٹی نے دہلی کے فسادات میں بے باکی اور جرأت کی تاریخ رقم کی تھی، اسی طرح اس قائد جمعیت نے کلکتہ، راولپنڈی، جمشید پور وغیرہ کے فسادات میں بے خوف و خطر میدان خدمت میں اتر کر شجاعت و بہادری اور جرأت و حمیت کا وہ نمونہ پیش کیا کہ بجا طور پر قوم ان کو ”قدا ئے ملت“ کا لقب دینے پر مجبور ہو گئی، پھر آپ نے اس لقب کا بھرم اس طرح رکھا کہ تازندگی ملک میں جب بھی اور جہاں بھی فساد ہوا، آپ تڑپ اٹھے اور کتنی ہی مرتبہ یہ صورت پیش آئی کہ آپ فساد زدہ علاقوں میں سب سے پہلے ایسے وقت پہنچے جب کہ خون کی ہولی جاری تھی، اور متاثرہ علاقوں سے آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے۔ آپ نے تڑپتی لاشوں کو اٹھانے، زخمیوں کو امداد پہنچانے اور بے سہاروں کو سہارا دینے میں اپنے پورے وسائل صرف فرمادئے۔ اپنے کمروں میں بیٹھ کر سخت مذمتی بیان دے دینا یا کسی پر امن جگہ جا کر احتجاج کر دینا بہت آسان ہے، لیکن جان ہتھیلی پر رکھ کر موقع پر پہنچنا اور متاثرین کو دلا سہ دینا اور ان کی ہمت بڑھانا یقیناً ایسا کام ہے؛ جو ہر ایک کے بس میں نہیں ہے، ایسے حالات کو سن کر ہی لوگوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں اور رو ٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یقیناً اس مجاہد جلیل ہی کا حوصلہ تھا کہ اس نے اپنی جان کی پروا کئے بغیر ایسے خطرات کے مواقع پر اپنی وسعت بھر خدمات انجام دینے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ یہیں نہیں بلکہ جب جب ملک و قوم پر کوئی افتاد پڑی اور آسمانی حوادث آئے تو بھی اس ناصح ملت نے آگے بڑھ کر متاثرین کو امداد بہم پہنچانے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ گجرات اور کشمیر کے ہولناک زلزلوں اور جنوبی ہند میں گذشتہ سال آنے والے سمندری طوفان کی تباہی کے بعد وہاں کے بے سہارا افراد بالخصوص مسلمانوں کی باز آباد کاری کے لئے آپ کی ہدایت پر جمعیت علماء ہند نے آپ کے صاحب زادے جناب مولانا سید محمود صاحب مدنی زید فضلہ کی نگرانی میں جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ ملی خدمت کا ایک سنہرے باب ہے، آخر آخر تک آپ اسی فکر کو اوڑھے رہے۔ رمضان المبارک میں شدید علالت، پیرانہ سالی اور حد درجہ ضعف کے باوجود پختہ ارادہ کئے ہوئے تھے کہ جیسے ہی پاکستان کا ویزا ملے گا فوراً وہاں کے زلزلہ زدہ علاقہ کا دورہ فرمائیں گے، اور اس سفر کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ ملت کے لئے ایسی ہمدردی اور بے چینی رکھنے والی ذات کی جدائی پر جس قدر بھی غم کیا جائے کم ہے۔

قائد جمعیت

جمعیت علماء ہند کو ایک باوقار، فعال اور ملک گیر تنظیم بنانے میں آپ کے کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ جس وقت آپ نے جماعت کی ذمہ داری سنبھالی تو اس کا مرکزی دفتر ملی ماران (دہلی) کی ایک عمارت تک محدود تھا، لیکن آپ کی تنگ و دو سے وہ مسجد عبدالنبی (آئی ٹی او) میں منتقل ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے راجدھانی کے قیمتی ترین اور اہم ترین مرکزی علاقہ میں شاندار کپلیکس میں تبدیل ہو گیا۔ ملک کی کسی بھی جماعت کے پاس ایسا شاندار دفتر نہیں ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ آپ کے دور صدارت و نظامت میں جمعیت علماء اور اس کی عظیم خدمات کا دائرہ کشمیر سے

کیرالا اور بمبئی سے مئی پور تک پھیل گیا، اور یہ جماعت مسلمانوں کی سب سے بڑی، باوزن اور موثر جماعت بن گئی، فالحمد لله علی ذلک۔

دارالعلوم دیوبند کے روح رواں

ملت اسلامیہ کا سب سے عظیم سرمایہ ”دارالعلوم دیوبند“ جو آج بے نظیر شاہ راہ ترقی پر گامزن ہے اور جس کا تعلیمی معیار اور مستحکم شوری نظام قابل رشک بن چکا ہے، اس ادارہ کو اس بلند مقام تک پہنچانے میں بھی حضرت امیر الہند کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیوبند میں اٹھنے والا قضیہ نامرضیہ حضرت امیر الہند کی زندگی کا سب سے الم ناک موڑ تھا۔ میں نے خود نومبر ۱۹۸۱ء میں ایوان غالب دہلی میں منعقد ہونے والے ”تحفظ دارالعلوم کنونشن“ میں حضرت مولانا کی وہ اثر انگیز تقریر سنی تھی، جب تقریر کے دوران آپ کے دل کا درد آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کی جھڑی کی شکل میں ظاہر ہوا تھا، جو اپنی ہم فکر اور ہم مشرب جماعت کے آپسی اختلافات پر آپ کے دل کی کسک کا مظہر تھا۔ اس معاملہ میں آپ کو جس قدر ذہنی کلفتیں اٹھانی پڑیں اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، مگر آپ اپنے اصولی موقف پر پہاڑ کی طرح جمے رہے، اور دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ کا فرض اس طرح انجام دیا کہ بعد میں آپ کے ناقدین بھی ماننے پر مجبور ہو گئے اور مقام مسرت ہے کہ آخر عمر میں فریقین کی وسعت ظرفی اور خلوص کی بدولت جماعت دیوبند میں اتحاد و اتفاق اور یکجہتی وہم آہنگی کی مسرت بخش ہوا میں چل پڑیں، ۱۰، ۱۱، یوبند کی تاریخ کا ایک ناگوار باب ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا، اس پر جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

مصلح امت

حضرت امیر الہند نے اپنی زندگی کا اصل مقصد اشاعت و حفاظت دین کو بنایا تھا، آپ کو بہت سے لوگ محض ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے جانتے تھے، لیکن اگر آپ کی پوری زندگی اور مصروفیات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ سب سیاسی سرگرمیاں ملا کر آپ کی مصروفیات کا دس فیصد حصہ بھی نہیں بن سکتیں۔ آپ کی نوے فیصد سے زیادہ سرگرمیاں خالص دینی تھیں، آپ کے روزمرہ کے ملکی و بیرون ملکی اسفار کا بیشتر حصہ دینی و اصلاحی پروگراموں یا مدارس اسلامیہ کے سالانہ جلسوں پر مشتمل ہوتا تھا، اور ملی و دینی اسفار کی کثرت میں آپ اپنے ہم عصروں میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے، کسی جہاں دیدہ شخص نے آپ کے اسفار کو دیکھ کر کہا تھا کہ: ”معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ریلوے لائنیں مولانا مدنی کے سفر کے لئے ہی بچھائی گئی ہیں“ اور اسفار میں وعدہ کی پاسداری ایسی تھی کہ جب پروگرام دے دیا تو پھر خواہ طوفان ہو یا آندھی، لو کے تھیڑے ہوں یا موسلا دھار بارش ہر ممکن طور پر وقت پر پروگرام کی جگہ پہنچنے کی کوشش فرماتے تھے۔ بلاشبہ عالم کی لاکھوں مسجدیں اور سجدہ گاہیں آپ کی نمازوں کے سجدوں کی گواہ بنیں گی، اور آپ کے درجات کی بلندی کا سبب بنیں گی۔

مضبوط سیاسی نظریہ

آپ قومی ضرورت کے تحت سیاست کی خاردار وادی سے وابستہ رہے، مگر کبھی اپنے عالمانہ وقار پر آنچ نہ آنے دی، آپ مصلحت اور حکمت عملی تو ضرور اپناتے تھے، مگر خوشامد اور چالپوسی سے آپ کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا، جب بھی قوم و ملت کا کوئی مسئلہ پیش آتا تو ارباب حکومت سے پوری مضبوطی سے بات کرتے اور بڑے سے بڑے منصب والے سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ پارلیمنٹ کا ایوانِ بالا (راجیہ سبھا) اٹھارہ سال تک آپ کے جرأت مندانہ بیانات سے گونجتا رہا۔ انڈین نیشنل کانگریس سے تعلق ضرور رہا، مگر آپ نے پارٹی میں رہتے ہوئے بھی کبھی حق گوئی سے گریز نہیں کیا، اور جب بھی پارٹی کی طرف سے کوئی غلط پالیسی سامنے آئی تو اس پر برملا نکیر کی، اور حتی الامکان اسے غلط نظریات سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ اگر مسلمان پوری طرح اس سیکولر قومی پارٹی سے کٹ جائیں گے تو اس پر جن سنگھی لابی حاوی ہو جائے گی جو ملک و قوم کا بڑا نقصان ہوگا۔ آپ ”متحدہ قومیت“ کے مضبوط مؤید تھے اور ہندوستان میں اس نظریہ کو مسلمانوں کی بقا کی ضمانت سمجھتے تھے، آپ جس طرح ہندو فرقہ پرستی کے سخت خلاف تھے اس سے زیادہ مسلم فرقہ پرستی کو ملک و قوم کے لئے سم قاتل سمجھتے تھے۔ اسی لئے آپ کسی بھی ملی مسئلہ کو ہندو مسلم رنگ دینے کے بجائے انصاف اور نا انصافی اور برابری اور امتیاز کی حیثیت سے بحث کا موضوع بنانے کے قائل تھے۔

مجھے یاد ہے جب بابر مسجد کا مسئلہ پورے شباب پر تھا، اور شہر در شہر لوگ فرقہ وارانہ کشیدگی کی آگ میں اپنی قیادت چمکانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، جمعیت علماء کے ایک اجلاس میں اراکین نے بہت زور دیا کہ اس وقت جمعیت علماء کو بھی میدان میں آکر قوم کی قیادت کرنی چاہئے، مگر حضرت مولانا پوری بصیرت کے ساتھ یہی فرماتے رہے کہ ”اس وقت قوم کی زرد قیادت“ جس رخ پر جا رہی ہے وہ عافیت کا نہیں بلکہ ملک کی تباہی کا راستہ ہے، بابر مسجد کا معاملہ سڑکوں پر ہرگز حل نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے صرف اور صرف عدالتی لڑائی لڑنی چاہئے۔ اور یہ کام جمعیت علماء روز اول سے کر رہی ہے۔“ افسوس کہ اس وقت اس دوران دلش رہنمائے قوم کی اس رائے کو کمزوری اور بزدلی جیسے طعنوں سے نوازا گیا، لیکن چند ہی سالوں کے بعد لوگوں نے دیکھ لیا کہ نہ صرف یہ کہ بابر مسجد شہید ہوئی، بلکہ سیکڑوں مسلمان جاں بحق ہوئے، کتنی عزتیں تار تار ہوئیں، کس قدر املاک تباہ ہوئیں اور ان حالات میں سب خود رو قائدین روپوش ہو گئے، اور بات لوٹ پھیر کرو ہیں آگئی کہ عدالت کے فیصلہ کے علاوہ اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے۔

آپ جمعیت علماء کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں بار بار اس حقیقت کو اجاگر کرتے تھے کہ آزادی کے بعد سے اب تک ملک کے اقتدار اور دولت پر ایک مخصوص اقلیتی طبقہ (برہمن لابی) حاوی ہے، اور اس نے اپنی شاطرانہ سیاست سے اپنے کو اکثریت بنا رکھا ہے، حالاں کہ یہ ملک اقلیتوں کی اکثریت کا ملک ہے (یہ حضرت کی خاص

اصطلاح ہے) یہاں سب سے بڑی تعداد ”دلت سماج“ کی ہے، جنہیں برہمن لابی بھڑکا کر فسادات وغیرہ میں کام لیتی ہے، اگر مسلمان ان دلت لوگوں کو اپنائیں تو نہ صرف یہ کہ فسادات کا خاتمہ ہوگا بلکہ مسلمان دلتوں کے ساتھ مل کر ملک کی سب سے بڑی طاقت بن جائیں گے، اور طاقت کی کنجی ان کے پاس آجائے گی۔ چنانچہ بالخصوص گجرات کے ہولناک فسادات کے بعد آپ نے عملی طور پر ”دلت مسلم اتحاد“ کا اقدام کیا، اور فسادات کے بعد جب کہ پورے ملک کا مسلمان بی جے پی حکومت کے سخت گیر اقدامات کی وجہ سے سہا ہوا تھا، آپ نے دلت لیڈر ”ادت راج“ کے ساتھ مل کر رام لیلا میدان دہلی میں زبردست اجلاس کیا، جس میں لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی اور قوم کے اندر پھر ایک ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا، بعد میں بھی آپ نے پورے ملک میں اس تحریک کو عام کیا۔ حیدرآباد کے دلت لیڈر ”غدر“ اور آسام کے قبائلی لیڈروں سے بھی روابط پیدا کئے، اور اخیر تک اس مشن کو جاری کئے رہے۔

امن وامان کے نقیب

آپ اس ملک میں کسی طرح کی بھی تخریبی کارروائی کے شدید مخالف تھے، بالخصوص مدارس اور دینی جماعتوں کو اس بارے میں نہایت سخت الفاظ میں متنبہ فرماتے رہتے تھے۔ بعض لوگوں کو آپ کی یہ شدت بری بھی لگتی تھی، لیکن پیش آمدہ واقعات نے آپ کی تشویش کو سچ کر دکھایا، اور آپ کی اسی تلقین کا اثر تھا کہ مدارس ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے محفوظ رہے اور ایڈوانٹی جیسا فرقہ پرست لیڈر بحیثیت وزیر داخلہ پارلیمنٹ میں یہ بیان دینے پر مجبور ہوا کہ ملک کا کوئی مدرسہ دہشت گردی میں ملوث نہیں پایا گیا۔

فتنوں کے مقابلہ میں سد سکندری

حضرت امیر الہند اس دور میں مسلک حقہ کی روشن عامت تھے، آپ کو دین کی اس قدر تڑپ تھی کہ جب اور جہاں دینی گفتہ انگیزی کی بات سنتے فوراً بے چین ہو جاتے۔ اور فتنہ کو فرو کرنے کے لئے ممکنہ حد تک اسباب و وسائل اور تدبیریں اختیار فرماتے تھے، باطل عقائد و نظریات کے سلسلہ میں مصالحت اور مدافعت کا آپ کے یہاں کوئی خانہ نہ تھا۔ ہندو پاک اور بنگلہ دیش و نیپال میں آپ نے فتنہ قادیانیت، رد عیسائیت اور رد غیر مقلدیت کے لئے وہ عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں جن کی بدولت ہزاروں افراد رتداد اور گمراہی سے محفوظ رہے، وہ یقیناً آپ کے لئے صدقہ جاریہ اور رفیع درجات کا ذریعہ بنیں گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

تخل مزاجی

آپ کو اپنی زندگی میں اپنوں اور غیروں کی طرف سے قدم قدم پر سخت مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا، کتنے ہی لوگوں نے آپ کی مخالفت کو اور تھکے تھکے تبصروں کو گویا اپنی زندگی کا مشن بنا لیا، وقتاً فوقتاً یہ ابال اٹھتا رہتا اور اخبارات و رسائل کے صفحات کے صفحات سیاہ کئے جاتے رہتے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر آپ کے عقیدت مند اور جانثار دل

موس کر رہے تھے مگر آپ نے کبھی ان باتوں کا اثر نہیں لیا، بلکہ گرد و پیش سے بے پروا ہو کر جس بات کو حق سمجھا اس پر ثابت قدم رہے۔ کئی بار خود احقر نے حضرت کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”بھائی! ہم تو ”گالی پروف“ ہو گئے ہیں، ہمارے اوپر کسی کی اچھائی یا برائی کا کچھ اثر نہیں پڑتا“۔ مجلس عاملہ کے اجلاس میں بھی آپ یہی بات دہراتے کہ لوگوں کی خوشی یا ناخوشی کا خیال کئے بغیر امت کا مفاد پیش نظر رکھنا چاہئے۔ امام احمد بن حنبلؒ اپنے مخالفین سے فرماتے تھے کہ ”بیننا و بینکم یوم الجنائز“ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ اس دن ہوگا جب ہمارے جنازے اٹھیں گے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ ان کے مخالفین کے جنازوں میں کاندھا دینے والے بھی بمشکل دستیاب ہوئے، جب کہ امام احمد بن حنبلؒ کے جنازہ میں ۲۴ لاکھ افراد کی شرکت کا اندازہ لگایا گیا۔ یہی کچھ صورت حال حضرت امیر الہند کے جنازہ میں بھی دیکھنے میں آئی کہ مختصر وقت، شدید سردی اور کھرے کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں لوگ جنازہ میں شریک ہوئے کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اور کھلی آنکھوں آپ کی محبوبیت اور مقبولیت کا نظارہ نظر آیا، مجمع کا عالم یہ تھا کہ اگر نماز میں اس قدر عجلت نہ کی جاتی اور نماز جنازہ ۹ ریادس بجے ہوتی تو مجمع کو کسی طرح بھی کنٹرول کرنا ممکن نہ ہو پاتا۔

شفقتیں یاد آئیں گی

اس ناکارہ کو حضرت کے ساتھ سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ساتھ رہنے کا الحمد للہ بہت موقع ملا، متعدد مرتبہ سفر حج میں بھی معیت نصیب ہوئی، اور ۱۹۸۸ء میں میرٹھ کے ایکسڈنٹ کے بعد جب آپ اسپتال میں رہے تو مکمل چار مہینہ مسلسل حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بلاشبہ یہ ایام احقر کی زندگی کے نہایت قیمتی لمحات تھے۔ احقر نے دیکھا کہ ہاتھ اور کولہے کی ہڈی میں فریکچر ہونے کی وجہ سے تقریباً دو مہینہ مکمل صاحب فراش رہے، مگر اس حالت میں بھی اسپتال میں نماز باجماعت ادا فرماتے تھے، آپ نے اپنا بیڈ قبلہ رخ کروایا تھا، ہم خدام ارد گرد کھڑے ہو جاتے اور آپ جماعت میں شامل ہو کر نماز ادا فرماتے تھے۔ اسی طرح اس حالت میں بھی تہجد کی نماز فوت نہ ہونے دیتے، تہجد کے وقت احقر کو آواز دیتے، احقر تیمم کرانا اور آپ نماز میں مشغول ہو جاتے، علالت کے دوران خالی وقت میں احقر مکتوبات شیخ الاسلام سنانا اور حضرت مشکل مقامات کی تشریح فرماتے، جس سے آپ کی علمی استعداد اور معارف و حقائق پر گہری نظر کا پتہ چلتا تھا۔ کبھی احقر اعرابی غلطی کرتا تو اس کی بھی تصحیح فرماتے۔ راقم الحروف نے بارہا محسوس کیا کہ آپ کا ذکر قلبی اور پاس انفاس (سانس کے ساتھ ذکر) بے اختیار جاری رہتا تھا، یہ ناکارہ ۱۹۸۷ء میں دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد حضرت الاستاذ المعظم فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی سفارش پر حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہوا، آپ نے سب سے پہلے پاس انفاس کی تلقین کی، پھر دیگر اسباق کے بعد دہلی کے اسپتال کے قیام کے دوران مراقبہ کی تعلیم دی اور اسی سال رمضان المبارک میں اجازت سے سرفراز فرمایا، اس سہ کار کو بیعت کی وجہ سے اگرچہ

حضرت سے زیادہ بات چیت کرنے کی ہمت نہ ہو پاتی، لیکن جب بھی حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی تو حضرت ضرورت سے زائد خیال فرماتے، اور انتہائی شفقت کا اظہار فرماتے، اور احقر اگر کوئی بات عرض کرتا تو اس کو بڑی اہمیت سے سماعت فرماتے، اور ہمیشہ ”مولوی سلمان“ کہہ کر مخاطب ہوتے، یہ سب آپ کی خوردنوازی کے نمونے تھے، افسوس کہ اب یہ شفقتیں محض خواب بن گئیں۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

احقر ۲۲ شوال کو جب مغرب کے وقت دیوبند پہنچا تو آپ کے وہیل چیئر سے گرنے کا واقعہ پیش آچکا تھا، احقر مغرب کی نماز پڑھ کر فوراً خدمت میں حاضر ہوا تو بدن کا بائیں حصہ مفلوج ہو چکا تھا، زبان بند تھی لیکن داہنے حصہ میں حرکت باقی تھی اور آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں، احقر کو دیکھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور حسب معمول قدرے مسکرائے، اور منہ میں تھوک جمع ہو گیا تھا اسے نکالنے کا اشارہ کیا، ہم لوگوں نے پیچھے سے اٹھا کر اگالداں سامنے کر دیا اس میں تھوکا، لیکن پھر بے ہوشی گہری ہوتی چلی گئی۔ آپ کو فوراً دہلی لایا گیا، اور بالآخر ۳ مہینہ پانچ دن امید و بیم کی کیفیت میں رہ کر آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمةً واسعةً۔

آپ مدرسہ شاہی کے سرپرست اعلیٰ تھے، اور آپ کے وجود با جود سے یہ ادارہ مسلسل ۲۸ سال تک مستفیض ہوتا رہا، اس لئے حضرت موصوف کا یہ حق ہے کہ ”ندائے شاہی“ حضرت مرحوم کی حیات و خدمات پر ”خصوصی نمبر“ شائع کرے۔ چنانچہ ۱۶ صفحات کے اضافہ کے ساتھ سر دست جو مضامین دستیاب ہوئے وہ تو اس وقت شائع کئے جا رہے ہیں، تاکہ کبھی قارئین حضرت کی زندگی اور اوصاف و کمالات کی کچھ جھلکیاں دیکھ لیں۔ پھر انشاء اللہ مستقبل قریب میں ندائے شاہی کا مبسوط ”ندائے ملت نمبر“ شائع کیا جائے گا۔ متعلقین حضرات سے درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے تاثرات اور چشم دید حالات و واقعات لکھ کر بھیجیں تاکہ انتخاب میں سہولت ہو۔

کشکولِ معرفت (مکمل) : از ! مولانا عبدالقیوم حقانی

شیخ الفییر مولانا احمد علی لاہوری کے خلیفہ اجل، معروف سکالر اور عظیم روحانی پیشوا، حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسنی نور اللہ مرقدہ (انک) کے گرانقدر اور واقع مکاتیب کا مجموعہ، جو پانچ، چھ سال تک مولانا عبدالقیوم حقانی کے نام لکھے جاتے رہے اور جن میں شریعت و طریقت، علم و عمل، دین و دنیا کی فلاح، مشکلات میں نجات کی راہ، مختلف اوقات کے مسنون و وظائف، علم کے تقاضے، عمل کی برکات، دسیوں مفید کتابوں کا تعارف اور زندگی کے مختلف میدانوں میں کامیابی کے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جنہیں مولانا عبدالقیوم حقانی نے موزوں عنوانات، حسن تربیت اور مفید تفسیر کے ساتھ مرتب کر لیا ہے۔

صفحات : 457 قیمت : 180 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

محمد منزل الحق الحسینی

ناظم اعلیٰ تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند

شخصیت کے چند امتیازی پہلو

مولانا سید اسعد مدنی "کچھ منفرد خصوصیات و امتیازات کے حامل تھے، ان کی شخصیت جفاکشی، ارادے کی پختگی اور ہر عمل میں عالمانہ وقار کے عناصر ترکیبی سے تشکیل پائی تھی، ان کی مجاہدانہ زندگی کا محور زیادہ تر جمعیت علماء ہند رہی، نوجوانی اور جوانی کا بڑا حصہ اس کی توسیع و استحکام میں گزرا۔ آزادی کے بعد جمعیت کی بیشتر معاصر تنظیمیں اپنی حرکت و عمل یا تو ختم کر چکی تھیں یا انہوں نے اپنے آپ کو بہت محدود دائرے میں سمیٹ لیا تھا، یہ مولانا ہی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ جمعیت آزادی کے بعد بھی پہلے کی طرح مضبوط، متحد اور مسلمانوں کی ہر قسم کی رہنمائی کے قابل ہے، آزادی سے قبل اس کا ممتاز نصب العین مکمل آزادی تھا، اور پھر آزاد ہند میں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ اس کا نصب العین قرار پایا۔ مولانا کی فعال قیادت نے اسے اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیشہ سرگرم، زندہ اور تابندہ رکھا۔ آج وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم نہیں تو کم از کم حاوی نمائندہ تنظیم ضرور ہے۔

جمعیت علماء ہند کو مولانا کے عطایا میں سے ایک عظیم عطیہ اس کا مالی اور اثاثی استحکام ہے، مولانا کی تگ و دو کا کافی بڑا حصہ جمعیت کو مالی اور اثاثی حیثیت سے خود کفیل بنانے اور اس کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں صرف ہوا، یہاں تک کہ وہ آج اپنے اثاثوں کے اعتبار سے بھی ہندوستان کی گنی چنی تنظیموں میں شامل ہے۔ اس کے اپنے صدر دفتر کی عالیشان عمارتوں کے علاوہ اس کے کئی صوبہ جاتی اور ضلعی دفاتر کی عمارتیں مولانا ہی کی تحریک و تحریص کا ثمرہ ہیں۔

مولانا کی جدوجہد کا ایک اہم پہلو دینی مدارس اور تحریک مدارس کی سرپرستی تھا۔ اس کے لئے انہوں نے شدید موسموں میں تھکا دینے اور اکتا دینے والے دور دراز کے اسفار کیے۔ اس سلسلے میں پورا ملک بلکہ پورا برصغیر ان کا دائرہ عمل تھا، زندگی میں شاید چند ہی ایسے واقعات ہوں جہاں وہ تاریخ دے کر نہ پہنچ سکے ہوں۔ خصوصاً مدارس کے سالانہ جلسوں میں شرکت کے لئے وہ طوفانی دورے فرماتے اور وقت مقررہ پر اپنے پہنچنے کو یقینی بنایا کرتے تھے، کسی بھی مدرسے میں مولانا کی آمد اس کے جلسے کی کامیابی کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ مولانا کی یہ قربانی مدارس اور اہل

مدارس کے لئے بڑی حوصلہ بخش ثابت ہوا کرتی تھی۔

مولانا کی شخصیت کا ایک اور امتیازی پہلو بالخصوص علماء اور بالعموم مسلمانوں کی سیاسی قیادت اور نمائندگی تھی، وہ اٹھارہ سال کے طویل عرصے تک پارلیمنٹ کے ایک باکردار اور باوقار ممبر رہے، نظریاتی اعتبار سے وہ جنگ آزادی میں جمعیت علماء ہند کے نظریے سے ہم آہنگ جماعت کانگریس سے پورے ثبات کے ساتھ وابستہ رہے، مگر اس کے لئے انہوں نے کبھی مسلمانوں کے مسائل سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے مسائل کو لے کر کانگریس کے خلاف تحریک چلائی جو اور کسی سیاسی رہنما کا دل گردہ نہ تھا۔ پارلیمنٹ کی لائبریری میں ان کی درجنوں ایسی تقریریں موجود ہیں جو انہوں نے کانگریسی حکومت کے خلاف کی تھیں، اگر یہ تقریریں شائع ہوں تو علماء اور مسلم رہنماؤں کی نسلوں کے لئے جرأت و بے باکی اور ملت کے لئے جگر سوزی کا ایک بے مثال اور قابل تقلید نمونہ ثابت ہو سکتی ہے۔

۱۹۶۵ء کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار پر بحث کے دوران جب ایک کانگریسی ممبر نے کہا کہ مسلمانوں کو یونیورسٹی کے نام سے ”مسلم“ کا لفظ ہٹا دینا چاہئے، تو مولانا نے پارلیمنٹ میں گرج کر کہا تھا کہ اگر ہندو برادران بنارس ہندو یونیورسٹی سے ”ہندو“ کا لفظ ہٹا دیں تو میں علی گڑھ یونیورسٹی کے ماتھے سے مسلم کا لفظ کھرچ دوں گا لیکن پھر آپ کو کانگریس کے آئین سے ”سیکولر“ کا لفظ بھی نکال دینا ہوگا۔ اس پر پارلیمنٹ ہاؤس میں سناٹا چھا گیا تھا۔ مولانا نے کبھی جذباتی سیاست نہیں کی، انہوں نے زندگی میں سینکڑوں مظاہرے جلسے جلوس اور ریلیاں نکالیں اور تحریکیں چلائیں لیکن کبھی کسی مسلمان کے ناخن کو بھی خراش نہیں آئی جبکہ بسا اوقات چھوٹے چھوٹے احتجاجوں میں بیش قیمت جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

مولانا کی شخصیت کا ایک اور امتیازی وصف ان کی وہ خودداری اور عزت نفس تھی جو ان کو اپنے عالی مرتبت والد اور خانوادے سے وراثت میں ملی تھی۔ اپنی نوعمری اور جوانی کے عالم میں بھی وہ بڑی سے بڑی عالمی شخصیت سے ہر معاملے میں دراز قد اور بلند قامت ہو کر ملے، جوان کے عالمانہ وقار اور منصب کے عین مطابق معلوم ہوتا تھا۔ ان کی موجودگی میں کسی کو کسی نازیبا حرکت یا ناشائستہ قول و عمل تو کیا بلا ضرورت لب کشائی کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء اور وزراء ان کی خدمت میں حاضر ہونا اپنی سعادت اور شان تصور کیا کرتے تھے۔ مولانا قد آور قومی اور عالمی شخصیات سے مساویانہ اور برادرانہ لب و لہجے میں مخاطب ہوتے اور بڑے سے بڑے معاملے میں بھی بے نیازی اور استغناء کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیتے۔

وزیر اعظم ہند محترمہ اندرا گاندھی کئی بار جمعیت علماء ہند کے دفتر تشریف لائیں، اسی طرح متحدہ عرب

امارات کے سابق صدر شیخ زائد بن سلطان آل نہیان، امام حرم مکہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ السبیل، سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف جیسے عالمی رہنماؤں نے مولانا سے ان کی قیام گاہ دفتر جمعیتہ میں تشریف لا کر ملاقاتیں کیں۔ یہ جہاں ان بزرگوں کی بڑائی کا ثبوت ہے، وہیں مولانا کی عظمت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ مولانا اپنے والد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی حیات میں اپنی عمر اور سلوک کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچے تھے جب طبیعتیں بار خلافت کی متحمل ہو جایا کرتی ہیں، اس لئے آپ کو حضرت مدنیؒ سے براہ راست خلافت حاصل نہ ہو سکی، البتہ حضرت مدنیؒ کی رحلت کے بعد ان کے معتمد خلفاء نے مل کر آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔ ملک کے طول و عرض بلکہ بیرون ملک بھی آپ کے خلفاء اور مریدوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ اپنے مریدوں اور خلفاء کی وفاداری اور جاں نثاری میں آپ اپنے والد حضرت مدنیؒ کے شریک و سہیم ہیں، نمازوں میں آپ کا اطمینان و دل جمعی اور دیگر عبادات میں آپ کی رغبت و انشراح قابل دید اور قابل تقلید ہوا کرتے تھے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا، جمعیتہ علماء ہند اپنے نظام اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے ہندوستان کی وسیع ترین جماعت ہے۔ اس کا دائرہ کار پورا ملک اور موضوع کار دین، ملت اور سیاست سبھی میدان ہیں۔ ایسی صورت حال میں نظریات و ترجیحات کے تعین میں اختلاف ہونا بھی کوئی امر محال نہیں۔ مولانا کو بھی متعدد مرتبہ اپنے بعض بزرگوں اور خاص الخاص مخلص ترین رفقاء اور معاصرین کا اختلاف رائے برداشت کرنا پڑا۔ بالخصوص ”قضیہ دیوبند“ کے موقع پر ان اختلافات نے شدت اختیار کی مگر یہ تمام اختلافات، آراء کے اختلافات تھے، جو اگرچہ بعض مرتبہ جسمانی بعد اور راہ عمل کے افتراق تک بھی منبج ہوئے، مگر دل و دماغ میں ایک دوسرے کے لئے اُلفت و یگانگت کی چنگاری بھی فروزاں رہی۔ تقریباً ایک سال پیشتر اس کا بڑا مسرت آگین نمونہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب مولانا سید اسعد مدنیؒ اور مولانا محمد سالم قاسمی کی ملاقاتوں کی تجدید ہوئی۔

مولانا کی ایک اور انفرادیت یہ تھی کہ ان کی شخصیت میدان عمل میں قدم رکھنے کے بعد سے وفات تک اپنے دینی، ملی، سیاسی معاصرین اور مؤیدین و ناقدین کے اعصاب پر طاری رہی، مشکل ہی سے کوئی مجلس ہوتی ہوگی جب ان موضوعات پر آزادانہ تبصرہ ہوتا ہو اور مولانا کا ذکر نہ آتا ہو، خواہ وہ ذکر مؤیدانہ ہو یا نکتہ چینیانہ۔

مولانا کی اپنی ترجیحات اور اپنا طریقہ کار تھا، وہ اپنی ذمہ داریوں سے بزرگانہ شان کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے اور ملت کے لئے اپنے کارناموں، قربانیوں اور خدمات کا ایک ایسا اثاثہ چھوڑ کر گئے ہیں جن سے وہ تابقائے بقا مستفید ہوتی رہے گی۔ ان شاء اللہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حاجی میاں فیاض الدین دہلی

چند مشاہدات اور چند یادیں

۱۹۳۵-۳۶ء میں جدوجہد آزادی اپنے آخری مراحل میں تھی اور یہ وہ وقت تھا جب میں نے ہوش سنبھالا۔ اپنے والد محترم حاجی حافظ ظہور الدین کی زبانی مسلم مجاہدین آزادی کے تذکرے سنتا تھا اور خاص طور پر علمائے کرام اور اکابرین دیوبند کی قربانیاں اور کارنامے آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ میرے والد مرحوم بھی مجاہد آزادی تھے۔ مولانا محمد علی جوہر کی خلافت کی تحریک ہو یا علمائے کرام کی ریشمی رومال تحریک ہو یا اسیران مالٹا کی صعوبتیں یا پھر کانگریس کمیٹی کے اجلاس، شیخ الاسلام اور مفتی کفایت اللہ کے بغیر کانگریس کے اجلاس کامیاب نہیں ہوتے تھے۔ میں اپنی کم عمری میں ان حضرات کو بڑی عقیدت و احترام سے یاد کرتا تھا۔ خدا کے فضل و کرم سے ملک آزاد ہوا اور تقسیم ملک کے بعد برصغیر ہندوپاک میں تبادلہ آبادی اور خون خرابہ ہوا۔ آج بھی جب تصور کرتا ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی پاکستان ہجرت میں بہت شدت تھی۔ مسلمان ہندوستان میں خود کو غیر محفوظ سمجھ رہے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں گاندھی جی کی موت کے بعد ایک جمعہ کو نماز جمعہ جامع مسجد میں جمعیت علماء ہند کی طرف سے مسلمانوں کو تسلی و تشفی دینے کے لئے ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید، مولانا حفیظ الرحمن اور دیگر اکابرین ملک نے خطاب کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جامع مسجد دہلی کے حوض سے ان حضرات کی تقریر سن رہا تھا، جس وقت مولانا مدنی "تقریر کر رہے تھے تو میں نے محسوس کیا کہ کوئی فرشتہ تقریر کر رہا ہے۔ سفید لباس، سر پر ہر امامہ، واسکٹ اور سنہری فریم کا چشمہ اور نہایت ہی مدہم آواز میں تسلسل کے ساتھ تقریر کرنا فرشتہ صفت ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ چنانچہ میرے دل میں ان سے مصافحہ کرنے کی اُمنگ پیدا ہوئی، مگر مجھے بچہ جان کر لوگ پیچھے ہٹا دیتے تھے اور میں بے چین ہوا اٹھتا تھا۔ جامع مسجد کے جنوبی دروازہ پر مولانا کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ میں مولانا سے ہاتھ ملانے کے شوق میں گاڑی کے دروازے سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ چند منٹ بعد مولانا تشریف لائے اور گاڑی میں سوار ہونے لگے تو میں نے لپک کر فوراً السلام علیکم کہا اور مولانا کا ہاتھ مصافحہ کی غرض سے میں نے تھام لیا۔ مولانا نے میری طرف دیکھا اور دعائیں دیں۔ جب میں گھر لوٹا تو والد محترم کو سارا قصہ بیان کیا۔ یہ سن کر والد صاحب بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد میں اکثر روز نامہ الجمعیت جو جمعیت علماء ہند کا ترجمان تھا، اس میں

جمعیت کی کارکردگی، حالاتِ حاضرہ اور دینی مضامین پڑھتا تھا۔ کیونکہ جمعیت کا دفتر گلی قاسم جان میں واقع تھا، جہاں میں اکثر و بیشتر اپنے بڑے بھائی حافظ اسیر دہلوی کے ساتھ جاتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ آج تک جمعیت سے وابستگی ہے غالباً ۱۹۵۴ء کی بات ہے کہ دہلی کی ایک معروف برادری جس کو عرف عام میں جوتے والوں کی برادری کہا جاتا ہے ایک تاجر حاجی نواب الدین صاحب ماڈرن بوٹ ہاؤس حضرت مولانا اسعد مدنی کے بہت معتقد تھے۔ اسی برادری کے ایک اور بزرگ حاجی نجم الدین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے معتقد تھے۔

ایک روز صبح ناشتہ پر حاجی نواب الدین صاحب نے حضرت مولانا اسعد مدنی کو مدعو کیا۔ اس دن مولانا سے نیاز حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی موقع پر حاجی نجم الدین صاحب نے بتایا کہ تمہارے ماموں حاجی بدر الدین انچولی والے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے خاص مرید اور معتقد ہیں۔ حاجی صاحب نے دورانِ گفتگو یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ کا جب مزاج کیلئے دل چاہتا تھا تو اپنے طلبہ سے فرماتے تھے کہ ارے بھئی! حاجی صاحب تشریف لائے ہیں، ان کی خاطر مدارات نہیں کریں گے۔ طلبہ سمجھ جاتے تھے کہ حضرت کا اشارہ کس طرف ہے۔ بس چاروں طرف سے طلبہ حاجی صاحب کو گھیر لیتے تھے اور حاجی صاحب کو فرش پر لٹا دیا کیونکہ حاجی صاحب کافی تندرست و توانا تھے، ایک دو کے قابو میں آنے والے نہیں تھے، کوئی حاجی صاحب کی ایک جیب میں ہاتھ ڈال رہا ہے تو کوئی دوسری جیب میں ہاتھ ڈال رہا ہے۔ حاجی صاحب بھی بڑے زیرک تھے۔ وہ دو چار سو روپے وہاں خرچ کرنے کی نیت سے جاتے تھے لیکن پیسے جیبوں کی بجائے نیفے میں اڑس کر رکھتے تھے۔ جیبوں کی تلاشی کے بعد جب طلبہ کو مایوسی ہاتھ آتی تھی، تب طلبہ حضرت سے کہتے کہ جیبیں خالی ہیں، آپ جواب میں فرماتے بھئی اچھی طرح تلاشی لو اور پھر نیفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے کہ بھئی چھوڑو چھوڑو حاجی صاحب کو پریشان مت کرو اور حاجی صاحب حضرت کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے کہ دیکھئے حضرت یہ مجھے پریشان کر رہے ہیں اور پھر حاجی صاحب کے ان پیسوں سے مٹھائی آتی اور طلبہ مظلوظ ہوتے۔ اس نوع کے سینکڑوں واقعات موجود ہیں جن کا ذکر یہاں مقصود نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگانِ دین کو مزید اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمائے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب سے میری دوسری ملاقات جب ہوئی جب آپ راجیہ سبھا کے ممبر نامزد ہوئے۔ آپ دورانِ قیام مدینہ منورہ میرے چچا خلیل حبیب اللہ کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ اسی اثنا میں جب چچا دہلی تشریف لائے تو مولانا سید اسعد مدنی صاحب نے ان کی دعوت کی۔ اس دعوت میں یہ حقیر فقیر بھی شامل تھا اور چچا نے میرا تعارف حضرت سے یہ کہتے ہوئے کرایا کہ یہ حاجی میاں حافظ نور الدین دہلوی مہاجر مدنی کے پوتے ہیں (میرے دادا حاجی حافظ نور الدین ۱۹۳۷ء میں ہندوستان سے مدینہ منورہ عشق رسول میں ہجرت کر گئے تھے) وہاں حضرت مولانا سید اسعد مدنی اور خلیل حبیب اللہ دادا جان کے پاس آتے۔ اس کے بعد دفتر جمعیت علماء ہند واقع مسجد عبدالنبی میں جاتا رہا اور جمعیت کے بیشتر نشیب و فراز بھی دیکھے۔ کچھ لوگوں نے جمعیت سے کٹ کر

الگ اپنی جماعتیں بنائیں، مگر کامیاب نہ ہو سکے، لیکن حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے بڑا تدبیرانہ رویہ برقرار رکھا اور اسی اثناء میں لوگوں نے مختلف قیاس آرائیاں کیں لیکن مولانا سید اسعد مدنی "ایک مفکرانہ روش پر گامزن رہے۔ میں اکثر جمعیتہ علماء ہند کی مجلس عاملہ کی میٹنگوں میں مدعو خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوتا رہا۔ محمودیہ لائبریری اور مدنی ہال کے افتتاح کے موقع پر مہمانوں کی خدمت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

۱۹۸۷ء کی بات ہے کہ جمعیتہ علماء ہند کے بیس پردہلی میں تحفظ ختم نبوت کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں اکثر میٹنگیں ہوتی تھیں۔ واضح رہے کہ اردو پارک میں مذکورہ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے توسط سے جامع مسجد دہلی کے تعلقات استوار کرائے اور اردو پارک میں بخیر و خوبی یہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ میں نے اور مینا بازار اور علاقہ جامع مسجد کے تاجران نے کانفرنس کو کامیاب بنانے میں میرے ساتھ بے انتہا تعاون کیا۔ کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کا صدر بابو دوست محمد اور احقر کو جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا، جس کی برکت سے مولانا سے قرب و شرف کے مزید مواقع میسر ہوئے۔ اسی طرح دوسرے سال یہی کانفرنس جمناپارک جعفر آباد کی عید گاہ میدان میں منعقد ہوئی اور خاکسار کو ہی جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

میرے حسن انتظام کے مد نظر جمعیتہ کے ۲۶ ویں اجلاس کے انتظام کے لئے میٹنگوں میں ذمہ مجھ کو دیا گیا اور میں نے صحیح مشورے دیئے اور تمام مہمانوں کے لئے اجلاس کے دن صبح ناشتے کا بندوبست بھی میرے ذمہ کیا گیا جس وقت اکابرین جمعیتہ ناشتہ فرما رہے تھے تو حضرت مولانا محمود مدنی صاحب نے دریافت کیا کہ حاجی میاں کہاں ہیں، انہیں بلاؤ انہوں نے جواب دیا کہ مہمانوں کو ناشتہ کرانے میں مصروف ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چھوٹوں کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ اسی طرح ۲۷ ویں اجلاس میں بھی مجھے یاد کیا گیا جو بے حد کامیاب ہوا تھا میں جب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا آپ بغیر تواضع کے واپس نہیں آنے دیتے تھے اکثر و بیشتر آپ غیر ملکی دوروں پر رہتے تھے اور جب ملک میں ہوتے تھے تو ملک و ملت کی بقاء اور فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ یقیناً ایک درد مند باپ کے حساس جانشین تھے میرے ساتھ ان کا جو مشفقانہ رویہ اور حسن سلوک تھا، اسے میں کہاں تک بیان کروں جمعیتہ کے تحت مختلف تعلیمی ادارے سرگرم عمل ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ تکنیکی و طبی انسٹی ٹیوٹ بھی ہیں۔ آفات ناگہانی خواہ وہ آسمانی ہوں یا زمینی آپ کے زیر سرپرستی مولانا محمود مدنی کی نگرانی میں ملک گیر پیمانے پر کام کرتے تھے۔

کل من علیہا فان۔ چونکہ ہر شے اور ہر فرد کو اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ آخر کار آپ بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ میں دعاگوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا سید اسعد مدنی "امیر شریعت ہند کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مولانا سید محمود مدنی کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یہ مختصر حالات جو یاد آئے تحریر کر دیئے، حالات و واقعات بہت ہیں، کہاں تک ضبط تحریر میں لاؤں۔

امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی کون اور کیا تھے؟

یوں تو کائنات میں ہزاروں انسان آئے اور آ کر چلے گئے اور یہ سلسلہ حضرت آدم سے تا قیامت جاری رہے گا، لیکن کچھ انسان آ کر اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے جن کی یادیں دلوں میں سما گئیں۔ کتنے حسین لوگ تھے مل کر کے ایک بار آنکھوں میں بس گئے دل و جاں میں سما گئے انہی مقدس ہستیوں میں امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی مرحوم و مغفور کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، جہاں علم و خطابت کا پیکر تھے، وہیں مسلم قوم کے مایہ ناز ترجمان بھی، پوری زندگی خدمتِ دین میں گزار دی، صبح و شام تبلیغِ اسلام کے لئے سفر کیا، قریہ قریہ، نگر نگر، وعظ و نصیحت کا کام کیا، ایک ایسا منفرد الانداز امیر جس کا چہرہ نورانی خندہ پیشانی آنکھوں میں رعب، لباس میں سادگی، اکابر سے تعلق، اصاغر سے انس، اغیار سے ایسا سلوک اور محبت کہ دشمن بھی معترف ہے، صدیوں میں ایسی شخصیات پیدا ہوتی ہیں.....

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور سے خانہ ان کی توصیف میں قلم ساکت و دماغ حیران کئی صفات کے حامل اور ایک عظیم عالم اور مجاہد تھے، آج مجھے اس عالم میں ایسا کوئی مجاہد نظر نہیں آتا.....

سویا ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہے تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے حضرت مولانا اپنی لازوال ذہنیت اور مجاہدانہ کارناموں کی بناء پر کل بھی رہبر قوم و ملت تھے، آج بھی ہیں اور آپ کے تمام مجاہدانہ طریقے گا بے بگا ہے ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے.....

تو سامنے نہیں ہے میرے رہبر حیات
لیکن تیری بتائی ہوئی راہ گزر تو ہے

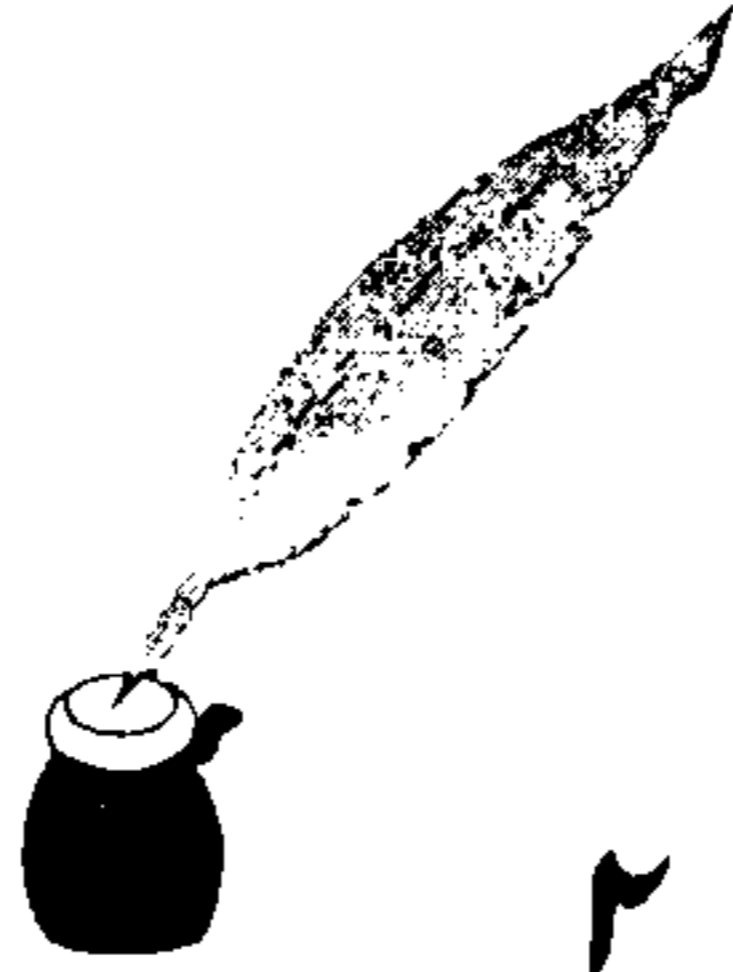
آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

امیر ملت نے اپنی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے کو دین کی عظمت اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے وقف کر دیا تھا، صبر و استقلال کے اس پہاڑ کو جابر حکومت اور دشمنان ملک نے اس مقدس مشن سے ہٹانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی، مگر ان کو سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہو سکا، کیوں نہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ کی سوچ و فکر، مجدد الف ثانی کا تدبیر، قاسم نانوتوی کا صبر و استقلال اور شیخ الہند کی دانائی و حکمت اور حسین احمد مدنی کی جرأت عطا فرمائی تھی، خوف نام کی کوئی چیز آپ کے پاس سے نہیں گزری، کیونکہ علماء، انبیاء علیہم السلام کے صحیح جانشین اور علمی وارث ہیں، نبوت کا سلسلہ تو جناب محمد ﷺ پر ختم ہے، لیکن نبوت کا ہر مشن قیامت تک جاری رہے گا اور داعیان حق اور مجاہدین ملک و ملت ہمیشہ دعوت و عمل کا کام کرتے رہیں گے۔ مختصر یہ کہ جب حکومت ہند نے مکاتب و مدارس کی تعمیر و ترقی کو روکنے کے لئے سیاہ بل جیسے قانون کو لاگو کرنے کی کوشش کی تو حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے اپنے جرأت مندانہ قدم اٹھا کر جمعیت علماء ہند کے جھنڈے کے سائے میں سیاہ بل کا نفرنس کر کے ان کے اس کالے قانون کو اسی بل میں واپس کر دیا، جس بل سے وہ آیا تھا، اسی طرح جب غیر مقلدین نے حضرات صحابہ کرام اور ائمہ عظام جیسی مقدس ہستیوں پر الزام لگانے کا ارادہ کیا تو حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے تحفظ سنت کا نفرنس کر کے ناموس صحابہ کرام و ائمہ عظام کی پاسداری کی اور ان باطل طاقتوں کا منہ توڑ جواب دیا اور اسی طرح جب بھی اسلام اور مسلمانوں پر کوئی آنچ آئی ہے تو حضرت مدنی نے اپنی تمام تر محنت و کوشش سے اس کو بھانے کی انتھک جدوجہد کی ہے اور یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حضرت مولانا تمام مسلمانوں کی عزت و آبرو تھے اور جمعیت علماء کے پلیٹ فارم سے آخری دم تک مسلمانوں کے مسائل کو پارلیمنٹ کے ایوانوں میں بلا کسی خوف و خطر کے پہنچاتے رہے، مولانا نے صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور مسلمانوں کی تمام عمر راہنمائی کرتے رہے اور ان کے مسائل پر روتے رہے اور ہر طرف کی چہمی گویوں کے کانٹوں کے بیچ اس طرح زندگی گزاری کہ آج بھی ہم تمام لوگوں کو ان کی زندگی پر رشک ہے اور ان کی عدم موجودگی کا احساس تمام عمر ہوتا رہے گا۔

زندگی ایسی جیو کہ دوسروں کو رشک ہو

موت ہو ایسی کہ دنیا دیر تک ماتم کرے

اس شعر کی وہ عملی تفسیر بن گئے تھے۔



باب : ۲

سیرت وسوانح، علم و فضل،
اوصاف و کمالات اور جامعیت

ایک باکمال شخصیت

اکابر علماء دیوبند کے مسلکِ اعتدال کے امین و ترجمان، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے جانشین، فدائے ملت حضرت مولانا سید احمد مدنیؒ کی طویل علالت کے بعد بالآخر ۷ محرم بمطابق ۶ فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر انتقال کر گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا سید احمد مدنیؒ کی ولادت ۱۹۲۹ء میں دیوبند میں ہوئی تھی۔ دارالعلوم دیوبند ہی میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے فرزند ارجمند ہونے کے ناطے انہیں اکابر دیوبند کی جملہ روایات و رثے میں ملیں۔ آنکھ کھولی تو اپنے عظیم باپ کو اپنی صداقت بیانی کے ذریعہ قوم کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک جھنجھوڑ کر طوقِ غلامی گردن سے نکالنے کے لئے آمادہ کرنے میں سرگرم اور سرگرداں پایا۔ ہر وقت ان کا ایک قدم جیل میں دیکھا، اس لئے حب الوطنی، حریت خواہی، حریت پروری، خدمتِ ملک و قوم انہیں ورثہ میں ملی۔ ۱۹۴۲ء سے جمعیتہ علماء ہند سے باقاعدہ وابستہ رہے۔ ایک سال مدینہ منورہ میں بھی قیام فرمایا۔ ۱۹۶۳ء میں جمعیتہ علماء ہند کے جنرل سیکرٹری و ناظمِ عمومی بنے اور ۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا کے لئے منتخب ہوئے اور پھر کئی سیشنوں میں ممبر چنے گئے۔ ۱۹۷۰ء میں یوپی پردیش کانگریس کمیٹی کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۸ء سے سینٹرل حج کمیٹی کے بھی رکن رہے۔ ۷۰-۱۹۷۱ء میں اُس کے چیئرمین بھی رہ چکے، ۱۹۷۱ء میں کانگریس پارلیمانی پارٹی کی ایگزیکٹو کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ ناردرن ریلوے کی زونل کمیٹی کے رکن اور وزارتِ داخلہ اور وزارتِ خارجہ اور وزارتِ اطلاعات و نشریات کی پارلیمانی مشاورتی کمیٹیوں کے ممبر بنے رہے۔

ایک عرصہ سے عالم اسلام کی ایک بین الاقوامی تنظیم جامعۃ الازہر (قاہرہ) کی مجمع البحوث الاسلامیہ کے رکن رہے اور گزشتہ کچھ سالوں تک پابندی سے اس میں شرکت کرتے رہے۔ برما، ملیشیا، جنوبی افریقہ، مصر، عراق، لیبیا، لبنان، کویت، شام، کینیا، زامبیا، مارشش، جزائر یونین، برطانیہ، بحرین، پاکستان، بنگلہ دیش اور دیگر کئی ممالک کے سفار کیئے اور وہاں آپ کے ہی ذریعہ جمعیتہ علماء ہند کا تعارف ہوا۔

الغرض مولانا کی پوری زندگی قوم و ملت کی خدمت میں ہی گزری۔ وہ سیاست کے گلیارے میں بھی اسی لئے گئے تاکہ ملت کا فائدہ ہو، ملت کی آواز موثر آواز میں پہنچائی جائے، ملی مسائل حل کرنے میں مدد ملے۔ چنانچہ اُن کے پارلیمانی بیانات اور کئی ایک حصولیابیاں اس کی گواہ ہیں۔ جمعیت علماء ہند کی تعمیر و ترقی، اُس کو فعال و متحرک بنانا، ملی مسائل کو جمعیت کے پلیٹ فارم سے حل کرنے کی کوشش کرنا، دوسری ملی جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنا، مسلمانوں میں دینی، عصری تعلیم عام کرنا، مسلم اقتصادیات کا استحکام، مسلمانان ہند میں حوصلہ و اعتماد پیدا کرنا، ناگہانی حادثات اور فرقہ وارانہ فسادات میں اُن کی مدد کرنا اور ان جیسے کئی ملی ورفا ہی کام اُن کی زندگی کا مشن تھے۔ اسی میں انہوں نے اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ صرف کیا۔

مولانا اسعد مدنی سے متعلق سیاسی مدبرین اور باخ نظر دانشوران کے نظریہ سیاست اور اندازِ خدمت کے بارے میں دفتر کے دفتر تیار کر لیں گے۔ مضامین کے انبار لگا دیں گے اور اگر مجھے اس بارے میں کچھ کہنا پڑے (گو مجھے اپنی علمی بساط اور علمی حدودِ اربعہ معلوم ہے اور میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں تاہم ایک طالب علمانہ رائے ضرور رکھتا ہوں) تو بلا تکلف اقبال کے وہ اشعار پڑھ کر سناؤں گا جو انہوں نے ضربِ کلیم میں ”امامت“ کے عنوان سے کہے ہیں.....

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرمادے
فقر کی شان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنہِ ملتِ بیضاء ہے امامت اس کی
جو مسلمان کو سلاطین کا پرستار کرے

مولانا اسعد مدنی کی سیاست کو ایک اور اعزاز اور امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی سیاسی قوت اور جماعتی وحدت کو اقتدار کی سودا بازی اور بڑی طاقتوں کی سازشوں کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بنایا، ورنہ وہ کونسا حکومتی عہدہ

تھا جو انہیں نہیں مل سکتا تھا، مگر انہوں نے مسلمانوں کی وحدت اور اپنی سیاسی قوت کو اقتدار کے گرداب میں نہیں پھنسا یا بلکہ مکمل آزادی، خدمت اور انقلاب کی جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے سیاست کا سبق مغرب کی کتاب سے نہیں پڑھا بلکہ یہ درس بارگاہ رسالت مآب سے لیا، کیونکہ سیاسی مہنت چودہ سو سال پہلے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھنے کی آفر کیا کرتے تھے اور آج بھی عالمی طاقتیں اسی طرح کی مرغوب پیش کش ہر وقت اپنی جیب میں رکھتی ہیں، مگر مولانا اسعد مدنی نے ہر چمک کو ٹھکرا دیا وہ مستضعفین جہاں کے نزدیک جان آرزو کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔

ہندو بنیا اور مغربی قوتیں انہیں لپٹائی نظروں سے دیکھتے رہے اور اپنا اپنا دام بچھا کر بیٹھے رہے کہ شاید یہ شہباز کسی دانے کی بدولت پھنس جائے لیکن تھوڑے ہی عرصے میں سب کو معلوم ہو گیا.....

ع کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

مولانا اسعد مدنی نے بھی اپنے عظیم والد اور اسلاف کی طرح اسلام کو ایک انقلابی قوت ثابت کیا ہے۔ ان ہی کے دارالعلوم دیوبند کے روحانی ابناء طالبان نے اَللّٰهُمَّ مَلِكِ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ۔ (ال عمران: ۲۶) (اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے) کی عملی تفسیر محض منبر پر بیٹھ کر بیان نہیں کی بلکہ طالبان کی صورت میں مسند حکومت پر فروکش ہو کر بیان اور ثابت کر دی ہے اور جو پروپے گندہ رواں صدی میں ایک قسم کا عقیدہ بن چکا تھا کہ مذہب اور سیاست کا آپس میں کوئی ربط نہیں۔ ارباب مذہب کو سیاست کی کیا سمجھ؟ مکتب و خانقاہ کی مخلوق کا سیاست سے کیا واسطہ؟ اس کے بچنے ادھیڑ کر رکھ دیے۔

مذہب اور سیاست کا تعلق اور ربط تو خیر ہر دور میں ثابت اور متحقق رہا، البتہ دوسری پھبتیاں اپنی جگہ قابل غور ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ ارباب مذہب کو اس سیاست کی قطعاً سمجھ نہیں جس کا قبلہ حاجات امریکہ ہو، جو سیاست انسانی بصیرت کے بجائے گھوڑوں اور خچروں کی تجارت ہو، جس سیاست میں مکر کو ہنر، زر کو بنیادی قدر، عیاری کو فنکاری اور لوٹے پن کو فن کا درجہ حاصل ہو، مکتب و خانقاہ کی مخلوق فی الواقع اس سیاست کے لئے نااہل ہے جو زرداریوں کی لوٹڈی، لغاریوں کی باندی، مزاریوں کی داشتہ، ٹوانوں کی جیبی گھڑی اور نوابوں کی دستی چھڑی بن چکی ہو، اگر سیاست نام ہے استقامت کا اور کردار کا، تو زمانے کی الٹ پھیر اس بات کی گواہ ہے کہ سلاطین وقت کے محل لرز گئے، مگر فقراء کی جھونپڑی کا ایک بانس بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

امراء کے غالیچوں کے بچھے ادھر گئے مگر مصلے کی چٹائی کا ایک تنکا بھی نہیں ٹوٹا، شہزادوں کے تاج نیلام

ہو گئے، مگر اللہ والوں کے دامن کا ایک بھی پیوند نہیں بکا۔ بد معاشوں کا کاسہ سرچھ گیا مگر شریفوں کا فقر سالم و ثابت رہا، خطاب یافتہ نواب انگریزوں کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے مگر ارباب منبر و محراب اپنے رب کے در پر پڑے رہے، مکتب و خانقاہ والوں نے کبھی اپنی قوم کا سودا نہیں کیا، انگریز بہادر کے سوؤروں کے ریوڑ نہیں چرائے، گوروں کے گھوڑوں کی لید صاف نہیں کی، میموں کے سامنے سر جھکا کر عزت کی بھیک نہیں مانگی، اور برطانیہ عظمیٰ کو کبھی مائی باپ کا درجہ نہیں دیا۔

دامان توکل کی یہ خوبی سے کہ اس میں

پیوند تو ہو سکتے ہیں دھبے نہیں ہوتے

مولانا اسعد مدنی اور ان کے گلشن علم کے خوشہ چین طالبان نے انقلابی سیاست کے ذریعے اس مکروہ پراپیگنڈے کی قلمی کھول دی اور اس مذموم عقیدے کی ایک ایک دھجی بکھیر کر رکھ دی اور خالص اسلامی انقلاب کا پروگرام دے کر کسی سازش اور ررات کے اندھیرے میں کسی خفیہ معاہدے کے بغیر محض عوامی تائید کی بنیاد پر افغانستان میں ایک انقلابی حکومت قائم کر کے دکھادی اور یورپ کے خوشہ چینوں کے منہ میں خاک ڈال دی۔

مولانا مدنی کی سیاست کا ایک اہم جزو یہ بھی ہے کہ انہوں نے کسی قومی عصبیت، علاقائی منافرت لسانی تفریق، صوبائی تنازعے اور گروہی جھگڑے کو اپنی سیاسی جدوجہد میں داخل اور شامل نہیں ہونے دیا، بلکہ از اول تا آخر وہ اسلامی سیاست، امریکی تسلط کے خاتمے اور ملوکیت کی جگہ شورایت کی بات کرتے رہے کسی ایک طبقے کو مشتعل کر کے انہوں نے اپنی قیادت نہیں چمکائی بلکہ پوری قوم کو اپنے ساتھ ملا کر تحریک و سیاست کی بنا ڈالی اسی طرح ان کے مکتب فکر کے ترجمان طالبان، فوج کے ٹینکوں پر بیٹھ کر نہیں بلکہ عوام کے کندھوں پر سوار ہو کر ایوان اقتدار میں داخل ہوئے اور اہل دنیا کو یہ پیغام دیا کہ سارے فیصلے واشنگٹن اور ماسکو میں نہیں ہوتے بلکہ اصل فیصلے عوام کی مرضی سے ہوتے ہیں، جسے عالمی طاقتوں کی خوشہ چینی پر ناز ہو وہ مجسمہ عبرت بن جاتا ہے اور جسے مجبور و مقہور لوگوں کی ہم نشینی پر فخر ہو وہ مرجع عقیدت کہلاتا ہے۔

ڈھونڈھ اجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی

یہ خزانے تجھے ممکن ہے خرابوں میں ملیں

اسی طرح حضرت مدنی نے سیاست میں بھی ایک طرح نو ایجاد کی، چونکہ وہ کسی چور دروازے سے سیاست میں نہیں آئے تھے، اس لئے انہیں ”سودا بازی“ اور ”جوڑ توڑ“ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ انہوں نے سیاسی عظمت کو شہیدوں کے خون کا ثمر سمجھا اور فدا یوں کی جدوجہد کا اثر قرار دیا۔ اس لئے انہوں نے اپنے خاندان کو

نوازنے، اپنے بینک بیلنس بڑھانے، عزیز واقارب کو مختلف محکموں میں کھپانے اور سیاسی مہماؤں کے محل جانے کے بجائے ان لوگوں کے ہاتھ میں عنان قیادت و سیاست دی، جن کے جسم کارواں رواں اسلامی جدوجہد کی شہادت دے رہا تھا، انہوں نے قیادت کو ہائی جیک نہیں ہونے دیا کہ قربانی کوئی اور دے اور لطف قیادت کوئی اور اٹھائے، جان کسی کی جائے اور فرمان کسی کا چلے، زندانوں کو کارکن بھریں اور ایوانوں کی رونق چودھری بنیں، گھہریار غریب لٹائیں اور اقتدار کا پھل امیر کھائیں۔ انہوں نے آکسفورڈ کی ڈگری کو قیادت کے عہدے کا معیار نہیں بنایا بلکہ قربانی کو اثاثہ افتخار قرار دیا۔ حضرت مدنی نے مسلم امت کو ایک نیا آئین دیا کہ وہ مشرق و مغرب پر انحصار نہ کرے بلکہ اپنے زور بازو سے خود کفالت کی راہ اختیار کرے۔

المختصر یہ کہ حضرت مولانا اسعد مدنی نے سیاست بھی اسلامی کی اور قیادت بھی انقلابی بنائی، نہ انہوں نے سیاست کے لئے یورپ کی در یوزہ گری کی اور نہ قیادت کے لئے غیروں کی پیروی کی، دنیا والے یقیناً سوچتے ہوں گے کہ ایک ایسا شخص کیسے کامیاب سیاستدان بن گیا جسے یورپ کی کسی یونیورسٹی کی سند حاصل نہیں، جس کا خاندان لوئر منڈل کلاس سے تعلق رکھتا ہو، جس نے کسی کلب کے بجائے مکتب میں آنکھ کھولی ہو، جس کی پیشانی صرف جوہر آشنا ہو، جس کی پرورش شاہی محل کے بجائے حجرہ مسجد میں ہوئی ہو، جو معروف معنوں میں سردار نہ ہو اور دنیوی اعتبار سے ”خاندان غلامان“ کا فرد ہو، اہل دنیا اصل میں ہر جگہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں، وہ ہر ایک کو اپنی میزان میں اپنے ہاتھوں تولنے کے عادی ہیں، ورنہ انہیں سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین پیش کش

اماں جی مرحومہ و مغفورہ تحریر ! مولانا عبدالقیوم حقانی

مولانا عبدالقیوم حقانی کی سحر انگیز قلم سے ایک حیرت انگیز روح پرور اور ایمان افروز داستان مہرت سے پڑھ کر پتھر دل نرم اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ ایک ایسی داستان جو سبق آموزی میں سب کے لئے یکساں ہے۔ چار رنگ کمپیوٹرائزڈ خوبصورت ٹائٹل، شاندار طباعت، مضبوط جلد بندی اور نفیس کاغذ میں چھپ کر منظر عام پر آگئی ہے۔ خواہشمند حضرات القاسم اکیڈمی سے طلب کر سکتے ہیں۔ صفحات : 135 قیمت : 90 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

اوصاف و کمالات کا حسین امتزاج

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

یہ آیت کریمہ خدا کا وہ پاک ارشاد ہے جس کی صداقت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ انسان کا جب سے اس دھرتی پر وجود ہوا ہے، اس ارشاد پاک کی صداقت و سچائی انسان دیکھتا چلا آ رہا ہے اور اس کا مشاہدہ تاریخ انسانی تا قیامت کرتی رہے گی۔

اس فرمان الہی کی صداقت و سچائی کا ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں، اس کی صداقت پر ہمارا پختہ ایمان اور یقین بھی ہے۔ اس کا رگہ ہستی میں جو بھی آیا ہے اس نے بہر حال یہاں سے جانا ہے، کوئی انسان اس دنیا میں ابدی زندگی لے کر نہیں آیا ہے، ان تمام حقائق پر ایمان و یقین کے باوجود بعض انسانوں کا اس دنیا سے جانا ہمارے لئے ایسا حادثہ بن جاتا ہے جو ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے، جس کا زخم بڑا گہرا ہوتا ہے اور جس کا واقع ہونا گویا قیامت کا سر پر گذرنا ہوتا ہے۔

گزشتہ ماہ محرم الحرام میں مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا حادثہ وفات اسی نوع کا تھا، آپ کا اس دار فانی سے کوچ کر جانا ایسا حادثہ تھا کہ ملت اسلامیہ کا باشعور طبقہ ہوش و حواس کھو بیٹھا، اور سب نے زبان حال سے گویا یوں کہا کہ جس کے ہاتھ میں ملت اسلامیہ کی کشتی کا پتوڑا تھا وہ اس جہاں سے چلا گیا، ملت کا امیر کارواں رخصت ہوا، اسلام کے مرد مجاہد کو ہم نے الوداع کہا.....

جس کے دم سے زندگی تھی قوم کی تابندہ تر

از میان قوم ' میر کارواں جاتا رہا

حضرت مولانا مدنی "تین ماہ سے مسلسل بے ہوشی کے عالم میں تھے، دہلی کے گراں ترین ہسپتال اپولو میں

عمدہ سے عمدہ علاج ہوتا رہا۔ ماہر ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم مولانا کی دیکھ بھال میں لگی رہی، مگر جب اجل مسمیٰ،

آگئی تو رحمت کے فرشتوں نے ان کی روح کو اپنے قبضہ میں کر ہی لیا اور اس دنیا سے ان کا رشتہ و نااطہ بظاہر ختم ہو گیا،

جہاں انہوں نے اپنے سالہائے زندگی کی اہتر (۷۸) بہاریں دیکھی تھیں۔

مولانا کی پوری زندگی ایک جہد مسلسل تھی، ملتِ اسلامیہ کے لئے آپ کے دل میں جو تڑپ تھی، جو خلوص تھا، آج اس کا شائبہ بھی دوسرے قائدین میں نظر نہیں آتا، مدعیانِ قیادت و سیادت تو بہت ہیں مگر ملتِ اسلامیہ کے لئے جو دھڑکتا ہوا دل بن جائے اس کا نمونہ اس زمانہ میں کم از کم برصغیر میں صرف مولانا اسعد مدنی کی ذات تھی۔

ایک بچے اور مخلص قائد کا تعلق سب سے پہلے اپنے رب سے ہوتا ہے، مولانا مدنی کی زندگی عبادت و تقویٰ، خشیت و انابت کا ایک نادر نمونہ تھی، مولانا کی نماز ایک عبدِ مؤمن کی نماز ہوتی تھی، سنت و نوافل کے پورے اہتمام کے ساتھ اتنی سکون سے نماز پڑھنے والا طبقہ علماء میں کم از کم مجھے کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آیا، سفر ہو، حضر ہو، خلوت ہو، جلوت ہو، آپ کی نماز ہمیشہ خضوع و خشوع والی ہوتی تھی، سجدہ میں جب جاتے تو اتنی دیر میں سر اٹھاتے کہ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ اتنی دیر میں وہ چار رکعتیں نماز کی ادا کر لیتے ہیں یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، ایک ایسا آدمی جس کی پوری زندگی مصروف ترین زندگی رہی ہو، جس کی عمر کا بیشتر حصہ سفر میں کٹا ہو، وہ نماز کی ادائیگی اس خشوع کے ساتھ کرے، اس کو کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ بیماری کے عالم میں بھی ہم نے مولانا کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، خدا کی قسم رشک آتا تھا ان کی نماز کو دیکھ کر۔

نماز میں خشوع و خضوع کی یہ کیفیت اس بات کی بین دلیل تھی کہ خدا کے نزدیک مولانا اسعد مدنی ”مفلح“ تھے۔ ”قد افلح المؤمنون الذین ہم فی صلواتہم خاشعون“، وہ اہل ایمان کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں کو خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

مولانا مدنی کو اللہ نے قیادت، سیادت کی تمام صفات سے نوازا تھا۔ ظاہری رعب و وجاہت کے علاوہ اللہ نے آپ کو جس وقعت اور جس عظمت سے نوازا تھا، محبوبیت کی آپ میں جو شانِ دلربائی تھی ملت کے دوسرے قائدین میں اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ جرأت و شجاعت میں مولانا مدنی اپنی نظیر آپ تھے۔ حق بات کہنا آپ کا شیوہ تھا، نازک وقت میں ملت کی دست گیری میں آپ سب سے آگے تھے، سخاوت و فیاضی کے بادشاہ تھے۔

مولانا اسعد مدنی کا حلقہ بڑا وسیع تھا، ہندو پاک و بنگلہ دیش کے علاوہ یورپ و امریکہ اور ساؤتھ افریقہ میں بھی آپ سے تعلق خاطر رکھنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے، ان ممالک میں حضرت مدنی کا فیض جاری تھا۔

مولانا مدنی کی پوری زندگی حرکت اور مسلسل حرکت سے عبارت تھی۔ ٹھہراؤ اور استقرار کا آپ کی زندگی میں نام و نشان نہیں تھا۔ مولانا مدنی عزم و ہمت کے پہاڑ تھے، جس بات پر ڈٹ جاتے تو اس جگہ سے ان کو کوئی ہلانے والا نہیں تھا۔ اس کا نمونہ ہم نے مولانا کی زندگی میں بار بار دیکھا، طوفان اور آندھیاں مولانا مدنی کا نہیں مولانا مدنی طوفانوں اور آندھیوں کا رخ پھیر دیا کرتے تھے، بڑھاپے میں بھی ان کا جوش عمل ہزار ہزار نوجوانوں سے بڑھا ہوا تھا۔ سفر اور طول طویل سفر ان کی زندگی کا جزء لاینفک بن گیا تھا، شدید بیماری اور انتہائی ضعف و نقاہت میں بھی ان کا سفر جاری رہتا۔

مولانا صبر و عزیمت کی ایک نادر الوجود مثال تھے۔ ان کی زندگی میں مخالفتوں کے نہ معلوم کتنے طوفان اٹھے، بہت سے اپنے بیگانے بن گئے، مگر مولانا کی زندگی پر ان مخالفتوں کا کوئی اثر نہیں دیکھا گیا، جس سمت انہوں نے قدم بڑھایا، پھر اس کو پیچھے نہیں کیا اور پھر جو جو مخالفین تھے خود ان کی ہمت نے مولانا کے صبر و عزیمت کے سامنے دم توڑ دیا، مخالفین کے ساتھ مولانا مدنی کا معاملہ عفو، درگزر کا تھا، ان کا ذکر بہت کم ان کی زبان پر آتا اور کبھی آتا بھی تو ان کا نام ہمیشہ احترام سے لیتے، اگر ان کا شدید مخالف بھی کسی حادثہ کا شکار ہوتا تو حضرت مولانا اسعد صاحب اس کی مدد کو پہنچتے، اس کی عیادت کو جاتے، مولانا کا یہ عمل مخالفین کو بھی پانی پانی کر دیتا۔

حضرت مولانا اسعد مدنی کے سینہ میں ایک تڑپتا ہوا دل تھا، ملت کے مسائل انہیں بے چین کئے رہتے تھے۔ مولانا مدنی مغربی طاقتوں کی اسلام دشمنی سے خوب واقف تھے اور اس کے بارے میں ان کی فکر مندی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ مولانا مدنی نے مسلمان نوجوان نسل کو ان اسلام دشمن طاقتوں کا شکار بننے سے بچانے کے لئے یورپ اور امریکہ میں اسلامی مدارس اور دینی مکاتب قائم کرنے کی زبردست تحریک چلا رکھی تھی، ان کی کوششوں کے نتیجہ میں نہ معلوم یورپ اور امریکہ میں کتنے دینی مدارس قائم ہو گئے ہیں، لندن کی مساجد گواہ ہیں کہ ان مساجد میں مولانا مدنی نے بار بار یہ کہا اور مسلمانوں کو لاکارا کہ یہ جو تم شاندار مساجد بناتے ہو اور ان مساجد میں قیمتی قالینیں بچھاتے ہو، اس پر تمہارا پیسہ خرچ کرنا حرام ہے۔ تمہارے بچے سرکاری اسکولوں میں پڑھ کر دین سے بیگانہ ہو رہے ہیں، تم کو ان کی فکر کرنی چاہئے اور مسجدوں کو خوبصورت بنانے اور ان میں قیمتی قالینیں بچھانے والا پیسہ تم کو اپنا کالج اور سکول کھولنے میں لگانا چاہئے جہاں تمہارے بچے سرکاری نصاب بھی پڑھیں جو ان کے لئے لازم اور ضروری ہے اور اپنے دین کی باتیں بھی سیکھیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کا سامان بھی کریں۔

مولانا کی کوششوں اور ان کی ترغیب سے میں نے برطانیہ میں خود دیکھا ہے کہ متعدد مدارس کھل گئے، یورپ اور مغربی ممالک میں اس طرح کے دینی مدارس کھلوانا اور اس پر وہاں کے مسلمانوں کو آمادہ کرنا مولانا رحمۃ

اللہ علیہ کی فکر کا خاص مرکز تھا۔ اس سے مولانا کے دل کی اس بے چینی اور اضطراب کا پتہ چلتا ہے، جو ملت کے ان نوجوانوں، مغربی تہذیب و تمدن کا شکار ہونے کے نتیجے میں ان کے اندر پائی جاتی تھی۔

حضرت مولانا نے ایک عرصہ دراز تک جمعیتہ علماء کے صدر کے عہدہ کی ذمہ داری سنبھالی، مولانا کی صدارت کا زمانہ جمعیتہ علماء کی ترقی کا بڑا سنہرا دور رہا ہے۔ جمعیتہ کے وقار کو مولانا نے بہت بلند کیا اور اس کے کام کی متعدد جہتیں سامنے آئیں۔ فرقہ پرست طاقتیں بھی اور حکومت بھی جمعیتہ کی طاقت اور مسلمانوں میں اس کے اثر کی گہرائی کو محسوس کرتی رہی ہے، جب بھی فرقہ پرستوں نے اپنا پرہیزہ نکالا مسلمانوں نے اپنے نڈر اور بے خوف قائد کی رہنمائی میں ان طاقتوں سے آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کی۔ حکومت نے اگر مسلمانوں کے مصالحوں کو نظر انداز کر کے کوئی قدم اٹھایا تو حضرت مولانا نے جمعیتہ کے پلیٹ فارم سے حکومت کا لاکاراجس سے ایوانِ حکومت میں زلزلہ سا پیدا ہو گیا، ایسی متعدد مثالیں ہیں کہ حکومت کو مولانا مدنی کے میدان میں آ جانے کے بعد اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ حکومت اگر کسی کا دباؤ محسوس کرتی تھی تو وہ جمعیتہ علماء اور حضرت مدنی کی ذات تھی۔

حضرت مولانا کی پوری زندگی گواہ ہے کہ وہ حکومت کے سامنے کبھی جھکے نہیں اور نہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے مسلمانوں کی مصلحتوں کو نظر انداز کر کے حکومت سے کبھی کوئی سودا کیا۔ اربابِ حکومت سے مولانا مدنی کس طرح آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے، اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہوگا، بھاجپا کی حکومت تھی، حضرت مولانا حکومتِ امریکہ کے سخت مخالف تھے جبکہ ہندوستان کی حکومت امریکہ کا ساتھ دے رہی تھی، اس موقع پر اس وقت کے وزیرِ اعظم باجپائی نے کسی بات پر مولانا مدنی کو دھمکی دی تھی کہ وہ مولانا مدنی کو سمجھ لیں گے، تو مولانا نے باجپائی کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ مسٹر باجپائی اسعد مدنی کو سمجھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، انگریز تو ہمیں سمجھ نہیں۔ کا، مسٹر باجپائی میں کیا ہمت ہے کہ وہ ہم کو سمجھیں گے اور پھر گرج کر یہ شعر پڑھا۔

ادھر آستم گر ہنر آزمائیں تو تیرا زما ہم جگر آزمائیں

حکومتِ وقت کے سامنے اگر بات دین کی شریعت کی اور مسلمانوں کی آجاتی تو مولانا کالب و لہجہ اسی قسم کا ہوتا، آج کون ہے جو کسی حکومت کے پرائم منسٹر سے اس لب و لہجہ میں مخاطب ہو سکے، جرأت و بہادری و حق گوئی کہ یہ مثال مولانا کے ساتھ ختم ہو گئی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف فسادات کا ایک سلسلہ ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا، حضرت مولانا کی زندگی میں جب بھی کہیں فساد پھوٹتا تو مولانا مدنی اپنی جان پر کھیل کر فسادات کے مواقع پر پہنچتے، مظلومین کے زخم پر مرہم رکھتے، مظلوموں کی امداد کے لئے شب و روز ایک کر دیتے، ظالموں اور فساد یوں کو ان کے کیفرِ لردار تک

پہنچانے کے لئے ان کے بس میں جو کچھ ہوتا وہ سب کر گزرتے، کتنی اجڑی بستیوں کو انہوں نے دوبارہ رونق دی، اس بارے میں مولانا کے جو کارنامے ہیں ملت اسلامیہ سے فراموش نہیں کر سکتی۔

حضرت مدنی کی جو بہت خاص بات تھی جو کسی دوسرے مسلمان قائد میں دیکھنے کو نہیں ملتی، وہ یہ کہ دینی و ملی مسائل میں مولانا کے جذبات بڑے نازک تھے۔ اس بارے میں کسی طرح کی رواداری کے وہ قائل نہیں تھے۔ دین و ایمان پر اگر کہیں سے بھی آنچ آنے کو وہ محسوس کر لیتے تو اس کا مقابلہ سردھڑکی بازی لگا کر کرتے اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے اور ہر طرح کا جو کھم اٹھانے کے لئے تیار رہتے، وہ اس بارے میں کسی طرح کی مصلحت کوڑکاوٹ بننے کا موقع دینے کو تیار نہ ہوتے۔

حضرت مولانا مدنی کی تین خاص باتیں جو میرے نزدیک ان کی کرامت تھی اسے ذکر کئے بغیر رہا نہیں

جاتا۔

پہلی تو یہ کہ مولانا کو اپنے جذبات پر بڑا کنٹرول تھا، ان کا ہر اقدام بہت سوچ سمجھ کر ہوتا، جذبات کی رو میں بہہ کر وہ کام نہیں کرتے تھے، سوچتے استخارہ کرتے تب اپنا قدم آگے بڑھاتے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے فیصلے سے بہت کم پیچھے ہٹتے تھے اور پھر دوسروں کو بھی ان کے فیصلہ کی صحت پر ایمان لانا ہی پڑتا۔

دوسری بات یہ کہ مولانا اپنے مخالفوں کی بات کو بھی بڑے ٹھنڈے دل سے سنتے، مخالفت پر بھڑکتے ہوئے ان کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ بہت غور سے وہ بات کو سنتے اور پھر بڑے ٹھنڈے اور مدلل انداز میں اس کا اس طرح جواب دیتے کہ ان کا مخالف چپ سادھ لیتا۔

تیسری بات یہ کہ مولانا کو اپنے غصے اور اپنی نیند پر پورا کنٹرول تھا۔ میں نے بار بار اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ ابھی مولانا کسی بات پر بہت خفا ہیں اور جب دوسری طرف رخ کر کے دوسرے سے بات کرتے ہیں تو اس غصہ کا نام و نشان نہیں ملتا۔

نیند پر کنٹرول کا عالم یہ تھا کہ مولانا سید احمد ہاشمی کے ساتھ آسام کے سفر سے ہوئی جہاز سے واپس ہو رہے تھے، جہاز طوفان میں گھر کر ہچکولے لے کھانے لگا، سارے مسافر پریشان، سب کو اپنی جان کی فکر ستائے ہوئے ہے، موت کا نقشہ سامنے ہے، اس حالت میں مولانا ہاشمی فرماتے تھے کہ مولانا نے چادر سے چہرہ ڈھانکا اور خراٹے کی نیند میں پہنچ گئے، جب طوفان زکا تو بیدار ہو گئے۔ یہ اگر کرامت نہیں ہے تو آخر کرامت کیا ہے؟

حضرت مدنی کی وفات سے جماعت دیوبند کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی مولانا اس جماعت کی ہندوستان میں آبرو تھے۔ مولانا کے دم سے اس جماعت کا وقار تھا۔ جماعت دیوبند کے

مسلک و مشرب کے تحفظ میں مولانا کا قدم سب سے آگے تھا۔ اپنے اکابر سے ان کو والہانہ تعلق اور سچی عقیدت و محبت تھی۔ اکابر کے ساتھ ہی والہانہ تعلق کی بات تھی کہ جب سلفیت نے ایک فتنہ کی شکل اختیار کر لی اور جماعتِ دیوبند کے خلاف الدیوبندیہ جیسی کتاب لکھی گئی تو مولانا نے اپنے عمل سے اس سلفیت کا جو محاسبہ کیا تو ہندوستان کے سلفیوں کی نیند حرام ہو گئی۔ سعودی اربابِ حکومت سے اس بارے میں حضرت مولانا جس طرح کی گفتگو کرتے تھے، اس کا نمونہ میں نے خود دہلی میں سعودی سفیر سے گفتگو کرتے وقت دیکھا ہے۔ جب مولانا نے اس سفیر سے بڑے تیز لہجہ میں کہا تھا کہ اگر سعودیہ میں الدیوبندیہ جیسی کتابوں کی اشاعت جاری رہی تو میں ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی حکومتِ سعودی کے خلاف تحریک چلاؤں گا۔

جماعتِ دیوبند کے لئے ایسا حساس دل رکھنے والا کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا۔ اکابر کے مسلک و مشرب کے مولانا ترجمان تھے۔ اس سے ہٹ کر ایک قدم بھی چلنا انہیں گوارا نہیں تھا، جماعتِ دیوبند کی حقانیت پر ان کا یقین غیر متزلزل تھا، آج بہت سے اپنے ہی لوگوں میں رواداری کے نام پر اپنے اکابر کے مسلک و مشرب سے انحراف کی جو بدعت پیدا ہو گئی ہے، مولانا اس سے سخت نالاں تھے اور ایسے رواداروں سے وہ کسی طرح کا تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

مولانا کے جانے کے بعد جماعتِ دیوبند میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہے، ویسے اللہ ہر چیز پر قادر ہے، ہو سکتا ہے کہ غیب سے کوئی رجلِ رشید پیدا ہو اور مولانا کی جگہ آباد ہو سکے۔

حضرت مولانا کا احقر کے ساتھ خصوصی معاملہ تھا۔ اس کا ذکر کیسے کیا جائے اور کیا جائے تو کس کو یقین ہو کہ مولانا کے نزدیک ایک حقیر فقیر کی اتنی اہمیت تھی اور اس کے کاموں کی اتنی قدر تھی، سچ تو یہ ہے کہ مولانا کی ذات ہی تھی جس سے مجھے حوصلہ ملا کرتا تھا اور کام کرنے میں جی لگتا تھا، اب ادھر ادھر نگاہ کر کے دیکھتا ہوں تو کوئی نظر نہیں آتا جس کی ہمت افزا باتوں سے حوصلہ ملے اور کام کرنے کی لگن پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ مولانا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، ان کی سیأت کو معاف کرے، ان کے درجات کو بلند کرے، ان کے پسماندگان کو صبر دے اور ان کو ان کا نعم البدل بنائے۔

اللهم اغفر له و ارحمه و عف عنه و اجعل مقامه عندك
في عليين انت السميع العليم و مجيب الداعين۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا اللہ بخش ایاز ماکانوی مدظلہ
خصوصی وقائع نگار ماہنامہ ”القاسم“

جامعیت و کمال

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو دارالبقاء سدھارے پورے چار ماہ ہونے کو ہیں مگر لگتا ہے کہ ان کا یہ سانحہ اور حادثہ وفات کل ہی پیش آیا۔ ان کی وفات حسرتِ آیات کا صدمہ کہاں بھولا اور اتنا جلدی بھلایا بھی کہاں جاسکتا ہے کہ جس ذات میں سب کی تڑپ تھی اور سب کا درد تھا وہ سب کو تڑپا کر اور درد دے کہ خود تو خلد آشیاں مقبرہ میں اپنے عظیم والد شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے پہلو میں محو استراحت ہیں مگر.....

دستِ بے دادِ اجل سے بے سرو پا ہو گئے
فقرو دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عدل

مولانا سید اسعد مدنیؒ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ حضرت شیخ الاسلام اپنی ذات میں فضائل و مناقب اور خصوصیات و حسین روایات کا مجموعہ تھے۔ اقران و ہم عصر حضرات میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مرجعِ خلائق تھے اور اپنی مثال آپ تھے۔ پورا خانوادہ مدنی بجا طور پر حضرت شیخ الاسلامؒ کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ.....

ابونا اب لو كان للناس كليم
اب مثلہ اغناہم بالمنقاب

مولانا سید اسعد مدنیؒ اپنے والد کا کامل نمونہ، جیتی جاگتی تصویر اور عکسِ جمیل تھے، تصوف و سلوک ہی نہیں، سیاسی حوالے سے ہندوستان ایسے ملک کی ملک گیر جمعیت علماء ہند کی مسندِ صدارت ہو، جرأت و استقامت کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کا معاملہ ہو، ایسا ملک جہاں بھانت بھانت کے مذہب ہوں اور مختلف زبانیں بولی جاتی ہوں، میں کسی کی ایذا رسانی کے بغیر شعائرِ اسلام کی نگہبانی اور محافظت کا معاملہ ہو، اسلام کے صدق آگیں احکام کا اس قدر بلند آہنگی کے ساتھ اظہار کہ لائم کی ملامت کی پروا کئے بغیر ایمان و اسلام کی مطلوبہ حکمت و دانشمندی اور پوری دانائی کے ساتھ اعلانِ حق ہو اور تواضع، عاجزی اور سادگی ہو، سخاوت و ایثار و ہمدردی ہو اور اصولوں کی پاسداری ہو،

اپنے گرامی والد کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ صرف اسی پر بس نہیں، بلکہ اپنے عظیم باپ کی طرح عمل پیہم تھے اور مجسم جہد تھے اور ایثار، اخوت و بھائی چارگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور رچی بسی تھی، بہت بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے، اپنے والد نور اللہ مرقدہ کے بچھائے ہوئے دسترخوان کو لپیٹنا تو دور کی بات ہے، اسے مختصر بھی نہیں کیا تھا۔ امیر الہند سید اسعد مدنی ان تمام صفات و مزایا میں اپنے والد کا کامل پرتو تھے۔

عظیم باپ کے بیٹے میسوں نہیں بلکہ سینکڑوں ملیں گے اور جیسے کسی نے کہا کہ ”ایک ڈھونڈو بنار ملتے ہیں“ مگر..... ع پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

اور جانشین بننا اور الولد سر لابیہ کا مجسم مصداق کارے دارد۔ جہاں ”یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید“ والا معاملہ بھی ہو جاتا ہے لیکن فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی نے یہ معرکہ ایسی خوش اسلوبی سے اور ایسے خاموش اخلاص آگیاں حسن عمل سے سر کیا کہ ملک ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ ہندو پاک نے جانشین کہا..... ع ایں کار از تو آید مرداں چنین کنند.....

شاخ گل از نسیم جلوہ گراست وقت گل بانگ بلبل سحر است

”دارالعلوم“ دیوبند کے مدیر شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب اپنے غم سے لبریز ادارتی مضمون میں تحریر کرتے ہیں :

”ان کی ایک زندگی نہ جانے کتنی زندگیوں کا مجموعہ تھی۔ اس لئے ان کی وفات صرف خانوادہ مدنی کا ماتم نہیں، صرف دیوبند و دلی کا ماتم نہیں بلکہ قوم و ملک کا ماتم ہے، جہد و عزیمت کا ماتم ہے، استقلال و استقامت کا ماتم ہے، فراست و حکمت کا ماتم ہے، ایثار و غم خواری خلیق کا ماتم ہے ملت اسلامیہ ہند کے طالع و بخت کا ماتم ہے“..... ع مرثیہ ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا

امیر الہند حضرت سید اسعد مدنی رحمہ اللہ متعدد بار پاکستان تشریف لائے اور بار بار حضرت کی زیارت و ملاقات سے باریاب ہوا۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال، دارالعلوم کبیر والا اور دارالعلوم مدنیہ بہاولپور ان مدارس میں زیارت کے علاوہ تقاریر و بیانات سے بھی متمتع ہوا۔ چند خصوصیات جو مجھ ایسے بے بصر و بے بصیرت کو بھی محسوس ہوئیں ان میں ایک آپ کی حد درجہ کی سادگی تھی۔ گفتگو سادہ جس میں کوئی تصنع، بناوٹ نہ تھی، مالہ بانہ و قار کے ساتھ بغیر کسی ایچ بیج کے نپے تلے الفاظ میں مطلب کی بات کہدی جاتی، جمع بندی، الفاظ بندی اور تک بندی سے بات مبرا، و پاک صاف ہوتی۔ اس لئے کہ یہ ضرورت سے حد درجہ زائد کی ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے فرد اور شخصیت کے

بناؤ اور تعمیر کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ تقریر اس طرح کی ہوتی کہ عام و خاص اور عالم و غیر عالم سبھی مستفید ہوتے اور عقیدہ و عمل کے موتی اپنے اپنے بقدر ظرف ضرور لے کر جاتے۔

آپ کی تقریروں کے چند اقتباسات درج ہیں۔ مقصود صرف آپ کی کمال سادگی دکھانا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حضرت نے جس ہمدردی، سوز اور درد کے ساتھ پاکستانی علماء سے جو دو ٹوک الفاظ میں بات کی ہے اس کا اہل علم تک پہنچانا بھی ہے۔ فرماتے ہیں :

”ہماری بد قسمتی ہے کہ یہاں علماء عیش کے عادی ہیں، علماء کو چاہئے کہ وہ باسی و سوکھی روٹی کھا کر اور پیدل چل کر دین کے لئے مصیبت اٹھائیں، پاکستان کے علماء اس کے لئے تیار نہیں ہیں، کوئی فکر نہیں، نماز نہیں، جماعت نہیں، مسجد نہیں، دینداری نہیں، علم نہیں اور لوگ مرتد ہو رہے ہیں، علماء اپنی نزاکت، مخملی فرش سے نیچے اتر کر جائیں اور مسجد میں نماز، جماعت اور دین سکھائیں، اس کیلئے تیار نہیں“۔ (پندرہ روزہ خدمات نمبر ص ۲۳۱)

مزید درد مندی، دلی پرسوزی اور خیر خواہی کے انتہائی جذبہ سے سرشار ہو کر ایک خطاب میں یوں ارشاد

فرمایا :

”آج تم دیوبند کے نقلی نعرے لگاتے ہو اور کہیں دیوبند نہیں، اکابر کا کوئی نمونہ نہیں، کوئی خون پسینہ ایک نہیں کرتا، کوئی دیہات میں دھکے نہیں کھاتا، کوئی فاقہ نہیں جھیلتا، کوئی اسلام کی فکر نہیں کرتا، نسل مرتد ہو رہی ہے، آپ کے پنجاب کے کئی ضلعوں پر مشتمل عیسائی ریاست بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور سازشیں ہو رہی ہیں اور آپ کو ایئر کنڈیشنڈ سے نکلنے کی فرصت نہیں، آپ گرمی میں کہاں نکلیں گے اور آپ کو کوئی فکر نہیں کہ مسجد ہے نہیں ہے، بھلے چھپر کی ہو، وہاں کوئی امام ہو، کوئی مؤذن ہو، جماعت کے بارے میں سمجھائیں، ایمان کی فکر کریں، کوئی توجہ نہیں، کوئی کام نہیں، اللہ کے ہاں گرفتار ہوں گے، پکڑیں جائیں گے، چھوٹ نہیں سکتے، صرف تنخواہ لے کر مدرسوں میں پڑھاؤ، یہ کام بہت ضروری ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے، اسلام رہے گا تو مدرسے رہیں گے، خدا نخواستہ اسلام ہی مٹ جائے گا تو مدرسے کہاں سے آئیں گے، کون طالب علم ہوگا، کس کو پڑھاؤ گے، اس لئے پہلے دین کی خدمت کرو، اس کے لئے محنت کرو، قربانیاں دو“۔ (ایضاً ص ۲۳۱)

اہل علم اور دیندار طبقہ سے جو کہنے کی بات تھی سو کہہ دی گئی اور اسلام کے بھی خواہوں کو جو سنانا تھا سنا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے۔ مزید کچھ کہنے اور نقل کرنے کی ضرورت نہ تھی، مگر ایک اور اقتباس پر نظر

بڑی جی میں آیا کہ اسے بھی نقل کر دوں اور اپنی سستی، کاہلی اور بے عملی پر افسوس اور ندامت کے چند اور آنسو بہا لوں۔

حضرت مجذوبؒ فرماتے ہیں.....

ہو گئی خشک چشم تر بہہ گیا ہو کے خوں جگر
رونے سے دل مرا مگر ہائے ابھی بھرا نہیں

حضرت امیر الہندؒ نے طلباً کرام کے ایک بھرپور اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

”اللہ کے بندو ! دیندار علماء ہفتہ میں صرف ایک دن نکال لیں، دو چار کسی ایک گاؤں میں اسی طرح ہر ضلع کے مدرسہ کے لوگ جائیں اور جا کر پہلی بات نماز اور جماعت کی ہو، ہر گاؤں میں یہ کام ہو، اور بچوں کی دینی تعلیم ہو، اور نگرانی ہو کہ کوئی اسلام دشمن عورت یا مرد اس گاؤں میں نہ آنے پائے۔ اس کی فکر کرنی چاہئے، کم از کم اتنا تو کرنا چاہئے، لیکن وہ مدرسے والے بد قسمتی سے اے سی کولر (A.C) اور جناب کیا کہوں؟ کسے ان کی مصیبت اٹھانے کی قربانی کی توفیق ہو، وہ عیش و آرام میں زندگی گزار رہے ہیں اور اسلام کا بوریا بستر بندھ رہا ہے۔ آپ کو یہ تکبر ہے کہ ہمارا ملک پاکستان ہے حالانکہ اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہے ضلعوں کے ضلعے ارتداد کے شکار ہیں اور قسم قسم کی تحریکات چل رہی ہیں، کوئی گمراہی ایسی نہیں جو آپ کے ملک میں در آمد نہ ہوئی ہو۔ آپ کچھ توجہ کیجئے، مسلمانوں کو سیدھے راستے پر لائیے، بچائیے، اللہ نے آپ کو کاریں بھی دی ہیں، پیسہ بھی دیا ہے، زکوٰۃ بھی نکالتے ہو، مدرسوں میں بھی خرچ کیجئے لیکن غریبوں کی طرف بھی توجہ کیجئے“۔ (ایضاً ص ۲۳۳)

حضرت امیر الہند کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے والدِ نامدار حضرت مدنیؒ کی طرح اصولوں کے پابند تھے۔ حضرت اقدس مدنی قدس اللہ اسرارہم انگریزی کپڑا استعمال نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے متعلقین کو انگریزی کپڑا کے استعمال سے تاکید منع فرماتے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہم نے حضرت مدنیؒ کے احترام کی بنا پر دیسی کپڑا کا ایک جوڑا بنا رکھا تھا۔ حضرت کی آمد اور تشریف آوری پر اسے زیب تن کرتے خاتم الحدیث حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے انتقال پر ملال پر حضرت مدنیؒ دیوبند تشریف فرما تھے، جب جنازے کی امامت کیلئے کہا گیا اور معلوم ہوا کہ کفن انگریزی کپڑے کا دیا گیا ہے، فرمایا جنازہ ضرور پڑھوں گا، مگر پڑھا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ کفن انگریزی کپڑے کا ہے۔ حضرت امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنی رحمہ اللہ میں اصولوں کی پاسداری کی اس طرز کی ایک جھلک ضرور تھی۔ آپ کا ایک اصول تھا کہ خطاب کیلئے آپ کو جو وقت دیا جاتا اس کی

ضرور پابندی کرتے، اپنی بات اس میں سمیٹ لیتے۔ بظاہر تو یہ ایک معمولی سی بات لگتی ہے، مگر اس کی پابندی اور عدم پابندی میں بہت ساری راحتیں اور تکالیف وابستہ ہیں۔ اور اگر کبھی ایسا ہوتا کہ آپ کو خطاب کے مقررہ وقت میں تقریر کرنے کا موقع نہیں دیا گیا اور وقت گزر جانے پر بعد میں آپ کو دعوتِ خطاب دی گئی تو عذر کر دیا کہ اب معذور ہوں، میرا وقت گزر گیا، اس میں کسی اسٹیج کی ہیبت اور شوکت آپ پر اثر انداز نہ ہو سکتی۔ پشاور میں خدماتِ دارالعلوم دیوبند کانفرنس کا حوالہ کافی ہے ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلثه الا من صدقة جاریه او علم ینتفع به او ولد صالح یدعوله۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲)

ترجمہ : جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے سارے اعمال کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین اعمال کے (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم چھوڑا جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہا (۳) نیک اولاد چھوڑی جو اس کے لئے دعا کرتی رہی۔

حضرت امیر الہند ”بفضل اللہ اس حدیث کا مصداق تھے، کتنے ہی مدارس ہیں جن کا آپ نے اجراء فرمایا اور پاک و ہند میں بہت سارے مدارس ہیں جن کی سرپرستی فرماتے رہے، یہ سب آپ کا صدقہ جاریہ ہیں۔ اپنے پسماندگان میں صالح اولاد چھوڑی ہے اور بہت کم ایسے بڑے ہیں جنہیں ایسی اولاد کی نعمت میسر ہے جو ”ولد صالح یدعوله“ کا مصداق ہو۔

اور الحمد للہ آپ نے اپنے پیچھے قابل انتفاع علم بھی چھوڑا ہے اور آپ کے توسط سے علم دین کی ایسی اشاعت ہوئی جس سے انشاء اللہ امت تادیر نفع اٹھاتی رہے گی۔ کجی، زلیغ و ضلال اور گمراہی سے محفوظ رہے گی، آپ نے کچھ عرصہ تدریس کی، پھر زندگی بھر تقاریر اور مواعظ کی مجالس اور محافل پبائیں اور سرگرم عمل رہے اور علمی نقوش چھوڑے اس کے کم و کیف اللہ جل و علا کی ذات خوب جانتی ہے۔ البتہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں فتنہ غیر مقلدیت کے خلاف آوازہ حق بلند کیا اور ہندوستان بھر کے علماء کو یکجا کیا اور عرب ممالک کے سفراء کو جمع کیا اور تحفظ سنت کانفرنس کے عنوان سے دو دن کے دورانیہ پر مشتمل ایسی کامیاب کانفرنس کا انعقاد کیا جو یقیناً آپ کا سنہری کارنامہ ہے جس میں پرمغز علمی، ٹھوس، مضبوط دلائل سے مبرہن اور شائستہ و سلجھے ہوئے کلام اور کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان میں ایسے شاندار مقالہ جات پڑھے گئے ہیں جو امت کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے اور دیر تک ان سے استفادہ کیا جاتا رہے گا۔ اس کانفرنس کے حوالے سے مقالات، مضامین اور رسائل سے جو مجموعہ تیار ہوا، صرف اس

کی اہمیت اُجاگر کرنے کیلئے چار جلدوں پر مشتمل مجموعہ کے عنوانات اور ان کی ضخامت کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۸	امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنی	۱۸	خطبہ صدارت
۵۴	مولانا جمیل احمد سکروڈی دیوبند	۵۴	۲۔ اجماع و قیاس کی حجیت
۲۳	مولانا حبیب الرحمن اعظمی	۲۳	۳۔ علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا مقام و مرتبہ
۱۸	مفتی محمد راشد اعظمی	۱۸	۴۔ مسئلہ تقلید
۱۳	مفتی سعید احمد پالنپوری	۱۳	۵۔ فقہ حنفی اقرب الی النصوص ہے
۳۰	مولانا نعمت اللہ اعظمی	۳۰	۶۔ امام ابوحنیفہ پر ارجاء کی تہمت
۲۱۶	مفتی سید مہدی حسن صاحب	۲۱۶	۷۔ امام ابوحنیفہ اور معتزضین
۵۹	مولانا عبدالخالق سنہلی	۵۹	۸۔ صحابہ کرام کا مقام
۶۱	مولانا محمد ابو بکر غازی پوری	۶۱	۹۔ صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر
۱۵	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۱۵	۱۰۔ تحریک لاندہیت
۳۴	مولانا محمد جمال بلند شہری	۳۴	۱۱۔ مسائل و عقائد میں غیر مقلدین اور شیعہ کا توافق
۱۴	مفتی سید مہدی حسن	۱۴	۱۲۔ قرآن و حدیث کے خلاف غیر مقلدین کے پچاس مسائل
۲۳	مفتی محمود حسن بلند شہری	۲۳	۱۳۔ توسل و استغاثہ لغیر اللہ اور غیر مقلدین کا مذہب
۱۶	مفتی حبیب الرحمن خیر آبادی	۱۶	۱۴۔ مسائل و عقائد میں غیر مقلدین کے متضاد اقوال
۴۸	ایک امتی	۴۸	۱۵۔ ایک غیر مقلد کی توبہ
۱۵۱	مفتی سعید احمد پالنپوری	۱۵۱	۱۶۔ غیر مقلدین کے ۵۶ اعتراضات کے جوابات
۷۷	مولانا حبیب الرحمن اعظمی	۷۷	۱۷۔ مسائل نماز
۳۳	مفتی ابوالقاسم صاحب بناری	۳۳	۱۸۔ عورتوں کا طریقہ نماز
۷۳	مولانا حبیب الرحمن قاسمی	۷۳	۱۹۔ خواتین اسلام کی بہترین مسجد
۷۲	مولانا حبیب الرحمن اعظمی	۷۲	۲۰۔ تحقیق مسئلہ رفع یدین
۷۹	مولانا سید فخر الدین احمد	۷۹	۲۱۔ رفع یدین
۳۱	مولانا سید فخر الدین احمد	۳۱	۲۲۔ آمین بالجہر
۴۰	مولانا عبدالحمید نعمانی	۴۰	۲۳۔ فرض نماز کے بعد دعا
۱۰۲	مولانا سید فخر الدین احمد	۱۰۲	۲۴۔ قرأت خلف الامام

۲۵۔ امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کا حکم

مولانا حبیب الرحمن اعظمی صفحات ۸۸

۲۶۔ طلاق ثلاث

۹۴ // // // // //

۲۷۔ تین طلاق کا مسئلہ

مفتی سید محمد سلمان منصور پوری // ۲۲

یہ تین جلدوں کے مقالہ جات کی اجمالی فہرست ہے، چوتھی جلد ان پر مستزاد ہے جس میں متنوع اور گونا گوں مسائل پر مفید اور از حد مفید اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان سے متمتع فرمائے اور ان علوم سے بہرہ ور فرمائے۔ (آمین)

حضرت امیر الہند فدائے ملت سید محمد اسعد مدنی رحمہ اللہ سے محبت اور عقیدت کے ناطے چند سطور تحریر کر دی ہیں جو حضرت موصوف سے محبت کا اظہار ہیں اور بس !

احب الصالحین ولست منهم لعل اللہ یرزقنی صلاحًا

شیخ الاسلام کے برابر اسعد مدنی کی قبر :

یہ جان کر مولانا اسعد مدنی کے اہل خاندان کو حیرت ہوئی کہ ایک برگزیدہ شخصیت مولانا حسین احمد مدنی کے برابر میں ایک مصنوعی قبر کی مدتوں سے دیکھ بھال کر رہے تھے۔ ہوا یوں کہ جیسے ہی امیر الہند مولانا اسعد مدنی کے انتقال کی خبر دیو بند پہنچی تو قبر کی جگہ طے کرنے لئے کئی لوگ قبرستان پہنچے۔ کچھ دیر بعد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے مزار کے برابر میں بنی قبر کو ہٹایا جانے لگا تو کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ کسی کی قبر کو گرانا ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر قبرستان کے چوکیدار نے بتایا کہ جو قبر گرائی یا ہٹائی جا رہی ہے، وہ مصنوعی قبر ہے جس کی دیکھ بھال کے لئے شیخ الاسلام کے خلیفہ مولانا محمود احمد ۱۲۰ روپیہ ماہوار دیتے تھے۔ جب چوکیدار کی بات پر لوگوں کو تسلی نہ ہوئی تو مولانا محمود احمد نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ یہ جگہ بہت پہلے سے محفوظ تھی اور اسی لئے وہاں پر قبر کی شکل دے دی گئی تھی تاکہ وقت ضرورت کام آسکے۔ اس کے بعد قبر کی تیاری شروع کی گئی، تدفین فجر کی نماز کے فوراً بعد طے ہوئی تھی، مگر جم غفیر کی وجہ سے تدفین ۹ بجے عمل میں آئی، کئی روز گزر جانے کے بعد بھی مولانا اسعد مدنی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والوں کا سلسلہ لگاتار جاری ہے۔ (یادگار مجلہ دہلی ص ۶۰)

قارئین حضرات متوجہ ہوں !

ماہنامہ "القاسم" اس سال دسمبر 2006ء تبصرہ نمبر شائع کر رہا ہے، جس میں آپ حضرات کے بھیجے ہوئے کتب پر مفصل سیر حاصل تبصرہ آئے گا۔ جس کے لئے آپ کی خدمت میں درخواست ہے کہ اپنی دو دو عدد کتابیں بھیج کر اپنی کتاب پر تبصرہ اس خاص نمبر میں شامل اشاعت فرمائیں۔ واجرکم علی اللہ۔

مولانا حبیب اللہ مرداآئی

متعلم جامعہ ابو ہریرہ

ایک نادرہ روزگار شخصیت

فدائے ملت امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنی کے اسم گرامی اور ذات ستودہ صفات سے کون ہے جو واقف نہیں۔ آپ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے فرزند ارجمند ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت لینے کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ آپ کی شادی حضرت شیخ الاسلام مدنی کے منجھلے بھائی مولانا سید احمد (جس نے مدینہ طیبہ کے حرم اطہر میں ”مدرسة العلوم الشرعیہ للیتامی“ قائم کیا تھا۔ اسی مدرسہ میں آپ مدینہ الرسول کے یتیم و مفلس اور غریب الوطن بچوں کی تعلیم و تربیت فرمایا کرتے تھے) کی اکلوتی بیٹی سے ہوئی۔ ساری زندگی خدمت دین اور مسلمانان ہند کی رہنمائی میں گزاری۔

امیر الہند کی قسمت قابل رشک ہے کہ نسبت بھی اچھی ملی، خانوادہ بھی خوب نصیب ہوا، ماحول بھی پاکیزہ میسر ہوا۔ اساتذہ بھی کمال کے تھے، مربی و مرشد بھی قابل فخر، غرض کم عمری میں وہ بڑوں کے درمیان بیٹھنے کے قابل ہو گئے، لکھنے پڑھنے کا شوق روز اول سے تھا۔

مولانا کو قدرت نے اخاذ ذہن، بلند فکر، مخنتی طبیعت، دور رس نگاہ اور مصطفیٰ روح سے نوازا تھا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ذہنی فکر، دماغی و قلبی قوت اور علمی و روحانی نعمت کا شکر اس طرح ادا کیا کہ اپنے ذہن کو ژولیدہ نہیں ہونے دیا، دماغ کو زنگ نہیں لگنے دیا، فکر کو پست نہیں ہونے دیا، طبیعت کو کاہل نہیں ہونے دیا، دل کو مردہ نہیں ہونے دیا، روح کو تاریک نہیں ہونے دیا، تاکہ قیامت کے دن کوئی تشنہ جواب سوال ان کی فرد عمل میں باقی نہ رہے کیونکہ ان سب نعمتوں کے بارے میں خدا روز محشر میں سوال کرے گا کہ یہ صلاحیتیں کہاں کہاں کھپائیں اور یہ نعمتیں کیسے کیسے خرچ کیں؟

آپ ایک انقلابی، سیاسی اور جہادی پس منظر کے حامل خانوادے کے فرد فرید تھے۔ آپ ایک زندہ و توانا جذبہ رکھتے تھے، جسے شرق و غرب میں بانٹتے پھرتے تھے، آپ عمل پرور انقلاب انگیز اور تحریکی شخصیت کے

حامل تھے۔ فرقِ باطلہ کا خوب تعاقب کیا۔ ”مجموعہ مقالات“ ان کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ صورتاً و سیرتاً اور سیاستاً اپنے عظیم والد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے جانشین تھے۔ موت برحق ہے مگر موت اکثر گلشن سے ایسے پھول توڑتی ہے جس سے پورے چمن کی رونق ہو، بزمِ دنیا کے ایسے چراغ کو بجھاتی ہے جس کی روشنی سے وہ قائم ہو، مجلسِ علم کی ایسی شخصیت پر چھٹا مارتی ہے جو صدر نشین ہو اور خاندان کے ایسے فرد پر طاری ہوتی ہے جو پورے قبیلے کی آبرو ہوتا ہے اور دھرتی کو اس سے محروم کر دیتی ہے۔

غرض موت کے مضبوط ہاتھوں نے ایک ایسی ہستی کو ہم سے جدا کر دیا ہے جس سے ملک کے تمام مذہبی رہنما ہدایت حاصل کرتے تھے۔ قوم ایک باعمل اور مذہبی پیشوا سے محروم ہو گئی ہے۔ جب سے آپ چلے گئے، محفلِ سخن سونی کر گئے، چراغِ علم مدہم کر گئے، یقین و وجدان کے بازار بند کر گئے، اخلاص و شرافت کی دکان بڑھا گئے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے تشنگانِ علوم نبوت کو یتیم کر گئے۔

کچھ ایسے بھی اس بزم سے اٹھ جائیں گے جن کو

تم ڈھونڈھنے نکلو گے مگر پانہ سکو گے

دردِ دل والے اپنی دوائے درد کے لئے اس مسیحا کا پتہ پوچھ رہے ہیں لیکن دارالعلوم دیوبند زبانِ حال

سے کہہ رہا ہے۔

ہم نفو ! اجڑ گئیں مہر و وفا کی بستیاں

پوچھ رہے ہیں اہلِ دل ! مہر و وفا کو کیا ہوا

امیر الہند مولانا اسعد مدنیؒ ”آسمانِ شریعتِ اسلامیہ کے درخشندہ آفتاب تھے، وہ اپنے دور کے پاکباز

مجاہد اور عالم بے بدل تھے۔ دعوت و اشاعت کے میدان کے شہسوار اور شریعت و سیاست کے مرد میدان تھے، ان کی ذاتِ گرامی علم و عمل کا سرچشمہ تھی، ان کی زبان و قلم نے اللہ کے دین کی بے لوث، قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں اور اپنے فیضِ علمی سے ہزاروں لاکھوں طالبانِ علم کو فیضیاب فرمایا ہے۔

اب دنیا ایک سید زادے اور مسلمانانِ ہند کے مربی و ہمدرد اور رہنما و صدرِ جمعیتہ العلماء ہند کی جدائی پر

برسوں تک آنسو بہاتی اور ایک نادرہ روزگار شخص کی مدتوں تک راہ دیکھتی رہے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مدتوں رو یا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

اللہ رب العزت نے کائنات میں نظام ہدایت کے دو سلسلے چلائے، ”کتاب اللہ“ کا، ”رجال اللہ“ کا، ”رجال اللہ“ کا سلسلہ جاری ہے تا قیامت جاری رہے گا، خدائی کارندوں کا یہ مبارک سلسلہ مختلف علاقوں میں متفرق تقاضوں اور حالات پر چلتا رہا، برصغیر ہندو پاک میں بھی چلا، بلکہ اللہ نے الف، بی سے اس کو عالم اسلام کے مرجع اور مرکز کی حیثیت عطا کی، جس کی دلیل مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا ہندوستان میں ظہور ہے۔

اللہ نے اپنے دین کی حفاظت، اس کی اشاعت اور تجدید کا گراں بار کام کبھی شخصیات سے لیا ہے تو کبھی خانوادوں سے، ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت سید احمد شہید اور کاندھلہ کا صدیقی خانوادہ اس کے لئے مثالی رہے، ایسا ہی ایک خاندان جو اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی، ملی، اسلامی رہنمائی اور ان کے تشخص کی حفاظت کی گراں قدر اور عظیم خدمات انجام دے رہا ہے وہ ”مدنی“ خاندان ہے؛ اس خاندان کے چشم و چراغ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے جانشین، غمخوار قوم، بے باک قائد، ملت اسلامیہ ہندیہ کے معتمد، فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی ذات گرامی ہے۔

پیدائش برصغیر کی مردم خیز زمین، عہد آفرین علاقہ ”دیوبند“ میں ۶ مئی ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۷ اپریل ۱۹۲۷ء کو ہوئی، گھرانہ علمی پایا، ابتدائی تعلیم و تربیت والدہ محترمہ کی نگرانی میں ہوئی، جو ایک شریف سادات گھرانہ کی سلیقہ مند خاتون تھیں، والدہ کے انتقال فرما جانے کے بعد خانوادہ مدنی کے مربی، ولی کامل حضرت مولانا اصغر علی صاحب کے نگرانی اور تربیت میں آپ نے تعلیمی مراحل طے کئے، اور ۱۹۴۷ء میں ام المدارس دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

اللہ رب العزت جب کسی سے امت محمدیہ ﷺ کی رہنمائی، دستگیری، اور اپنے دین کے تحفظ کا عظیم کام لینا چاہتا ہے، جو اس وقت کے حالات اور مسائل کے لئے ناگزیر ہوتا ہے تو اس کی نشوونما اور ذہنی و فکری ساخت و پرداخت مخصوص ماحول میں کرواتا ہے اور اس کے اندر وہ صلاحیتیں ودیعت کرتا ہے جو مطلوبہ کار اور اسلام کی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ضروری اور اہم ہوا کرتی ہیں مولانا مرحوم سے چونکہ بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے طلوع پر جو تاریخ کا نازک اور ملت اسلامیہ کی وقار کی حفاظت کا انتہائی اہم مرحلہ تھا، امت محمدیہ ﷺ ہندیہ کی قیادت و سیاست کا عظیم کام لینا تھا، اور آپ کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی دستگیری اور رہنمائی مقصود تھی، اس لئے آپ میں من جانب اللہ تمام قائدانہ صفات ودیعت کی گئیں۔

ایمان و یقین، علم و عمل، خشیت و انابت، خلوص و للہیت، عزیمت و روحانیت، تواضع و فروتنی، قربانی و جانفشانی، وقار و سنجیدگی، جرأت و عالی حوصلگی، ہمدردی و غمخواری، حکمت و دانائی، سیاسی بصیرت اور اسلامی حمیت، ملک کی حفاظت، ملت کی پاسداری، مخلوق خدا سے استغناء، خالق کے آگے آہ و زاری، اسلام کے معاملہ میں

مدہنت سے گریز، مصالح کی رعایت، حق پر تہلب، سنت نبوی کا اتباع، احکامات ربانیہ کا پاس، ہر صفت میں ممتاز! اور اپنے معاصروں میں نمایاں۔

مولانا مرحوم نے حالات کو بنظر غائر دیکھا اور مسائل کو سمجھا، اپنے والد کی انگریز سامراج کی مخالفت اور اس پر قید و بند کی صعوبتوں کے مشاہدے کئے تھے، حالات کو سمجھنے اور وقت کی مناسبت سے ملت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی کے سلسلہ میں یہ اعلیٰ خاندانی پس منظر رکھتے تھے۔

امیر الہند نے بحیثیت عالم، داعی اور قائد تاریخ اسلام کے مد و جزر کا مطالعہ کیا تھا، انہوں نے سادہ دل مسلمان اور شاطر و عیار برہمن اور یہودی کشاکش کو دیکھا اور سمجھا، غیر ملکی اقتدار کے ختم کرنے کی کوشش اور اس کے لئے دی جانے والی عظیم قربانیوں کا مشاہدہ کیا اور ان میں دلچسپی لی، پھر آزادی کا دور شروع ہونے پر انقلاب کے بعد والے مراحل کو بھی دیکھا، اس کی پیچیدگیوں اور زندگی کی قدروں پر اس کے اثرات دیکھے، نیز فرقہ وارانہ اور طبقاتی کشاکش کے دوسو مناظر دیکھ کر ملک و ملت کو بربادی سے بچانے کے جذبات اور ارادوں کے حامل بنے پھر ایک عالم دین اور حساس دل رکھنے والے مدبر، داعی حق اور ملت اسلامیہ کے درمند فرزند کی حیثیت سے وقت کے تقاضوں کو سمجھنے اور اعلیٰ قدروں کی حامل زندگی استوار کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے عملی میدان میں داخل ہوئے، اور (۱۹۶۰ء تا ۲۰۰۶) پچپن سال سے زائد مدت تک ایک عظیم قائد، رہنما، اور مصلح کی ذمہ داری انجام دی، مولانا قدس سرہ نے اپنے پچپن سالہ دور قیادت میں جو اولاریاستی پھر ملکی سطح پر تھا جو خدمات انجام دیں اور ملت اسلامیہ ہندیہ کی جن موقعوں پر دستگیری اور رہنمائی کی اور جن جن قربانیوں سے گزرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کا نازک حالات میں دفاع اور تحفظ کیا اگر ان کو تفصیلی طور پر سپرد قلم کیا جائے تو مستقل جلدیں تیار ہو جائیں، اور بندہ اس لائق نہیں!

ابھی چند سال کا مسئلہ ہے، جنوبی ہند کے شکر اچاریہ نے بابر مسجد مسئلہ کے مذاکراتی حل کا بینر لے کے مسلم رہنماؤں سے ملاقات کا پروگرام بنایا، چنانچہ ہندوستان کی ایک اہم تنظیم کو اس کی دعوت دی گئی وہ حضرات گئے اور شکر اچاریہ سے اس تنظیم کے نمائندوں کی بات بھی ہوئی؛ بعد ازاں واجپائی کے پی، اے، نے مولانا اسعد مدنی قدس سرہ کو فون کیا، کہنے لگا: ”شکر اچاریہ جی بابر مسجد کے مسئلہ پر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں، آپ یہاں تشریف لائیں۔“ مولانا مرحوم نے فرمایا: ”ہمارے یہاں آج ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہے میں آنے سے معذور ہوں۔“ اور سلسلہ منقطع کر دیا، کچھ دیر بعد دوبارہ فون آیا، پی، اے، نے کہا:

”مولانا! شکر اچاریہ جی خود آپ کے پاس آنے کو تیار ہیں، آپ کچھ وقت دے دیں۔“ مولانا نے فرمایا: ”میں میٹنگ میں جا رہا ہوں، ان حضرات سے مشورہ کے بعد آپ کو مطلع کرتا ہوں۔“ مولانا آئے اور تلاوت کلام پاک کے بعد واقعہ سے حاضرین کو واقف کروایا، اور شرکاء سے رائے طلب کی، لوگ رائے دینے لگے، اکثر کی رائے تھی ”بات کر لی جائے“ وہ خود یہاں آنے کے لئے تیار ہے، اور ملاقات و گفتگو کا مشتاق ہے، تو اس سے بات کرنے میں کوئی قباحت نہیں، لوگ رائے دیتے رہے، مولانا مرحوم خاموش سنتے رہے، حاضرین میں سے ایک نے مولانا کی خاموشی سے بے چین ہو کر مولانا کی رائے جانی چاہی مولانا نے فرمایا:

”میری رائے یہ ہے کہ اس سے بات نہ کی جائے۔“ جواب سن کر پورا ہال مبہوت سا ہو گیا، ایک ذمہ دار نے کہا: ”حضرت دوبارہ غور فرمائیں، اس وقت عالمی میڈیا اس مسئلہ پر نگاہیں جمائے ہے، جماعت کا بھی بہت فائدہ ہے کہ میڈیا اس کو ہائی لیٹ کرے گا، آپ اس مسئلہ پر ایک دفعہ اور غور فرمائیں۔“ مولانا نے بڑا ہی بصیرت افروز، مدبرانہ اور مومنانہ جواب دیا، فرمانے لگے:

”بیشک اس میں جماعت کا فائدہ ہے لیکن ملت کا اس میں کوئی فائدہ نہیں یقیناً وہ مسجد کی تقسیم اور لیو، دیو کی پالیسی کی بات لے کر آ رہا ہوگا، اور میں مسجد کی تقسیم پر اس سے کوئی بات کر نہیں سکتا کیوں کہ اسلام اس کی اس طرح کی تقسیم کی اجازت نہیں دیتا۔“

یہ اسلامی حمیت! اپنے مفادات پر ملت کو ترجیح دینا! اسلام کے مسئلہ پر سودے بازی تو درکنار سودے بازی کی شائبہ تک سے خود کو محفوظ رکھنا، خود پر زد پڑتی ہے تو پڑ جائے پر تعلیمات اسلامی پر حرف نہ آئے؛ ایسا مخلص، خدا ترس، فرض شناس، ہمدرد قوم کہاں ملے گا! اس وقت گجرات کے مسلم کش خونی فسادات کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی تھی اور کسی قائد کو وہاں جانے کی اجازت بھی نہ تھی، حکومت ہند کی جانب سے پھر فون آیا اس نے بے چینی سے پوچھا: ”مولانا آپ نے کیا طے کیا۔“ مولانا مرحوم نے۔ اللہ آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائے۔ فرمانے لگے:

”یہ وقت بابرئ مسجد کے مسئلہ کے لئے گفتگو کا نہیں ہے گجرات جل رہا ہے، مسلمان مارے جا رہے ہیں اور حکومت خاموش تماشائی ہے، یہ موقع ان فسادات کی طرف توجہ کرنے کا ہے، میں گجرات جانے والا ہوں۔“

اس نے فوراً جواب دیا: ”ٹھیک ہے آپ ضرور جائیے ہم آپ کے لئے سیکورٹی کا نظم کریں گے۔“

اللہ رے! سیاسی بصیرت کی داد دیجئے! بات کو رد کرنے کا انداز دیکھئے! مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے ذہنی حقیقت کا اندازہ لگائیے؟ ہے آج کوئی جو اس قدر نبض شناس ہو، سیاسی ہو، غمخوار ہو۔ مجموعی طور پر اٹھارہ سال تک ایوان بالا کے ممبر رہے، کانگریسی ممبر! پر کیا کانگریس کیا دیگر جماعتیں جب کبھی اقلیتوں اور مسلمانوں کے مسائل کی بات آئی، اسلام کے کسی مسئلہ پر آنچ آئی، بام دور گونج اٹھا، یہ مرد خدا چیخ اٹھا، ”مسلمانوں کے معاملہ میں کسی صورت مفاہمت نہیں، کوئی مدہانت نہیں۔“

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو لے کر جب ہنگامہ آرائی ہوئی، اور ایک کانگریسی لیڈر نے کہا:

”علی گڑھ مسلم یونیورسٹی“ سے لفظ ”مسلم“ نکال دیا جائے۔ مولانا مرحوم فوراً گرج اٹھے، کہنے لگے: ”تم“

بنارس ”ہندو یونیورسٹی“ سے لفظ ”ہندو“ نکال دو میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے لفظ ”مسلم“ میں کھرچ دوں گا اور کانگریس کو سیکولر کالیمبل بھی اپنی پارٹی سے ہٹانا ہوگا۔“ حاضر جوابی ایسی کہ لوگ عیش عیش کرنے لگے، نباضی ایسی کہ پارلیمنٹ ہاؤس خاموش، دینی جرات اور اسلامی حمیت ایسی کہ خود اپنی ہی معاون پارٹی پر برس پڑے۔

ہمدردی، غمخواری اور فریادری مولانا مرحوم کی گٹھی میں پڑی ہوئی تھی، گجرات اور راولپنڈی کے مسلم کش خونیں ہولناکیاں ہوں کہ بہرائچ کے فرقہ وارانہ فسادات سب سے پہلے جس مرد مجاہد اور قائد قوم نے ان علاقوں کا دورہ کیا، اور وہاں کے مصیبت زدہ، فسادات میں گھرے، بے یار و مدگار لوگوں کی دادری اور مسیحائی کی، وہ یہی بلند

ہمت، عالی حوصلہ اور ہمدرد قائد تھا، گجرات کا حال تو آپ نے پڑھ ہی لیا، سب سے پہلے پہنچے اور وہ عظیم خدمات انجام دیں کہ تاریخ انہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتی، مورخ جب کبھی گجرات فسادات پر قلم اٹھائے گا، جمعیت کی بروقت امداد مستقل تعمیرات اور ریلیف کو بھی سراہے گا؛ بہرائچ اور راولپنڈی کی فسادات کے معنی شاہدین کا کہنا ہے کہ مولانا مرحوم جس وقت پہنچے، آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، مسلم مکانات جل رہے تھے، بکینوں کی چربی آگ کی حرارت سے پگھل کر بہ رہی تھی، ایسے ہیبتناک اور خونیں ماحول میں جہاں اپنی جان کے لالے پڑے ہوں، بے خوف و خطر گھس جانا، مظلوموں اور کمزوروں کی یاری کرنا، بے بسوں کی مدد کرنا، بس اسی جری قائد اور ہمدرد قوم کا حصہ تھا، فجز اہم اللہ احسن الجزاء۔

تاریخ میں یہ واقعات آب زر سے لکھے جائیں گے، اور نسلیں اس کو سامان عزیمت اور سرمہ چشم عبرت بنائیں گے؛ فدائے ملت“ جس کسی نے اس کو کہا، اس نے کوئی شاعری نہیں کی، ادبی صنعت گری، لفظی شعبہ بازی سے کام نہیں لیا بلکہ ایک حقیقت اور سچائی بیان کر دی۔ اپنے پچپن سالہ دور قیادت میں ملت اسلامیہ ہند یہ کے لئے جو عظیم خدمتیں اور قربانیاں اس رحلت کرنے والے نے پیش کیں ہیں، اس کی مثال اس دور میں کون دے سکتا ہے؟ آپ نے اس عظیم قائد کی جرأت بھی دیکھی، بے لوثی بھی دیکھی، اسلامی حمیت بھی دیکھی، سیاسی بصیرت بھی دیکھی، درادرسوں کی مثالی دادرسی بھی دیکھی، اب ذرا درویشی، خدا ترسی اور استحضار بھی دیکھتے جائیے۔

۱۹۶۸ء میں ”شبتان“ اردو ڈائجسٹ نے امیر الہند کانٹرویلولیا؛ ریاستی، ملکی اور بین الاقوامی سیاسیات پر، موجودہ حالات اور مسلم دنیا کے لائحہ عمل پر، آخر میں اس نے دریافت کیا کہ ان تمام سے آپ کا منہجائے مقصد اور سب سے بڑی آرزو کیا ہے؟ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ایمان پر خاتمہ“

درویشی، چلہ کشی، مجاہدات، ریاضات، بیعت و ارشاد تمام کا مقصد یہی استحضار ہی تو ہے؟ اللہ نے اپنے اس مقبول بندہ کی اس آرزو کی لاج کیسے رکھی یہ خود انہیں کے صاحبزادہ اور جانشین مولانا محمود مدنی سے سنتے جائیے:

”والد محترم، پچھلے تین ماہ سے اپولو ہسپتال کے انتہائی نگہداشت والے شعبہ میں زیر علاج تھے جب انہیں ہوش نہیں آیا تو ڈاکٹروں کے پینل نے دماغ کے آپریشن کو ضروری سمجھا اس آپریشن کے بعد کیفیت میں معمولی بہتری آئی، ۶ فروری کو اچانک ان کے ہونٹوں نے حرکت کی انہوں نے آنکھ بھی کھولی، پہلے انہوں نے آہستہ آہستہ اللہ اللہ کی تسبیح شروع کی اور آہستہ آہستہ آواز وہاں پر موجود پھوپھو صاحبہ کی سماعت تک پہنچی تو ہم نے خدا کا شکر ادا کیا، پھوپھو صاحبہ نے فرمایا کہ جو کیفیت پیدا ہوئی ہے اس سے لگتا ہے کہ وہ ہم سے جدا ہو رہے ہیں اور اللہ اللہ کرتے ہوئے اس کے دربار میں حاضری دے رہے ہیں، انہوں نے فوراً دیگر خاندان والوں کو بلانے کی ہدایت دی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سیکنڈ بعد ان کی روح پرواز کر گئی، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ایسی موت ہمیں بھی عطا کرے۔“ (ویوناٹمنزنی دہلی) مخلوق کے لئے جس خدا کے بندہ نے اپنی ساری زندگی لٹائی ہو، جذبات کو توجہ دیا ہو، خواہشات کو قربان کیا ہو، خالق اپنے اس محبوب کی آرزو کیوں پوری نہ کرتا؟۔

خوش نصیب قبر! خوش ہو کہ تجھ میں آرام پانے کے لئے اللہ کے دین کا دلیر اور باہمت سپاہی آرہا ہے، وہ حسن مردانہ کامونہ فریبوں کا سہارا تھا، بے کسوں کا والی تھا ملت کا پشت پناہ اور ایک دین دار گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ اس عظیم قائد نے سرگرم جوش عمل سے مردوں کو جلا دیا، خوابیدہ دلوں میں اسلامی اور ملی روح پھونک دی، کتنوں کو گناہ کے قعر سے تھسٹ کر بام شہرت پر لے آئے کتنوں کے نام چمکائے کتنے بے کسوں اور بے بسوں کی فریادری کی، فلک کج رفتار کو اس کی یہ ہمتا کی نہ بھائی، بعض اپنوں اور پرائوں نے مخالفت کی ٹھان لی، وہ ایک ہمت کا ذہنی، عزم و حوصلہ کا پیکر، کسی سے ہار نہ مانا، تنہا سب سے مقابلہ کرتا رہا، حالات سے ٹکر لیتا رہا، عمر کی ستر (۷۷) منزلیں طے کر کے آخرت کو سدھارا، دنیا اس کی جرأت داد دیتی رہے گی اور نسلیں اس کے عزم و فرض شناسی کی بلائیں لیتی رہیں گی!۔

□□□

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین علمی و ادبی پیشکش

درسِ علم و عرفان

مولانا عبدالقیوم حقانی

درسِ علم و عرفان، ایک مختصر علمی و ادبی بلکہ روحانی و انقلابی اور اصلاحِ باطن میں مؤثر رسالہ میں ہے جس میں قارئین کو اس داخلی مدرسہ ایمان و یقین میں داخلہ کی دعوت ہے جب بھی چاہیں جس وقت بھی چاہیں گردن جھکالیں اور داخلی مدرسہ سے استفادہ کر لیں۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکالی دیکھ لی

صفحات : 80 قیمت : 66 روپے

ناشر

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

عظیم المرتبت شخصیت

۷ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ کو مغرب کی نماز کی تیاری کے لئے اذان مغرب سے تقریباً ۱۲ منٹ پہلے وضو کرنے جا رہا تھا حضرت مولانا مفتی سلمان صاحب کا فون آیا کہ حضرت اقدس فدائے ملت امیر الہند مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی وفات کا دردناک سانحہ پیش آ گیا ہے۔ خبر سنتے ہی زبان سے انسا لله وانا الیہ راجعون کے الفاظ نکلے اور حضرت کی زندگی کے مختلف مناظر ذہن میں گھوم گئے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جن کو دنیوی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کی یاد سے قطعاً غافل نہیں کرتیں اور وہ تمام تر مصروفیات کے باوجود ذکر خداوندی، نماز باجماعت اور صدقہ خیرات وغیرہ اعمال صالحہ میں لگے رہتے ہیں، ہمارے حضرت فدائے ملت بھی ایسے ہی قابل رشک لوگوں میں شامل تھے، اس خاکسار نے ۳۵،۳۰ سال سے حضرت کی زندگی کو قریب سے دیکھا، دور سے دیکھا، خلوت میں دیکھا، جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعات خصوصی مجلسوں اور کانفرنسوں میں دیکھا، واقعہ یہ کہ ان جیسے عظیم المرتبت انسان دنیا کے گوشے گوشے میں ڈھونڈے جائیں پھر بھی مشکل سے مل پائیں گے۔ احقر نے حضرت والا کی جوانی کا زمانہ بھی دیکھا ہے جب حضرت کی داڑھی اور سر کے بال میں سفیدی بالکل نہیں آئی تھی اس وقت حضرت کے اکابر اور اساتذہ باحیات تھے، لیکن بڑے بڑے جامع اور اجتماعات میں ان کے اکابر اور انہیں کے اساتذہ ان کے واسطے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے تھے۔

بے مثال مجاہدہ

نیز وہ زمانہ بھی خوب دیکھنے میں آیا کہ ایک رات میں تین تین چار چار جلسوں میں شرکت فرماتے تھے، بعض دفعہ حسن اتفاق سے اس خاکسار کو بھی حضرت کے ساتھ ہر کابلی کا شرف حاصل ہوا۔ میرٹھ، مظفر نگر کے علاقہ میں جلسوں میں ہنگامی دورہ ہو رہا تھا، دو تین مدرسوں کے جلسوں سے فارغ ہو کر آخر میں مدرسہ قاسمیہ تعلیم الاسلام سٹولہ کے جلسہ میں شرکت فرمائی، تقریباً ساڑھے تین یا پونے چار بجے صبح صادق ہو جاتی تھی، تو اول وقت میں اپنی جماعت الگ سے کر کے فوراً دہلی کیلئے روانہ ہو گئے اور دہلی میں صبح آٹھ بجے سے عمومی کانفرنس تھی بغیر آرام کے سفر کر کے وقت پر دہلی پہنچ گئے اور جاتے ہی اسٹیج پر پہنچ گئے، پوری رات آرام نہیں فرمایا۔ پھر کانفرنس سے فارغ ہونے کے بعد شاید دو ایک گھنٹہ آرام فرمایا ظہر کے بعد پھر پروگراموں میں شرکت شروع فرمادی۔ مجاہدہ اور جفاکشی اس طریقے سے برداشت کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں، وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ”الذین جاهدوا فینا لنھدینھم سبلنا الخ“ (یعنی جو ہمارے راستہ میں جہد و جہد کرتا ہے ہم اس کو اپنے راستوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں) کا مصداق بنایا ہو۔

اعتدال اور میانہ روی

اور بعض مرتبہ ملک کے اندر نہایت ہنگامہ اور افراتفری کا ماحول پیدا ہو گیا کوئی جہاد کا اعلان کرنے لگا، کوئی ہندو مسلم کے درمیان ہنگامہ آرائی کا راستہ دکھانے لگا، کوئی سیاسی ہتھکنڈے کے ذریعہ انسانوں کا خون بہانے کا راستہ فراہم کرنے لگا ان حالات میں آپ نہایت تحمل اور تدبیر سے ایسا میانہ روی کا راستہ اختیار فرمایا کرتے تھے کہ دونوں قوموں کی طرف سے کوئی ٹکراؤ پیدا نہ ہو سکے اس طرح کے واقعات ملک کے اندر ان کی زندگی میں ایک دو نہیں سیکڑوں سے زائد پیش آئے، ہر موڑ میں مخالف ہواؤں کا نہایت حسن تدبیر سے رخ موڑ کر درمیانی راستہ اختیار فرماتے رہتے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخيرات باذن الله ذلك هو الفضل الكبير (سورۃ فاطرہ آیت ۳۲) (پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں پسند فرمایا، پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے بچ کی چال پر ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو خدائی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں) اس آیت کے مطابق سیاسی معاملات میں آپ میانہ روی کا راستہ اپناتے تھے۔

بیک وقت سیاست اور بزرگی

دنیا میں ایسے انسان بہت ملتے ہیں کہ عبادت و ریاضت کی لائن میں یکسو ہیں، ملی اور سیاسی سرگرمیوں سے ان کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں پڑتا، اسی طرح ایسے لوگ بھی بے شمار ملیں گے جن کا تعلق صرف سیاسی سرگرمیوں سے ہوتا ہے لیکن ایسے انسان پورے عالم میں خال خال ملتے ہیں جو بیک وقت عبادت و ریاضت میں سابق بالخیرات کے مصداق بنے رہیں، اور ملی اور سیاسی سرگرمیوں میں و منهم مقتصد کے مصداق بنے رہیں، احقر نے حضرت کو قریب سے دیکھا کہ سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی اسفار کے دوران نماز باجماعت اور نمازوں میں مسنون قراءت کی پابندی اور چلتے سفر میں تہجد کی پابندی اور ذکر و معمولات کی پابندی میں کسی قسم کی کمی آنے نہیں دیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک پروگرام سے فارغ ہونے کے بعد صبح صادق ہوتے ہی اپنی نماز الگ پڑھ کر دوسری جگہ کا سفر تھا، اس نا اہل کو امام بنا دیا گیا احقر نے فجر کی نماز میں سورۃ فیل اور سورۃ اخلاص کے ساتھ نماز پڑھادی اور ذہن میں یہ تھا کہ سفر کی عجلت ہے سلام پھیرتے ہی فرمایا ”قاری صاحب کیا عجلت تھی اتنی مختصر قراءت کیوں ہوئی؟“۔ ساتھ میں حضرت اقدس حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ بھی موجود تھے انھوں نے فرمایا، مفتی صاحب آپ کو معلوم ہے کہ حضرت والا سفر میں بھی مسنون قراءت کی پابندی فرمایا کرتے ہیں۔

سیاسی حکمت عملی

حضرت والا کی سیاسی حکمت عملی ملک اور بیرون ملک میں شہرت یافتہ رہی ہے، جس سے مسلم غیر مسلم اکثر و بیشتر لوگ واقف ہیں، ایک واقعہ یہاں نقل کرتا ہوں جس سے ناظرین آپ کی سیاسی بصیرت اور دوراندیشی کا باآسانی اندازہ لگالیں گے، ۲۰۰۱ء میں جمعیت علماء اسلام پاکستان کی طرف سے پشاور (پاکستان) میں ڈیڑھ سو سالہ دارالعلوم دیوبند

کانفرنس منعقد ہوئی، اس وقت امریکہ کی نگاہ افغانستان کے اوپر بہت سخت تھی اور ادھر مسئلہ کشمیر کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات نہایت خراب اور خطرناک تھے۔ دونوں حکومتوں کی بینظلی جنس کے لوگ پشاور میں حضرت کے بیان کے انتظار میں تھے کہ مسئلہ کشمیر سے متعلق کیا بیان دیتے ہیں؟ حضرت کا بیان ایک بجے رکھا گیا تھا لیکن دوسرے مقررین کے بیانات کا سلسلہ ایک بجے سے تجاوز کر چکا تھا، اس کے بعد حضرت کا نمبر آیا جب حضرت کے بیان کا اعلان ہوا تو ٹھانٹھیں مارتے ہزاروں انسانوں کے مجمع میں عجیب و غریب حرکت پیدا ہو گئی اور دیر تک آپ کے استقبال میں نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوتے رہے، نیز ہر طرف سے آپ کا بیان نوٹ کرنے والے سرکاری اور غیر سرکاری کارندے اور تمام دنیا کے ذرائع ابلاغ کے لوگ مستعد تھے۔ حضرت نے اطمینان کے ساتھ مائیک پر پہنچ کر فرمایا: میرے بیان کا وقت ایک بجے کا تھا، اور ایک بجے کے بعد دعا ہونی تھی اب ایک کے بجائے ڈیڑھ بج چکا ہے میرے بیان کا وقت ختم ہو چکا ہے، اور وقت کی پابندی ضروری ہے اسلئے وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا بیان موقوف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس اجلاس کو کامیاب فرمائے اور امت کیلئے خیر کے راستے نکالے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ آپ کے یہ الفاظ سنکر اجلاس میں سناٹا چھا گیا، اور دونوں حکومتوں کے بینظلی جنس کے لوگ حیران رہ گئے اور اخبار والوں نے حضرت کے بیان کو اچھالنے کیلئے جو ذہن بنا رکھا تھا وہ سب ہاتھ ملتے رہ گئے، مگر اس کے بعد اسی دن شب میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں بیان ہوا اور مسلک دیوبند اور مسلک امام ابوحنیفہ پر آپ نے نہایت پر مغز تفصیلی خطاب فرمایا۔

ہندوستان اپنے قائد سے محروم

حضرت کی ذات ہندوستانی مسلمانوں کیلئے ایک عظیم الشان ڈھال تھی۔ ان کے بعد ہندوستان کے مسلمان اپنے عظیم قائد سے محروم ہو گئے ہیں، آپ کے سانحہ وفات کے بعد موافق مخالف ہر طرح کے لوگ ایسا خلا محسوس کر رہے ہیں کہ ان کی جگہ کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا جب بھی ہندوستان میں اسلام سے متعلق سامراجی ذہنیت کی طرف سے کوئی حملہ ہوتا تو اس کے مقابلہ کیلئے سب کی نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھتی تھیں، اور آپ ہر موڑ پر پیش قدمی کر کے فتنوں کا راستہ روکنے کی کوشش فرماتے تھے۔ اتر پردیش میں جب گپتا حکومت نے مساجد اور مدارس پر ایسی پابندیاں لگائی تھیں جس سے حکومت کی اجازت کے بغیر آئندہ نہ کوئی مسجد بن سکتی تھی اور نہ کوئی مدرسہ، تو حضرت والا کی قیادت میں رام لیلا گراؤنڈ دہلی میں سیاسی، غیر سیاسی دس گیارہ لاکھ کا مجمع جمع ہو گیا اور حکومت کو وہ قانون ٹھنڈے بستے میں ڈالنا پڑا۔ اسی طرح بی جے پی کے دور حکومت میں قرآن کریم کی سورۃ توبہ کی آیتوں کی ترمیم کا شوشہ چھوڑا گیا تھا تو آپ کی قیادت میں ہر صوبہ اور ہر ضلع میں احتجاج ہوا اور قرآن کریم کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو خاموش ہونا پڑ گیا، اور ابو غریب جیل میں قرآن کریم کی بے حرمتی جو امریکی فوجیوں کے ذریعے کی گئی تھی اس کے خلاف ملک گیر انداز میں تحریک چلائی گئی، نیز مرارجی دیسائی کے زمانہ میں ملک و ملت بچاؤ تحریک چلائی وغیرہ وغیرہ، حضرت کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ یہ مختصر مضمون اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اس کے لیے سیکڑوں صفحات بھی ناکافی ہونگے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو بے حد قبول فرمائے اور اعلیٰ علین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ □□□

حضرت مولانا محمد اسعد مراد آباد

میرے حضرت، میرے شیخ

حضرت مولانا کی سب سے پہلے زیارت بچپن میں اپنے گاؤں میہاں میں ہی کی تھی ہمارے والد صاحب کا تعلق بھی اس خانوادہ سے عقیدت مندانہ تھا اس لئے بندہ بھی حضرت والا کو بڑی عقیدت و محبت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بندہ دارالعلوم منو میں زیر تعلیم تھا حضرت مولانا افتخار احمد صاحب (سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی) وہاں کے مدرس تھے میں ان کے درس میں بیٹھا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت مولانا محمد مسلم صاحب (والد منشی محمد راشد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند) تشریف لائے تو حضرت مولانا افتخار احمد صاحب نے مولانا محمد مسلم صاحب سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ”اس بچے کا نام اسعد ہے اور پکا اسعدی ہے، اس پر مولانا محمد مسلم صاحب نے امتحاناً مجھ سے کہا کہ یہ سیاسی کام بھی کرتے ہیں کیسے بزرگ ہو سکتے ہیں؟ اس پر میں نے برجستہ جواب دیا کہ بزرگ ہونے کیلئے ایک جگہ پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا ضروری نہیں ہے۔“

دورہ حدیث کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد حضرت سے بیعت ہونے کی آرزو ہوئی تو حضرت کو ایک پرچہ لکھ کر یا حضرت نے پوچھا آئندہ کیا پروگرام ہے میں نے بتایا کہ ابھی پڑھنے کا ارادہ ہے حضرت والا نے بیعت ہونے سے منع فرما دیا اس کے باوجود میں حضرت سے موقع بہ موقع درخواست کرتا رہا، ایک موقع پر رمضان المبارک ۱۹۵۹ء میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا، وہاں حضرت مولانا محمد طاہر صاحب کلکتوی خلیفہ حضرت مدنی بھی موجود تھے، عموں نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ یہ بار بار آ رہا ہے اس کو بیعت کیوں نہیں کر لیتے تو پھر حضرت نے فرمایا کہ ابھی ہنما مقدم ہے، بالآخر حضرت نے اسی بار بار جانے پر اسی سال بیعت فرمایا اور پھر بیعت و ارشاد کی تعلیم شروع ہو گئی۔

ایک موقع پر حضرت مولانا کو لیکر اپنے علاقہ کے ایک گاؤں میں جانا تھا میں مولانا کو بھٹنی گورکھپور سے لے کر بذریعے جیپ جا رہا تھا راستے میں ایک گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے نماز سے فارغ ہوئے تو ایک بوڑھے یاں اپنے گھر دوڑ کر گئے اور گڑ کے کچھ ٹکڑے پلیٹ میں رکھ کر لے آئے، حضرت نے گڑ کے ٹکڑے لے لئے اور ماتھیوں سے بھی کہا کہ سب لوگ لے لو، حضرت والا نے بوڑھے میہاں کے خلوص و محبت کی قدر کرتے ہوئے ان کے اس معمولی عطیہ کو بھی قبول فرمایا۔

جس سال بندہ دورہ حدیث سے ۱۹۷۵ء میں فارغ ہوا تو حضرت مولانا اس سال مدنی مسجد دیوبند میں متکلف تھے بندہ بھی وہاں حاضر رہا کرتا تھا، ۲۹ شعبان کو استاذ محترم حضرت مولانا راشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے فرمایا آج سے تمہیں میرے ساتھ دور کرنا ہے، اور حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب اس وقت دور کرنے والوں کا آن کریم کھول کر سنا کرتے تھے، تو حضرت مولانا راشد صاحب کے ساتھ دور کرنے اور حضرت مولانا کے سننے کا سب بندہ پر طاری ہوا کہ حضرت والا کو کس طرح قرآن کریم سنا سکوں گا، بہر حال ہمت نہیں کر پارہا تھا کہ حضرت

والا کو کیسے قرآن سناؤں گا، لیکن حضرت استاذ محترم مولانا ارشد مدنی صاحب نے ہمت دلائی اور حوصلہ بڑھایا کہ تم تو اچھا پڑھتے ہو پھر میں بڑی محنت اور لگن سے قرآن کریم یاد کرتا تھا اور حضرت مولانا کو سنانے سے پہلے حافظ محمد طیب صاحب خلیفہ حضرت شیخ الاسلام جو قرآن کے اچھے حفاظ میں شمار ہوتے ہیں ان کو سنایا کرتا تھا، پھر حضرت مولانا ارشد صاحب مدظلہ کے ساتھ دور کرتا تھا اور حضرت والا بغور قرآن کریم سنا کرتے تھے اور ٹوکتے بھی تھے حضرت والا کی توجہ اور قرآن کریم سننے سے بندہ کو بڑا فائدہ ہوا، اور بڑا حوصلہ بڑھا، اس طرح پھر مسلسل کئی سال تک اعتکاف کا موقع ملا اور حضرت کی تعلیم و تربیت سے مستفید ہوتا رہا۔

ایک دفعہ حضرت والا کے ساتھ سفر میں تھا مغرب کی نماز کا وقت تھا، حضرت والا سے لوگوں نے اصرار کیا کہ حضرت نماز پڑھا دیجئے، حضرت والا نے بندہ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھا دیا اور فرمایا اسعد ہی نماز پڑھا یگا اس طرح حضرت والا ہمت افزائی اور شفقت فرمایا کرتے تھے اللہ کے فضل سے ہمارے علاقہ میں ایک مدرسہ جامعۃ الاسلام والقرآن میہاں ہر ہنگ پور دیوریا پوپی میں حضرت کی سرپرستی میں بندہ کے ذریعہ قائم ہوا اور وہاں دینی تعلیم و تربیت کا نظم ہوا حضرت والا سے درخواست کی تو وہاں اجلاس دستار بندی میں تشریف لے گئے، دو سال پہلے بھی سہ بارہ حضرت کو مدرسہ لیجانے کیلئے کوششیں کیں، حضرت والا علالت اور کمزوری کی وجہ سے تشریف نہ لیجا سکے لیکن مدرسہ کے حالات کے بارے میں معلومات فرماتے رہتے تھے، بفضلہ تعالیٰ حضرت کی دعاؤں اور منید مشوروں کی وجہ سے یہ مدرسہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے، آج حضرت والا کا سایہ شفقت نہیں ہے، لیکن اللہ کی ذات سے امید ہے آئندہ بھی یہ ادارہ اپنی دینی خدمات سے علاقہ کو فیضیاب کرتا رہے گا، الحمد للہ اس وقت مدرسہ میں حفظ و قرآن کریم کے آٹھ درجے اور عربی پنجم تک تعلیم ہو رہی ہے، ایک مرتبہ حضرت والا کے ساتھ بستی سے لکھنؤ کیلئے ٹرین میں سفر کر رہا تھا رات کا وقت تھا، جب تہجد کا وقت ہوا تو حضرت والا تہجد کی نماز کیلئے اٹھ گئے، بندہ بھی چاہ رہا تھا کہ حضرت کی خدمت کا موقع ہاتھ آئے تو حضرت نے فرمایا کہ گرم پانی رکھا تھا وہ لائیے، تو بندہ نے جلدی سے پانی دیا حضرت نے وضو فرمایا اور نماز ادا کی۔ سفر میں بھی حضرت نماز تہجد کی پابندی فرمایا کرتے تھے اور بڑے اطمینان اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

چند سال پہلے جمعیتہ علماء ہند نے اصلاح معاشرہ پروگرام ملکی چیانہ پر شروع کیا تھا دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی اور دیگر بہت سے مدارس کے علماء کرام کے وفد ملک کے دیہات قصبات اور شہروں کو روانہ کئے گئے، بندہ کا نام بھی ان علماء کی فہرست میں تھا، لیکن حضرت والا نے علماء کرام کو علاقوں کے احوال کے اعتبار سے سیٹ کیا تھا، لیکن تری پورہ، منی پور کے علاقہ کے لیے کوئی مناسب نام تجویز نہیں ہو پارہا تھا، حضرت والا نے مجلس میں فرمایا کہ اسعد کا نام لکھو وہ چلا جائے گا، بہر حال میرا نام تری پورہ، منی پور کے اصلاح معاشرہ پروگرام کے لیے منتخب ہو گیا، بندہ سفر پر روانہ ہوا بفضلہ تعالیٰ اور حضرت کی دعاؤں سے تمام سفر بعافیت مکمل ہوا اور لوگ پروگراموں میں جڑے اور مستفید ہوئے۔

□□□

مولانا نظام الدین فخر الدین

مہتمم دارالعلوم نظامیہ صوفیہ، پونہ

عظیم صلاحیتیں اور فولادی عزم و ہمت کی نمود

تو ارادہ پہ رہا اپنے برابر قائم

گردش دہرنے بھی رنگ نہ بدلا تیرا

مرشدی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ”میرے عزیزو! اسلام میں تجدید و اصلاح کی پوری تاریخ افراد کی الوالعزمی کی تاریخ ہے، کہنے کو ملی اور اجتماعی تاریخ ہے اور بے شک بے لیکن عملایہ از اول تا آخر افراد کی صلاحیتوں، ان کے عزم و ہمت کی نمود ہے، جب کبھی اسلام کے لئے موت و حیات کی کوئی کشمکش پیش آئی، جب کسی طرف سے دین اسلام کو لاکارا گیا تو کوئی فردِ کامل کوئی صاحبِ عزم ہستی سامنے آگئی، ایسے موقع پر نہ کوئی کونسل بیٹھتی ہے نہ کوئی مشورہ ہوتا ہے، کوئی صاحبِ یقین سامنے آجاتا ہے اور حالات کو یکسر بدل کر رکھ دیتا ہے۔

ایسی ہی ایک صاحبِ عزم ہستی وراثتِ مدنی کی حامل، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کی عالمی شخصیت تھی۔ حضرت مولانا ایک ہی وقت میں سپہ سالار بھی تھے، رضا کار بھی، درویشِ حق پرست بھی تھے اور معلمِ اکمال بھی، خوددارِ غیور و فقیر بھی اور دولتِ علم و اخلاقِ نبوی کے امیر بھی تھے، عزم و شجاعت کے میدان میں بے باک جوانِ رعنا بھی، مذہبی پیشوا بھی تھے، اور سیاسی راہنما بھی، باعتبار عمر سنجیدہ مزاج بھی تھے۔

ات دن محنت سے جس کو اس جہاں میں کام تھا

ر گھڑی جہد و مشقت جس کا شغلِ عام تھا

زندگی میں اپنی جو وقفِ غم و آلام تھا

عین سے سوتا نہ تھا بے گانہ آرام تھا

وہ گیا ہے عالمِ برزخ میں سونے کے لئے

رہ گئے ہم اس جہاں میں آج رونے کے لئے

یقیناً حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ صاحبِ بصیرت تھے، عالمی سطح پر گہری نظر رکھتے تھے، ملتِ اسلامیہ

کی پسماندگی پر بے چین رہتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے بڑے درد بھرے انداز میں عربوں سے متعلق فرمایا :

”عربوں کی پسماندگی کی داستان بڑی لمبی ہے، یہود و نصاریٰ نے بڑی بڑی کانفرنسیں کر کے اور کئی سو برس کے پلان بنا کر مسلمانوں کو تعلیم، اقتصادیات، ہر چیز میں تہی مایہ کر دیا اور ان کو ہر پہلو سے انتہائی پیچھے کر دیا، ان کی سازشیں صلیبی جنگوں کے بعد ہی سے چلتی رہیں، سب سے پہلے انہوں نے اندلس میں غلبہ حاصل کیا، اس کے بعد مختلف طریقوں سے چالیں چلتے رہے، کہیں لارینس کو بھیجا، عربوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر انہیں طرح طرح سے فریب دیا، ہر جگہ بے دینی اور عیش و عشرت میں مبتلا کر کے ان کے اوصاف کو ختم کر دیا۔“

حضرت مولانا کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ آپ مسائل پر صرف تبصرہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ بذاتِ خود ان مقامات کا سفر کرتے، لوگوں سے ملاقات کر کے حالات و خیالات معلوم کرتے اور پھر مسائل کے حل کے لئے اپنی پوری قوت لگا دیتے۔ ۱۹۷۰ء میں مولانا محترم نے علی گڑھ کا سفر کیا اور مسلم یونیورسٹی کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں، تبادلہ خیال کیا اور پھر انداز گاندھی سے ملاقات کی اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سلسلے میں مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کیا اور بڑی جسارت سے فرمایا :

”مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے متعلق مسلمانوں کے ذہن میں بڑے اندیشے اور شکوک ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ یونیورسٹی کے بارے میں حکومت کے طرز فکر میں بنیادی تبدیلی کی جائے، کچھ تنگ نظر حلقے ہیں اور وہ مسلسل کوشش میں ہیں کہ اس کے نام و کردار کو بدل دیں، ان کی یہ کوشش سیکولرزم کے اصولوں کے منافی ہیں۔“

حضرت مولانا کا وہ اندیشہ جس کو ۳۶ سال قبل مولانا نے اپنے نورِ بصیرت سے تاڑ لیا تھا، سچ ثابت ہوا اور سپریم کورٹ کے حالیہ ایک غیر جمہوری فیصلے نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اقلیتی کردار کا خون کر دیا۔ ہم نے سوچا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد وہ بھی کم بخت تیرا چاہنے والا نکلا۔ آج ہندو پاک تعلقات کو خوش گوار بنانے کی خوش آئند کوششیں کی جا رہی ہیں۔ یہی بات حضرت مولانا نے برسوں پہلے کہی تھی، جب شملہ معاہدہ ہوا تھا تو حضرت مولانا نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک اخباری بیان جاری کیا تھا کہ :

”یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دونوں ملکوں کے مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، ان کے درمیان اقتصادی، ثقافتی، اور ذہنی رشتے موجود ہیں، ان رشتوں کو کمزور کرنے کی کوئی بھی کوشش دونوں ملکوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔“

حضرت مولانا ملتِ اسلامیہ کے ناسور زدہ معاشرہ کو دیکھ کر تڑپ اٹھتے اور فرماتے :

”مسلمانوں کے معاشرہ اور سماج میں جو کمزوریاں ہیں، بُری عادتیں ہیں، رسمیں ہیں، فضول

خرچیاں ہیں اور ایسی خرابیاں ہیں، ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے، محلہ دار، برادری داران کے اندر ایسا اچھا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو صحیح اسلامی ماحول ہو۔

ملک کی آزادی کی خاطر کم و بیش ۵۷ ہزار علماء نے اپنی جانوں کی قربانی دی، ملک آزاد ہوا مگر تعصب اور فسادات نے یہ واضح کر دیا کہ.....

ہم انتظارِ صبح میں جاگے تمام رات نکلا جو آفتاب تو وہ بھی گہن میں تھا

مولانا محترم راجیہ سبھا کے باوقار ممبر بھی رہ چکے ہیں، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے بعد اگر کوئی پارلیمنٹ میں گر جا ہے تو وہ صرف حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی تھے، جن کی گرج نے پارلیمنٹ کو ہلا کر دکھ دیا، فسادات کے سلسلے سے فدائے ملت حضرت مولانا کی پارلیمنٹ میں کی ہوئی معرکہ لاء آراء تقریریں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں، جس میں آپ نے بڑی جسارت سے فرمایا تھا کہ :

”اگر اربابِ حل و عقد واقعی فسادات سے پریشان ہیں تو وہ بتائیں کہ فسادات کے مجرموں کو سزائیں کیوں نہیں ملتیں، مجرم افسروں کو معطل کیوں نہیں کیا جاتا، اگر کانگریس اپنی حکومت میں مسلمانوں کے لئے پر امن حالات نہ پیدا کر سکی تو یہ سمجھنا درست ہوگا کہ حکومت آریس ایس کی ہے“

آج جبکہ مدارسِ دیدیہ کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ان پر دہشت گردی کے بے بنیاد الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ مولانا محترم نے ملک کے تمام مدارسِ دیدیہ میں ربط ضبط پیدا کر کے مدارسِ دیدیہ کو ایک نیا عزم و حوصلہ بخشا ہے مدارسِ دیدیہ کی تاریخ میں حضرت مولانا کے اس بے مثال کارنامے کو سنہری حروفوں میں لکھا جائے گا۔ اس موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اس تعارف کا نقل کرنا دلچسپی کا باعث ہوگا جو مولانا نے مکتوباتِ شیخ الاسلام حصہ دوم کے مقدمے میں فرمایا ہے :

”کسی صاحبِ کمال ہستی کے کمالات و خصوصیات، شخصیت و صفات کا تعارف کرنا اہل نظر کا کام ہے، لیکن کسی صاحبِ کمال شخصیت کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات نقوش و تاثرات کے اظہار کے لئے خود صاحبِ کمال اور صاحبِ نظر ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔“

آخر میں عرض کروں گا کہ حضرت مولانا کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے تعزیتی جلسے اور تبصرے کافی نہیں ہوں گے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر اس اضطراب کو پیدا کریں جس نے مولانا کو فدائے ملت بنا دیا.....

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
ان کے مقاصدِ زندگی کو عروج و فروع دیا جائے۔ باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ اے خدا.....
حضرت مدنی کو کرا آسودہ خلد و جناں تیرا فصل بیکراں ان پر رہے سایہ کناں
جاویداں وہ سایہ دامنِ رحمت میں رہیں تیرے جلوؤں سے مشرف باغِ جنت میں رہیں

علم و فن کے حسین قافلے کھتم گئے

حیات جس کی امانت تھی سو پ دی اس کو اُتارنا تھا یہ قرضہ بھی سر سے اپنے تجھے قرآن کریم کا قول ہے ”کل من علیہا فان“ یہ ہر انسان کا مقدر اور ہر مسلمان کا ایمان ہے، پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ جانے والے پر افسوس کیوں ہوتا ہے، مسئلہ یہ نہیں ہے کہ جانے والا کیوں گیا۔ اس کا جانا تو روزِ اول ہی سے متعین تھا، ہمیں اس کا علم نہیں تھا یہ اور بات ہے۔

پریشانی یہ ہے کہ جانے والا جن ذمہ داریوں کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اب قحط الرجال کے اس دور میں ان کو کون سنبھالے گا۔ کیونکہ آج جو چلا جاتا ہے اس کا نعم البدل یا صرف بدل تو دور کی چیز ہے، اس کا عشر عشر بدل بھی نصیب نہیں ہوتا ہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا فخر الدین کے دور کی توقعات ہی رکھنا بے جا ہے، دورِ روحانیت تو سفرِ رخت لے چکا، بقول کوثر میرٹھی کے

ابھی کیا ہے تجھے ڈھونڈیں گے اک دن کارواں والے کہ مر جانے پہ قدرِ آدمی معلوم ہوتی ہے
(کوثر میرٹھی)

تمہارے بعد ان کانٹوں کی عظمت کون جانے گا بھٹکتا ہی پھرے گا کارواں جب تم نہیں ہو گے
(محمود دہلوی)

مولانا مرحوم کی شخصیت کا خاکہ کچھ اس انداز کا تھا، پیرانہ سالی کے باوجود ہمت اور عزم کا مجسمہ، ملت کے مسائل کا نبض شناس، مدارسِ دینیہ کی ضروریات اور حسنِ انتظام کی نفسیات کا شناسا ہی نہیں بلکہ قابلِ اعتماد مشیر و معاون، شریعتِ اسلامیہ کی دانائیوں کا مردِ حق آگاہ حکومت کے ایوانوں میں بانگِ دہلِ ملت کے مسائل پر اپنی آواز بلند کرنے والا اور زندگی کے درج ذیل اصولوں پر کاربند

زندہ رہنا ہے تو میرِ کارواں بن کر رہو اس زمیں کی پستیوں پر آسماں بن کر رہو
زمیں کی طرح جس نے عاجزی و انکساری کی خدا کی رحمتوں نے اس ڈھانپا آسماں ہو کر

حوادث سے اُلجھ کر مسکرانا میری عادت ہے
اور آج کا حال یہ ہے

مجھے بربادیوں پر اشک برسانا نہیں آتا
رات کو چادر مہتاب تنی ہوتی ہے
اور ہمارے لئے اکابر کا حکم

اب اگر خاک نہ ہوگا تو جگر کیا ہوگا
اور ملت کا حال یہ ہے

زمانہ برسرا آزار تھا فانی مگر
تڑپ کے ہم نے تڑپا دیا زمانے کو
اب تو باری تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست ہے

اُجالے ان کی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے
میرا تعلق جمعیتہ علماء ہند سے ۱۹۸۷ء سے ہے جب میں ہمدرد دو خانہ میں ملازم ہوا۔ اس وقت ہمدرد

لال کنواں پر تھا اور دفتر کے بعد گلی قاسم جان میں مولانا حفیظ الرحمن صاحب کی خدمت میں حاضری معمول تھا۔ مولانا
مرحوم سے یہ تعلق تقریباً تیس سال قدیم ہے۔ مولانا سے جو سبق میں نے سیکھا ہے وہ ہے :

یہ الم، یہ ستم، راستے پُر خطر راہرو تیرا ثابت رہے ہر قدم

وقت کی باگ ہاتھوں میں ان کے رہی تیز دھاروں کی آغوش میں جو جئے

رہروانِ راہ منزل رہ نہ جانا راہ میں
مقامِ زندگی تعمیر کر موجِ حوادث میں
لذتِ صحرا نوردی دوریٰ منزل میں ہے
کناروں کا بھروسا کیا کنارے ٹوٹ جاتے ہیں

آج کے قحط الرجال کے اس دور میں کسی نایاب شخصیت کا دنیا سے رخصت ہو جانا ہماری محرومیوں میں
مزید اضافہ کا باعث ہے لیکن ہمارے پاس سوائے صبر کے اور چارہ ہی کیا ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم کے

آرزو کو خون زلواتی ہے بیداد اجل
کھل نہیں سکتی شکایت کے لئے لیکن زباں
مارتا ہے تیر تاریکی میں صیادِ اجل
ہے خزاں کا رنگ بھی وجہ قیامِ گلستاں

ایک ہی قانونِ عالمگیر کے ہیں نسب اثر
بوئے گل کا گل سے اور گلچیں کا دنیا سے سفر
نذرانہ عقیدت کے طور پر زبیر رضوی کے اشعار پیش خدمت ہیں

زندگی کون سا موڑ ہے یہ جہاں
جانے کیا شب کی دیرانیوں نے کہا
میرے قدموں کی رفتار تھم سی گئی
راہ چلتے مسافر کو نیند آگئی

راہ ویران ہے کس کو آواز دوں

آج پھر موت کی اک خبر ساقیا
زندگی کون سا موڑ ہے یہ جہاں
گاتے گاتے غزل کوئی چپ ہو گیا
وہ پرستارِ علم و ہنر اٹھ گیا

وہ سراپا خلوص و وفا اٹھ گیا
آج پھر موت کی اک خبر ساقیا

بزم کی خامشی داستاں بن گئی
آج کم خواب آنکھوں کو نیند آگئی

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل، جمعیتہ علماء ہند کو ان کا بدل بخشنے اور ہم سب کو ان کے نقش

قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے.....

نمازِ عشق پڑھنے کا تم ہی کو حق تھا دنیا میں
کہ آتا تھا تمہیں خونِ تمنا سے وضو کرنا

دفاع امام ابو حنیفہؒ رشحاتِ قلم : مولانا عبدالقیوم حقانی

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سیرت و سوانح، علمی و تحقیقی کارنامے، تدوین فقہ، قانونی کونسل کی سرگرمیاں، دلچسپ مناظرے
حجیت اجماع و قیاس پر اعتراضات کے جوابات، نظریہ انقلاب و سیاست، فقہ حنفی کی قانونی حیثیت و جامعیت اور تقلید و
اجتہاد کے علاوہ قدیم و جدید اہم موضوعات پر سیر حاصل تبصرے۔ کمپیوٹرائزڈ ٹائٹل، مضبوط جلد بندی اور شاندار طباعت۔

صفحات : 352 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ

مولانا محمد انعام اللہ قاسمی

علوم نبوت کے شارح و امین

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب علوم نبوت کے امین اور پیغمبری جذبہ، پیغمبری تڑپ اور نبوی سوز و اضطراب کی آئینہ دار تھے۔ اسی لئے وہ ان تمام حالات سے دوچار ہوئے جن سے اس راہ کے راہی دوچار ہوتے ہیں اور تمام حالات کا انہوں نے پامردی اور ہمت سے مقابلہ کیا۔ نہ وہ کبھی گھبرائے نہ خوف و ہراس کو انہوں نے خود پر حاوی ہونے دیا، کبھی نہ بکے اور نہ ہی جھکے، یقیناً ان کی موت سے ہر قلب مضطرب ہے۔ آنکھ نمناک ہے اور اس حادثہ پر جو آنکھ نمناک نہ ہو اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ یہ حادثہ مدنی خاندانی یا دارالعلوم و جمعیتہ علماء سے وابستہ شخصیات کا نہیں ہے۔ بلکہ ملک و ملت کا حادثہ ہے وہ دانشور ہوں، سیاسی رہنما ہوں، دینی قیادت کے حاملین ہوں، مدارس و مکاتب سے وابستہ و دردمند ہوں، تبلیغی جماعت کے داعی ہوں، عصری دانش گاہوں کے ناخدا ہوں یا دیہات اور گاؤں کے رہنے والے ہوں وہ خود کو بے یار و مددگار اور یتیم محسوس کر رہے ہیں۔

انہوں نے پیغمبر کے ایک مخلص بے لوث اور سچے جانشین کی طرح پیغمبری مقاصد کی ترویج و اشاعت میں اپنی زندگی کا ایک لمحہ صرف کیا اور وقت، حالات اور ماحول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب پر جس طرح کا انشراح فرمایا وہ بڑی تندہی، ہمت، اعتماد اور مکمل بصیرت سے اس پر گامزن رہے اور بیک وقت انہوں نے دعوت و ارشاد، تزکیہ و تربیت، سیاست و حکومت، اصلاح معاشرہ، فرقی باطلہ تک صحیح پیغام رسانی، برادران وطن کو اسلام و قرآن کی دعوت ارباب انتظام کی رہنمائی ملک و بیرون ممالک کے اسفار، مدارس و مکاتب کا رابطہ، صرف دینی تعلیمی ادارے، صرف عصری دانش گاہیں اور دینی ماحول میں عصری تعلیم اقتصادیات کو مضبوط کرنے مسلمانوں کو سود سے بچانے کی عملی کاوشیں، ہسپتال، ٹیکنیکل ادارے اور مصیبت زدہ علاقوں کی ہر ممکن دادرسی و خیر خواہی اور ان سب سے بڑھ کر افراد سازی رجال کار کی فراہمی وغیرہ کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ صرف اور صرف انہیں کا حصہ تھا، ان تفصیلات کو کتاب کی ضرورت ہے۔ آج کونسا علاقہ ہے جہاں ان کے نقوش نہ ہوں، کون سا میدان ہے جو ان کی خدمات کا منہ بولتا شاہکار نہ ہو اور کس جگہ ان کے مریدین اور پروردہ افراد نہیں ہیں.....

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

انہوں نے دارالعلوم کی مدرسے کو معراج سمجھانہ جمعیت علماء کی صدارت کو آخری منزل مقصود بنایا اور نہ ہی کسی بڑے سے بڑے عہدہ و منصب سرپرستی رکنیت کو مقصد زندگی تصور کیا بلکہ کام کی فکر، انسانیت کی فلاح، احقاق حق، ابطال باطل اور امت کی فلاح و بہبود کی مخلوق خدا کی ہمدردی و خیر خواہی امت میں امتی ہونے کا احساس دینی اداروں کی فکر اور قرآن و سنت، حاکمیت گھر میں بھی، کاروبار میں بھی، خوشی و غمی میں بھی، عسرت و تنگی میں بھی اور فقر و غنا میں بھی ان کی زندگی کا جزو لاینفک تھا۔

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

وہ اپنے ان مقاصد کے لئے آگے بڑھتے رہے، بے پناہ معاہدات کرتے رہے۔ راہیں ان پر کھلتی رہیں کام کا بجھاؤ پالنبہار دیتا رہا اور نہ جانے کتنی صدارتیں، کتنے اعزازات اور کتنی سرپرستیاں جن کے لئے لوگ دوڑ دھوپ کرتے ہیں، توڑ جوڑ ہوتی ہے، منصوبہ بند پروگرام بناتے ہیں، وہ بغیر مطالبہ و سوال کے ان کے سامنے سرنگوں ہوتی رہیں اور جس انسان کی نیت آخرت ہوتی ہے، دین ہوتا ہے، دنیا اس کے پاس ناک رگڑتی ہوئی آتی ہے، مجھے کہنے دیجئے اس ذات گرامی کو عہدوں سے عزت نہیں ملتی تھی جبکہ عہدے، مناصب اور صدارتیں اس کی وجہ سے عزت و خدمت اور زندگیاں پاتی تھیں۔

وہ بہت بڑے مصنف نہیں تھے، ان کی کتابوں کی بہت طویل فہرست نہیں ہے اور اتنے محاذوں پر رہنے والا انسان یہ کبھی نہیں سکتا مگر یہ بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ انہوں نے جن فتنوں کا ادراک کیا، جن مسائل کا تقاضہ سامنے آیا اور وقت کو جن چیزوں کی ضرورت ہوئی، انہوں نے اس کے لئے نہ صرف مصنف، شارحین اور مرتبین تیار کیے، بلکہ ادارے اور تحریکوں کو وجود بخشا، جنہوں نے ان مسائل پر بڑی مفصل و مضبوط کتابیں ترتیب دی، جن کی مکمل حوصلہ افزائی، رہنمائی، اسی عظیم سپوت نے فرما کر ملت پر احسان عظیم کیا ان کی تفصیل کی یہ مختصر تحریر متحمل بھی نہیں۔

یہاں حضرت مولانا کی زندگی کا یہ کارنامہ تحریر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی قوم و ملت کو بڑا اعتماد و حوصلہ بخشا ہے اور ملک میں جب بھی اسلام دشمن عناصر نے سر ابھارا اور فکر مند افراد کو پس دیوار زنداں کیا اور ان میں شکست خوردگی پیدا کرنے کی مختلف انداز پر کوشش کی اور ایسی فضا بنائی کہ کچھ کہنا، بولنا، لکھنا، دو بھر ہو گیا تو اس

وقت میں یہی مرد میدان میں آیا اور بڑی کانفرنس کیں اور اُمت کو اعتماد بخشا۔ انہیں حوصلہ دیا اور کھل کر کام کرنے کے مواقع فراہم کیے۔ اگرچہ کچھ حضرات نے ان کے اس طریقہ پر نکتہ چینی بھی کی، اس کو بے فائدہ بھی بتایا، اسے قوم کے ساتھ مذاق سے تعبیر کیا، ان کی خبروں تک کو جو جگہ اخبارات میں ملنی چاہئے تھی نہ ملی۔ مگر انہوں نے اس کی مطلقاً پرواہ نہ کی۔

انہوں نے وقت کے وزیر اعظم کو خط میں تحریر فرمایا تھا کہ جس بات کی ہمیں سب سے زیادہ تکلیف ہے وہ خود آپ کا رویہ ہے۔ اقلیتوں سے متعلق اہم مسائل پر آپ کے متضاد بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ اقدار کے تئیں آپ کی ذمہ داری کے احساس کی گہرائی گھٹنے سے بھی نیچے ہے نہ صرف یہ کہ آپ نے سیکولرزم اور جمہوریت کے دشمن سنگھ پر یواری تنظیموں کا لگام دینے سے احترام کیا ہے بلکہ بسا اوقات آگے بڑھ کر ان کی مدد اور حوصلہ افزائی کی ہے۔ عوام کے بڑے طبقے میں یہ احساس تیزی سے پھیل رہا ہے کہ جن خطوط پر آپ ملک کو لے جا رہے ہیں، اس سے ہماری قومی وحدت کو سخت نقصان پہنچے گا۔“ یہ بھی ایک سچی حقیقت ہے کہ اتنے عظیم الشان کام کرنے والا کوئی بھی فرد سب افراد کو خوش نہیں رکھ سکتا ہے اور تمام طبقات کے نظریات کو متحد نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے اس کے مخالفین بھی ہوتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ بھی کھولے جاتے ہیں اور اس عشق و محبت کی نگری کا دستور بھی یہی ہے کہ کلمہ خیر کہیے اور گالیوں سے دامن بھریئے، پھول نچھاور کیجئے اور کانٹوں سے دامن بھریئے، راستی کے مسلک پر چلئے اور تفریق بھگتئے۔ دیانت کی روش پر چلئے اور خائن کہلوایئے، زخموں پر مرہم رکھئے اور زخمی ہو جائیئے، حضرت امیر الہند کے ساتھ بھی یہی ہوا، انہیں ان کی بے لوث خدمات کے سلسلہ میں ہر طرح مطعون کیا گیا ہے۔ ان کی نیت پر شک و شبہ کیا گیا، جلسے ان کی مخالفت میں ہوئے، مجلسوں میں ان کے ساتھ بدسلوکی کی گئی، ان کے کارٹون شائع کیے گئے، دارالعلوم دیوبند میں سب سے پہلے انہوں نے قادیانیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے ارباب علم و فکر کو آگاہ کر کے اس کے مقابلہ کی دعوت دی۔ ایک پمفلٹ منظر عام پر آیا جس کے ایک دو شعر ذہن و دماغ کے افق سے قرطاس پر آنے کے لئے بے تاب ہیں جس سے مخالفت کی ذہنیت کی عکاسی ہوتی ہے.....

دیوبند شہر میں خاموش تھے سب فتنہ گرے کوئی تحریک، نہ اجلاس، نہ شوری، نہ نعرے
اک روز چھپی اخبار میں یہ خبرے جلسہ ختم نبوت پہ ہے باصد کرو فرے
جن کے القاب بڑے نام بہت مختصرے اندر کچھ تھا کہ نہ تھا کون یہ تحقیق کرے

یہ ان حضرات کا مقدر تھا، مگر وہ بندہ خدا وہ حسینی کردار و عزم کا حامل اپنے اسلاف و اکابر کی روایات کا امین و پاسبان، نیکی کا سپاہی، تقدس کا امام، ان سے بے نیاز ہو کر انہیں تکالیف پہنچانے والوں کے لئے راحتوں کی

راہ ہموار کرتا رہا۔ انہیں زخمی کرنے والوں کی ہمدردی کی جنگ لڑتا رہا اور عشق زخم کھا کر کردار و رسن کی طرف مسکراتا ہوا بڑھتا رہا، راستہ روکھنے والے راستہ روکتے روکتے تھک گئے۔

حضرت مولانا کے چلے جانے سے یقیناً خلا پیدا ہوا۔ جسے کوئی ایک فرد شاید ہی پُر کر سکے اور اس دور میں جبکہ شخصیات اٹھتی جا رہی ہیں، ان کی یادیں مدتوں رُلائیں گی، ایسے افراد مدت کے بعد پیدا ہوتے ہیں لیکن وہ مولیٰ اس وقت کی چارہ سازی کرنے والا ہے۔ وہ افراد تیار کرتا رہے گا جو اپنے زمانہ کے مزاج و مذاق کے مطابق کام کرتے رہیں گے اور ابھی بھی کام باقی ہیں اور کام کرنے والے بھی۔

اسلام دشمن طاقتیں میدان میں ہیں اور ہر طبقہ کو متاثر کرنے میں سرگرم ہیں اور ہمیں ابھی آپسی اختلافات سے فرصت نہیں، مقصدی چیزوں سے ہٹ کر غیر مقصدی چیزوں میں زندگی بسر ہو جاتی ہے۔ بس صرف اور صرف اپنی اپنے پر یوار کی اور اپنی عزت و عظمت کی فکر ہے اور تمام تر کاوشیں اسی پر صرف ہوتی ہیں، اسلام و قرآن کے ٹائٹل بھی اب اسی کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ جن کے لئے احادیث میں بہت سخت انتباہ ہے صرف معدہ، صرف مال، صرف عہدہ اور صرف اپنی عظمت ہی تو سب کچھ نہیں، ہم تو نبی اُمی کے اُمّتی ہیں، ہمارے پاس جو پیغام ہے، اس میں پوری دنیا کی فوز و فلاح ہے وہ عالمی دعوت ہے، عالمی بحران کا اس میں علاج ہے۔ وہ بوسیدہ ہوتا ہے، نہ پرانا، نیا بالکل نیا جدید تقاضوں کا رہنما ہے اور دنیا آج بھی اس کی پیاسی ہے۔ یہی چشمہ صافی، اس سستی دنیا کو وہ سب کچھ عطا کر سکتا ہے۔ جو جا چکے وہ تو اعمال کے مطابق جزا و سزا پار ہے ہیں۔ پر ہمیں بھی تو اپنی زندگی کا رگر، نفع بخش اور فائدہ مند بنانی چاہئے یا کم از کم ہماری ذات سے کسی کے کام کا نقصان ہو اور وقت اجل پر احسان ہو کہ کوئی چل بسا، کسی نے دنیا چھوڑ دی، دنیا محروم ہوگئی۔

امام اعظم کے حیرت انگیز واقعات (چودھواں ایڈیشن)

رشحاتِ قلم : مولانا عبدالقیوم حقانی

اردو کی سب سے پہلی اور کامیاب کاوش، فکر و نظر، علم و عمل، تاریخ و تذکرہ، اخلاص و للہیت، طہارت و تقویٰ، سیاست و اجتماعیت، تبلیغ و اشاعتِ دین، تعلیم و تدریس غرض ہمہ جہت جامع، نفع بخش، کمپیوٹرائزڈ ٹائٹل، مضبوط جلد بندی اور شاندار طباعت - صفحات : 352 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ



باب : ۳

عظمتِ مقامِ رفعتِ شان
اور عالمانہ جلالِ قدر

وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے

ملت کا لعل شب چراغ گم ہو گیا
حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
رحمہما اللہ کے بعد ہماری بزم جہد و عزیمت ایک چراغ سے روشن تھی، افسوس کہ ۷ محرم الحرام
۱۳۲۷ھ مطابق ۶ فروری ۲۰۰۶ء کو بادل حوادث نے اسے بھی گل کر دیا۔

ایک روشن چراغ تھا نہ رہا
یعنی حضرت امیر الہند، فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی جو بمشیت ایزدی مفلوج ہو کر تین
ماہ پہلے سے خاموش ہو چکے تھے، آہ وہ، ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہم اغفرلہ، وارحمہ، وعافہ واعف عنہ،
واکرم نزلہ ووسع مدخلہ، وانزل علی روحہ وجسدہ وترتہ شایب
رحمتک، واجعلہ من المقربین آمین یا ارحم الراحمین .

حضرت صاحب العلمین والوسادۃ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابی جلیل معاذ بن
جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فرمایا تھا ”اِنَّ مَعَاذًا كَانَ اُمَّةً قَانَتَا“ یعنی لوگوں کی نفع رسانی
میں ان کی اکیلی ذات ایک امت وجماعت کی حیثیت رکھتی تھی۔

عصر حاضر میں حضرت فدائے ملت قدس سرہ کی جامع کمالات وہمہ جہت شخصیت حضرت
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کی زندہ اور جیتی جاگتی تصویر تھی۔ وہ مسلمانوں کی سب سے
بڑی تنظیم جمعیتہ علمائے ہند کی مسند صدارت کے شہ نشین ہی نہیں تھے بلکہ دین حق کے مخلص داعی تھے،
سلسلہ ارشاد و سلوک کے مرشد کامل تھے، اسلاف کی تاریخ ایثار و ہمدردی خلق کے سچے امین تھے،

اسلامی آثار و شعائر کے نگہبان تھے، ملک و ملت کی عظمتوں کے محافظ تھے، ظلم و ناانصافی کے ماحول میں حق و انصاف کے علم بردار تھے، نفرت و وحشت کے اندھیرے میں محبت و اخوت کے مینار تھے، ان کی ایمانی فراست کے آگے مخفی و پراسرار فتنے بے لباس ہو جاتے تھے، ان کی جرأت و استقامت کے سامنے حوادث کی تلاطم خیز موجیں سرنگوں ہو جاتی تھیں، ان کی حکمت و دانائی وقت کے چیلنج اور مسائل کو مواقع میں تبدیل کر دیتی تھی، غرضیکہ ان کی ایک زندگی نہ جانے کتنی زندگیوں کا مجموعہ تھی، اس لئے ان کی وفات صرف خانوادہ مدنی کا ماتم نہیں، صرف دیوبند و دلی کا ماتم نہیں بلکہ قوم و ملک کا ماتم ہے؛ جہد و عزیمت کا ماتم ہے، استقلال و استقامت کا ماتم ہے، فراست و حکمت کا ماتم ہے۔ ایثار و غم خواری خلق کا ماتم ہے ملت اسلامیہ ہند کے طالع و بخت کا ماتم ہے۔

مرثیہ ہے ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا

آہ ہمارے لئے یہ کس قدر غمناک سانحہ ہے کہ آج ہمارا قلم اس ذات کا ماتم کر رہا ہے جس نے کل تک قوم و ملت کے غم و ماتم سے ملک کے پورے طول و عرض کو کم و بیش نصف صدی تک پر شور رکھا۔

سوانحی خاکہ

پیدائش: ۲۴ یا ۲۶ رزی قعدہ ۱۳۳۶ھ - ۲۷ اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ اسلامی علوم و ثقافت کے مرکز دیوبند میں آپ پیدا ہوئے والد بزرگوار حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ نے اسی سال محرم الحرام میں ایشیا کی سب سے عظیم اسلامی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت تدریس کو رونق بخشی تھی۔

تعمیر حیات: ابتدائی تربیت والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت میں پائی، مگر ابھی عمر کی نو بہاریں ہی دیکھ پائے تھے کہ والدہ ماجدہ اس گلستان خزاں آباد کو چھوڑ کر خدائے رب العزت کی نوازشوں کی جنت خلد کو سدھار گئیں، اس کے بعد تعلیم و تربیت کے سارے مراحل والد بزرگوار کے خادم خاص و خلیفہ قاری اصغر علی سہیس پوری رحمہ اللہ کی زیر نگرانی طے ہوئے، جنہیں بچوں کی تربیت کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ کی ابتداء سے انتہاء تک ساری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، والد ماجد حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے علاوہ حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امرہوی، شیخ المعقول والمعقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا سید اصغر حسین

محدث دیوبندی، حضرت مولانا فخر الحسن مراد آبادی، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہ جہانپوری، حضرت مولانا جلیل احمد کیرانوی خادم خاص حضرت شیخ الہند وغیر ہم جیسے نابغہ عصر سے درسیات کی تکمیل کر کے ۱۳۶۵ھ-۱۹۴۵ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

تعلیم کتاب و سنت سے فراغت کے بعد پورے طور پر یکسو ہو کر سلوک و احسان کی تحصیل میں منہمک ہو گئے اور والد ماجد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر ان کی زیر تربیت اس راہ کی منزلیں طے کیں، اس کے لئے حضرت شیخ الاسلام نے انھیں مدینہ منورہ بھیجا کیونکہ اس ارض مقدس میں ذکر و اذکار اور عبادت الہی کی برکت و تاثیر میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے، چنانچہ مدینہ منورہ کے اس دو سالہ قیام کے دوران آپ نے حضرت شیخ الاسلام کی حسب ہدایت پابندی کے ساتھ مسجد نبوی بالخصوص مواجہہ شریفہ میں ذکر و اذکار میں مصروف رہتے، پابندی اوقات کے ساتھ یہ سلسلہ پورے دو سال تک جاری رہا، اس راہ کے اہل بصیرت ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس مدت میں انہیں بارگاہ ہدایت سے کیسی کیسی نعمتیں حاصل ہوئی ہوں گی۔ بارگاہ نبوت میں اس دو سالہ حاضری و قیام کے بعد کندن بن کر واپس وطن لوٹے، اور ہمہ تن حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں لگ گئے، سفر و حضر میں ساتھ رہتے اور اس طرح والہانہ ہر خدمت بجالاتے کہ دیکھنے والوں کو رشک ہوتا۔ حضرات علما و مشائخ کی اولاد میں یہ سعادت بطور خاص انھیں کو حاصل ہے ورنہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ اولاد کے بجائے اس سعادت سے تلامذہ و مریدین ہی بہرہ ور ہوتے ہیں، اس طرح لائق بیٹے نے والد ماجد کے اکثر کمالات خصوصیات اپنے اندر جذب کر لیں حتی کہ رفتار و گفتار بلکہ زندگی کی عام روش میں ان کا نمونہ اور فیوض و برکات کا سچا وارث بن گیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میدان جہد و عمل میں: ظاہری و باطنی علوم و معارف کی تحصیل و تکمیل کے بعد حضرت مولانا نے اپنے جہد و عمل کے سفر کا آغاز اپنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے کیا اور ۲۸ شوال ۱۳۷۰ھ کو اس کے شعبہ تعلیم سے منسلک ہو کر درس و تدریس میں مصروف ہو گئے، جس کا سلسلہ بارہ سال تک جاری رہا، لیکن آپ کی تربیت جس ماحول میں اور جس نہج پر ہوئی تھی اور جن اوصاف و کمالات سے آپ کو نوازا گیا تھا وہ صاف بتا رہے تھے کہ آپ کو اس سے بھی وسیع تر خدمت کے

لئے پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ مشیت ایزدی نے آپ کو مسند درس و تدریس سے اٹھا کر قوم و ملک کے اعلیٰ کاموں سے وابستہ کر دیا۔ اس کے بعد دنیا نے یہی دیکھا کہ اللہ کے اس مرتاض بندہ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ قوم و ملت کی زندگی کے لئے وقف کر دیا، جب تک جسم و جان میں سکت باقی رہی قوم و ملت کی صلاح و فلاح اور توانائی و سر بلندی کے لئے کارزار حیات میں سرگرداں رہا اور اس شان نزاہت کے ساتھ کہ اسے اس معذرت طلبی کی قطعاً حاجت پیش نہیں آئی۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردی

بازی گوئی کہ دامن تر کن ہشیار باش

حضرت فدائے ملت کے میدان عمل کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کے چند جلی عنوان یہ ہیں: تبلیغ دین، بیعت و ارشاد، اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت، مکاتب و مدارس کے قیام و بقا کی جدوجہد، اصلاح معاشرہ، معاشی و اقتصادی ترقی، ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی، ملک کے جمہوری و سیکولر کردار کی حفاظت، متحدہ قومیت کا فروغ، آزاد ہندوستان میں اقلیتوں کے آئینی حقوق کی حفاظت وغیرہ اور ان سب میدانوں میں انہوں نے اپنی حوصلہ مندیوں، بے پناہ جدوجہد، اور فراست و حکمت اور قربانی و جانپاری کے ایسے روشن نقوش چھوڑے ہیں جن سے زمانہ ایک عرصہ تک روشنی حاصل کرتا رہے گا۔

ظاہر ہے ان عنوانات میں سے ہر عنوان بجائے خود ایک دفتر کا طلب گار ہے۔ اور خود حضرت مولانا سے اپنی طویل وابستگی کی بنا پر ان سے متعلق اپنی معلومات میں جو وسعت ہے آہ کہ وہ کاغذ کے صفحات میں نہیں ہے۔

کبھی فرصت سے سن لینا بڑی ہے داستاں میری

عادات و خصائل: تواضع و انکساری ان کی سرشت میں داخل تھی حتیٰ کہ اپنے مریدین و مستفیدین کو خصوصی مجلسوں میں بھی اپنی نشست گاہ میں کسی امتیاز کو پسند نہیں کرتے تھے، اسفار میں یہ صفت مزید نمایاں ہو جاتی تھی اور رفقاء سفر و خدام کے ساتھ ایسا حسن سلوک و بے نفسی کا معاملہ کرتے تھے کہ خدام کو اس وقت اپنے آپ کو سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ تحمل و قوت برداشت اس درجہ کی تھی کہ سنگین سے سنگین حالات میں بھی پیشانی پر بل نہیں آتا تھا۔ پیش آمدہ مسائل میں مشورہ سے گریز نہیں کرتے تھے مگر مشورہ کے بعد جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر اس قدر مضبوطی سے قائم رہتے تھے کہ اسکے مقابل دوسری بات کا سننا بھی گوارا نہیں ہوتا تھا۔ تصنع و تکلف سے طبعی طور پر نفور

ہا تھا، سادگی و بے تکلفی گویا عادتِ ثانیہ تھی، مشاغل و مصروفیات کے بے پناہ ہجوم کے عالم میں بھی جب نماز میں رب کائنات کے حضور کھڑے ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ کائنات سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ مجاہدہ و ریاضت اور محنت و مشقت ان کی طبیعت بن گئی تھی، نیند پر اس قدر قابو یافتہ تھے جب چاہتے سو جاتے اور جب چاہتے بیدار ہو جاتے، اکیلے پلیٹ میں کھانا پسند نہیں تھا اس لئے عام مہمانوں کے ساتھ ایک ہی تھاں میں عام طور پر کھانا تناول فرماتے تھے دوسروں کے دسترخوان پر بھی اپنے پلیٹ میں کسی کو شریک کر لیا کرتے تھے۔

آشنا نا آشنا اپنے اور پرانے سب سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، اخبارات دیکھنے کی عادت نہیں تھی البتہ علمی و دینی رسائل و جرائد کا مطالعہ بوقتِ فرصت کرتے تھے۔ طبعاً کم سخن تھے لیکن بوقتِ ضرورت اپنی بات کو بڑی تفصیل سے پیش کرتے تھے۔ وعظ و تقریر میں عام طور پر آسان و سہل الفاظ استعمال کرتے تھے، سوگر کے موذی مرض نے اگرچہ بالکل نڈھال کر دیا تھا تاہم ان میں ہمت ایسی تھی جو جوانوں کو شرماتی تھی۔

آہ کہ یہ پیکر خوبی اور ملت کا لعل شب چراغ گم ہو گیا کہ اب اس دنیا میں ہم اسے کبھی نہ پائیں گے۔

دل میں یاد غم جاوداں رہ گئی
جانے والا گیا داستاں رہ گئی

مکتوباتِ افغانی

(حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانیؒ بنام مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی)

ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

حضرت افغانیؒ کے مکتوباتِ قدسیہ کا واقع مجموعہ جن میں تصوف و سلوک، طریقت و راہِ معرفت، عبدیت و انابت، اہتمامِ سنت و استقامت، اصلاحِ ظاہر و باطن، شیخِ کامل سے استفادہ و افادہ، بے نفسی و فنائیت، اخلاصِ کامل و للہیت، تفویض و توکل، عشقِ رسول و محبت اور اکابر علماء دیوبند کے مسلکِ اعتدال کی اچھوتے انداز میں تشریح و توضیح کی گئی ہے۔

صفحات : 202 قیمت : = 90 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

دشت جنوں کے سپاہی

عرصہ دراز سے (جس میں ۳ ماہ یعنی از شب ۵-۶ نومبر ۲۰۰۵ء تا شام ۶ فروری ۲۰۰۶ء، مطابق سنیچر- اتوار: ۲-۳ شوال ۱۴۲۶ھ تا سوار: ۷/۷ محرم ۱۴۲۷ھ، مستقلاً موت و حیات کی کش مکش سے دوچار رہے) بیماری سے نبرد آزما رہنے کے بعد، بالآخر مرد آہن مولانا سید اسعد مدنی نے موت کے آگے سپر انداز ہو کر ۶ فروری ۲۰۰۶ء کی شام کو ۵ بج کر ۳۵ منٹ پر، دہلی کے اپولو ہسپتال میں آخری سانس لے لیں اور اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اللہ پاک نے ان کے لیے جتنی زندگی مقدر کر رکھی تھی، اس سے ایک لمحہ بھی زیادہ وہ کیوں کر جی سکتے تھے:

عمر بھر زیست کے ہم راہ اجل جاتی ہے * تاک میں رہتی ہے یک لخت نکل جاتی ہے
دنیا میں ہر آن موت و حیات کی پنچہ آزمائی جاری رہتی ہے۔ زندگی پر موت کی یقینی فتح ایک غیر معمولی واقعہ ہے، لیکن ہر وقت اور ہر جگہ اور ہر موسم میں پیش آنے کی وجہ سے زندوں کا ایک ہی لمحے میں مردہ ہو جانا اور پھر لوٹ کے کبھی نہ آنا، ایک عام سا واقعہ بن گیا ہے، جس پر کسی کی توجہ مرکوز نہیں ہوتی؛ لیکن جب کوئی ایسا انسان دنیا سے منھ موڑ لیتا ہے، جس کی زندگانی خود اس کے لیے اور دوسروں کے لیے مفید تھی، تو افادیت کے بقدر، دنیا والوں کو اس کے چلے جانے کا غم ہوتا ہے اور اس کو کھودینے کے بعد، اس کی قدر و قیمت کا احساس زیادہ ہوتا ہے، خصوصاً تب جب اس کا کوئی جانشین نظر نہیں آتا اور صلاحیت و افادیت کے حوالے سے، اس کے بعد کسی بے جوڑ انسان پر مجبوراً انحصار کرنا پڑتا ہے۔ کچھ اسی طرح کا احساس مولانا سید اسعد مدنی کے اٹھ جانے کے بعد ہو رہا ہے۔ مولانا کی کمی پورے ملک میں شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کاموں کی بہت سی کمیتیں تھیں۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ انھوں نے مدینہ منورہ میں گزارا جہاں ان کے خاندان کے لوگ متوطن ہیں۔ پھر دارالعلوم میں مدرس ہوئے۔ اس عرصے کی کوئی تفصیل مجھے معلوم نہیں؛ اس لیے اس حوالے سے میں کوئی گفتگو نہیں کر سکتا۔ تدریس سے از خود سبک دوشی کے بعد، وہ جمعیت علماء کی قیادت کے میدان میں آگئے، جو ان کے فکر و عمل کی دوسری سمت تھی جمعیت علماء کی نظامت سے صدارت تک کے دور میں (جس پر وہ وفات تک فائز رہے) ملک و ملت کی سطح پر دو مرکزی خدمتیں انجام دیں:

(الف) مسلمانوں کے حقوق کی دست یابی اور نا انصافیوں کے ازالے کی ہمہ گیر کوششیں اور اسلامی اداروں اور مراکز اور تعلیم گاہوں اور مساجد و مقابر و مزارات کی حفاظت کے لیے زبردست اور جامع جدوجہد، جس میں وقتاً فوقتاً غیر معمولی بھیڑ والے جلسوں، مظاہروں اور طویل المیعاد تحریکوں کے ساتھ ساتھ، صدر جمہوریہ، وزیر اعظم اور متعلقہ وزراء و حکام و افسران سے ملاقاتوں اور خطوط کے ذریعے ارتباط مسلسل شامل ہوتا۔

(ب) مسلم کش فسادات پر حکومت وقت سے پر زور اور موثر احتجاج اور ساتھ ہی متاثرین کی تعمیر اور ٹھوس مدد اور اس کے لیے قریہ بہ قریہ اور کوہہ کو مسلسل چکر اور دوڑ دھوپ۔ نیز قدرتی آفات کے موقع سے مصیبت زدگان کی ہمہ جہت مدد اور حکومت کو ان کی دادرسی کے لیے جھجھوڑنا۔

مولانا نے دونوں سطحوں پر عمل کے لیے ہمیشہ جمیعہ علما کی تائیدی روح اور اسکے اولین قائدین کے عملی و نظری طرز عمل سے روشنی کے حصول کے ساتھ ساتھ، اپنی ہمت و عزیمت، دور رس منصوبہ بندی اور نتیجہ خیز حکمت عملی سے فائدہ اٹھایا۔ نیز ملک کے سیکولر کردار، دستور کے مزاج اور مختلف المذاہب باشندگان ملک کے لیے اس کی شفقت ریز ملائمت سے نہ صرف آشنا کیا، بل کہ ہمیشہ ہر جگہ ہر موقع سے اس کی دہائی دی اور ملک کے سیکولر ضمیر پر ایسی زبردست دستک دی کہ مسلمانوں کے خلاف عصبیت، نفرت اور دشمنی سے مسموم فضا میں، جو انتہا پسند اور جارحانہ جذبات رکھنے والی ہندو جماعتوں اور افراد نے بنائی ہے، ان کی بات زیادہ یا کم ضرور سنی گئی اور اس کا نتیجہ دیر یا سویر ضرور نکلا۔

اسی نقطے کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا نے ہندی مسلمانوں کے مسائل کو ہندوستان کے ارباب حل و عقد کے سامنے کبھی بھی صرف مسلمانوں کے مسائل کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ بل کہ انھیں سرکاری اور عوامی سطحوں پر مرکز توجہ بنانے کے لیے، ملک کے سیکولر کردار کے حوالے کو اتنی شدت کے ساتھ اُجاگر کیا کہ بعض اُن برداران وطن زعماء کو، جو سیکولر زعماء کی دوسری صف سے تعلق رکھنے اور صفِ اول کے زعماء سے تربیت پانے کے باوجود، سیکولرزم کی روح سے کسی غرض یا مرض یا مجبوری کی وجہ سے اغماض کرنے لگے تھے، سیکولرزم کا بھولا ہوا سبق پھر یاد آ گیا۔

اپنے اکابر مجاہدین آزادی (خواہ مشائخ دیوبند ہوں یا دیگر بانیان جمعیت) کی طرح ان کا ایمان تھا کہ آزاد ہندوستان میں، محض مسلم اکائی کی بات، محض مسلم اکائی ہونے کی حیثیت سے منفردانہ طور پر نہیں سنی جائے گی اور اگر خدانہ خواستہ بعض نادان مسلم سیاست دانوں کی طرح، مسلم مسائل اور حقوق کی لڑائی کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ جس سے برادران وطن کی رائے عامہ کو یہ محسوس ہو کہ مسلمان اس ملک کے سارے ہندوؤں کو (جن کی اکثریت کے ہاتھ میں ہی ملک کی نگیل ہے اور رہے گی) دشمن محض ہی تصور کرتے ہیں اور ان سے دو دو ہاتھ کر لینے کے لیے تیار ہیں تو اس طرز عمل سے آزاد ہندوستان میں کوئی بھلا نہ ہوگا اور نہ کوئی حق حاصل کیا جاسکے گا۔ ہندوستان میں اقلیت (جس میں مسلمان بھی شامل ہیں) اور اکثریت کے فلسفے کو سمجھنے کے لیے ہمیشہ یہ مستحضر رکھنا ضروری ہے کہ ملک کی تقسیم سے (خواہ اس کا ذمے دار کوئی ہو: ہندو یا مسلمان یا دونوں) اور قیام پاکستان سے اکثریت یعنی ہندوؤں کے ضمیر کو خواہی نہ خواہی چوٹ لگی ہے۔ اکثریت کے بہت سے نادان افراد (جن کی تعداد انتہا پسند اور جارحیت پیشہ ہندو قائدین و زعماء کی شب و روز کی جہد مسلسل کی وجہ سے بھیا تک طور پر بڑھتی جا رہی ہے) یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی اقلیت کو پاکستان کی شکل میں حق یا انعام مل چکا ہے؛ لہذا اب جو یہ باقی ماندہ ملک ہندوستان کے نام سے ہے، صرف اکثریت کا حق یا اس کی بلا شرکت غیرے ملکیت ہے۔ مسلمانوں کو، اپنا حق لے لینے کے بعد بھی اگر یہیں رہنے پر اصرار ہے، تو ملک کا دستور سیکولر ہو یا لچکدار، دو نمبر کا شہری بن کے رہنا پڑے گا اور اب تو آئین کو بد لنے، اس کی سیکولر روح کو ختم کر دینے کی بھی یہ عناصر مانگ کر رہے ہیں، جن کا کہنا ہے کہ اگر مسلمان دو نمبر کا شہری بن کر رہنا از خود گوارا

نہیں کریں گے، تو وطنی حقوق کی تقسیم میں ہم ان کے ساتھ بے انصافی کرنے کا عمل حق رکھتے ہیں اور اگر مسلمان زیادہ بے لگام ہوں گے، تو ہمارے پاس فسادات، مسجدوں پر قبضہ کر لینے اور انھیں مندر ثابت کر دینے، نیز مسلمانوں کے سرکار سے مدد یافتہ اداروں کا اقلیتی کردار سلب کر لینے، جیسے بہت سے کارگر اسلحہ موجود ہیں، اسی کے ساتھ مسلمانوں کے دینی اداروں اور جماعتوں اور افراد کو دہشت گرد قرار دے کر، ان کے خلاف انسداد دہشت گردی کے قانون کی مشق اور ستم ایجاد کی گئی ہے، سرکاری ملازمتوں، سرکاری حقوق و واجبات کی تقسیم کے اداروں کے مناصب تک پہنچنے کی راہیں، مسلمانوں پر آہستہ آہستہ اور بالآخر بالکل بند کر دینے کے عمل سے ہمیں کون روک سکے گا؟ قانون سازی کے اداروں اور انتظامیہ میں بھی ہم ہی ہیں، عملی طور پر دو نمبر کی شہریت کی حامل اقلیت آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ لہذا عملاً جو ہم چاہیں گے وہی ہوگا۔

مولانا مدنی مذکورہ تلخ حقیقت کا اتنا ادراک رکھتے تھے، جو واقعہ یہ ہے کہ کسی معاصر قائد کو حاصل نہ تھا؛ اس لیے وہ مسلمانوں کے سارے مسائل کی ہر لڑائی، اقلیتوں اور مسلمانوں کے تئیں ملک کے دستور کی تصریحات اور تقاضوں کی روشنی میں، سیکولر ہندوں کو ساتھ لے کر، ہنرمندی سے لڑتے تھے اور جیت جاتے تھے یا جیتنے کی راہ ہموار کر دیتے تھے۔ اللہ نے انھیں برادران وطن کے سیکولر مزاج طبقے کو قریب رکھنے کا بڑا سلیقہ دیا تھا اور یہ طبقہ بھی مولانا کی سیکولر مزاجی پر پوری طرح مطمئن تھا۔ بڑے سے بڑے ہندو لیڈر کو مولانا سے کوئی وحشت نہ ہوتی تھی کیوں کہ اس کو مولانا کی وطن پرستی پر مکمل اعتماد تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ مسلمانوں کی زیادہ معتبر نمائندگی کا حق رکھتے ہیں۔

مسلمانوں میں گروہی عصبیت اور مسلکی تحاسد اور تاغرض کی بیماری نہ ہوتی تو دگرزما مولانا مدنی سے ہر اختلاف کے باوجود، ان کی اس کامیاب حکمت عملی سے فائدہ اٹھا کر، اس ملک میں مسلمانوں کے آئندہ مسلمان باقی رہنے کی راہ، بڑی حد تک آسان بنا سکتے تھے؛ لیکن افسوس ہے کہ لوگ موت سے پہلے ہی جیتے جی بھی ایک دوسرے سے علاحدہ اور ذہنی و جسمانی طور پر دور رہنا چاہتے ہیں، حال آں کہ موت دوری پیدا کرنے کے لیے کافی ہے:

كَفَى بِالْمَمَاتِ فُرْقَةً وَتَنَائِبًا

بل کہ متعدد مسلم جماعتوں کے لوگ تو مولانا کی اس کارگر حکمت عملی کو ”مداہنت“ اور ”نیم دروں اور نیم بروں“ کی پالیسی سے تعبیر کرتے تھے، تاکہ ان کی ناکردگی پر پردہ پڑا رہے۔ یہ لوگ یہ نہ سوچتے تھے کہ مولانا اپنی تدبیر سے ملت کے لیے جو کچھ کر لیتے ہیں یہ لوگ اس کا عشر عشر بھی کیوں نہیں کر پاتے؟

میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے غیر مسلم سیکولر زعماء و قائدین بھی، حالیہ زمانے میں مولانا مدنی کو، ملک کے سیکولر کردار کی بقا کی جنگ کے ہراول دستے کا ممتاز سپاہی تصور کرتے تھے؛ اسی لیے ان کی موت کے بعد ہفتہ عشرہ تک جس طرح قومی اور علاقائی سطح کے بڑے اور چھوٹے مسلمانوں سمیت غیر مسلم زعماء و قائدین کی بڑی تعداد، جمعیت کے مرکزی آفس واقع آئی ٹی اودہلی کے علاوہ ان کے دیوبند کے دولت کدے پر، پارٹی، انتساب اور وفاداری سے اوپر اٹھ کر آتی رہی اور ان کی روح کو جذباتی انداز میں والہانہ طور پر خراج عقیدت اور ان کے اہل خانہ اور افراد خاندان کو دلا سادتی اور تعزیت کرتی رہی، اس کی مثال ہندوستان کے کسی اور مسلم زعمیم و قائدین کے

حوالے سے اس دور آخر میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ لوگوں کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ مولانا سے مسلمانوں و علماء و دعاۃ کے علاوہ، غیر مسلم زعماء کی اتنی بڑی تعداد، اس درجہ تعلق رکھتی ہے کہ وہ ان کی وفات کے بعد ان کی کمی کو اس شدت سے محسوس کرے گی کہ ان کے خاکی دربار میں ان کا تانا بانا لگا رہے گا۔

مولانا مدنی نے تین میقاتوں (۱۹۶۸ تا ۱۹۷۴ء، ۱۹۸۰ تا ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۸ تا ۱۹۹۴ء) میں ۱۸ سال تک، کانگریس کی نام زدگی پر، راجیہ سبھا (ایوان بالا) کی رکنیت کی ذمہ داری انجام دی اور اس منصب کو اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے مسائل کی طرف ملک کے سب سے بڑے مقتدر ادارے کی توجہ مرکوز کرنے کے لیے استعمال کیا۔ یہاں بھی انہوں نے ملک کے سیکولر دستور کو ہی اساس بنایا اور اپنی تقریروں، تجویزوں، اور مباحثوں میں اسی کو پیش نظر رکھا۔ لفظی جذباتیت، بے اساس و بے فائدہ جوش سے احتراز کیا؛ کیوں کہ اس سے اکثریت کے ارباب اختیار اور اصحاب حل و عقد متاثر نہیں ہوتے؛ لیکن ضرورت کے مطابق ان کی وطنی غیرت اور قومی وفاداری کو بہت پارسیلے سے لکارا، چنانچہ ان کی بہت سی باتیں سنی گئیں۔ پارلیامنٹ کی ان کی تقریریں چھپ چکی ہیں انہیں پڑھا جاسکتا ہے۔

مولانا نے خدا کی تقدیر کے بہ موجب علمی اشغال کو اپنا وظیفہ حیات نہیں بنایا؛ لیکن خدا نے انہیں میدان قیادت و سیاست میں جو کام کرنے کی توفیق بخشی، اس میں فتح مند یوں نے بے طرح ان کے قدم چومے۔ ملک و ملت کے عام مفاد کے علاوہ انہوں نے جمعیۃ علماء و دارالعلوم دیوبند سے عوام کے رشتہ دار کے منصب پر ترقی کیا اور ہماری جماعت کے علماء و خواص کو مسائل کے احساس، ابلتے ہوئے خطرات کے ادراک، مشکلات کے حل کے شعور اور تقاضا ہائے زمانہ کی معرفت کے ساتھ ساتھ، کسی لچک کے بغیر اپنے معتدل، متوازن اور مستقیم لگانے پر جتنے کے نقطے پر یک جا کر کے ہمت اور دلولے کے ساتھ سرگرم عمل رہنے کا حوصلہ دیا اور اس مسلک حق کو چیلنج کرنے والے دین صحیح کے نام نہاد علم برداروں کو نہ صرف چیلنج دیا؛ بلکہ متعدد بار انہیں رگیدا، دوڑایا اور ان کی صفوں میں زلزلہ پیدا کر دیا۔

مولانا مدنی میدان عمل کے آدمی تھے، ان کا ذہنی سانچہ اسی کے لیے تشکیل ہوا تھا۔ محض آفس، دفتر اور کسی مرکز میں بیٹھ کر کاغذات کی ورق گردانی کرنا اور کسی پرسکون کمرے میں بیٹھ کر قلم و قلم کار شتہ جوڑنے کے عمل پر انحصار کرنا، ہے تو اپنی جگہ مفید اور دیر پا اور دور رس عمل اور جو لوگ اس کے لئے مخلوق ہوئے ہیں، ان کے لیے یہ کام آسان ہے اور میدان عمل کی ضرب کلیسی سے بہل تر ہے، مگر بعض دفعہ اس کا وہ فائدہ مرتب نہیں ہوتا، جو میدان کار میں نکل کر ایک ظالم، ایک بے انصاف، ایک بے لگام جابر اور ایک جارحیت شعار سچائی کے دشمن اور تیرگی کے علم بردار پر بڑھ کے وار کرنے والے کے ذریعے مرتب ہوتا ہے۔

مولانا سید اسعد مدنی اقدامی آدمی تھے، وہ آگے بڑھ کے حملہ کرنا جانتے تھے، دفاعی پوزیشن قبول نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ہم مسلکوں کو بھی یہی رائے دکھائی اور اس پر چلنے کا گرا نہیں اتایا۔ کانفرنسوں، سیمیناروں اور جلسوں کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں اس کے دوروں میں، متعدد باطل فرقوں اور منحرف جماعتوں کے داؤ پیچ کو جاننے کے لئے، محاضرات کا پائندار نظام قائم کروایا جو ہنوز معمول بہ ہے، انہوں نے مسیحی برطانوی استعمار کے کاشت کردہ نبوت محمدی کے حریف کافر فرقہ: قادیانیت کے توڑنے کے لیے دارالعلوم میں باقاعدہ ختم نبوت کے شعبے کی تاسیس کا مشورہ دیا جو اب پہلے سے زیادہ تازہ دم ہے۔

مولانا سید اسعد مدنی کی ایک بڑی صلاحیت، انسان شناسی تھی، وہ بہت جلد سمجھ جاتے تھے کہ متعارفین اور لائق افراد میں کون کس خوبی اور خرابی کا آدمی ہے، جمیعہ علماء کی قیادت کے منبر سے سال ہا سال جو ملکی و ملی کار نامے انہوں نے انجام دیے، ان میں بہت بڑا رول ان کی انسان شناسی اور لیاقت کے عرفان کا رہا ہے۔ انہوں نے ان گنت کام کے آدمیوں کی دریافت کی اور ان سے مختلف الانواع کام لیے۔ لائق انسانوں کا حصول جتنا مشکل کام ہے اس کو اہل دانش اچھی طرح جانتے اور اس سے بھی زیادہ مشکل ان سے کام لینا ہے۔ ہر لائق آدمی میں ایک طرح کی ”نالائقی“ بھی ہوتی ہے آپ کو ایسا کوئی آدمی اس رویے زمین پر ہرگز نہ ملے گا جو صرف لائق ہو۔ صرف لائق فرشتے ہوتے ہیں اور انبیاء اور ان کے اصحاب - زندگی جینے، برتنے اور کام کرنے سے یہ تجربہ ہوا کہ جو آدمی جتنا لائق ہوتا ہے اس میں اس درجہ ایک طرح کی ”نالائقی“ ضرور ہوتی ہے، صرف نالائق میں غالباً اس طرح کی ”نالائقی“ ہوتی ہی نہیں جو لائق کا وجہ امتیاز ہوتی ہے۔ کام لینے والا ذمے دار، افسر اور آقا لائق کی لیاقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی ”نالائقی“ کو ہنرمندی کے ساتھ نہ صرف گوارا کرتا ہے؛ بل کہ بعض دفعہ اس کو اپنا رنگ دکھانے کا موقع بھی دیتا ہے، کیوں کہ لائق کی یہ ”نالائقی“ اس کی شخصیت کی کلید ہوتی ہے۔ اب اگر اس کی راہ میں رکاوٹ ڈال دی جائے تو لائق کے لئے، لیاقت کے حوالے سے اپنا رول ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

میں نے لائق کی جس ”نالائقی“ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تعبیر آپ کسی لفظ سے کر لیں ”ناز و نخرے“ ”خود اعتمادی“ ”ایک قسم کی دیوانگی“ ”احساس افادیت“ اور دیگر جو موزوں الفاظ ملیں ”نالائقی“ کی جگہ ڈال سکتے ہیں، لیکن لائق میں ایسا کچھ ہونا ضروری ہے۔

مولانا نے بہت متنوع کام کیے؛ لہذا متنوع الاستعداد لوگوں کی ”نالائقی“ سے انہیں سابقہ ہوا اور انہوں نے ہوشیاری کے ساتھ ان کی استعداد اور لیاقت سے کام لیا جو واقعی ان کی بڑائی کی دلیل ہے۔ مجھے دارالعلوم کے ایک لائق اہل کار نے (جواب مرحوم ہو چکے ہیں) ایک بار بڑی اچھی بات کہی: مولانا! اچھا افسر اور ذمہ دار وہ نہیں ہوتا جو خود بہت کام کرے؛ بل کہ کامیاب اور لائق افسر وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے زیادہ کام لے لے۔ کام لینا زیادہ لیاقت کی دلیل ہے۔ خود محنت کرنا اور بہت کام کرنا احساس ذمہ داری کی دلیل ہے، افسر ہونے کی دلیل نہیں۔ قائد اور افسر کے لئے پہلی صفت کا حامل ہونا ضروری ہے، دوسری صفت کا حامل ہونا ضروری نہیں، ہاں اگر پہلی صفت کے ساتھ دوسری صفت بھی ہو تو یہ سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔

مولانا کاوش دشت جنوں کے سپاہی اور اس دشت کے فائز المرام راہی تھے۔ وہ تیز روی سے اس طرح لپکنا جانتے تھے کہ کسی لمحے کو پیچھے مڑنے کا موقع نہ ملتا تھا وہ معاصر قائدین میں اس امتیاز کی وجہ سے اپنی واضح شناخت رکھتے تھے۔ وہ کسی منزل پہ جا کر دم لینے کے قائل نہ تھے اور نہ ٹکوں سے کانٹوں کے نکالنے کی سوچتے تھے۔ وہ اس شعر کے مصداق تھے۔

کاوش دشت جنوں سے ہمیں اس درجہ پسند * کبھی ٹکوں سے جدا خار مغیلاں نہ ہوا
جو با توفیق آدمی اس قسم کا ہوتا ہے وہ عموماً تیزی روی کی وجہ سے کسی پڑاؤ، یا وقفے پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس

طرح کا آدمی ایک خاص قسم کا مزاج رکھتا ہے کہ بڑھے چلو اور دائیں بائیں نہ دیکھو چہ جائے کہ پیچھے؛ کیوں کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا ہمت شکن ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفقاء سفر میں سے بہت سے لوگ اس سے پھڑ جاتے ہیں یا وہ خود ان سے پھڑ جاتا ہے، بالآخر پھڑاؤ یا پھڑاؤ آپسی شکوہ سخی اور بددلی کا باعث بنتی ہے۔ جو آدمی جس درجہ بڑے اور بہت کام کا ہوتا ہے، اس کی زندگی میں خواہی نہ خواہی پھڑاؤ اور پھڑاؤ کا مرحلہ ضرور پیش آتا ہے۔ یہ مرحلہ قدرتی طور پر مولانا کو بھی اپنی زندگی میں پیش آیا؛ لیکن یہ، ان کی اعلیٰ ظرفی کی بات ہے کہ انہوں نے متعدد پھڑے ہوؤں کو موت سے پہلے ہی گلے لگا لیا اور پھڑے ہوؤں کے پاس از خود پہنچ گئے اور یک جائی کے بعد ہی اس دنیا کو الوداع کہا۔ ان میں سرفہرست ہند میں دو بار آخر میں سرمایہ ملت کے ننگہ بانوں کے سرخیل امام مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پڑپوتے مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ العالی ہیں جن سے ان کی صلح صفائی کا تاریخی واقعہ ہزاروں فضلاء دیوبند اور مجانب دارالعلوم دیوبند کی ایسی مسرت کا باعث بنا جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مولانا کی زندگی نے مزید وفا کیا ہوتا تو کیا عجب تھا کہ صلح صفائی کی بات اس منزل تک پہنچ جاتی، جس کے تمام فضلاء دیوبند بہت آرزو مند ہیں، یعنی دونوں دارالعلوم کا مکمل اتحاد اور ایک دوسرے میں انضمام۔

اس راقم کے لیے یہ طور خاص اس فانی دنیا میں ایک دائمی مسرت اس وقت ہاتھ آ جاتی اگر اسی طرح کی صورت حال مولانا مدنی اور حضرت الاستاذ مولانا وحید الزماں کیرانوی کے درمیان پیش آ گئی ہوتی؛ لیکن خدا کی مشیت سے ایسا کچھ نہ ہو سکا؛ ورنہ اس واقعے سے بھی (گر یہ رو بہ عمل آ جاتا) فضلاء دیوبند اور یہی خواہان دارالعلوم کو پہلے واقعے جیسی خوشی ہوتی۔ اب اس دنیا میں نہ مولانا کیرانوی ہیں نہ مولانا مدنی کہ اول الذکر تو ثانی الذکر سے دس سال (۶۸) اڑسٹھ دن پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اللہ دونوں کو اپنی اعلیٰ جنت کا مکین بنائے جہاں لوگ مخلص بھائی اور دوست بن کر ہی رہیں گے، اور اس مادی دنیا کی کدورتیں وہاں ان میں سے کسی کا اثاثہ نہ ہوں گی، وہاں تو اخوانا علی سورد متقابلین ہوں گے۔

بہر کیف مولانا مدنی بہت کام کے آدمی تھے، کام کے آدمی سے بھول چوک، کوتاہی کسی سے اتفاق، کسی سے اختلاف کے مراحل ضرور پیش آتے ہیں۔ کام کی کثرت اور تنوع کے بہ قدر راہ عمل میں ان مراحل کی کثرت بھی ہو جاتی ہے۔ مولانا نے بہت اور متنوع کام کیے؛ اس لیے یہ مراحل دگر فعال قائدین کی طرح انھیں بھی پیش آئے۔ کام کرنے والے انسان کے لیے اصل ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ وہ دین و شریعت کے مطابق اپنی دانست میں صحیح سمت کا تعین کر کے چلتا رہے۔ جب وہ چلے گا اور مسلسل چلے گا تو ہو سکتا ہے کہ ٹھوکر بھی کھائے اور گر بھی جائے۔ جو چلتا ہی نہیں وہ کیا خاک گرے گا۔ ہم سے غلطی یہاں سے ہوتی ہے کہ ہم ہر داعی، قائد اور عالم کے متعلق یہ باور کر لیتے ہیں کہ اس کا خمیر ملکوتیت سے اٹھایا گیا ہے، حال آں کہ وہ ہمارے ہی طرح کا انسان ہوتا ہے، جب ہم سے غلطی ہوتی ہے تو اس سے غلطی کا صدور کیوں ممکن نہیں؟

مولانا کا ایک غیر معمولی کمال یہ بھی ہے کہ سیکولر مزاج زعمائے سیاست و قائدین حکومت، ان کے اہل کاروں اور ان کے مشیروں سے ضرورت کی حد تک مؤثر اور طاقتور تعلق اور رابطے کے ساتھ ساتھ نہ صرف ایک

عالم باعمل کی شان اور ایک داعی الی اللہ کی پہچان کے ساتھ شان دار دین دارانہ زندگی گزاری؛ بل کہ ان کی شناخت ہی بہت بڑے حلقہ ارادت و عقیدت والے شیخ و مربی کی تھی، جو مرتے دم تک قائم رہی۔ عبادت و ریاضت کا ان کا معمول کبھی نادم نہ ہوتا تھا۔ سیاست کی گلی میں اتنی کثرت سے آمد و رفت کے باوجود، دین کے سارے تقاضوں کو نمائندہ عالم و داعی کی شناخت کے ساتھ پورا کرتے رہنا مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ معاصر علماء و مشائخ کے درمیان بڑا امتیاز تھا۔ وہ بہ یک وقت مربی و عالم، سیاست داں و سیاست راں، قائد و زعمیم، مصلح و مربی، اجتماعی خدمت گزار، فرق باطلہ و جماعت منحرفہ سے فاتحانہ لوہا لینے اور اندرون ملک و بیرون ملک زبردست عوامی و سرکاری مقبولیت کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔ یہ امتیاز مولانا کو ورثے میں ملا تھا اپنے عظیم والد دارالعلوم دیوبند کے فرزند جلیل شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے۔

یہ راقم دارالعلوم دیوبند کی طالب عملی سے قبل مولانا سید اسعد مدنی کو بالکل ہی جانتا نہ تھا، کبھی نام بھی نہ سنا تھا۔ دارالعلوم میں داخلے کے بعد عربی زبان کے سب سے بڑے عبقری معلم اور باتوفیق خدمت گزار مولانا وحید الزماں کیرانوی کے تعلیم عربی زبان کے حلقے میں شامل ہو گیا۔ چند روز گزرے ہوں گے کہ مولانا کی زبان سے مولانا مدنی کا اتنا اور اس اس طرح تذکرہ سنا کہ کان ان کی عظمت کے قائل ہو گئے۔ جب تک دارالعلوم کا طالب علم رہا مولانا مدنی کی بھرپور، مسلسل اور متنوع سرگرمیوں کے مشاہدے یا اس کی سماعت اور تذکرے کا دور رہا: مولانا مدنی آرہے ہیں، جارہے ہیں، آنے والے ہیں، جانے والے ہیں؛ فلاں کام چھیڑنے والے ہیں، فلاں تحریک برپا کرنے والے ہیں؛ فلاں پروگرام کی ابتدا کرنے والے ہیں؛ فلاں ملک کے سفیر اور ڈپلومیٹ کو دارالعلوم لانے والے ہیں؛ فلاں ملک کے طویل سفر پر جانے والے ہیں؛ فلاں خطے کے طویل دورے کے بعد آج ان کی واپسی ہے۔

آج یہ شور یک لخت تھم گیا ہے اور ہمیشہ کے لیے۔ امید اس پر قائم ہے کہ ہر چھوٹے اور بڑے کو بہ ہر کیف یہاں سے جانا ہے۔ از آدم تا ایس دم ان گنت لوگ جا چکے ہیں، دنیا اسی طرح قائم ہے، جب تک خدا کی مرضی ہے قائم رہے گی۔ ماضی کے مقابلے حاضر میں اور حاضر کے مقابلے مستقبل میں ہمیشہ ہی لائق افراد کو دنیا روتی رہی ہے اور آئندہ بھی روتی رہے گی اور کارگہ حیات اسی طرح چلتا رہے گا؛ مگر مولانا کے متعلق بار بار یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے:

پچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی ✽ اک شخص سارے ”شہر کو“ کو ویران کر گیا

اگر ”شہر“ کی جگہ آپ ”ملک“ پڑھنے دیں تو زیادہ موزوں اور حسب واقعہ ہوگا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک پر لطف صحبت حرمین شریفین میں اس وقت ملی جب مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کی تاسیس کے ۲۵ سالہ جشن اور گولڈن جوبلی تقریبات میں دارالعلوم دیوبند کے حلقے سے مولانا بہ حیثیت صدر جمعیت علماء ہند اور راقم الحروف بہ حیثیت اسلامی صحافی اور اہل قلم شریک ہوئے۔ یہ کانفرنس ”الدعوة الاسلامیہ وسبل تطویرہا نظراً الی المستقبل“ کے عنوان سے ۱۸-۲۲ صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۱-۱۵ اکتوبر ۱۹۸۷ء کے عرصے میں ہوٹل انٹرنو، ٹینیسیٹل مکہ مکرمہ کے موٹل ہال میں ہوئی۔ مولانا کو دو روز قبل اور مجھے دو روز بعد دعوت نامہ بہ ذریعے تار ملا؛ اس لیے مولانا افتتاحی نشست میں پہنچ گئے جو خادم حرمین شریفین مرحوم شاہ فہد کی سرپرستی اور صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ میں دوسرے روز

یہ بیونجہ سا۔ اتفاق سے جیسے ہی ہوٹل کی بیرونی گیلری میں راقم نے قدم رکھا، سب سے پہلے مولانا ہی (اچانک مل گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کل سے ڈاکٹر عبدالعلیم عولیس مصری تمہیں کئی بار معلوم کر چکے ہیں کہ شیخ نور عالم آرہے ہیں کہ نہیں؟ بڑا اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ سامنے ہی بطاقت الضیف (کسیٹ کارڈ) کی تیاری کا کارڈ تھا مولانا ساتھ لے گئے اور نہ صرف کارڈ کی تیاری؛ بل کہ مہمان بہ حیثیت اسلامی صحافی و اہل قلم کی ساری کارروائیوں کی تکمیل تک ساتھ رہے، پھر اس وقت کی نشست میں شرکت کے لیے چلے گئے۔ بعد میں بار بار ملاقات ہوتی رہی اور خیر خیریت دریافت کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں ہوائی اڈے پر ہی فرمایا کہ دیکھو تم بہ حیثیت صحافی اور قلم کار مدعو ہو، اسی لیے تمہیں مکہ مکرمہ میں بھی اکیلے کا کمرہ ملا تھا، یہاں بھی یہی ہوگا، ہم چوں کہ محض ”ضیف مشارک“ (شرکت کنندہ مہمان) ہیں؛ اس لیے مکہ مکرمہ میں ہمارے ساتھ ایک چینی یا فلپائنی کوٹھہر ادا کیا گیا تھا، مفاہمت میں پریشانی ہوتی تھی، یہاں تم اپنے ساتھ ہی ہمارا نام کروالینا، اس سے ہم دونوں کو سہولت ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مولانا بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔ اللہ انھیں اپنی جنت میں نوازے اور تمام حسنت کو دو چند کرے اور سیئات کو جن سے کوئی فرد بشر خالی نہیں حسنت میں تبدیل کر کے اعلیٰ مقام نصیب کرے۔ آمین۔

رہید دے نہ از دل ما

جمالِ یوسف

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تذکرہ و سوانح، تحصیل و تکمیل علم، فقر و درویشی، عبدیت و انابت، عشق رسول ﷺ و اتباع سنت، درس و تدریس حدیث، محدثانہ جلالتِ قدر، عظیم فقہی مقام، فضل و کمال، دینی و علمی کارنامے، سیرت و اخلاق، مجاہدانہ کردار، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، قادیانیت کا فاتحانہ تعاقب، اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مساعی و جہاد الغرض دلچسپ، جامع اور بعض رُلا دینے اور عملِ صالحہ کی انگیخت کرنے والے حیرت انگیز واقعات

صفحات : 304 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ

شرافت اور وضع داری کی نادر مثال

مجاہد آزادی، اسیر مالٹا، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے فرزند ارجمند مولانا اسعد مدنی، صدر جمعیت علماء ہند نے ۶/ فروری ۲۰۰۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ مولانا مرحوم کو سفر کا بہت شوق تھا، ملک کے اندر برابر دورے کیا کرتے تھے اور بیرونی ملکوں کے بھی بہت سفر کئے۔ وہ ایک متحرک اور فعال شخصیت کے مالک تھے۔ تھکنا جانتے ہی نہیں تھے۔ بہت اچھے مقرر اور منتظم تھے۔ جمعیت علماء ہند کے جنرل سکریٹری اور صدر کی حیثیت سے اس کی از سر نو تنظیم اور زندگی کی آخری سانس تک خدمت کی۔ آزادی کے بعد جمعیت علماء کی قیادت مولانا حفظ الرحمان نے سنبھالی تھی اور اس کا حق ادا کر دیا۔ تقسیم ملک کے پر آشوب حالات میں جمعیت علماء نے پریشان حال مسلمانوں کی ہر ممکن طریقے سے خدمت کی۔ مولانا حفظ الرحمان کی وفات سے جمعیت کی قیادت میں خلا پیدا ہوا تھا اسے مولانا اسعد مدنی نے پورا کیا۔ بدلے ہوئے حالات میں جمعیت کو مرنے نہیں دیا، زندہ رکھا اور نئی طاقت و توانائی دی۔ مرحوم اسعد مدنی کا یہ تاریخی کارنامہ ہے۔

جمعیت علماء ہند کی اپنی ایک شاندار تاریخ ہے۔ ملک کی آزادی اور عالم اسلام کی سرفرازی کے لئے اکابرین جمعیت ہمیشہ سرگرم عمل رہے، اس راہ میں وہ کون سی مصیبت اور تکلیف ہے جو نہیں اٹھائی۔ مولانا محمود حسن، مولانا حسین احمد، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا احمد سعید، مفتی کفایت اللہ، مولانا محمد میاں، مفتی عتیق الرحمان، مولانا حفظ الرحمن، سرفروشان وطن و قوم کی ایک کہکشاں ہیں جس میں ان کے علاوہ بھی ان گنت چاند ستارے تاباں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وطن عزیز کی آزادی کے لئے اپنے دور کی سپر سمارا جی طاقت برطانیہ سے اکابرین جمعیت نے آگے بڑھ کر لوہا لیا تھا، دوسرے لوگ تو ان کے پیچھے آئے۔ جمعیت علماء ہند کا یہ باوقار شاندار ماضی مسلمانان ہند کا قابل فخر ماضی اور تاریخ کا امٹ نقش ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تنگ دل اور تنگ نظر عناصر علمائے ہند اور مسلمانان ہند کے شاندار ماضی پر زمانے کی گرد ڈالنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے ہیں مگر سچائی چھپ نہیں سکتی۔ مولانا اسعد مدنی۔ جمعیت علماء کے اسی تابناک ورثے کی کڑی تھی۔ افسوس آج یہ کڑی بھی ٹوٹ گئی، رہے نام اللہ کا!

مولانا اسعد مدنی سے میرا خاندانی تعلق تھا۔ میرے والد مرحوم و مغفور مولانا عبدالرزاق علیح آبادی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی میں تاحیات رفاقت رہی۔ رفاقت اس وقت قائم ہوئی جب مولانا ابوالکلام آزاد نے تحریک ترک موالات کے تحت کلکتہ کے سرکاری مدرسہ عالیہ کا مقاطعہ کر کے وہاں کے دو طلبہ کے لئے مسجد ناخدا کلکتہ میں مدرسہ قائم کیا جس کے پرنسپل مولانا علیح آبادی اور صدر مدرس مولانا حسین احمد مدنی مقرر ہوئے۔ مدرسہ اسلامیہ کا افتتاح مسجد ناخدا میں مہاتما گاندھی نے ۱۳/۱۹۳۰ء کو کیا۔ اس وقت مولانا علیح آبادی اور مولانا مدنی میں ایسا رشتہ رفاقت و اخوت قائم ہوا کہ مرتے دم تک باقی رہا۔ کئی شان انکساری و درویشی تھی شیخ الاسلام مولانا مدنی زندگی بھر مولانا علیح آبادی کو اس لئے اپنا افسر

کہتے رہے کہ مدنی کی مختصر زندگی میں دونوں کا ساتھ ہوا تھا، بزرگی، شرافت اور وضع داری کی یہ مثالیں اب کہاں ملتی ہیں۔ یہی تعلق خاطر تھا کہ شیخ الاسلام مولانا مدنی جب بھی کلکتہ تشریف لاتے تو اپنے رفیق دیرینہ مولانا ملیح آبادی سے ملاقات کے لئے ضرور آتے اور اس پر کبھی راضی نہیں ہوئے کہ مولانا ملیح آبادی ملاقات کے لئے حاضر ہوں۔

جو تشریف و وضع داری، عظیم المرتبت والد نے چھوڑا تھا، مولانا اسعد مدنی نے بھی اس پر قدم رکھا۔ کلکتہ آتے تو ملاقات کے لئے ”آزاد ہند“ کے دفتر یا گھر پر تشریف لے آتے۔ عموماً آمد اچانک ہوتی، اکثر وقت کی کمی کے سبب ان کھڑے کھڑے آتے، بل دوپہل باتیں کرتے اور چلے جاتے۔ جتنا پارٹی اور جن سنگھ کی مخلوط حکومت (۱۹۷۷ء) کے خلاف مسلم ستیہ گرہ کی پھڑکی دفتر ”آزاد ہند“ میں پکی تھی اور یہ بڑی کامیاب ستیہ گرہ تھی۔ مرارجی ڈیساہلی حکومت کے ظلم و جور کے خلاف ہزاروں مسلمانوں نے مولانا اسعد مدنی کی قیادت میں ”ملک و ملت بچاؤ“ ستیہ گرہ میں جیلیں بھر دی تھیں۔ مدنی خاندان سے جو تعلق خاطر تھا اس میں مولانا اسعد میرے بھائی جیسے تھے ہم عمر، ونے کی وجہ سے برادرانہ محبت کے ساتھ ہلکی سی دوستانہ بے تکلفی بھی تھی۔ بہت دنوں تک ہم نے ساتھ ساتھ کام لیا پھر مصر و فلسطین بڑھنے سے رفتہ رفتہ مولانا کا آنا جانا اور ملنا جلنا کم ہوتے ہوتے بند ہو گیا۔ لمبے عرصے سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ علالت کی خبر تھی، مولانا دہلی کے اسپتال میں زیر علاج تھے، کوما میں چلے گئے تھے، دہلی جانا، اتوان کے صاحبزادے محمود مدنی سے مسجد عبدالنہی جا کر ملاقات اور عیادت کی اور مولانا کی صحت کے بارے میں دریافت حال کیا۔ اندازہ اسی وقت ہو گیا کہ جاں برب ہونے کی امید نہیں، آخر کار کئی ماہ کی بے ہوشی میں سفر زندگی کا تمکا ہوا مسافر ابدی نیند سو گیا۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

مولانا اسعد مدنی دنیا سے رخصت ہو کر اپنے مالک حقیقی کے پاس چلے گئے۔ وہ اپنے پیچھے دو قیمتی اثاثہ جات چھوڑ گئے ہیں۔ ایک: جمعیت علماء ہند ہے اور دوسرا دارالعلوم دیوبند۔ دارالعلوم دیوبند عالمی سطح کی معروف دینی درس گاہ ہے، اس کا انتظام و انصرام، قاری محمد طیب صاحب (مرحوم) کے ہاتھوں سے منتقل ہو کر مولانا اسعد کے پاس آ گیا تھا۔ دارالعلوم کو اچھی طرح چلانا اور اسے مزید ترقی دینا اب ان حضرات کی ذمہ داری ہوگی جو مولانا مدنی کی جگہ کام کریں گے۔ جہاں تک جمعیت علماء کا سوال ہے تو ملک و ملت کی زندگی میں اس کا کل بھی اہم مقام تھا اور آج بھی اس کی اہمیت و ضرورت ہے اتنے بڑے ملک میں مسلمانوں کی ایک بڑی اور منظم جماعت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی رہی ہے۔ کہنے کو تو ہر گلی کوچے میں کوئی نہ کوئی کاغذی تنظیم جنم لیتی ہے تو وہ بھی ”آل انڈیا“ کہلاتی ہے مگر اس سے کام نہیں چلتا۔ مسلمانوں کو خلاصہ سیاسی جماعت سے زیادہ ایک مضبوط ملی جماعت کی ضرورت ہے جو ان کے مسئلوں کے حل کے لئے کام کرتی رہے۔ یہ جماعت جس قدر مضبوط اور توانا ہوگی، اتنی مفید ثابت ہوگی اور ارباب اختیار سے اپنی بات منوائے گی۔

جمعیت علماء ہند کو مسلمانوں کی ملی خدمات کے لئے نہ صرف قائم رہنا بلکہ اور زیادہ متحرک و فعال بننا ہے۔ اسکے لئے ضروری ہوگا کہ جمعیت کو خانقاہی جماعت نہ بننے دیا جائے بلکہ اسے مسلم عوام کے زیادہ قریب لایا جائے۔ جماعت کے نظم و نسق میں مزید شفافیت لائی جائے۔ اور تنظیمی انتہا بات کو اور زیادہ جمہوری طرز کا بنایا جائے۔ مرحوم مولانا اسعد مدنی کے صاحبزادے محمود مدنی، جمعیت علماء کے بزرگ سربراہ ہیں۔ اپنے والد کی اس تاریخی یادگار کو سنبھال کر رکھیں اور چلائیں، اپنے رفقاء کار کا دائرہ وسیع کر کے عامۃ المسلمین کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کریں۔ □□□

کس کو بٹھائیں بزم میں تیرے مقام پر

فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی "صدر جمعیتہ علماء ہند کا سانچہ ارتحال مسلمانان ہند کے لئے صرف ایک غمناک خبر ہی نہیں بلکہ غموں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے اور اُمتِ مرحومہ کے لئے نقصان کا ایک ایسا عظیم خلاء ہے جس کو پوری صدی میں بھی پاشنا غیر ممکن اور کارِ مشکل ہے، کیونکہ موجودہ دور تک جو عظیم شخصیات اس دارِ فانی سے کوچ کر چکی ہیں، ان کے عہدے اور منصب پڑ ہوئے مگر نعم البدل شاید و باید ہی کہیں کسی کا اُمت کو نصیب ہوا ہو۔ جس نہج و معیار پر حضرت مولانا مدنی نے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کا بیڑا اٹھایا، اس کو موجودہ عہد میں آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

ہر چند کہ وہ برسوں سے مختلف قسم کے امراض میں مبتلا تھے، جن میں ایک نامراد مرض شکر کا بھی شامل تھا جو کہ انسان کو نہ کہیں چلنے کیا چھوڑتا ہے نہ پھرنے کا اور غور و فکر سے تو ہر معالج دور ہی رہنے کا مشورہ دیتا ہے، مگر وہ عوارض اور پیچیدہ امراض کا شکار رہتے ہوئے بھی ہمہ اوقات اپنے سانسوں کو اُمت کے لئے وقت کیے ہوئے تھے۔ چاہے شدت کی گرمی ہو یا کڑا کے کی سردی، چاہے آندھی ہو یا برسات مگر آپ کا یہ حال تھا کہ اُمت کی فلاح کی خاطر اور اس کے مسائل کے حل کرنے کرانے کے لئے کبھی غیر ملکوں کے سفر پر ہیں تو کبھی اندرون ملک کشمیر میں، کبھی کنیا کماری میں، کبھی آسام میں ہیں تو کبھی مہاراشٹر میں۔ ہر چند کہ آپ کی فیملی دیوبند میں ہے مگر آپ دہلی کے دفتر میں اپنے اکثر اوقات گزارتے۔ ہر چند دہلی میں اقامت تھی لیکن دہلی میں شاید آپ تین روز بھی کبھی مسلسل اقامت پذیر نہ رہے، کیونکہ آپ نے بغیر کسی تحریر و ایگریمنٹ کے اپنی زندگی کا ہر سانس اپنی قوم کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ ہر چند کہ آپ کا شمار مسلک علمائے دیوبند کے اس زمرہ میں تھا جو اپنے مسلک کا سرخیل و پیشوا طے شدہ ہے، مگر آپ کی فکر مسلکی قید سے بہت بلند و بالا تھی۔

جب کوئی مسئلہ قومِ مسلم کا آپ کو درپیش آتا تو وہ صرف مسلمانوں کا ہی مسئلہ ہوتا تھا نہ کہ شیعہ، سنی و دیوبندی، بریلوی کا۔ شاید آپ جانتے ہوں کہ ۱۹۷۰ء کے بعد ہونے والے پارلیمانی الیکشن میں بریلوی فرقہ کے

مشہور مقرر عالم دین کچھوچھو کے سجادہ نشین مولانا مظفر حسین کچھوچھوی ایک سیٹ پر انتخابات کے لئے کھڑے ہو گئے جس پر اکثریت بریلوی عقائد کے لوگوں کے مقابل مسلک دیوبند کے معتقدین کی تھی تو حضرت مولانا اسعد مدنی بنفس نفیس اس حلقہ میں تشریف لے گئے اور مولانا مظفر کی تائید میں اپنے عقائد کے لوگوں کی ذہن سازی کی۔ الحمد للہ جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور بریلوی طبقہ کے علماء نے آپ کی امت سے ہمدردی اور آپ کے عمل صالح کو خوب سراہا جیسے کہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے: انما المؤمنون اخوة۔ آپ کا وہی طرز فکر اور عقیدہ تھا۔

اسی قبیل کی یعنی قوم کی ہمدردی کی ایک اور مثال آپ کے ذہن میں شاید ہو کہ اب سے چند سال قبل انڈین پولیس میں ایک مسلمان کو داڑھی رکھنے پر سخت پابندی تھی، جبکہ اسی پولیس میں ایک سکھ کے لئے اس طرح کی کوئی بندش یا قانونی اڑچن موجود نہیں۔ جب حضرت مولانا اسعد مدنی نے اس طرف غور کیا تو چونکہ ان کا قلب و دماغ اس حرکت نازیبا کو ہرگز برداشت نہ کر سکا کہ سنت رسول ﷺ جس پر مسلمان عمل کرنے میں پہلے ہی قاصر ہیں اس میں ان کو مزید حکومت اور افسران سے بھی احتجاج کا معاملہ درپیش ہو، فوراً آپ اپنے دل میں تڑپ اٹھے اور آپ نے اس میں براہ راست دخل اندازی کرتے ہوئے کمشنر آف پولیس اور وزارت داخلہ سے مراسلت کی، جس میں بفضل تعالیٰ حضرت مرحوم کو سو فیصد کامیابی نصیب ہوئی اور ہندوستان کے ایک سپاہی کو سنت رسول ﷺ کو زندہ کرنے کا پورا حق مل گیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ امت عملی طور پر اپنے رسول ﷺ کو خوش کرنے کی غرض سے آپ کے اس اقدام کو کتنا سراہتی ہے یا اپنے اس عظیم رہنما کو عملاً خراج عقیدت پیش کرتی ہے اور یہ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو مولانا آزاد کے بعد مرکزی طور پر آج تک کوئی ایسا مسلم لیڈر نصیب نہ ہو سکا جس کی قیادت پر سب لوگ متفق ہو گئے ہوں۔ کرناٹک میں صوبائی لیول پر سوائے عزیز سیٹھ مرحوم کے نیشنل لیول پر اگر تمام مسلمان کسی شخصیت پر ایک گونہ مطمئن ہوئے ہیں تو وہ تاریخ میں صرف ایک ہی نام ہے یعنی مولانا اسعد صاحب مدنی۔

کوئی اخبار بین شخص یا سیاست حاضرہ پر ہلکی سی نظر رکھنے والا بھی یہ بات ضرور جانتا ہوگا کہ جب کانگریس کے دور اقتدار میں پی وی نرسہاراؤ کی وزارت عظمیٰ کے منحوس ایام میں سلطنت مغلیہ کی ایک اہم یادگار اور پانچ سو سالہ قدیمی تاریخی یادگار بابر مسجد فرقہ پرست ملک و ملت کے دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں سے شہید ہوئی تو مسلمان لیڈروں اور سیکولر ذہنیت کے حامی افراد اور ممبران پارلیمنٹ نے وزیراعظم ہند کو حیرت کی حدود تک مردخوش یعنی مرکزی وزیر رام ولاس پاسوان کی زبان ”مونی بابا“ سے مسجد کی بازیابی اور مسلم کش فسادات کے لاقتا ہی سلسلے اور نہ بچھنے والی آگ کے انقطاع کے بارے میں ایڑی چوٹی کے زور لگائے مگر کسی بے چارہ کی کوئی کوشش باوآور نہ ہوئی

اور نہ کوئی خواب شرمندہ تعبیر ہوا تو تمام کانگریسی مسلم وزیر اس بات پر متفق رائے ہوئے کہ وہ اپنے استعفیٰ اپنی اپنی وزارتوں سے وزیر اعظم کو سونپ کر بطور احتجاج گوشہ نشین ہو جائیں کہ کل مسلم عوام کے سامنے ان کو جوابدہ ہونا بھی نہ پڑے اور کانگریس کی تاریخ میں یہ بات بھی درج ہو جائے کہ کانگریس مسلمانوں کے مسائل کے حل میں زود طلب اور خیر اندیش نہیں مگر قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید کے مصداق حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب نے اپنی بصیرت ایمانی اور دور اندیشانہ نظر سے مسلم ممبران پارلیمنٹ کے نظریہ کی صراحتاً مخالفت کی اور ان سے براہ راست گفتگو کی۔ خصوصاً اس وقت کے کانگریس کے اہم لیڈر اور مرکزی وزیر سی کے جعفر شریف سے اس نازک مسئلہ کے نشیب و فراز پر روشنی ڈال کر اس اقدام کے خطرات سے ان کو پیشگی آگاہ کیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کا یہ فیصلہ نہایت عجلت میں اور اس کے پس منظر پر بغیر عمیق نظر ڈالے کیا گیا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ کانگریس کے اندر روزِ اوّل ہی سے ایسے افراد موجود ہیں جو مسلمانوں کے خون کے پیا سے اور ان کی جان کے دشمن ہیں لیکن وہ اپنے گونا گوں مجبوریوں کے باعث کانگریس کے دامن سے وابستہ ہیں، کیا آپ حضرات کے اس طرح متفقہ استعفیٰ سے کانگریس میں سیکولریت مضبوط ہوگی یا کمزور پڑے گی۔ کیا آپ کو اس کا علم نہیں ہے، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور مسلم عوام کی طرف سے سفارش کرتا ہوں کہ آپ اپنے عہدوں پر نہایت مضبوطی اور ثابت قدمی سے جمے رہئے، بجائے اس کے کہ آپ باہر نکل کر کانگریس اور حکومت کی مخالفت کریں، آپ ایوان اور کانگریس کے اندر رہ کر ہی اپنی آواز کو بلند کریں، اسی میں ملک و قوم کا زیادہ بھلا ہے، نہ کہ آپ اپنے گھروں میں رہ کر خاموش پڑے رہیں یا باہر کی سڑکیں ٹاپیں۔ کیا آپ واقف نہیں، اکیلا چنا بھاڑ پھوڑنے پر ہرگز قادر نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا مرحوم کو اُمت کا کتنا درد تھا، اس کے اندازہ کے لئے احقر حضرت والد کا اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں حضرت کا مغربی یوپی کا دورہ تھا جس میں سنبھل ضلع مراد آباد یوپی بھی شامل تھا۔ احقر ان دنوں انجمن معاون الاسلام سنبھل میں ملازمت کرتا تھا۔ انجمن کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مرحوم کے برادر خورد نے میری ڈیوٹی آپ کے استقبال کی طے کی۔ جس میں آپ کی رہبری کے لئے مراد آباد روڈ سے آپ کو مدرسہ تک لانا بھی شامل تھا۔ مراد آباد روڈ کی چنگی سے مجھے کار میں اس وقت ہم نشینی کا شرف بھی حاصل ہوا، جب آپ کی کار سنبھل کے آریہ سماج مندر کے روڈ سے گزری تو سامنے ایک جن سنگھی کو اپنی خاص وردی میں ہاتھ میں ڈنڈا لیے ہوئے تیزی سے پریڈ میں شرکت کے لئے جارتا دیکھ کر فرمایا دیکھئے اس کو کہ یہ شخص صرف اپنے عقیدہ کے مطابق ملک کی خدمت کا جذبہ رکھتا ہے۔ تب اپنی پریڈ میں تیزی سے رواں دواں ہے اور ہمارے مسلمان بھائی

خدا کے حکم کو توڑ کر خوابِ غفلت میں ابھی تک اپنے نرم بستر پر سوئے ہوئے ملیں گے۔

مختصراً اگر یہ کہا جائے کہ مرحوم کی تشریف ہی دنیا میں ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمت و رہبری کے لئے آئی تھی تو شاید کچھ بے جا نہ ہوگا۔ اسی ضمن میں اگر ان کا کوئی سوانح نگار ان کی تمام صفات کا ذکر کرے لیکن آپ کی ”ملت بچاؤ تحریک“ کا جب تک ذکر نہ کرے تو نہ اس نے آپ کی سوانح لکھی اور نہ آپ کا تعارف قاری کے سامنے اس نے پیش کیا، کیونکہ ملک و ملت بچاؤ تحریک آپ نے کئی دور میں چلائی لیکن اس کا وہ پہلا مرحلہ یاد کیجئے جو آپ نے جتنا پارٹی کے عہد میں جبکہ ہندوستان کے وزیر اعظم مرارجی ڈیسیائی اور چودھری چرن سنگھ وزارتِ داخلہ کی کرسی پر فائز تھے۔ آپ نے اپنے رفقاء کے ہمراہ ان کو ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں ملک کی اقلیتوں کے حقوق، مسلمانوں کو درپیش مسائل اور حکومتِ وقت کی نااہلی کو اجاگر کیا گیا تھا، جس کا حکومت پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ اس نے حضرت مرحوم کو مع ان کے رفقاء کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا، مگر یہ ان کے لئے کوئی ناگہانی آفت نہ تھی، کیونکہ یہ بزرگ دیش کی آزادی کے لئے بارہا جیل کی ہوا کھا چکے تھے، لیکن یاد کیجئے اس وقت کو جب جتنا پارٹی حکومت نے حضرت کو گرفتار کیا تو آپ کے متوسلین و ہمنواؤں نے حکومت کی ناک میں ایسا دم کیا کہ ہندوستان کی جیلیں فدا یاں حق کے لئے تنگ پڑ گئیں تو پارکوں میں لوگوں کو اریسٹ کر کے رکھا گیا۔ جب پارک بھر گئے تو پولیس ان کے ہم نواؤں کو صرف ایک رتی کے احاطہ میں لے کر ان کے ناموں کی فہرست مرتب کر کے ان کو رہا کرنے لگی، پھر آپ نے خود عوام و مقام کی پریشانی کے پیش نظر یہ تحریک اس وقت ملتوی کر دی، لیکن مسلمانوں کا جوش و خروش کم نہ ہوا۔

آپ کے اہم کارناموں میں دستخطی مہم پر بھی ایک نظر ضروری ہے۔ اس دستخطی مہم سے آپ کا مقصد ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے سرکاری ملازمتوں میں ان کو مناسب نمائندگی کا مطالبہ تھا جس کے تحت ۲۱ لاکھ افراد نے صدر جمہوریہ کو اپنے دستخط کر کے اپنے جذبات سے آگاہ کرایا۔ مسلمانوں کی فلاح کے لئے آپ نے اٹھارہ سال کے عرصے تک ایوانِ سلطنت میں بھی ان کی آواز حکومتوں کے کانوں میں ڈالی۔ حکومتوں کو مسلمانوں کے مسائل سے آگاہ کرایا۔ پارلیمنٹ میں ان کے حقوق کی آواز اٹھائی۔

الحاصل آپ آخری سانس تک جب تک ہوش رہا قوم کے مسائل سے کسی لمحہ غافل نہ رہے۔

کس کو بٹھائیں بزم میں تیرے مقام پر
رو کر کہا فلک نے تو لاکھوں میں ایک تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



باب : ۴

شیخ الاسلام حضرت مولانا
حسین احمد مدنیؒ
کے جا نشین، اوصاف و کمالات
اور خدمات میں مماثلت

تحریر : مولانا ضیاء الدین اصلاحی
مدیر ماہنامہ معارف اعظم گڑھ

مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا سید اسعد مدنی کی خدمات میں مماثلت کی چند مثالیں

افسوس صد افسوس کہ ۶ فروری ۲۰۰۶ء کو مولانا اسعد مدنی نے داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی وفات قوم و ملت کا بڑا خسارہ ہے۔

راقم نے انہیں کئی بار دیکھا اور اس حال میں دیکھا جب وہ صحت مند، توانا، تروتازہ، متحرک اور جوشِ عمل سے سرشار تھے لیکن ملاقات کا شرف دو تین بار ہی حاصل ہوا۔ مارچ ۱۹۸۸ء میں ان کے والد بزرگوار مولانا سید حسین احمد مدنی پر مسجد عبدالنبی نئی دہلی میں سیمینار ہوا تھا جس میں کنوینر ڈاکٹر رشید الوحیدی مرحوم تھے۔ اس میں پہلی بار ان سے شرفِ نیاز حاصل ہوا۔ بڑی بشاشت اور گرم جوشی سے ملے، آخری بار ۱۹۹۲ء میں سعودی سفارت خانے سے حج بیت اللہ کا ویزا لینے گیا تو دفعتاً ان پر نظر پڑی، لپک کر ملا، دریافت کرنے پر اپنے کو بتایا تو قریب کی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا اور کچھ دیر تک باتیں کیں، غالباً بیماریوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اس لئے مجھے بہت مضحک اور بچھے بچھے سے نظر آئے۔

اس وقت مسلمان بڑی ابتلا اور کشمکش کے دور سے گزر رہے ہیں، ملی قیادت، کامیدان مولانا حفظ الرحمن مرحوم کے بعد ہی سے خالی چلا آ رہا تھا، مولانا اسعد کی جرأت و بے پناہی سے اس کی تلافی ایک حد تک ہوئی مگر ان کی اٹھ جانے سے پھر خلا ہو گیا اور مسلمانوں کی قومی بنیاد متزلزل ہو گئی۔

ان کو قوم و وطن کی خدمت کا جذبہ وراثتاً ملا تھا، قدرت نے قیادت کی صلاحیتیں بھی بخشی تھیں، ۱۹۶۰ء میں جمعیتہ علمائے اتر پردیش کے صدر مقرر ہوئے یہ بڑا پر آشوب دور تھا، سرکاری درس گاہوں خصوصاً پرائمری اسکولوں میں مشرکانہ عقائد و توہمات، ہندو میتھالوجی اور دیومالائی قصے کہانیاں نصابِ تعلیم میں داخل کر دی گئی تھیں جن کو پڑھ کر مسلمان بچوں کا اپنے عقیدہ و مذہب پر قائم رہنا اور دین و ایمان کو سلامت رکھنا ناممکن تھا۔ اس کے پیش نظر

۱۹۵۹ء میں مرحوم قاضی عدیل عباسی نے بستی میں ایک دینی تعلیمی کانفرنس منعقد کی جس میں مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے لوگ شامل تھے۔ اسی وقت دینی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں آیا تھا، کانفرنس میں مولانا حفظ الرحمن ناظم عمومی جمعیتہ علمائے ہند بھی شریک تھے، لیکن ۱۹۶۲ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ جمعیتہ کے زیر اہتمام ایک اور متوازی تحریک ”دینی تعلیمی بورڈ“ وجود میں آئی، دونوں تنظیموں سے بڑا فائدہ ہوا اور گاؤں گاؤں میں مکاتب قائم ہو گئے مگر بعد میں جمعیتہ کے تعلیمی بورڈ کی سرگرمیاں کم ہو گئیں، لیکن الحمد للہ دینی تعلیمی کونسل اب بھی سرگرم عمل ہے اور مکاتب کے قیام کے علاوہ نصابی کتابوں کے زہر کا تریاق بھی بہم پہنچا رہی ہے۔

مولانا حفظ الرحمن شروع سے لوک سبھا کے ممبر منتخب ہوتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد جمعیتہ کا کوئی نمائندہ پارلیمنٹ کا ممبر نہیں رہ گیا تھا۔ مولانا اسعد ۱۹۶۸ء میں پہلی بار راجیہ سبھا کے ممبر منتخب کئے گئے اور پھر وقفہ وقفہ سے تین بار ممبر چنے جاتے رہے۔ اس طرح ۱۸ برس تک وہ راجیہ سبھا کے ممبر رہے، اس عرصے میں ایوان کے اندر اور باہر بھی وہ بہت کھل کانگریس کی غلطیوں اور فرقہ وارانہ رویے کی مذمت کرتے تھے اور فرقہ وارانہ فسادات اور مسلم مسائل پر بڑی جرأت و ہمت سے بے دھڑک آواز بلند کرتے تھے اور مسلمانوں کو باعزت مقام دینے اور ان کے جائز حقوق دلانے کے لئے جدوجہد کرتے تھے۔ مرارجی ڈیپارٹمنٹ وزیر اعظم ہوئے تو مولانا نے ملک و ملت بچاؤ تحریک شروع کی تھی۔

مولانا عرصے تک کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے ہیں، اس کے علاوہ ملک و بیرون ملک جن تنظیموں اور اداروں سے ان کی وابستگی رہی، ان کے نام یہ ہیں :

راجیہ سبھا کی ضوابط کمیٹی، سرکاری یقین دہانی کمیٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ، رابطہ عالم اسلامی مکہ، شوریٰ دارالعلوم دیوبند، مرکزی وقف کونسل، ہمدرد ٹرسٹ دہلی، مرکزی حج کمیٹی، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ، مؤتمر الاسلامی تیونسیا، مؤتمر فقہی ریاض، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت وغیرہ۔

مولانا اسعد مدنی ”کو بہت سی خوبیاں اپنے والد ماجد سے موروثی طور پر ملی تھیں، تصوف و سلوک کے مراحل ان کے رہنمائی اور تربیت میں طے کیے تھے، ان ہی کی طرح ذکر، عبادت، ریاضت اور اوراد و وظائف کی پابندی کرتے اور اس میں کبھی ناغہ نہ کرتے، والد کی وفات کے بعد اس میدان میں ان کی جانشینی بھی کی اور بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا، گونا گوں مشغولیتوں کے باوجود ارادت مندوں اور مسترشدین کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کرتے۔ مہمان نوازی، سخاوت اور فیاضی میں اپنے پدر بزرگ واری کی طرح حاتم طائی تھے، وہ روپے پیسے کو بیچ سمجھتے تھے لیکن ان پر دولت کی بارش ہوتی تھی، ان کا کوئی کام پیسے کی وجہ سے نہیں رکتا تھا، ہر شخص کی ضرورتیں پوری

کرتے، اس کے کام آتے اور مدد کرتے، کسی سائل کو محروم نہ کرتے، والد ہی کی طرح دسترخوان بہت وسیع تھا اور اس خوان یغما پر دوست اور دشمن کی تفریق نہ ہوتی، رمضان میں اعتکاف کے لئے لوگوں کا تانتا لگ جاتا، پہلے دیوبند کی مدنی مسجد میں پھر دارالعلوم کی رشید مسجد میں اعتکاف کرتے، معذوری کے زمانے میں بھی معتکف مہمانوں کی خاطر و مدارات کے لئے بے چین رہتے، وہیل چیئر پر بیٹھ کر جائزہ لیتے اور ہر ایک کا خیال رکھتے، والد ہی کی طرح مہمانوں کے لئے ہمیشہ بچھے رہتے۔

وانی لعبد الضیف ما دام نازلا و ماشیمة له غیرها تشبه العبد

مولانا حسین احمد مدنی اپنی تمام تر مشغولیتوں کے باوجود بہ کثرت سفر کرتے، مولانا اسعد کی جولان گاہیں اس برصغیر ہی تک محدود نہیں تھیں بلکہ عرب، افریقہ اور یورپ کے ملکوں کا سفر بھی برابر کرتے رہتے اور ملک کا تو ایک ایک گوشہ ان کا چھانا ہوا تھا، ابھی ایک سفر سے واپس نہیں آتے کہ دوسرا شروع ہو جاتا تھا۔

ع و ما آب من سفر الا الی سفر

سال کے گیارہ مہینے سفر کے لئے وقف تھے مگر وہ جہاں بھی ہوتے رمضان سے قبل دیوبند پہنچ جاتے، شدید ضرورت بھی ہوتی تو رمضان میں سفر نہ کرتے۔

مولانا اسعد میں غیر معمولی قوت عمل اور خود ارادی تھی، وہ جس کام کو ٹھان لیتے اس کو گزرتے، اس میں کوئی مشکل رُکارٹ نہیں بنتی تھی اور نہ سستی اور کاہلی ان کے قریب پہنکتی تھی، نکتہ چینیوں کی پروا نہ کرتے، مصلحت و احتیاط بھی مانع نہ ہوتی، حماسی شاعر کے بقول۔

اذا هم القی بین عینیہ عزمہ و ننگب عن ذکر العواقب جانبا

جمعیۃ علماء کی باگ دوڑ ان کے ہاتھ میں آئی تو اسے متحرک اور فعال بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی قوم و ملت کے مفاد کے لئے نئے نئے مشکل منصوبے بناتے اور بے خطر ان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے، دوسرے لوگ جیس جیس میں سوچتے ہی رہ جاتے تھے، مولانا کی تیزی، سرعت اور قوت کار کا ساتھ دینا سب کے لئے آسان نہیں تھا، وہ سب کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے، غالباً اسی سے لوگوں کو شکایت ہو جاتی اور وہ اپنی نئی راہیں تلاش کرنے لگتے، ایسے مراحل ان کی زندگی میں کئی بار آئے، بہت سے آزمودہ، تجربہ کار اور منجھے ہوئے لوگ جن کی زندگیوں جمعیۃ اور دارالعلوم کی خدمت میں گزری تھیں کنارہ کش ہو جانے اور اپنی راہ الگ نکالنے کے لئے مجبور ہو گئے۔

جمعیۃ مسلمانوں کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم تھا اور ان کے تمام طبقے اس میں شریک تھے۔ اس کی تاریخ شاندار اور ماضی تابناک ہے، گو اس میں علمائے دیوبند کا غلبہ ہمیشہ سے رہا، لیکن دوسرے طبقوں اور جماعتوں سے وہ

کبھی خالی نہیں رہی، مگر آہستہ آہستہ وہ اس سے کنارے ہوتے گئے اور اب تو خود علمائے دیوبند بھی اس سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اور اس کا دائرہ بہت محدود اور سمٹ گیا۔

گویا سب مقدرات ہیں تاہم سب کو ساتھ لے کر چلنا وہ بھی درد مندوں اور مخلصوں کو بڑی خوبی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مولانا اسعد بڑے متحرک، فعال اور عزم و خود ارادی کا پیکر تھے، وہ جب جمعیت علماء کے قائد ہوئے تو اس کے صفِ اوّل کے اکثر قائدین وفات پا چکے تھے اور جو رہ گئے تھے وہ اس سے الگ تھلگ ہو گئے تھے، ان حالات میں جب کہ آئے دن ملک میں فساد اور مسلمانوں کی جان و مال کا اتلاف ہو رہا تھا، اکیلے اپنی جان اور عواقب و نتائج کی پروا کیے بغیر ہولناک فرقہ واریت کے دہکتے شعلوں میں کود پڑنا اور فسادات اور قدرتی آفات میں لٹے پٹے، تباہ حال لوگوں کی مدد، راحت رسانی اور باز آباد کاری کے کاموں میں جت جانا وہ رتبہ بلند ہے جو کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، یہی ان کے صاحبِ عزیمت اسلاف کا شیوہ تھا۔

اکیلے اور تنہا ہو کر بھی انہوں نے جمعیت علماء کو اس کی خصوصیات کے ساتھ نہ صرف باقی رکھا بلکہ اپنی تنظیمی صلاحیتوں اور محنت و جاں فشانی سے بعض حیثیتوں سے اسے ترقی بھی دی، ان سے پہلے جمعیت کا دفتر پرانی دہلی کی تنگ و تاریک گلی قاسم جان میں تھا، اسے وہ نئی دہلی کی مسجد عبدالنبی میں لائے اور دفتر کو اس عظمتِ رفتہ کی حامل جماعت کے شایانِ شان اور ویران مسجد کو آباد کر دیا۔ اس کے آس پاس کی زمینیں بھی دوڑ دھوپ اور سعی و محنت سے حاصل کر کے شاندار مدنی ہال، محمودیہ لائبریری اور دوسری عمارتیں تعمیر کرائیں اور ایک سنگلاخ وادی پر خار کو گل و ریحاں سے آراستہ کر دیا۔

اسی طرح ان کے ہاتھ میں آنے کے بعد دارالعلوم کی سرگرمیاں بھی بڑھ گئیں اور ان کی بہ دولت بہت سے تعمیری و وفاہی کام انجام پائے جن میں وسیع و عریض مسجد رشید سب سے نمایاں ہے۔

مولانا اسعد نے بڑی مشغول اور مجاہدانہ زندگی گزاری، عقائد و شعائر اسلام کا تحفظ، خلقِ خدا کو فیض رسانی، دین و ملت اور قوم و ملک کی خدمت ان کا نصب العین تھا، وہ ملک میں مسلمانوں کو باعزت زندگی اور ان کے جائز حقوق دلانے کے لئے ہمیشہ سرگرم اور فکر مند رہے، اللہ تعالیٰ ان کی ان دینی و قومی خدمات کو قبول فرمائے اور بہشت بریں میں جگہ دے، پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ (آمین)

مولانا کی تدفین میں شرعی حکم کے مطابق بڑی تعجیل کی گئی، پھر بھی ڈیڑھ لاکھ آدمی جنازے میں شریک ہوئے جو ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ رحمہ اللہ رحمةً واسعةً۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مدیر ہفت روزہ ”نئی دنیا“

مجاہد ملت کا جانشین

مولانا اسعد مدنی نے جس وقت جمعیت علماء ہند کی قیادت سنبھالی تھی، وہ نہ صرف اس تنظیم کے لئے ایک انتہائی نازک دور تھا، بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بھی سخت آزمائشوں کا زمانہ تھا۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن کا سانحہ ارتحال ابھی تازہ تھا اور ناظم عمومی مولانا سید محمد میاں میرٹھ کے اجلاس میں نظامت کی امانت جمعیت کے سپرد کر چکے تھے۔ ایسے نازک وقت میں جمعیت کے جہاندیدہ صدر مولانا سید فخر الدین نے محسوس کیا کہ جمعیت کو اس جوان کی ضرورت ہے جس نے اپنی بے مثال جرأت و عزیمت سے اچھے اچھوں کو حیرت زدہ کر دیا ہے اور جو مجاہدانہ جذبات اور اصابت رائے میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن کا سچا جانشین ہے۔ چنانچہ ۹ اگست ۱۹۶۳ء کو انہوں نے مجلس عاملہ کے مشورہ سے جمعیت کے جنرل سیکرٹری کی ذمہ داریوں کا بار گراں مولانا سید اسعد مدنی کے دوش پر رکھ دیا۔

اس میں شک نہیں کہ اس منصب پر آپ فائز ہوئے تو آپ کے چاہنے والوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، لیکن یہ عہدہ کوئی تخت حکمرانی یا پھولوں کی بیج نہیں، کانٹوں کا تاج تھا۔ جس کو بڑی ہمت اور حوصلے سے آپ نے سنبھالا اور ہندوستانی مسلمانوں کا ایک مضبوط سہارا بننے کی مخلصانہ کوششیں کیں۔ یہ مسلم کش خونی فسادات کا زمانہ تھا۔ آپ نے محسوس کیا کہ اگر حکومتی سطح پر اور اکثریتی فرقہ کو ساتھ لے کر جلد از جلد کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تو فرقہ پرستی کا زہریلا ناگ پورے ہندو مہاسچائیوں سے نکل لینے کے لئے کانگریس کو آگے آنے کی دعوت دی اور یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جمعیت علماء ہند کی یہ کوشش بار آور ہوئی یا نہیں۔

یہ مولانا اسعد مدنی کی ذات ہی تھی جن کی جدوجہد کے نتیجے میں دہلی کی تاریخی مسجد عبدالنبی آباد ہوئی اور اس کے احاطہ میں جمعیت کا دفتر منتقل ہوا۔ وہ یادگار لمحہ کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی، جب ۱۹ اپریل ۱۹۶۵ء کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، حضرت جی مولانا انعام الحسن اور دیگر اکابر تبلیغ نے اس کامیابی پر مولانا اسعد مدنی کو مسجد عبدالنبی میں تشریف لا کر دعاؤں سے نوازا تھا۔

مولانا اسعد مدنی ۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا کے لئے منتخب ہو کر پارلیمنٹ پہنچے تو لوگوں کو محسوس ہوا کہ مجاہد

ملت مولانا حفظ الرحمن کے انتقال (۱۹۶۲ء) کے بعد جو خلا پیدا ہوا تھا، وہ ایک حد تک پر ہونے لگا ہے۔ وہی آرزو میں مولانا کی ذات سے وابستہ کی گئیں جو مجاہد ملت کی ذات سے وابستہ تھیں۔ وہ اس میزان پر کتنے کھرے اترے یہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اٹھارہ سال کی طویل مدت تک ملک کے ایوان اقتدار میں آپ کو مسلمانوں ایک معتبر ترین آواز کا درجہ حاصل رہا۔ آپ نے پارلیمنٹ میں ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۳ء، ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۳ء راجیہ سبھا کی تین میعادیں پوری کیں اور اس مدت میں ملک و ملت کے مسائل کو سرکار کے سامنے پوری جرأت و بیباکی کے ساتھ پیش کیا۔ آپ ۱۱ اگست ۱۹۷۳ء کو جمعیتہ علمائے ہند کے صدر منتخب کئے گئے تھے اور تاحیات اس عہدے کی ذمہ داریاں بخوبی انجام دیں۔ جس وقت آپ نے صدارت کا بارگراں سنبھالا، اس وقت بھی ملک فسادات کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ نراج اور لاقانونیت پھیلی ہوئی تھی۔ قانون و انتظام نام کی کوئی چیز باقی نہ تھی، ایسا لگ رہا تھا کہ اس ملک میں جنگل کا قانون نافذ ہے۔

ایسے میں آپ فسادات کی آگ بجھانے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ رہے تھے۔ ذمہ داران حکومت سے ملاقاتیں کر کے روک تھام کی کوشش کر رہے تھے، کھڑے نظر آئے۔ پچھلے چند برسوں میں انہوں نے نصف درجن سے زیادہ تحریکیں منظم کیں اور حکومت وقت کو احساس دلایا کہ مسلمانوں کی رگوں میں آج بھی زندگی کی حرارت موجود ہے اور آج بھی وہ علمائے دین کی ایک آواز پر سڑکوں پر اتر سکتے ہیں، ملک و ملت بچاؤ تحریک، عرب نمائیت کنونشن، تحفظ حرم کی جدوجہد، فرقہ واریت مخالف مہم، قومی اتحاد و شہری حقوق کے تحفظ کی مہم، اتر پردیش کے عبادت گاہ بل کے خلاف ملک بھر میں تحریک اور آسام کے مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے مہم اسی سلسلے کے وہ جلی عنوانات ہیں جنہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

سوانح مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

از ! مولانا عبدالقیوم حقانی

تذکرہ وسوانح، تحصیل علم و تکمیل، خدمت علم و تدریس دعوت و جہاد، شخصیت و کردار، اخلاص و للہیت، صبر و استقامت فقر و ایثار، خوش طبعی و لطائف، روحانی مقام اور اوراد و وظائف، فرق باطلہ کا تعاقب، قادیانیت، شرک و بدعت اور روافض کا رد، تحریک ختم نبوت میں مجاہدانہ کردار، قومی و ملی اور سیاسی خدمات اور سفر آخرت کی ایمان افروز داستان شاندار طباعت، کمپیوٹر کمپوزنگ، مضبوط جلد بندی اور دیدہ زیب کمپیوٹر انزٹائٹل۔

صفحات : 227 قیمت : =/99 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد پاکستان

سینئر قاری محمد عبداللہ صاحب

سینئر نائب امیر جمعیتہ علماء اسلام سرحد

مولانا حسین احمد مدنی کے جانشین

دارالعلوم حقانیہ میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق سے ملاقات کا ایک منظر

فدائے ملت کی نماز جنازہ کی ایک جھلک

واہ دریغا ! حیاتِ فانی کا وہ لمحہ زندگی کے آخری کنارے تک نہیں بھولے گا، جس میں یہ خبر ملی کہ جانشین شیخ الاسلام مرشد الہند و الحجاز امام راشد حضرت مدنی کے علمی، روحانی، سیاسی، محمودی، فیضان کے آخری وارث فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی ہم سے پچھڑ گئے، یہ کوئی نئی بات نہیں، دنیا میں آنے جانے کے لئے تمہید ہے لیکن ہماری محدود زندگی کا محبوب ہمیں داغِ فراق دے گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں۔ مولانا سید اسعد مدنی، اسعد مدنی تھے، ان کی اداؤں میں، کردار میں حضرت شیخ الاسلام نظر آتے تھے۔ دیکھنے والا جب بھی اُن کے چہرے پر نظر جما کر رکھتا، تو دل میں خیال آتا کہ وہ مصور کیسا ہوگا جس کی یہ تصویر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ سے لے کر حضرت مدنی تک خصوصاً مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی وفات کے بعد جس انداز سے مولانا اسعد مدنی نے ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمت کی، وہ رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔ بعض دفعہ ان کے کردار سے اور جذبات سے ملت کے درد سے مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کا شبہ ہوتا، جس کا اعتراف انڈیا کے مسلمان خود کریں گے۔

مولانا اسعد مدنی کی دینی، علمی، روحانی، خدمات پر بہت کچھ آچکا ہے اور آتا رہے گا۔ خصوصاً مولانا سلمان منصور پوری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں اور ان کو حق بھی تھا کہ وہ اپنے محبوب ماموں جان پر اپنے محققانہ، اذیبانہ قلم کے جواہر دکھائیں، مولانا اسعد مدنی کو کئی دفعہ دیکھا اور اُن سے بیعت کا تعلق بھی ہے لیکن ان کو ایک دفعہ جس انداز میں دیکھا تھا، وہ کبھی نہیں بھولے گا۔ ایک دفعہ پشاور سے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، پشاور سے لانے کے لئے مجھے اور حضرت مولانا قاری محمد عمر علی صاحب بانی و مہتمم جامعہ تحسین القرآن نوشہرہ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے بھیجا، جب ہم دارالعلوم سرحد پہنچے اور سیدی و سندی و استاذی محدثین کے سرخیل و جرنیل حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ کا پیغام پہنچایا، تو حضرت مولانا اسعد مدنی نے فرمایا، ضرور اکوڑہ چلیں گے، استاذ محترم مولانا عبدالحق صاحب کی زیارت کریں گے، جانے کا

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی

﴿ ۱۳۶ ﴾

وقت طے ہو گیا۔ دارالعلوم میں ناظم صاحب کو اطلاع دی کہ مولانا اسعد مدنی "آج دارالعلوم تشریف لائیں گے، وہ منظر بڑا عجیب تھا۔ حضرت مولانا عبدالحلیم زروبی صدر المدرسین دارالعلوم اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب دارالعلوم کے بڑے گیٹ کے سامنے طلباء کرام کے ساتھ دو بڑی لائٹوں میں ایک جگہ کھڑے ہو گئے، جب فدائے ملت مجاہد اعظم مولانا اسعد مدنی گاڑی سے اترے۔ سب سے پہلے انہوں نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کو دیکھا تو وہ کھڑے ہو گئے اور اپنے مخصوص انداز میں کہنے لگے کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب تو میرے استاذ ہیں، وہ کیوں کھڑے ہیں، جب تک وہ واپس نہیں جائیں گے، میں قدم نہیں رکھوں گا، بہر حال اس پر کیف منظر کا تعلق الفاظ سے نہیں کیفیات سے ہے۔ مجاہد ملت نے جب قدم اٹھائے، مولانا عبدالحلیم صاحب زروبی نے جس انداز میں مصافحہ کیا، کیونکہ وہ حضرت مدنی کے شاگرد تھے، عاشق تھے، دل والے تھے، متکلم تھے، مفسر تھے، عظیم شان کے مالک تھے، اپنے مخدوم زادے و استاذ زادے کے ہاتھوں کو چوما اور رو کر کہنے لگے کہ آج علما و عملاً حضرت شیخ الاسلام کی زیارت ہوئی، اپنے کمرے میں کافی دیر تک شیخ الاسلام کا تذکرہ ہوتا رہا اور مولانا اسعد مدنی واقعات و کردار کا تذکرہ اپنے مخصوص انداز میں کرتے رہے، زندگی میں پہلی دفعہ جو پڑھا تھا کتابوں میں اس کا عملی مشاہدہ مولانا اسعد مدنی اور مولانا عبدالحلیم کی ملاقات میں ہوا، یہی حضرت شیخ الحدیث کی بات وہ دفتر اہتمام میں طویل نشست میں مولانا اسعد مدنی کے ساتھ کچھ نہیں بولے اور ان کے چہرے کو دیکھتے رہے۔

مولانا اسعد مدنی کا سبز رومال اور نورانی چہرہ جو "الولد سرالابیہ" کا منظر پیش کر رہا تھا، سب سے عجیب تر یہ کہ جب حضرت مولانا اسعد مدنی رخصت ہونے لگے۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نے فرمایا حضرت! میں بیمار ہوں، کمزور ہوں، کافی امراض آچکے ہیں، دعاؤں کی درخواست ہے، بڑے باپ کے بڑے بیٹے نے کہا کہ میں دعا کرنے نہیں آیا ہوں دعا لینے آیا ہوں۔ مولانا صاحب نے فرمایا، آج میں اپنے محبوب استاذ حضرت شیخ الاسلام کو دیکھ رہا ہوں۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی عادت مبارک تھی وہ جب بھی شیخ الاسلام کا ذکر کرتے تو ان کی منہ مبارک میں وہ مٹھاس اور لذت آ جاتی تھی اور حضرت کے اندازِ بیاں سے سامعین بھی اس لذت سے لطف اندوز ہوتے تھے، بہر حال یہ بات تو وہ دل والوں کو معلوم ہے، دو آدمیوں کے سہارے جب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کو اٹھایا گیا تو وہ مولانا اسعد مدنی کے ہاتھ کو پکڑ کر کہنے لگے، یہ ہاتھ میرے سینے پر پھیر دے تاکہ اللہ میرے حال پر رحم فرمائے۔ وہ منظر دیکھنے کے لائق تھا کہ خادم کون ہے اور مخدوم کون؟ مخدوم خادم بنا ہوا تھا اور جس محبت بھری اور عظمت کی نگاہوں سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نے دیکھا، اس وقت تک کھڑے رہے، جب تک ان کی گاڑی روانہ ہو گئی اور اپنے مخصوص انداز میں فرمایا، الحمد للہ آج پھر سے دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔

واقعی مولانا اسعد مدنی "الاولد سرالابیہ" کا مصداق ہیں۔ یہ بات ضمناً آگئی، خود اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھا، بات درحقیقت ان کی زندگی کی ہے، پاکیزہ زندگی، پاکیزہ موت، رہنے والوں کے لئے ایک عملی نمونہ ہیں۔

اب مجھے جو عرض کرنا ہے وہ ہے مولانا اسعد مدنی "کا نمازِ جنازہ وہ کس نے پڑھایا؟ اور کس انداز سے پڑھایا؟ یہ ایک عجیب تاریخی داستان ہے، جس پر آنے والا مورخ تاریخ لکھے گا، اور یہ انوکھی بات ہے، حضرت شیخ الاسلام کا جنازہ ریحانۃ العصر فخر المحدثین حضرت مولانا محمد زکریا صاحب "جو گنگوہی علوم و معارف کے سچے ترجمان تھے اور حضرت مدنی" کے مرید بھی تھے، گنگوہی نسبت کے سب سے بڑے شارح مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے بھتیجے اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب " کے فرزند ارجمند شارح بخاری تاج المحدثین علم و عرفان کے بے تاج بادشاہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھایا، نمازِ جنازہ کے بعد مولانا زکریا نے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا اور جس انداز سے ان کی چیخ نکلی۔ وہ مولانا رشید الوحیدی کی مشہور کتاب حضرت مدنی " کا سیاسی مطالعہ میں دیکھئے جو اپنی موضوع پر لا جواب کتاب ہے، تبلیغی جماعت کے اکابرین اور جمعیت علماء ہند کے اکابرین جس انداز میں رہے جس کی تفصیل حضرت شیخ کی کتاب آپ بیتی میں دیکھی جاسکتی ہے، طویل زمانہ کے بعد جمعیت علماء ہند کے صدر امیر الہند فدائے ملت مجاہد اعظم مولانا اسعد مدنی " کا جنازہ حضرت شیخ الحدیث کے صاحبزادے مولانا محمد طلحہ نے پڑھایا، یہ اتفاقی بات نہیں۔ یہ واقعاتی ثبوت ہے کہ قافلہ گنگوہی " کے وارث جماعت جمعیت علماء ہند جس طرح حضرت مدنی " کے زمانے میں موجود تھا، وہ آج بھی مولانا اسعد مدنی " کے شکل میں موجود ہے۔ نمازِ جنازہ سے یہ ثابت ہو گیا، فکر و نظر کا یہ قافلہ قاسم العلوم کی حکمت، گنگوہی فقہت، اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند کی سیاست کے وارث لوگ یہی ہیں اور ان میں وحدت پائی جاتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند ہو، ہستی نظام الدین تبلیغی جماعت ہو، سہارنپور ہو اور رائے پور ہو سارا کچھ ایک ہی ہے۔ زندگی کے آخری لمحات دہلی کے ہسپتال میں جس انداز سے جانشین مفتی محمود مفکر اسلام حضرت مولانا فضل الرحمن امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا، ایک مہینہ کی بے ہوشی کے بعد جب آنکھ کھولی اور مولانا فضل الرحمن کو سلام کا جواب دیا۔ وہ منظر بڑا عجیب تھا، جس کا راوی مولانا شجاع الملک ایم این ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے استاذ الحدیث اور حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا ارشد مدنی " نے مولانا فضل الرحمن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ کرنٹ اتنا مضبوط ہے۔ حقیقت میں مولانا اسعد مدنی " مولانا فضل الرحمن کو علماء دیوبند کا حقیقی وارث سمجھتے تھے۔ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس کے موقع پر مولانا مرغوب الرحمن مہتمم دارالعلوم دیوبند اور نائب مہتمم قاری محمد عثمان نے اپنی کلماتِ طیبات میں جو کچھ فرمایا، وہ لاکھوں کا مجمع اس بات کا گواہ ہے کہ اس وقت مجمع پر کیا کیفیت تھی۔

یہ چند بے ربط و بے ضبط کلمات مولانا عبدالقیوم حقانی کے کہنے پر لکھ دیئے ہیں۔ مولانا حقانی صاحب اکابرین پر جو کام کرتے ہیں، نمبرات کے شکل میں ان کو بلا شک و شبہ علماء دیوبند کے مشن کا مخلص علمبردار کہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکابرین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

مولانا حسین احمد مدنیؒ

کے علوم و معارف کے ترجمان

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اس قافلہ کے فرو فرید اور رکنِ رکن تھے، جن کی فکر و سوچ اکابر علمائے دیوبند کی تحقیقات کی آئینہ دار تھی۔ وہ اس قابل تھے کہ ان کے قول و فعل سے استناد کیا جائے۔ ان کے تقویٰ و طہارت، جدوجہد، مجاہدہ، حق گوئی و بے باکی میں اتباع کی جائے، ان کی زندگی نمونہ اسلاف اور ان کا طرز عمل باعث تقلید تھا۔

حضرت اقدسؒ نے ساری زندگی تبلیغِ دین کی خدمت سرانجام دی جس کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہزاروں لوگوں کو صحیح عقیدے کی دولت نصیب فرمائی اور آپؒ نے اس قدر استغناء سے کام کیا جو لا اسئلكم علیہ اجرا کا صحیح مصداق ہے۔

آپؒ کی تمام تر صفات میں سے ایک صفت یہ بھی تھی کہ کوئی فتنہ دیکھتے تو اس کی سرکوبی کے لئے اُس کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، اُس فتنے کی سرکوبی تک اپنی جدوجہد جاری رکھتے تھے۔ غریب، یتیم اور مستحق لوگوں کے لئے رفاہی ادارے مثلاً مستحق لوگوں کے لئے امداد کا سلسلہ قائم کرنا، مستحق بچوں کے لئے سکولوں کا قیام، غریب مریضوں کے لئے فری ڈسپنسری کا انعقاد اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے مسلمانوں کی بھرپور قیادت فرمائی۔

زمانہ روئے گا برسوں ہمیں کو یاد کر کے
گنیں گے سب ہماری خوبیاں جب ہم نہیں ہوں گے
راحت دنیا ملے نہ ملے کچھ فکر نہیں ارمان نہیں
بچ جائے جہنم سے دنیا میری جنت کا یہ سماں ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیعت و ارشاد میں شیخ الاسلام کے حقیقی جانشین

بعض شخصیتیں سماج کی اصلاح کے لئے پیدا ہوتی ہیں اور بعض شخصیتیں پیدا ہونے کے بعد اپنے اندر وہ ہمہ گیر خصوصیات پیدا کر لیتی ہیں کہ جیسے انہیں ملک و قوم کی خدمت کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہو۔ فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ذات مذکورہ بالا دونوں خصوصیتوں سے متصف تھی۔ اپنے والد محترم مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی نسبت سے وہ سماج اور ملک و قوم کی اصلاح کے لئے پیدا ہوئے اور پھر محض اپنی سمجھ بوجھ اور ذہنی صلاحیتوں سے ملک و خدمت کیلئے انہوں نے خود کو وقف کر لیا۔ وہ حقیقی معنوں میں خلیفۃ الخلفاء تھے۔ انسان اور جانور دونوں میں یہ وصف پایا جاتا ہے کہ جب ان پر کسی کام کے لئے دباؤ پڑتا ہے تو ان کی فطری صلاحیتیں ابھر کر آتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص انتہائی زخمی حالت میں کہیں پڑا ہو، نہ اس میں چل پھرنے کی صلاحیت ہو اور نہ اٹھ سکنے کی، کوئی کہے تو جواب دے کہ ہلا ڈلا بھی نہیں جا رہا ہے، لیکن اگر اس اثنا میں اسے یہ احساس ہو جائے کہ شیر آ رہا ہے جو آ کر فوراً اسے چیر پھاڑ ڈالے گا تو وہ اپنی تمام کھوئی ہوئی منتشرہ طاقتوں کو یکجا کر کے نہ صرف اٹھ کھڑا ہوگا بلکہ بھاگنے کی کوشش بھی کرے گا، چاہے وہ بار بار گرے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ذات گرامی جہاں بہت سی خصوصیات سے متصف تھی، وہیں ان میں یہ وصف بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ جب بھی ان پر دباؤ پڑا، ان کی فطری صلاحیتیں ابھر آئیں اور انہوں نے باوجود مخالفت کے جھونکوں کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ اس کے پائیدار حل کے لئے بھی انہوں نے اپنی سی کوششیں کیں۔ ان کے کسی فعل پر جب بھی کوئی اعتراض کیا گیا انہوں نے شافی جواب دیا۔ آٹھویں دہائی کے آغاز میں فسادات پر جب ان سے سوال کیا گیا، آپ نہ کوئی تحریک چلا رہے ہیں اور نہ خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ مولانا نے نہایت سلجھے ہوئے انداز میں کہا: میں سمجھتا تھا اور آج بھی سمجھتا ہوں کہ جتنا حکومت ملک کے لئے بدترین خطرہ تھی، ناسور تھا اور آج تک (۱۹۸۰ء) اس کا چھوڑا ہوا زہر ملک کی جڑوں میں بربادی اور فساد لارہا ہے، اس کے بعد انہوں نے بڑے بلیغ اور مدبرانہ انداز میں اس وقت کے حالات کے اعتبار سے بعض مسائل اٹھائے اور ان کا شافی جواب چاہا۔ حالات کو نارمل بنانے کے سوال پر انہوں نے کہا: جمعیتہ علماء کی ورکنگ کمیٹی کے دو اجلاس ہو چکے ہیں، ان

صوبوں کے معاملے میں انہوں نے وزیراعظم، وزیر داخلہ اور دوسرے وزیروں سے ملنے کی بات دہرائی اور کتنی مرتبہ وہاں گئے، نیز کیا حالات تھے جن سے اس وقت ملت دوچار تھی۔ اس کا تذکرہ کیا، انہوں نے مراد آباد کا وزیر داخلہ کے ساتھ دورہ کیا۔ وزیر داخلہ کو ایک ایک گھر دکھایا، مسجدوں میں پڑی ہوئی چیزیں دکھائیں، وہ مفاد پرست لیڈروں کو بھی متنبہ کر دیا کرتے تھے۔

انہوں نے اس وقت کے یوپی کے وزیر اعلیٰ کی کھلے عام مذمت کی۔ انہوں نے متعدد مرتبہ پی اے سی کو توڑنے کی آواز اٹھائی۔ اس میں ۳۳ فیصد مسلمانوں کو نمائندگی دینے کی بات کا اعادہ کیا۔ ان کی رائے تھی کہ اگر فساد ہوتے ہی ڈی ایم اور ایس پی کو معطل کر دیا جائے تو ملک میں فسادات ہونے بند ہو جائیں۔ مولانا اسعد مدنی، مولانا حسین احمد مدنی کے خلیفہ نہیں تھے، شاید کچھ لوگ چونک پڑیں، لیکن حقیقت یہی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی کے انتقال کے بعد ان کے خلفاء نے ان کی خدمات اور سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ ان کی حقیقی جانشینی مولانا اسعد مدنی ہی کر سکتے ہیں۔ اس لئے سب نے ملکر انہیں خلافت عطا کی اور بیعت و ارشاد کے مسند پر فائز کیا۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی مولانا حسین احمد مدنی کے خلفاء کے تذکرہ آتا ہے، وہیں مولانا اسعد مدنی کا تذکرہ خلیفۃ الخلفاء کے تحت آتا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی کے خلفاء میں اپنے وقت کے اہم اور جید علماء رہے ہیں معاشرے کی اصلاح پر ان کی گرفت تھی۔ اپنے علاقوں اور اپنے علاقوں سے نکل کر دوسرے خطہ و ممالک میں بھی ان کی پکڑ تھی اور وہ سب اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب تصور کیے جاتے تھے۔ ایسی صورت میں ان سب کا مل کر مولانا اسعد مدنی کو بیعت و ارشاد کے مسند پر فائز کرنا اور انہیں خرقہ خلافت سے سرفراز کرنا مولانا اسعد مدنی کی غیر معمولی صلاحیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے تمام عمر علماء کے اس اعتماد کو نبھایا اور پوری خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے عظیم باپ کی جانشینی کے فرائض انجام دیتے رہے، وہ مسلمانوں کی قیادت اس طرح کرتے رہے کہ پوری ملت ایک دھاگے میں پروئی نظر آئے۔ انہوں نے ہمیشہ ماحول کی ناسازگاری میں بڑے استقلال اور پامردی کا مظاہرہ کیا۔ کہیں بھی کچھ ہو جاتا وہ ایک غازی کی طرح پورے ملک کا دورہ کرتے۔ مسلمانوں کو جہاں بھی زک پہنچتی یا زک پہنچانے کے منصوبے بنائے جاتے وہاں پہنچنے کی ممکنہ کوششیں کرتے۔ ساتھ ہی برسر اقتدار حکومت سے اس سلسلے میں استفسار کیا جاتا۔ حتیٰ الامکان ان کے نقصانات کی تلافی کی کوششیں کی جاتیں۔ جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے انہیں ممکنہ امداد پہنچائی جاتی۔ الغرض ان کی خدمات کا یہ ایک معمولی نقشہ ہے جس پر وہ زندگی کی آخری سانس تک ٹل پیرا ہے..... ع خدارحمت کندایں پاک طینت را

انہیں دیکھ کر شیخ الاسلام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی

میں نے ابتدائی تعلیم ریڑھی تاجپورہ کے مدرسہ سے شروع کی، وہاں مولانا حشمت علی مرحوم، مولانا حسین احمد مدنی کے قصے بیان کرتے تھے۔ لہذا مجھے مولانا حسین احمد مدنی سے عشق ہو گیا جو کچھ سالوں بعد جیل چلے گئے تو میری بے چینی میں اضافہ ہو گیا، میں دیوبند آیا مگر مولانا حسین احمد مدنی کے بغیر مجھے دیوبند میں قرار نہیں ملا تو میں نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لے لیا۔ یہاں مجھے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی محفل میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ میں بیعت ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں، تو انہوں نے مجھے کہا کہ میں رائے پور چلا جاؤں اور حضرت رائے پوری سے بیعت ہو جاؤں۔ میں نے مولانا زکریا سے اپنے دل کی کیفیت بیان کی کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ فی الحال وہ جیل میں ہیں، ان کی رہائی تک میں آپ سے بیعت ہو جاؤں۔ مولانا زکریا نے فرمایا بیعت ہونا بخاری شریف کا سبق نہیں ہے کہ آج کسی سے کل کسی دوسرے سے لیا جائے، مولانا زکریا نے میری بے چینی محسوس کرتے ہوئے مجھے ۶ تسبیح پڑھنے کے لئے بتائی، میں تبلیغی جماعت کے مرکز حضرت نظام الدین میں تھا تو مولانا زکریا نے خوش خبری سنائی کہ مولانا حسین احمد مدنی جیل سے رہا ہو گئے ہیں اور آج کسی وقت مرکز میں تشریف لائیں گے، جس وقت انہوں نے مجھے اطلاع دی میرے سر میں شدید قسم کا درد تھا جو یکدم کافور ہو گیا۔ مغرب کی نماز تک میں ٹکٹکی لگائے حضرت کا منتظر رہا، آپ مغرب کے بعد تشریف لائے، مجھے سو الاکھ مرتبہ کلیہ طیبہ پڑھنے کی نصیحت کی۔ ۱۹۴۶ء میں مجھے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ سلہٹ (بنگلہ دیش) جانے کا اتفاق ہوا اور وہیں حضرت نے مجھے بیعت کرایا۔ میں آج ایک بار پھر یتیم ہو گیا۔

مولانا اسعد مدنی میں بہت سی خوبیاں تھیں جس کی وجہ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے بعد خلفاء کی ایک جماعت نے (جہاں حضرت مولانا حسین احمد مدنی بیٹھ کر مطالعہ کرتے تھے وہاں) بیٹھ کر ایک تحریر مولانا اسعد مدنی کے لئے تیار کی جس میں لکھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے جانشین خلیفہ ہوں، اس خط میں یہ بھی لکھا کہ ہم اس لئے نہیں لکھ رہے کہ آپ ان کی اولاد ہیں بلکہ خلفائے حسین احمد مدنی اور

مریدین کی یہ دلی خواہش ہے۔

مولانا اسعد مدنی اپنے والد ماجد کی طرح بکائے سحر (تہجد) کا اہتمام رکھتے تھے، نماز اور قرآن سے والہانہ عشق تھا، جب مولانا اسعد مدنی راضی ہو گئے تو اس کا اعلان میں نے مسجد مدنی میں کیا، مجھے دیسی گھی کھانے کا بہت شوق ہے اور اکثر مجھے مولانا اسعد مدنی دیسی گھی کھانے سے منع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے انہیں بتایا کہ جس ڈاکٹر نے مجھے دیسی گھی نہ کھانے کی ہدایت کی تھی وہ مر گیا ہے، مگر اللہ کا شکر ہے میں زندہ ہوں۔ میں مولانا اسعد مدنی کے ساتھ کئی مرتبہ سفر میں رہا۔

فسادات کے موقعہ پر بھی مولانا اسعد مدنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے پہنچ جاتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی کی نماز جنازہ مولانا محمد زکریا نے پڑھائی تھی اور مولانا زکریا کے صاحبزادے مولانا طلحہ نے مولانا اسعد مدنی کی نماز جنازہ ادا کرائی۔

مولانا اسعد مدنی کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ مہمانوں سے بہت خوش ہوتے تھے اور انہی کے ساتھ ناشتہ کرنا اور کھانا کھانا پسند کرتے تھے، اگر گھر میں دسترخوان لگ چکا ہو اور کسی مہمان کے آنے کی اطلاع مل جاتی تو آپ مہمان خانہ میں آجاتے اور مہمانوں کے ساتھ ہی کھانا تناول فرماتے۔ ان کے کام کرنے کے ڈھنگ اور طریقوں سے مولانا حسین احمد مدنی کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین علمی، ادبی اور تاریخی پیشکش

اشاعت خاص ماہنامہ "القاسم" نوشہرہ

تذکرہ وسوانح شیخ الاسلام حضرت مولانا

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

صفحات : 442 قیمت : 160 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور

قافلہ عزیمت کے سالار اور مسلم کار کے محافظ

”۱۹۷۸ء میں حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہ کے دورہ پاکستان کے موقع پر لاہور میں انجمن اسلامیان لاہور نے ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا، اس موقع پر جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا تھا، اس کا ایک ورق نظر قارئین ہے“..... (تنویر احمد شریفی)

جس مہمان عزیز (مولانا سید اسعد مدنی) کی خاطر آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں انہیں شیخ الاسلام کے فرزندو جانشین ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہ بات قطعاً بلا مبالغہ ہے اور مقام شکر بھی کہ وہ شجاعت و ہمت، سخاوت و بسالت میں ”الْوَلَدُ سِرّاً بِبَيْتِهِ“ کا حقیقی مصداق ہیں۔ انھوں نے آج کے ہندوستان میں ہمیشہ ہی اور بالخصوص مجاہد ملت مولانا حافظ الرحمن اور امام المورخین مولانا سید محمد میاں صاحب کے بعد جس جرأت، بے خوفی اور دلیری سے مسلم کار کے لیے کام کیا وہ ان ہی کا حصہ ہے، اور ہونا بھی یوں ہی چاہیے کہ آخر ان کی نسبت برصغیر کے اس قافلے سے ہے جو ہزار مخالفتوں کے باوجود اپنے خلوص سے آج بھی زندہ و تابندہ ہے اور اپنے مخالفین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ سکتا ہے کہ.....

مرا نقش ہستی نہیں مٹنے والا بتوں کے مٹائے یہ مٹتا نہیں ہے
مٹانے میں اس کے وہ مٹ جائیں گے خود کہ یہ نقش سجدہ ہے تشقہ نہیں ہے

اسعد کا سر..... :

اسلاف کرام کے بعد مہمان گرامی مرتبت نے مختلف علاقوں میں رونما ہونے والے فسادات میں بارہا عین حالت جنگ میں جس بے خوفی کا مظاہرہ کیا وہ مولانا ہی کا حصہ ہے۔ ایک موقع پر جہاں مسلمانوں کی لاشوں سے کنویں پاٹ دیئے گئے تھے۔۔۔ عین اسی حالت میں تشریف لے گئے اور منع کرنے والوں سے یہ جملہ فرمایا کہ :

”اسعد کا سر ان مسلمانوں کے سر سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔“

اس پورے واقع کو برصغیر کے عظیم عربی شاعر مولانا عبدالمنان صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل قصیدے میں نظم فرمایا ہے۔

بلند حوصلہ مسلمان :

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کے حوصلے وہاں بلند ہو چکے ہیں اور وہ کسی کو یہ اجازت نہیں دیتے کہ

کوئی انھیں تر نوالہ سمجھے۔ عیسائیت کی یلغار کا فتنہ آج بھی اس دھرتی پر موجود ہے، لیکن ان حضرات کی پیہم کوششیں، ہزاروں شبینہ مکاتب، جن میں حضرت مولانا سید محمد میاں کا مرتبہ نصاب پڑھایا جا رہا ہے، اس فتنے کے دفاع کا موثر ذریعہ ہیں۔ مسلمانوں کے سیاسی و اقتصادی مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں کیپٹل ازم، کمیونزم اور سوشل ازم سے زیادہ نفع مند ثابت کیا اس موضوع پر نشر و اشاعت اور عملاً بلا سودی کو اپرٹیو بینک کھولے مسلمانان ہند کی فلاح و سلامتی مذہب کے لیے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا، جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہاں کے بارہ کروڑ مسلمان، ان کے مدارس اور ان کی مساجد آباد ہیں۔ اور وہاں کے مسلمان ہندو تہذیب و تمدن سے دور اپنی سابقہ روایات پر بدستور قائم ہیں۔ والحمد للہ۔

ہمارا فرض : قائد اعظم کے ارشاد کی روشنی میں :

یہ فرض ہمارا تھا کہ ہم مملکت پاکستان کی قدر کرتے، اسے مضبوط و مستحکم بناتے اور وہاں کے مسلمانوں کی خبر گیری کرتے، مبلغ بھیجتے، غریب مسلمانوں کی مدد کرتے، تعلیمی اداروں کے مصارف برداشت کرتے اور قائد اعظم کی بات پوری کر دکھاتے، انھوں نے ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کو پیغام عید میں فرمایا تھا :

”ہمارے وہ بھائی جو ہندوستان میں اقلیت میں ہیں، ہم نہ ان کو فراموش کر سکتے ہیں نہ ان کی طرف سے لاپرواہ ہو سکتے ہیں۔ ہماری دلی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ ان کی اعانت و بہتری کے لیے ہم بڑی سے بڑی کوشش کو بھی زیادہ نہیں سمجھیں گے۔ کیوں کہ مجھے اس کا احساس ہے کہ اس برصغیر میں مسلم اقلیتی صوبے ہی تھے جنھوں نے ہمارے محبوب نصب العین پاکستان کے لیے سب سے پہلے پیش قدمی کی اور اس کے جھنڈے کو سر بلند کیا۔“ (خطبات قائد اعظم، رئیس احمد جعفری، مقبول اکیڈمی لاہور: طبع دوم، ص ۵۸۲)

لیکن ہم نے اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر نہیں کی، حتیٰ کہ نظامِ مصطفیٰ جیسے پاکیزہ نظام سے کنارہ کشی اور تعلیماتِ اسلام جیسی بلند تعلیمات سے روگردانی اور غفلتوں کی سزا کے مستحق ہو کر بتلائے رسوائی ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی بیرونی دنیا میں اسلام کے پیغامِ رحمت کے لیے ان کے طویل اسفار اگلے دور کے ان مجاہدین و خادمانِ علم و اسلام کی یاد دلاتے ہیں جن کی زندگیاں گھوڑوں اور اونٹوں کی پیٹھ پر گزر گئیں۔ ہماری خوشیوں کی کوئی انتہا نہیں کہ برصغیر کے مجاہد علماء کا سچا جانشین اور اربابِ عزیمت کے قافلے کا سالار آج ہمارے اندر موجود ہے۔ ہم ممنون ہیں رابطہ عالم اسلامی کے جس کی کوشش سے کراچی میں ایشیائی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس کے صدقہ (میں) ہمارے عزیز مہمان سمیت دنیا بھر کے اہل علم و صلاح یہاں تشریف لائے، اور ہم ممنون ہیں اپنی حکومت کے جس نے کراچی کے علاوہ دوسرے مقامات کی اجازت دے کر ہمیں مہمان گرامی سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ مہمانِ ذی وقار کا ایک بار پھر شکر یہ ادا کرتے ہوئے آخر میں عرض کروں گا کہ.....

بیاساتی نوائے مرغزار از شاخسار آمد بہار آمد، نگار آمد، نگار آمد، قرار آمد

محترم عزیز الحسن صدیقی

ناظم نشر و اشاعت جمعیت علمائے ہند۔ دہلی

مولانا حفظ الرحمنؒ کا جانشین

اور مسلمانوں کا چارہ گر

گردش لیل و نہار جاری ہے۔ سورج معمول کے مطابق روز نکلتا ہے اور ڈوب جاتا ہے۔ کل جو تاریخ تھی وہ آج نہیں ہے اور آج کی شام جب سورج غروب ہوگا تو دوسری صبح کا پیغام لے کر آسمان پر نمودار ہوگا۔ دن مقررہ نصاب پورا کر کے مہینہ بنا رہے ہیں اور مہینہ گذر کر سال کی تبدیلی کا پتہ دے رہے ہیں۔ ازل سے یہی سلسلہ قائم ہے۔

۱۹۵۳ء میں مولانا اسعد مدنی کو اس قدر دیکھا تھا جب ان کے والد محترم حیات تھے۔ باپ کا سایہ سر پر تھا۔ ان کی ذاتی کوئی رائے تھی نہ کوئی مخصوص نظریہ، مدرسہ تھا یا خانقاہ، جہاں انھیں پڑھنے پڑھانے میں یا مہمانوں کی خدمت میں مصروف دیکھا جاسکتا تھا۔ والد کا انتقال ہوا تو ساری ذمے داریاں ایک ساتھ سر پر آ گئیں۔

ملت کے پاسبان :

شیخ الاسلام کے وصال کے بعد انھوں نے متوسلین کے پاس ایک مراسلہ بھیجا تھا، جس کو دیکھنے کے بعد میں نے محسوس کیا تھا کہ قدرت نے انھیں بے پناہ صلاحیتوں کا مالک بنایا ہے اور مستقبل میں ان کی ذات سے ملت کو بیش بہا فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ کل تک وہ صرف ایک بڑے باپ کے بیٹے تھے اور آج اپنی ایک علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں۔ جمعیت علمائے ہند کے صدر بنائے جا چکے ہیں، میٹنگوں اور جلسوں میں ان کا نام آنے لگا ہے، اخبارات میں ان کے بیانات اور اپیلیں بھی چھپ رہی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی تدریسی خدمات سے علیحدگی اختیار کر کے پورے طور پر ملت کی تنظیم میں منہمک نظر آ رہے ہیں۔

اس ادا نے میرا دل جیت لیا :

یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے، صوبائی جمعیت کی ایک میٹنگ میں..... جو لکھنؤ میں ہوئی، یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ

جمعیت کے رہنما مختلف مقامات کا تنظیمی دورہ کریں اور دینی تعلیمی بورڈ کا نظام وسیع کرنے کے لیے اضلاع میں اجتماعات کیے جائیں۔

اس پروگرام میں غازی پور کا نام بھی شامل کیا گیا۔ تاریخ طے پاگئی اور مولانا محمد قاسم شاہ جہاں پوری کی تقریر کا اعلان کر دیا گیا۔ پروگرام کی ترتیب کے وقت لکھنؤ میں میرے والد بھی موجود تھے، ان کی غازی پور واپسی کے چند ہی دنوں کے بعد جلسے کی تاریخ قریب آگئی۔ غازی پور کا چھوٹا سا اسٹیشن ہے، شام کی گاڑی میں مولانا محمد قاسم صاحب کو آنا ہے، رفقائے جماعت جوڑین کے انتظار میں سٹی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر جمع ہیں، ان میں یہ خادم بھی ہے۔ چند ہی لمحوں کے بعد ٹرین پلیٹ فارم پر آگئی۔ مولانا محمد قاسم کو توبار ہا دیکھا تھا، مگر میری نگاہ کسی اور ہی کو تلاش کر رہی تھی۔ والد مرحوم نے لکھنؤ سے آکر بتایا تھا کہ ممکن ہے مولانا اسعد مدنی بھی ہم راہ ہوں۔ ان کا آنا یقینی نہیں تھا، مگر خدا جانے کیوں میرے دل میں ان کی دید کا اشتیاق جاگ اٹھا تھا اور نگاہ ان ہی کے چہرے کو تلاش کر رہی تھی۔ انجن دندنا تا ہوا سامنے سے نکل گیا، پھر ڈبے ایک ایک کر کے نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگے، مگر ابھی تک مولانا محمد قاسم نظر نہیں آئے۔ آج ہی شب میں ناؤن ہال میں جلسہ ہے۔ ہمارا اضطراب بڑھتا جا رہا ہے۔ اچانک ایک ڈبے کے دروازے پر سفید کرتے میں ملبوس..... قدرے بھاری جسم کے ایک نوجوان کو کھڑے دیکھا۔

یہ تھے مولانا اسعد مدنی۔ جو آج کے جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے تنہا غازی پور کے لیے چل پڑے تھے۔ حالاں کہ ان کی آمد کا پروگرام ضمنی تھا۔ اگر نہ آتے تو شکایت کا موقع نہ تھا۔ ٹرین سے اترتے ہی سب سے مصافحہ کیا اور رکشے پر سوار ہوئے۔ رکشا غازی پور کی تنگ سڑکوں سے ہوتا ہوا مدرسہ دیدیہ کی گلی تک آپہنچا۔ رکشے سے اترتے ہوئے بٹوے سے پیسے نکال کر خود ہی رکشے کا کرایہ ادا کیا۔ بس ان کی اس ادا نے میرا دل جیت لیا۔ رات میں جلسہ عام میں دینی تعلیم کی اہمیت پر ان کی تقریر ہوئی، جو بہت پسند کی گئی۔

دینی تعلیم لازمی ہو جائے :

ایک نوجوان ہندو وکیل نے کہا کہ :

”دینی تعلیم اگر ایسی ہی چیز ہے تو حکومت کا فرض ہے مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کا خود انتظام

کرے۔“

یہ تھی میری دوسری ملاقات، جس نے عقیدت و احترام کا پاکیزہ احساس میرے دل و دماغ کے ایک ایک گوشے میں بھر دیا۔ میں ان کی اچانک اور غیر متوقع آمد اور ریل گاڑی کے دروازے پر کھڑے ہو کر مسکرانے کا منظر

جب یاد کرتا ہوں تو لگتا ہے جیسے وہ آج بھی میرے سامنے کھڑے مسکراتے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں۔
جوراہ اہل خرد کے لیے ہے لامحدود جنون عشق میں وہ چند گام ہوتی ہے

کشتی ملت کا ناخدا :

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کا دن یقیناً ایک مکمل انقلاب کا دن تھا اور اس دن اگر ہندوستانی عوام نے سوچا کہ اب ان کے دیس میں سکھ چین عام ہوگا اور ان کو دوسرے اور تیسرے انقلاب کا منہ نہیں دیکھنا ہوگا تو انھوں نے کوئی غلط بات نہیں سوچی۔ بے چارے سادہ لوح عوام کیا جانتے تھے کہ ابھی ہندوستان کو مزید کچھ دنوں تک آزمائش کی بھٹیوں میں تپنا باقی ہے۔

ماہ و سال کی گردش جاری ہے اور انقلابات ہر روز ہندوستان کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ ملک کا مستقبل فرقہ پرست تنظیموں کے ہاتھوں تاریک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے مسائل روز بہ روز الجھتے جا رہے ہیں۔ مسلم جماعتیں اپنے اپنے طریقے کے مطابق ۱۹۴۷ء سے لگاتار مسلمانوں کی مشکلات اور مسائل حل کرنے کے لیے کوششیں کر رہی ہیں، مگر حالات ہیں کہ سدھرنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ پیچیدہ امراض کے علاج میں معالجین کو جوجز جمتیں پیش آتی ہیں اور امید و بیم کی جو کیفیات سامنے آتی ہیں بعینہ وہی حالات مسلم رہنماؤں کے سامنے ہیں۔ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مسلم زعماء ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں۔ مفتی اعظم (مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی) کا انتقال ہوا، شیخ الاسلام (مولانا سید حسین احمد مدنی) اپنے رب سے جا ملے، امام الہند (مولانا ابوالکلام آزاد) ہم سے روٹھے، سحبان الہند (مولانا احمد سعید دہلوی) نے ہمیں تنہا چھوڑا۔ ایک غم ہو تو اس کا ذکر کیا جائے۔ ایک مصیبت ہو تو بیان کی جائے۔ جب پورا جسم زخموں سے بھرا ہو تو پچا یہ کہاں کہاں اور کیسے رکھا جائے؟ ۱۹۴۷ء کے پر آشوب زمانے میں جن بزرگوں نے مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم جمائے تھے اور پامردی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے اور مستقبل کو سنوارنے کی راہ بتائی تھی وہ سب یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو چکے۔ انگریز کے خلاف اس ملک میں جو جنگ لڑی گئی اور تقسیم ملک پر جس کا اختتام ہوا، اس کی بیچی کچھی فوج کا ایک بوڑھا سپاہی ”حفظ الرحمن“ باقی رہ گیا ہے۔ جس کے مجاہدانہ کردار سے ہندوستان کا ہر پڑھا لکھا آدمی اچھی طرح واقف ہے اور جس کی خدمات کا اعتراف ایک ولی کامل نے ان الفاظ میں کیا ہے :

”مولانا حفظ الرحمن اپنی صرف ۱۹۴۷ء کی خدمات کے عوض مجھ سے میری ساری زندگی کی

عبادتیں لے لیں تو میں راضی ہوں۔“

وہی حفظ الرحمن اپنی زندگی کی آخری منزل میں ہے۔ فوج ہی نہیں..... حکومت کے سارے ہی شعبوں

میں یہ قانون رائج ہے کہ بڑھاپے میں اس کے کارکنوں کو پنشن دیدی جاتی ہے، تاکہ بقیہ زندگی آرام سے گزرے مگر قومی خدمت گاروں کا حال اس سے مختلف ہے۔ وہ ساری زندگی آلام و مصائب سے نبرد آزما رہتے ہیں اور انھیں کبھی سکون و راحت کے لمحات نصیب نہیں ہوتے۔ مولانا حفظ الرحمن جنھوں نے انگریزوں کے خلاف لڑی جاوالی جنگ میں سردھڑ کی بازی لگائی، سال ہا سال جیلوں میں رہے، جب ملک آزاد ہوا تو ان کو ایک دن بھی سکون سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ ادھر آزادی کا سورج طلوع ہوا اور ادھر آگ اور خون کی ندیاں ابل پڑیں۔ لوگ اپنی اپنی قربانیوں کی قیمت وصول کرنے میں لگ گئے۔ وزارت کی کرسیاں حاصل کرنے لگے۔ اور جو اپنی ان کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے انھوں نے جوڑ توڑ شروع کر دیا۔ مگر مولانا حفظ الرحمن اور ان کی جماعت نے مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہونے ہی کو اپنا فرض سمجھا۔ اس فرض کی ادائیگی میں انھوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ ان کی باعزت زندگی کا تھا۔ کسٹوڈین کی چیرہ دستیوں اور ملازمتوں میں امتیاز اگرچہ تکلیف دہ بات تھی، مگر ان سب سے بڑھ کر صبر آزما جو چیز تھی وہ فسادات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ فسادات ہو رہے ہیں اور خوب ہو رہے ہیں۔ آج یہاں تو کل وہاں۔ مولانا حفظ الرحمن ہیں کہ دوڑتے پھر رہے ہیں۔ فساد یوں کی غضب آلود نگاہوں کے سامنے ہیں، مگر بے خوف ہیں۔ ظالموں کو لاکار رہے ہیں اور مسلمانوں کو صبر و شکر کی تلقین بھی کر رہے ہیں۔ پھر حکومت کو بھی اس کا فرض یاد دلانا ہے۔ اتنے سارے کام کرتے کرتے مولانا بالآخر تھک گئے۔ جبل پور کے فساد نے انہیں بچھا کر رکھ دیا ہے اور ان کے جسم کی ہڈیاں تک پگھلا دی ہیں، لیکن وہ تھک ہار کر بیٹھے نہیں۔ دورے اب بھی کر رہے ہیں، تقریریں بھی اسی آن بان سے ہو رہی ہیں، فرقہ پرستوں کو پوری قوت کے ساتھ لاکار بھی رہے ہیں، مگر ان کی گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر ہر شخص متفکر ہے۔ یہ سوال بار بار ذہنوں پر دستک دے رہا ہے کہ مجاہد ملت کے بعد کون کشتی ملت کا نا خدا بن سکتا ہے؟ آزادی کے بعد مسلمانوں کا ایک مسئلہ بھی تو حل نہیں ہوا۔ گتھیاں سلجھتی کہاں تک کہ ان کی گرہیں اور مضبوط ہوتی جا رہی ہیں۔ جمعیت علماء آج بھی ایک متحرک تنظیم ہے اور اس میں ہزاروں فداکار موجود ہیں۔ مگر حفظ الرحمن کی جانشینی کا حق کون ادا کرے گا؟ اس میں کیا شبہ ہے کہ آج بھی ملک میں بڑے بڑے اہل علم موجود ہیں، کتنے ہی سحر نگار ادیب ہیں، بلند پایہ مصنف بھی ہیں، مگر ہندوستانی مسلمانوں کی چارہ گری کے لیے جس انسان کی تلاش ہے وہ کہاں ہے؟؟؟

خدا کی کار سازی پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ اگر اس نے زخم دیا تو مرہم بھی اسی نے بخشا۔ اگر اس نے ۱۹۴۷ء میں مولانا حفظ الرحمن کو یہ توفیق بخشی کہ مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کے لیے سردھڑ کی بازی لگائیں اور اپنے سارے کاموں کو چھوڑ کر صرف اسی کام کے ہو رہیں تو ۱۹۶۰ء میں اسی خدا نے ہندوستانی مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے شیخ الاسلام مولانا سید حسن احمد مدنی کے چہیتے بیٹے مولانا اسعد مدنی کو کھڑا کر دیا۔

مولانا حفظ الرحمنؒ اور مولانا اسعد مدنیؒ کی سیرت میں مماثلت :

مولانا حفظ الرحمنؒ بھی درس گاہ اور مدرسہ چھوڑ کر ملک و ملت کی خدمت میں لگے تھے اور مولانا اسعد مدنی بھی جب اس میدان میں کودے تو دارالعلوم دیوبند کی تدریسی خدمات (جو تمام تر اعزازی تھیں) سے علیحدگی اختیار کر کے آئے۔ تدریس بہ ذاتِ خود کوئی ناپسندیدہ کام نہیں ہے۔ ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ملت کی بہی خواہی میں ایسے موڑ آ ہی جاتے ہیں جب مدرسہ و خانقاہ کو چھوڑنا پڑتا ہے اور قلم و کتاب کی جگہ شمشیر و سنان کو ہاتھ میں لینا پڑتا ہے۔

صوبہ یوپی میں مسرت کی لہر :

اُتر پردیش میں جمعیت علما کا نظام عرصے سے مضحک تھا۔ اس لیے مخلصین فکر مند تھے۔ جب مولانا اسعد مدنی صدارت کی مسند پر بیٹھے تو ان کا تردد دور ہوا اور ریاست بھر میں اس انتخاب پر مسرت محسوس کی گئی، جماعتی صفوں میں جو انتشار و اضمحلال پایا جاتا تھا۔ وہ دور ہوا۔ نئے کارکن پیدا ہوئے، پوری ریاست میں دینی تعلیمی بورڈ کی تنظیم پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئی اور جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم ہونے لگیں۔

شیخ الاسلامؒ کے وصال کے بعد ان کے متوسلین اور جمعیت علما کے وابستگان کی نگاہیں مولانا اسعد مدنی پر پڑنے لگی تھیں۔ ملک کے مختلف گوشوں سے ان کے پاس خطوط اور دعوت نامے آنے لگے، جن میں اس بات کی درخواست ہوتی کہ آپ ہماری بستی میں تشریف لائیں۔ مولانا ان پر خلوص پیغامات اور دعوتوں کو کب تک ٹالتے، بالآخر ان کو وقت دینا پڑا۔ اب ملک میں مغرب سے مشرق تک اور شمال سے جنوب تک ان کے مسلسل دورے ہونے لگے۔ کہیں فساد کی خبر سن کر دوڑے جارہے ہیں تو کہیں مدرسوں کے جلسے میں یا سیرت پاک کے اجتماعات میں شرکت کے لیے جارہے ہیں۔

ریلوے کا نظام شاید مولانا اسعدؒ کے لیے بنا ہے :

ان کے مسلسل اور طویل اسفار کو دیکھ کر ایک بار دہلی کے ہفتہ وار ”پیام مشرق“ نے لکھا تھا :

”معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ریلوے کی لائنیں شاید مولانا اسعد مدنی ہی کے لیے بچھائی گئی ہیں۔“

کلکتہ اور راولپنڈی کے فسادات :

کلکتہ اور راولپنڈی کے فسادات ایک ہی نوعیت کے ہوئے تھے۔ ان فسادات نے ہندوستان کے مسلمانوں کو

جیسے ہلا کر رکھ دیا تھا اور وہ ایک بار پھر سوچنے لگے تھے کہ آیا ان کو ہندوستان میں رہنا ہے یا بالآخر ترک وطن کرنا ہی پڑے گا۔ مضبوط سے مضبوط ارادے رکھنے والا مسلمان بھی اپنی جگہ سے ہل گیا تھا۔

کلکتہ میں جس وقت فساد زوروں پر ہو رہا تھا، اتفاق سے میں دہلی میں تھا۔ جس دن مجھے اپنے وطن کے لیے روانہ ہونا تھا اسی دن شام کے چار بجے میں الجمعیت کے چیف ایڈیٹر مولانا عثمان فارقلیط سے ان کے آفس میں ملنے گیا۔ گفتگو کے دوران کلکتہ کے حالات بھی تذکرے میں آئے تو میں نے دیکھا کہ اسی سال کا بوڑھا تپا تپایا اور آزمودہ کار صحافی بھی حالات کی نزاکت سے متاثر ہے۔ مجھے سفر بہر حال کرنا تھا، مگر راستے بھرانوا ہوں اور تشویش کا ماحول میرے گرد و پیش رہا۔ فساد بنگال کی سرزمین پر ہو رہا تھا، مگر اس کے اثرات پورے ملک میں پڑ رہے تھے۔

مولانا اسعد مدنی کندن بن گئے :

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مولانا اسعد مدنی میرٹھ کے ہنگامہ خیز اجلاس کے بعد جمعیت کے جنرل سیکرٹری بنائے جا چکے تھے اور اپنی کشتی مخالفتوں کے پر شور سمندر کے حوالے کر چکے تھے، جن حالات میں انہوں نے قیادت کا بوجھ اٹھایا تھا وہ اتنے صبر آزما تھے کہ دو چار دن بھی اپنی جگہ پر کھڑا رہنا نہ ظاہر ممکن نہ تھا۔ اندر اور باہر ہر طرف کش مکش تھی، کھینچا تانی تھی، بات کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ بہ قول مومن.....

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

جن پتوں کو تکیہ بننا تھا وہی ہوا دے رہے تھے۔ باپ کے شاگرد بیٹے کو لگا رہے تھے۔ جن نگاہوں سے پیار و محبت کی کرنیں پھوٹنی چاہیے تھیں وہ اسعد مدنی پر شعلے برسا رہی تھیں۔ دوست و احباب بے گانے ہو رہے تھے۔ الغرض حسین کی اولاد کو آزمائش کی بھٹیوں میں تپایا جا رہا تھا۔ خدا کا کونا کہ مولانا اسعد مدنی اس بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔ کلکتہ راوڑ کیلا اور جمشید پور کے فسادات۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانان ہند کے لیے انتہائی صبر آزما اور ہلاکت خیز ثابت ہوئے، مگر ان کا ایک فائدہ میرے نزدیک یہ ہوا کہ مولانا اسعد مدنی کی پرشکوہ قیادت ابھر کر ملک کے سامنے آگئی اور شاید جمعیت کی صفوں میں پھیلا ہوا انتشار بھی جلد ختم نہ ہوتا، لوگ مولانا کو بحث کا موضوع بنا رہے ہیں اور یہی طے نہیں کر پار ہے ہیں کہ وہ جمعیت کی قیادت سنبھالنے کے اہل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ادھر وہ اپنا سر ہتھیلی پر لیے فسادات کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھسے جا رہے ہیں، راستے مسدود ہیں، فساد دی چڑھے چلے آ رہے ہیں، نعرے بلند ہو رہے ہیں، ہزاروں بلوائیوں کا جلوس راستے میں ملتا ہے، جس کو دیکھ کر جیب کا ڈرائیور جانے سے انکار کرتا ہے اور مولانا کہتے ہیں :

”میاں آگے بڑھو، ڈرتے کیوں ہو؟ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

ڈرائیور کہتا ہے راستہ بند ہے۔ تو کہتے ہیں :

”آخر راستہ کھلے گا کیسے؟ چلو آگے بڑھو، فلاں جگہ آج ہمیں قیام کرنا ہے۔“ تو کل علی اللہ۔

فلکتہ کا فساد ذرا رمضان سے پہلے شروع ہو چکا تھا اور رمضان کا تقریباً پورا مہینہ مولانا اسعد مدنی نے بنگال میں ہی گزارا تھا۔ مولانا سید احمد ہاشمی ان کے ہم راہ ہوتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ افطاری کا کوئی انتظام ہوتا تھا نہ سحری کا، جہاں سانجھ وہیں بہان، جو کچھ میسر آیا کھالیا ورنہ ویسے ہی چل پڑے۔

مولانا اسعد نے مولانا حفظ الرحمن کی یاد تازہ کر دی :

مولانا سید محمد میاں بنگال کا فساد ختم ہونے کے بعد وہاں گئے تھے۔ اپنا سفر پورا کرنے کے بعد انھوں نے ایک مفصل بیان الجمعیت کو دیا تھا۔ جس میں انھوں نے کہا تھا کہ.....

”مولانا اسعد مدنی نے مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن کی یاد تازہ کر دی۔ اگر ان کی جگہ پر دوسرا

کوئی ہوتا تو بنگال میں ریلیف کا کام اتنے بڑے پیمانے پر نہ ہوتا، کیوں کہ وہ بنگالی زبان اچھی

طرح سمجھ لیتے ہیں، اس لیے بڑی خوبی کے ساتھ انھوں نے وہاں کے ستم رسیدوں کے مسائل

کو سمجھا اور ان کی ترجمانی بھی کی۔“

جمعیت میں آنے کا پس منظر، مولانا اسعد مدنی کی زبانی :

الجمعیت مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۷۳ء میں مولانا سید اسعد مدنی کا انٹرویو چھپا تھا، جس میں انھوں نے بڑے

درداور کسک کے ساتھ کہا تھا :

”جمعیت علمائے ہند پر ایک وقت ایسا آیا کہ ہمارے سر سے دو سال کے اندر اندر چار بزرگوں

کا سایہ اٹھ گیا، وہ تھے مفتی کفایت اللہ، والد صاحب، مولانا آزاد اور مجاہد ملت مولانا حفظ

الرحمن۔“

یہ چار ستون اچانک گر گئے۔ ان ہستیوں کے اٹھ جانے پر ہر طرف مایوسی اور پریشانی کی لہر دوڑ گئی اور

مسلمانوں کے دلوں پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔ ایک اتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا کہ اس کے پار کچھ دکھائی نہیں دے رہا

تھا۔ خاص خاص حلقوں میں پریشانی، تشویش اور تذبذب کا اظہار ہونے لگا اور آخر کار ایک ایسا دور آیا جس کا تذکرہ

بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ جمعیت علمائے ہند کا اپنا خاص کردار رہا ہے۔ وہاں عہدوں پر پہنچنے کے لیے پروپیگنڈہ اور

کنویںگ کو کوئی دخل نہیں تھا، بلکہ یہ باتیں معیوب سمجھی جاتی رہی ہیں۔ لیکن وہ کردار مجروح ہوتا دیکھا گیا، پوسٹر لگائے

گئے، لٹریچر چھاپے گئے، پروپیگنڈہ اور کنوینٹ ہوئی، کیا کچھ نہیں ہوا؟ وہ سب کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میرٹھ کے اجلاس کی تاریخ اس قسم کی داستانوں سے بھری پڑی ہے، جس کا تذکرہ کم از کم میرے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔ چند ماہ کے قلیل عرصے میں جو مناظر دیکھے گئے وہ جمعیت کی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جب جمعیت کی ساکھ اور وجود کو قائم رکھنے کے لیے اللہ کا نام لے کر مجھے میدان میں آنا پڑا۔ اس وقت ناقابل بیان مصیبتیں سامنے آئیں۔ جن کا تذکرہ غم و اندوہ سے بھرا ہوا ہے۔ بہر حال اللہ کا احسان ہے کہ وہ سخت امتحان جھیلا، جمعیت علماء انتشار، تذبذب اور موت و زیست کی کش مکش سے نکل کر اپنے وجود کو باقی رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔“

اسی انٹرویو کے دوران مولانا نے کلکتہ، رواڑ کیلا اور جمشید پور کے فسادات کا آنکھوں دیکھا حال ان الفاظ

میں بیان کیا :

”۱۹۶۳ء میں کلکتہ کا فساد ہوا۔ میں خود ایسے وقت پہنچا جب آگ پوری طرح بجھی نہیں تھی اور لاشیں دفن نہیں ہو پائی تھیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے لاشوں کو دیکھا۔ ایسے کنویں دیکھے جو لاشوں سے پٹے ہوئے تھے۔ میں نے جلتے ہوئے مکانوں اور دکانوں کو دیکھا ہے۔ لاکھوں مسلمان اُجڑ کر خوف زدہ ہو کر پاکستان بھاگ جانا چاہ رہے تھے۔ اس وقت جمعیت علمائے ہند نے ان اکھڑے ہوئے قدموں کو دوبارہ جمایا۔ ہم نے دو سو ستانوے دیہاتوں میں امن قائم کرایا اور ان دیہاتوں میں ریلیف کمیٹیاں قائم کرائیں، جمعیت ریلیف فنڈ سے سات سو مکانات بنوائے۔

کھیتی کرنے کے لیے بیج دیا گیا اور گورنمنٹ سے قرضے دلوائے۔ جن مسجدوں کو نقصان پہنچا تھا ان کی مرمت کرائی۔ ان سارے کاموں کے لیے پینتیس سیکٹر قائم کیے گئے۔ جہاں نو ماہ تک ریلیف ورک ہوتا رہا۔ رواڑ کیلا، جمشید پور کے فسادات اس کے چند ماہ بعد ہوئے۔ فساد کے دوسرے ہی دن ننداجی (وزیر داخلہ) کو وہاں روانہ کیا اور میں بھی فوراً پہنچا۔ وہاں کے گروانا می گاؤں میں شہید ہونے والوں کی تعداد آٹھ سو کے قریب تھی۔ گاؤں میں صرف بائیس نفوس بچے تھے۔ وہاں بائیس مکانات بنا کر بائیس فیملی بنا کر ان کو آباد کیا۔ گورنمنٹ پر دباؤ ڈال کر پورے گاؤں کی زمین کو ان بائیس خاندانوں میں تقسیم کرایا۔ خدا کا شکر ہے آج وہ گاؤں آباد ہے اور ہر طوط ترقی کر رہا ہے۔“

انڈین پارلیمنٹ میں :

مولانا حفظ الرحمنؒ کی خصوصیت یہ تھی کہ پارلیمنٹ میں مسلم مسائل پر بے لاگ تقریریں کرتے تھے اور کسی

قسم کا تکلف نہیں برتتے تھے۔ اگرچہ وہ کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہو کر ایوان پارلیمنٹ میں داخل ہوئے تھے، مگر کبھی انھوں نے بے جا دباؤ قبول نہیں کیا۔ جب کہ اکثر ممبران کا یہ حال ہوتا ہے کہ پارٹی کی وفاداری میں سب کچھ فراموش کر جاتے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمنؒ کے انتقال کے بعد پارلیمنٹ کے ایوان میں یوں تو مسلمان ممبران کئی ایک تھے، مگر حفظ الرحمنؒ جیسا کوئی نہیں تھا۔ سیاسی حلقے اس خلا کو بری طرح محسوس کر رہے تھے۔ جمعیت علمائے ہند نے آزادی ہند کے بعد جہاں شہروں اور دور دراز دیہاتوں میں مسلمانوں کی جان و مال ہی نہیں، عزت و آبرو اور ان کا دین بھی بچانے کے لیے جدوجہد کی، وہیں اس نے ایوان حکومت میں ایسے نمائندے بھجوائے جنھوں نے اعلائے کلمتہ الحق کا فریضہ انجام دیا اور جبین اقتدار کی شکنیں ان کے ارادوں کو کبھی متزلزل کر سکیں نہ مصلحتِ وقت کے کانٹوں سے ان کا دامن الجھا۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جمعیت علمائے ۱۹۴۷ء سے قبل پارلیمانی سیاست میں کھل کر حصہ لیا کرتی تھی، مگر حصول آزادی کے بعد جب حکومت نے سیکولر جمہوریت کو اپنانے اور اسی کے مطابق نظام حکومت کی تشکیل کرنے کا فیصلہ کیا، اسی وقت جمعیت علمائے ہند نے جماعتی حیثیت سے پارلیمانی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ مگر مسلمانوں کی نمائندگی کا ایک بہترین فارمولا یہ اختیار کیا کہ اپنے آزموہ کار افراد کو مرکزی و صوبائی حکومتوں کے ایوان نمائندگان (پارلیمنٹ و دھان سبھا) میں سیاسی جماعتوں کے پلیٹ فارم سے بھیجتی رہی۔ کوئی کانگریس کا ممبر ہوتا تو کوئی سوشلسٹ یا کمیونسٹ پارٹی کا۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ طریقہ اب بھی اس نے اختیار کر رکھا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں اجلاس ”گیا“ میں مولانا سید حمید الدین نے اپنے ایک بلیغ جملے میں اس پالیسی پر کیسا اچھا تبصرہ کیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا:

”جمعیت علمائے سب سے بڑی سیاست یہ ہے کہ وہ سیاست میں نہیں ہے۔“

۱۹۶۲ء میں مولانا حفظ الرحمنؒ کا انتقال ہوا، اس وقت سے لگاتار ۱۹۶۷ء تک انڈین پارلیمنٹ میں ایک سناٹا سا چھایا رہا اور وہاں مسلم مسائل اور فرقہ وارانہ فسادات پر تنہا مولانا اسحاق سنبھلی آواز اٹھاتے رہے۔ مولانا اسعد مدنی سے جب بھی کہا گیا کہ آپ پارلیمنٹ کی ممبری قبول کر لیں تو انکار کر دیتے۔ ناز انصاری۔ ایڈیٹر ”الجمیۃ“ نے روزنامہ الجمیۃ۔ دہلی کے اجلاس عام مورخہ ۵ مئی ۱۹۷۲ء کے صفحہ نمبر ۷۲ پر لکھا ہے کہ.....

”مجھے یاد ہے کہ ایک دن وہ (مولانا اسعد مدنی) فخر الزین علی احمد صاحب کی عیادت کے

لیے ولنگڈن نرسنگ ہوم جا رہے تھے، میں بھی ساتھ ہو گیا۔ وہاں سے واپسی کے وقت میں نے

از خود اس کا ذکر چھیڑا اور اس کی تصدیق چاہی کہ یہ بات کہاں تک ٹھیک ہے کہ آپ کو مظفر نگر کے پارلیمانی حلقے سے ٹکٹ دینے کی پیش کش ہے؟ تو مولانا صاحب نے بڑی بے نیازی سے یہ کہہ کر بالواسطہ طور پر تصدیق کر دی کہ یہ انتخابات وغیرہ کے چکر میں پڑنا ہمارے بزرگوں کی روایات کے خلاف رہا ہے۔ میں نے فوراً عرض کیا کہ آپ کے اور مولانا حفظ الرحمنؒ کے خیالات ایک ہی تھے اور وہ بھی اولاً یہی خیال رکھتے تھے۔ مگر جب سردار پٹیل نے دلی کے فسادات کے دوران مرنے والے مسلمانوں کی تعداد پارلیمنٹ میں غلط بیان کی اور انھیں باہر سے چیلنج کرنا پڑا تو انھیں بھی اس بات کا احساس ہوا کہ پارلیمنٹ میں ہونا کتنا ضروری ہے۔“

ناز انصاری نے اسی مضمون میں آگے چل کر لکھا ہے کہ :

”آخر ۱۹۶۸ء میں متعدد حلقوں اور شخصیتوں کے اصرار پر اور حالات کے تقاضوں کے تحت وہ راجیہ سبھا کا الیکشن لڑنے کے لیے تیار ہوئے اور وہاں پہنچ کر انھوں نے وہ کمی بھی پوری کر دکھائی جو مولانا حفظ الرحمنؒ کے انتقال سے پارلیمنٹ میں پیدا ہو گئی تھی۔ ان کی تقریریں پارلیمنٹ ریکارڈ کا ایک حصہ ہیں اور کوئی بھی ان کے مطالعے کے بعد یہ کہے بغیر نہیں رہے گا کہ مولانا اسعد میاں وہاں نہ ہوتے تو ملک کے منتخب نمائندوں کے سامنے..... جن کے رو بہ رو مرکزی حکومت بھی جواب دہ ہے، مسلمانوں کے مسائل کبھی اس طرح سے نہ آتے اور باہر سے وہ لاکھ ڈھول پیٹتے اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔“

مولانا اسعد مدنیؒ کی پارلیمنٹ میں اہم تقریروں کے اقتباسات :

۱۵ مارچ ۱۹۷۲ء کو انھوں نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ :

”پریسڈنٹ صاحب نے گزشتہ ایڈریس میں لائینڈ آرڈر کے استحکام کی طرف اور کسی تقریر میں فوجی سطح میں فرقہ پرستی کا مقابلہ کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی اور ہماری قومی حکومت کی رہ نمائی فرمائی تھی۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے کہ فسادات کا سلسلہ اب بھی ختم نہیں ہو رہا ہے اور بد قسمتی سے پرانی روایات اور فرقہ پرستی کی دہشت ناک جاری ہے اور حکام ضلع غفلت شعاری اختیار کرتے ہیں، جس سے غنڈہ عناصر میں اس طرح سے من مانی کرنے کی چھوٹ مل جاتی اور مظلوموں کا خون سستا ہو جاتا ہے۔ اگر پولیس کے خلاف ایکشن

لیا جائے اور یہ طے ہو جائے کہ مجرم نہیں چھوڑے جائیں گے اور سپینڈ کر کے تحقیقات کرائی جائے تو یہ چیز رک سکتی ہے، لیکن اگر پولیس کو چھوڑا جائے، سی آئی ڈی والے چھوڑ دیئے جائیں، ان کی رپورٹ نہ آنے کی وجہ سے کچھ نہ ہو اور مجرموں کو سزا نہ دی جاسکے تو ایسی صورت میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ملک میں راشنریہ سیوم سیوک سنگھ نیم فوجی جماعت موجود رہے اور اس کا خطرناک لٹریچر ہے اور وہ ٹریننگ دیتے رہیں اور حکومت پابندی نہ لگائے تو ان حالات میں ملک میں لاء اینڈ آرڈر اور امن قائم نہ ہو سکے گا۔“

۲۲ فروری ۱۹۷۳ء کو راجیہ سبھا میں صدر کے شکرے کی قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے پھر انھوں نے بڑی

بے خوفی کے ساتھ ان الفاظ میں فسادات کے خلاف آواز بلند کی :

”فرقہ دارانہ جذبات رکھنے والے بھی پولیس میں گھس گئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اپنے فرض کو ایمان داری سے ادا نہیں کرتی، بلکہ وہ ایسے کارنامے برابر انجام دے رہی ہے جس سے جانور اور درندے بھی شرمنا جائیں۔“

اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ :

”ایک بات میں اپنی ہوم منسٹری سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ بتائے کہ کتنے فسادات میں افسران ذمہ دار ہیں؟ کتنوں کو سزا دی گئی یا کتنے ایسے ہیں جن کے متعلق کچھ کہا گیا ہو؟ کتنے ایسے ہیں جن کی ترقی روکی گئی؟ کیریئر رول ان کے خراب کیے گئے۔“

میری یہ درخواست ہے کہ حکومت اس بات پر غور کرے اور اس کے لیے اسپیشل فورس بنائے، کیوں کہ جو صورت حال ہے اس میں موجودہ فورس بالکل فیل ہو چکی ہے۔ اس قسم کے ہنگاموں کو روکنے کے لیے اسپیشل فورس بنے اور اسے ہر طرح کی چیزیں ہیلی کوپٹر وغیرہ دینا چاہیے، جس سے وہ منٹوں میں پہنچ کر مقامی افسروں سے پولیس سے چارج لے کر حالات پر قابو کرے۔ اس کے لیے کانسٹی ٹیوشن میں ”امینڈمنٹ“ کرنا پڑے، سینٹر کو اختیارات دینے کے لیے تو وہ بھی ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس ملک کے لوگوں کی جان و مال عزت اور آبرو کو بچانا ضروری ہے۔“

چند اہم خدمات :

مولانا نے مختصر سے زمانے میں شب و روز منہمک رہ کر جس طرح دین و ملت کی خدمت کی ہے کوئی دوسرا

ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ حقیقتاً مولانا کی بے شمار خدمات کا احاطہ ممکن بھی نہیں ہے.....

ع سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک آدمی میدان سیاست میں ہے تو بس اسی کا ہو رہتا ہے، پھر کسی اور طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ مگر مولانا مدنی نے جس طرح دینی خدمت کے میدان میں بے مثال جدوجہد کی اسی طرح سیاسی حلقوں میں بھی اپنی سوجھ بوجھ کا سکہ جمایا۔ مولانا جب پارلیمنٹ میں داخل ہوئے تو انھوں نے پہلی فرصت میں ایک ایسی لابی (حلقہ) تیار کی جو فرقہ پرستوں کو دندان شکن جواب دے سکے اور ہندوستان جلد اس لعنت سے نجات پائے۔ مولانا اپنے اس ارادے میں کامیاب بھی ہوئے۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مولانا کے ممبر ہونے سے قبل پارلیمنٹ میں ایک دو ہی ممبر ایسے تھے جو مسلمانوں کی مظلومیت پر کچھ کہا کرتے تھے۔ مگر اب یہ حال ہے کہ ہاؤس میں ایسے کتنے ہی ممبران ہیں جو کھل کر مسلمانوں کی حمایت کرتے ہیں، فسادات کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور اردو کے ساتھ انصاف کی اپیل کرتے ہیں۔

مولانا کی گونا گوں خدمات کو دیکھ کر بیرونی ممالک کے ارباب بصیرت رشک کرتے ہیں اور مولانا کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، مگر افسوس کہ خود مولانا کے وطن میں مولانا کے پیام کو سمجھنے والے کم ہی لوگ ہیں۔

حال ہی میں عراق کے سفیر نے ایک مجلس میں کہا :

”اگر مولانا مدنی ہمارے ملک میں ہوتے تو ان کی وہاں بے حد قدر کی جاتی۔“

یہ ہندوستان کے مسلمانوں اور خود اس ملک کی خوش نصیبی ہے کہ یہاں مدنی خاندان مقیم ہے اور موجودہ دور کے مسلمانوں کو مولانا مدنی جیسا مخلص، مدبر اور فعال رہنما ملا۔

مسجد عبدالنبی :

نئی دہلی ہندوستان کی راجدھانی ہے۔ جہاں مرکزی حکومت کے دفاتر، بیرونی ممالک کے سفارت خانے اور کئی سیاسی و غیر سیاسی جماعتوں کے مراکز قائم ہیں۔ البتہ یہاں مسلمانوں کی کسی جماعت کا کوئی دفتر ۱۹۶۳ء سے پہلے نہ تھا۔ مولانا نے جمعیت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی یہ فیصلہ کیا کہ جمعیت کا مرکزی دفتر نئی دہلی میں منتقل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کام کی بہترین صلاحیت دی ہے۔ کسی اجتماع میں انھوں نے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا :

”کام کرو، چندہ بازی کی فکر ابھی سے مت کرو، کام کرو گے تو پیسہ خود آئے گا۔“

حقیقت یہ ہے کہ ان کا ابتدا سے یہی حال رہا ہے، کبھی پیسے کی پرواہ نہیں کی۔ مسجد عبدالنبی۔۔ جس کی تاریخ بڑی شان دار ہے، سیکڑوں سال سے غیر آباد پڑی ہوئی تھی، صحن میں گھاس اُگی ہوئی تھی اور بڑے بڑے درخت نکل آئے تھے۔ جا بجا غار تھے جن میں جانور بسیرا کر لیتے تھے اور کوئی آدمی اس میں جانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ مولانا نے اس مسجد کو آثارِ قدیمہ سے حاصل کر کے صفائی و مرمت کرائی۔ حیرت ہوتی ہے کہ چند ہی ہفتوں کے اندر کس طرح مولانا نے اس کی ہیئت بدل ڈالی۔ آج اس مسجد کو دیکھو تو اندازہ نہیں ہوتا کہ چند ہفتوں میں اتنا کام ہوا ہوگا۔ مسجد کے وسیع احاطے میں دورویہ کمرے ہیں، جن میں جمعیت علمائے ہند کا مرکزی دفتر اپنے تمام لوازمات کے ساتھ مصروف کار ہے۔

ذرا تصور تو کیجیے اور آج کی مسجد عبدالنبی کے گرد و پیش کے ماحول کا جائزہ لیجیے۔ پریس ایریا ہیں۔ بڑے بڑے انگریزی اخبارات، اردو کا ”تیج“ اور ”ملاپ“ وہیں سے شائع ہوتے ہیں۔ سامنے ہی مرکزی انکم ٹیکس کا دفتر ہے۔ تھوڑی ہی دور سپریم کورٹ ہے۔ مولانا آزاد میڈیکل کالج بھی قریب ہی ہے اور اس کے عقب میں حضرت امام شاہ ولی اللہ کی ابدی آرام گاہ ہے۔ اس پورے ماحول میں ایک بلند ٹیلے پر قدیم وضع کی مسجد جس کو ”ملا عبدالنبی“ نے ۱۵۷۵ء میں بنوایا تھا اور جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں کبھی نماز نہیں پڑھی گئی، آج سر اٹھائے کھڑی ہے۔ گویا کہ مسلمانوں کو دعوت دے رہی ہے کہ اپنی تمام وضع داریوں اور روایات کے ساتھ تمہیں بدلتے ہوئے ہندوستان میں اسی طرح سینہ تان کر چلنا چاہیے۔

آج یہ مسجد زبانِ حال سے یہ بھی کہہ رہی ہے کہ میں سیکڑوں سال سے غیر آباد پڑی ہوئی تھی اور میری محراب میں مٹی کا ایک دیا بھی جلانے والا کوئی نہ تھا۔ مگر ایک اللہ والے (مولانا اسعد مدنی) نے میری بے بسی اور بے رونقی پر ترس کھا کر میری حالت بدل دی اور اب میرا حال ماضی سے بہتر ہے، بلکہ قابلِ فخر ہے۔ مسجد عبدالنبی یہ پیام بھی دے رہی ہے کہ مسلمان اگر چاہیں تو اسی طرح اپنے گذشتہ دورِ ظلمت کو جدید ترقیات سے ہم کنار کر سکتے ہیں اور ظلمات شبِ غم کو انوارِ سحر میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

مسلم فنڈ :

مسلم فنڈ کی تحریک مولانا ہی کے ذہن کی اختراع ہے۔ اس فنڈ نے مسلمانوں کو آزاد ہندوستان میں کام کرنے اور ترقی کرنے کا شعور بخشا ہے۔ سب سے پہلے دیوبند میں مولانا نے اس کام کا آغاز کیا، جہاں اب لاکھوں روپے سالانہ جمع ہوتے ہیں اور آسان شرائط پر ضرورت مندوں کو لاکھوں روپے بہ طور قرض دیئے جاتے ہیں۔

مغربی یوپی میں اس کی شاخیں بہت ہیں۔

جمعیت علما کی کسی مجلس میں ”مسلم فنڈ“ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ مغربی یوپی ہی کے کسی صاحب نے ایک قصبے کا قصہ سنایا کہ وہاں جب سے فنڈ قائم ہوا ہے اور مسلمان بلا سود قرض لے کر اپنی اقتصادی ضروریات پوری کرنے لگے ہیں مقامی بیوں کی حالت خراب ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ ایک سود خور نے تو حاکم کے پاس درخواست دے رکھی ہے کہ جمعیت علما والوں نے ہماری روزی ماری۔

جمہوری کنونشن :

مولانا نے فرقہ پرست طاقتوں کو کم زور کرنے اور مسلمانوں کو حوصلہ مند بنانے کے لیے ۱۹۶۴ء میں دہلی میں جمہوری کنونشن کے نام پر ایک اجتماع بلایا تھا۔ اس کنونشن میں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں سب کو شرکت کی دعوت دی گئی اور ہندوستان کے ہر گوشے سے مندوبین آ کر شریک ہوئے۔ اس کنونشن کا انعقاد فرقہ واریت کے لیے ایک چیلنج تھا۔

انگریزی پریس :

علما اور دین دار طبقے کو ہمیشہ مطعون کیا گیا کہ یہ لوگ زمانے کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے اور قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ حالاں کہ علما نے برابر اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ زمانے کے تقاضوں کو زیادہ سمجھتے ہیں اور جو بھی مفید چیز سامنے آئی اس سے مسلمانوں کو انھوں نے کبھی نہیں روکا بلکہ اس کو اختیار کرنے کی تلقین کی۔

علماء پر جہاں اور بہت سے الزامات لگائے گئے وہیں ایک الزام یہ بھی رکھا گیا کہ انھوں نے انگریزی زبان کی مخالفت کی۔ حالاں کہ یہ سراسر اتہام ہے۔ مولانا جعفر تھانیسری نے، جنھیں ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے عبور دریائے شور کی سزا دی تھی، اپنی تصنیف ”کالا پانی“ میں لکھا ہے کہ

”میں نے وہاں اس قدر انگریزی زبان سیکھ لی تھی کہ عدالتوں میں پیش کرنے کے لیے بلا

تکلف انگریزی زبان میں لوگوں کی درخواستیں لکھ دیا کرتا تھا اور انگریزی کتابوں کا بہ سہولت

مطالعہ کر لیتا تھا۔“

انگریزوں کی آمد کے معا بعد کا یہ واقعہ ہے اور اس وقت کے ایک ایسے عالم دین کا یہ ذوق بیان کیا جا رہا ہے جو انگریزوں کے دشمن تھے۔ پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ علما انگریزی زبان کے مخالف تھے؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ علما نے اس وقت یہ اندازہ فرمایا اور صحیح فرمایا کہ مسلمان اب محکوم ہے، ایسا نہ ہو کہ انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ

انگریزوں کا مذہب اور تہذیب بھی اختیار کر لے، اس لیے انہوں نے احتیاط کی راہ اختیار کی۔ ان ہی مولانا تھانیسری نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے :

”انگریزی کتابوں کے مطالعے کا مجھ پر یہ اثر پڑا کہ نوافل تو نوافل فرائض کی ادائیگی میں بھی مجھ سے کوتاہی ہونے لگی۔“

ایک عالم اور مجاہد پر جب اس زبان کا یہ اثر ہو سکتا ہے تو ہما شام کا کیا حال ہو سکتا ہے؟ اس کا اندازہ کچھ مشکل نہیں ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے اگر ہم مان بھی لیں کہ علمائے اس زمانے میں انگریزی سے روک کر غلطی کی، مگر آج جب وہ کہتے ہیں کہ مسلمان انگریزی اخبار نکالیں تو مسلمان ان کی یہ بات کیوں نہیں مانتا۔ اب سے تقریباً بارہ سال (۱) قبل مولانا اسعد مدنی نے ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو دعوت دی اور کہا کہ آؤ مل جل کر ایک انگریزی اخبار کی بنیاد ڈالیں۔ لوگ جمع ہوئے، بڑے بڑے ماہرین تعلیم، صنعت کار اور صاحبان ثروت بیٹھے، مشورہ ہوا۔ ہمایوں کبیر مرحوم نے دل چسپی لی۔ اس وقت ان حضرات نے مولانا سے کہا کہ آپ اپنے حلقہ اثر سے پہلے کچھ رقم حاصل کر کے جمع کریں، پھر ہم لوگ باقی کمی پوری کر لیں گے۔

مولانا کی ایک عادت مجھے بہت پسند ہے وہ یہ کہ ٹال مٹول کسی کام میں انھیں پسند نہیں۔ جو کام کرنا ہے فوراً کریں گے۔ میں بلا جھجک عرض کروں گا کہ مجھے کام کا جو حوصلہ اور امنگ ملی وہ سب مولانا ہی کی دین ہے۔ مجھے گوشہ گم نامی سے نکال کر عمل کی شاہ راہ پر انھیں نے ڈالا ہے۔ میں نے جب یہ دیکھا کہ وہ ملت کی فلاح و بہبود کا ہر چھوٹا بڑا کام کرنے کے لیے بلا پس و پیش تیار ہیں تو میں ان کے پیچھے ہولیا اور اب ان کے زیر سایہ رہ کر کام کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہوں، جہاں آفتاب کی تمازت آپ سے آپ ختم ہو جاتی ہے۔

بہر حال مولانا نے اس اجتماعی فیصلے کے مطابق جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے، ہندوستان کے چند صوبوں کا دورہ کیا اور ایک لاکھ سے زائد رقم لا کر جمع کر دی۔ لیکن افسوس کہ روشن خیال اور بالغ نظر حضرات کو آج تک توفیق نہیں ہوئی کہ ملت کی اتنی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قدم آگے بڑھاتے۔ مولانا کا یہ دورہ واقعی ایک طوفانی دورہ تھا۔ ایک ایک دن میں پانچ پانچ چھ چھ جلسوں میں تقریر کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کو دوزیروں کے دورے پر قیاس نہ کیجیے کہ ان کو ایسے دوروں میں ہر طرح کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ مولانا نے اس دورے میں کئی ہزار میل کا سفر کیا۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اسی ملک

میں ایسی قومیں بھی موجود ہیں جن کا ایک فرد اپنے پیشوا کو لاکھوں کی رقم اٹھا کر دے دیتا ہے اور پلٹ کر پوچھتا بھی نہیں کہ وہ کہاں گئی۔ مگر ہماری بھی ایک ملت ہے جو دیتی کم ہے مگر احتساب زیادہ کرتی ہے۔

رویتِ ہلال کانفرنس :

مولانا نے ہندوستان کے مسلمانوں کو متحد کرنے اور ان کو اختلافات کی دلدل سے نکالنے کے لیے جہاں دوسری بہت سی تجاویز کو بروئے کار لانے کی کوشش کی وہیں ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ”ایوانِ غالب“ دہلی میں کل ہند پیمانے پر رویتِ ہلال کانفرنس کر کے ملک بھر کے علما کو ایک نقطے پر جمع کر دیا اور مسلمانوں کو سر پھٹول سے بچانے کی سعی کی۔

مباحثِ فقہیہ :

فقہی مسائل کو اجتماعی ڈھنگ پر حل کرنے کے لیے جمعیتِ علمائے ہند کے زیر انتظام ۱۹۷۰ء میں ایک ادارہ ”ادارۃ المباحثِ الفقہیہ“ کے نام سے قائم کیا جو برابر کام کر رہا ہے۔ (۲)

عرب حمایت کنونشن :

عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر عربوں کی حمایت میں دہلی میں ۲۵ نومبر ۱۹۷۳ء کو ”عرب حمایت کنونشن“ بلایا۔ اس کنونشن میں عرب ملکوں کے نمائندے بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ جنہوں نے مولانا کا ان کوششوں کے لیے شکریہ ادا کیا جو انہوں نے عربوں کی تائید کے سلسلے میں کیں۔

عازمین حج کی امداد :

سعودی حکومت نے ۱۹۷۵ء میں عازمین حج پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی تھیں، جس کی وجہ سے ہندوستان کے عازمین حج بڑی الجھن محسوس کر رہے تھے۔ ان رکاوٹوں اور پابندیوں میں نرمی لانے کا مطالبہ حکومت ہند نے بھی کیا تھا، مگر سعودی حکومت اپنے فیصلوں پر ڈٹی رہی۔ بالآخر حضرت مولانا اسعد مدنی حجاز تشریف لے گئے اور سعودی حکومت کے ذمے داروں سے مل کر عازمین حج کی دشواریاں بیان کیں۔ سعودی حکومت نے مولانا کی تجویز کے عین مطابق فوری طور پر فیصلہ کیا کہ تیس ریال یومیہ خرچ کرنے کی شرط واپس لی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ حاجی صاحبان جہاں چاہیں قیام کریں۔ پہلے ان کے لیے سیکٹر قائم کیے گئے تھے جو پریشانی کا باعث تھے۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ مقررہ ایام سے زیادہ کوئی رُک نہیں سکتا۔ اس میں بھی نرمی پیدا کی گئی۔ اسی طرح اللہ کے

فضل سے مولانا کی مداخلت اور مساعی سے ہندوستان کے ہزاروں عازمین حج کو راحت ملی۔ (۳)

مدارسِ اسلامیہ کی سرپرستی :

ہندوستان میں مدارسِ اسلامیہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ مدارس سے مولانا کا قلبی تعلق ہے، ان کے مسائل سے انھیں گہری دل چسپی ہے، ان کی بقا و ترقی کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ چند سال قبل حکومت ہند نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ عربی مدارس کے طلباء کو ریلوے کے رعایتی ٹکٹ کی سہولت دینا موقوف کر دیا جائے گا۔ بہت سے لوگوں کو اس کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی اور ادھر مولانا نے وزیراعظم سے ملاقات کر کے کہا کہ

”یہ مدارس وہ ہیں جنہوں نے ہندوستان کی جنگِ آزادی میں نمایاں حصہ لیا ہے، لہذا ان کو اس رعایت سے محروم نہ کیا جائے۔“

چنانچہ وزیراعظم نے یہ رعایت بحال رکھی اور مدارس کے غریب طلباء بہ دستور اس رعایت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا کی چند اہم بنیادی خدمات کے مختصر تذکرے پر اس احساس کے ساتھ ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

دامانِ نگہ و گل حسن تو بسیار
گل چین بہار تو زِ داماں گلہ دارد

حواشی :

۱۹۷۸ء سے کچھ پہلے لکھی گئی ہے۔ اس لیے بارہ سال پہلے سے مراد ۱۹۶۵ء کا قریب ہے۔ (شریفی)
(۲) جمعیت علمائے ہند کے اس شعبے سے بعض ایسے جدید مسائل کا حل نکالا گیا جس میں تا حال پاکستان کے علماء مفتیانِ کرام خاموش ہیں۔ مثلاً حج کے جدید مسائل کا حل جمعیت کے اسی شعبے سے پیش ہوا۔ اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مسترشد امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے نواسہ محترم مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری زید مجدہ کی خدمات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ (شریفی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



باب : ۵

امیر الہند فدائے ملت
اعزہ واقرباء کی نظر میں

امیر الہند فدائے ملت کی یادوں، شفقتوں، محبتوں اور
سیرت و سوانح پر اکابر، مشائخ، ادیبوں اور ارباب فضل نے
بہت کچھ لکھا، حضرت کے قریبی اعزہ اور رشتہ داروں نے
بھی اس میں بھرپور دلچسپی کا اظہار کیا اور عمدہ مضامین لکھے،
چند ایک نذر قارئین ہیں جس سے حضرت کی عظمت و
محبوبیت اور ہر دل عزیز کی ایک جھلک نمایاں ہوتی ہے۔

حضرت مولانا سید ارشد مدنی

عزم و استقلال کا کوہِ گراں

حضرت بھائی صاحبؒ کی زندگی کی ایک بڑی اہم، بڑی قابلِ قدر اور بہت انوکھی خصوصیت تھی کہ خدا نے ان کو عزم و ہمت اور حوصلہ کا پہاڑ بنایا تھا، جب انہوں نے ارادہ کر لیا تو کوئی طاقت ان کو اس ارادے سے ہٹا نہیں سکتی تھی، خوب سوچ سمجھ کر کسی موقف کو اختیار کرتے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر نسر ڈالتے اور اس کے بعد اس پر جم جاتے تھے اور جتتے تھے تو پہاڑ کی طرح جتتے تھے، لوگ بڑے دلائل کو پیش کرتے تھے لیکن مولانا ہر ایک کی دلیل کو توڑ دیتے اور آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔

ملک و ملت بچاؤ تحریک

۱۹۷۹ء کے اندر ملک کی آزادی کے بعد لٹے پٹے فسادات کی وجہ سے تباہ حال مسلمانوں کی طرف سے جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے آپ نے ایک آواز اٹھائی کہ ہم فسادات کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے، ہندوستان میں ملک کی تقسیم کے بعد اقلیت اور ایسی اقلیت جو ہزاروں فسادات میں کچل دی گئی ہو حوصلہ پست کر دیا گیا ہو، کیا وہ اس حیثیت میں ہوگی کہ فرقہ پرست طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر یہ کہے کہ ہمارے مطالبات تسلیم کرو ورنہ ہم سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے، جیل بھریں گے، کسی کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی، مجھے خوب یاد ہے کہ قاضی عدیل عباسی اور دیگر لوگوں نے آپ کو خطوط بھیجے، ٹیلی فون کا تو اس وقت رواج نہیں تھا کہ مولانا یہ کیا کر رہے ہیں، ملک کے تقسیم ہو جانے کے بعد اب آپ مسلمانوں کو خود کشی پر مجبور کر رہے ہیں؟ کیا مسلمان اس حیثیت میں ہے کہ وہ جیل بھر کر تحریک چلائے؟ مولانا نے جواب دیا ”یا تو عزت کے ساتھ قوم زندہ رہے گی یا پھر ذلت کی زندگی سے قوم کا مرجانا بہتر ہے“ اور اس رائے پر مولانا پہاڑ کی طرح جم گئے، کسی قائد کی انتہائی دور بینی اور خصوصیت یہ ہے کہ وقت کو دیکھ کر فیصلہ کرے اور فیصلہ مضبوطی کے ساتھ کرے، اور اس پر جم جائے کسی کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی کہ حالات کیا چل رہے ہیں اور کیا ہو رہا ہے؟ مگر چوں کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عطا فرمائی تھی اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم پر اور وہ پلیٹ فارم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا اور ان کے شیخ حضرت شیخ الہند اور ان کے شاگرد حضرت شیخ الاسلامؒ کا تھا، آپ اس پلیٹ فارم پر تھے، پورے ہندوستان سے لوگ آپ کا ساتھ دیتے تھے، یہ خدا کی نصرت ہے کہ ہم جیل میں تھے اور جیل میں ہم لوگوں نے خبر سنی کہ مرارجی گورنمنٹ گر گئی یعنی پچیس دن پہلے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا وہ گورنمنٹ گر گئی۔ میں نے کہا کہ کسی قائد کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ وقت کی نزاکت کو دیکھ کر کہ کشتی کدھر جا رہی ہے انتہائی دانائی کے ساتھ فیصلہ کرے اور پھر اس پر جم جائے، ایسا

بارہا ہوا کہ سارے سیاسی لوگ ایک طرف، اور حضرت کی رائے ایک طرف، بعد میں بات سمجھ میں آئی کہ اس سے بہترین کوئی وقت نہیں ہو سکتا تھا اور اس سے بہترین کوئی تحریک نہیں ہو سکتی تھی، اللہ نے اس کے اندر کامیابی دی، قوم کا معیار بڑھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ملک کی آزادی کے وقت مسلمان کھڑا ہوا تھا ایسے دور ہے پر جہاں اس ملک میں مسلمان کے وجود کا مسئلہ تھا، ہم نے تیس سال سے جو سفر کیا اور جدوجہد کی، ہم اب وجود کے مسئلہ سے نکل گئے، اب تو ہمارے وجود کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ اب تو ہمارے مطالبات ہیں کہ ہمارا حق دو، جمعیت علماء کی اس تحریک نے مسلمان کے معیار کو بلند کر دیا۔ ہم اس ملک کے اندر اتنا لٹنے کے بعد، اتنا پٹنے کے بعد، فسادات میں پسنے کے بعد، ہمارے وجود کا یہ ثبوت ہے کہ ہمارے مطالبات تسلیم کرو ورنہ ہم تحریک چلائیں گے، جیل بھریں گے، یہ حضرت مولانا کی دین ہے اور ان کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہے۔ مرارجی حکومت گئی اس کے بعد اندراجی آئیں، پھر وہ بھی چلی گئیں، پھر اس طرح کانگریس کا دور رہا اور نرسہاراؤ آگئے نرسہاراؤ کا دور بھی اس ملک کے لیے کانگریس کے لیے بڑا بد بخت دور تھا۔

۲۱ لاکھ دستخط والی تحریک

حضرت نے یہ بات درکنگ کمیٹی کے دوران کہی کہ ملک میں اندراجی کے قتل پر سکھ مخالف فساد ہوا، مرنے والوں کو پانچ پانچ لاکھ معاوضہ دیا گیا۔ مسلمانوں کی اول تو رپورٹ نہیں لکھی جاتی، جس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ مرنے والوں میں ہے یا نہیں، پچاس مرتے ہیں ان میں سے دس بیس کی رپورٹ درج ہوتی ہے تو بہت احسان کیا، مرنے والے کو دو لاکھ روپے دے دیئے، تو حضرت فرماتے تھے کہ جس طرح فساد میں مرنے والے سکھوں کو معاوضہ دیا گیا ہے وہی معاوضہ فساد میں مرنے والے مسلمانوں کو دیا جائے، اور دوسری بات یہ کہتے تھے کہ چونکہ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو منصوبہ بنا کر سیاسی میدان میں، معاشی میدان میں، ہر میدان میں پیچھے کیا گیا ہے، اس لیے آبادی کے حساب سے انہیں ریزرویشن ملنا چاہئے۔ جب جب درکنگ کمیٹی ہوتی تھی اسے مدلل اور مبرہن کرتے رہتے تھے، آخر کار یہ بات آئی کہ ایک تحریک چلائی جائے اور پرامن تحریک ہو کہ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ دستخطوں کے ساتھ میمورنڈم وزیراعظم اور صدر جمہوریہ کو پیش کیا جائے، یہ اس وقت کی بات ہے کہ ملک اس بد بختی کے دور سے نکلا اور نرسہاراؤ کی گورنمنٹ چلی گئی، اور بھاجپائی گورنمنٹ آگئی، اگر ابتدا میں جہاں سے سفر شروع ہوا اس وقت بھاجپائی گورنمنٹ ہوتی، تو ہو سکتا ہے کہ مولانا کے اندر یہ جوش پیدا نہ ہوتا لیکن جوش ان میں یہ تھا کہ کانگریس کی گورنمنٹ ہے اور مسلمان تباہ ہو رہا ہے، جن کے شانہ بشانہ چل کر ہم نے ملک کی آزادی کے لیے قربانیاں دیں ہیں، ان کے وقت میں اگر ایسا ہو رہا ہے تو کیوں ہو رہا ہے؟ لیکن مولانا فرماتے تھے ہمیں اس سے کیا لینا دینا؟ ہمارے مطالبات ہیں، ہم اس ملک کے رہنے والے ہیں اور ہمارے یہ حقوق دستوری ہیں، اقتدار کی کرسی پر کوئی بھی بیٹھے، ہمیں اس سے کیا لینا دینا؟ ہمیں اپنے حقوق کے لیے لڑتے رہنا ہے کوئی بھی کرسی اقتدار پر آ کر بیٹھے، چنانچہ مولانا نے تحریک چلائی ہمیں کوئی تجربہ نہیں تھا ملک کی آزادی کے بعد

مسلمانوں کی طرف سے کسی ملی مسئلہ پر یہ پہلی تحریک تھی کہ دستخطی مہم چلاؤ، چنانچہ آپ کو حیرت ہوگی کہ مولانا نے ایک وقت کا تعین کر دیا اور جتنے یونٹ تھے ملک کے، سب کو متحرک کر دیا اور تقریباً پانچ مہینے میں اکیس لاکھ دستخط کرائے، اور ہر طرف سے مطالبہ تھا کہ دو مہینے کی اور مہلت دیدیجئے، اگر مہلت دے دیتے تو یہ دستخط پچاس لاکھ ہو جاتے، ان دستخطوں کے ساتھ جا کر میورنٹم صدر جمہوریہ کو پیش کیا، میں کہتا ہوں کہ کچھ بھی ہوا کامیابی یا ناکامی تو خدا کی طرف سے ہے، ہم لوگ دنیا میں رہتے ہیں یہ دارالاسباب ہے، یہاں رہ کر ہم نے اسباب کو اختیار کیا، ہو سکتا ہے دنیا یہ کہے کہ اس میں کامیابی نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس میں سو فیصد کامیابی ہے۔ جمعیت علماء نے سب سے پہلے ریزرویشن کے مسئلہ کو اٹھایا تھا، ۱۹۹۹ء کا قصہ ہے آج پورے پانچ سال ہوئے ہیں اس مطالبہ نے اتنی قوت اختیار کی ہے کہ آج ہر پارٹی، بھاجپا اور کیونسٹوں کے علاوہ، ملک کی ہر سیاسی پارٹی، چاہے وہ علاقائی ہو اور چاہے وہ مرکزی ہو، مسلمانوں کے ریزرویشن کی بات کرتی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کیرالا کے اندر ریزرویشن گورنمنٹ نے دیا، کرناٹک میں گورنمنٹ نے ریزرویشن دیا، حیدرآباد کے اندر ریزرویشن گورنمنٹ نے دیا، لیکن چونکہ فرقہ پرست حکومت نے عدلیہ کے اندر فرقہ پرست افراد کو بیٹھا دیا ہے، اس لیے کورٹ کے اندر آ کر اس کو کالعدم قرار دے دیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو مہاراشٹر کے اندر بات طے ہو چکی تھی اور چند دنوں کے بعد اعلان ہونے والا تھا یہ مولانا کی دین ہے، حضرت نے مطالبات کو اتنا بڑھایا اور دلائل کو اس انداز سے رکھا کہ جو بھی گورنمنٹ آئے گی وہ یہی کہے گی کہ ہم ریزرویشن دیں گے۔

بھرپور احتجاج

ورنگ کیٹی میں بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ملک کی تقسیم کے بعد میرا یہ جی چاہتا ہے کہ مسلمان کوئی احتجاج ایسا کریں کہ رام لیلا گراؤنڈ کو بھر دیں، اس لئے کہ تال کٹورہ اسٹیڈیم میں سال میں دو تین پروگرام ہو جاتے تھے، فرماتے تھے کہ رام لیلا گراؤنڈ کو بھر دیں، مگر دس لاکھ آدمیوں کو جمع کرنا بڑا مشکل کام تھا، مولانا مستقل تک دو دو میں لگے رہتے تھے، اتفاق کی بات کہ کالا بل پاس ہو رہا تھا، ورنگ کیٹی میں بات چلی کچھ لوگ کہتے تھے ٹھیک ہے آگے بڑھیں، اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ نہیں، آپ نے فرمایا! آج اسلام کے نام پر خدمت کا موقع ہے، آپ نے تقسیم کے بعد سے جتنی خدمت کی ہے صحیح اسلام کی خدمت کی ہے، لیکن اس موقع کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے، آپ نے آج تک جتنی خدمت کی ہے وہ مسلمان کے واسطے سے کی ہے، فسادزدگان کی مدد کی، مظلومین کی مدد کی، یہ براہ راست اسلام کی خدمت ہے، کیوں کہ براہ راست اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اگر آپ آج بیٹھ گئے تو قوم آپ کو کبھی چھوڑے گی نہیں، اور آج ایسا ہے کہ آپ یوں نہ کہیں کہ رام لیلا میدان کو بھر دو بلکہ آپ یوں کہیں کہ مجھے ایسی جماعت چاہئے جو اسلام کے نام پر رام لیلا میدان میں سرکٹو ادے، تو بھی لوگ آپ کے ساتھ آ جائیں گے، چنانچہ مولانا نے اس موقع کو جانے نہیں دیا، اور اس سلسلے میں سب سے پہلا اجلاس اس کالے بل کے خلاف جمعیت علماء اور دیگر پارٹیوں کو ملا کر ضلع سہارنپور میں کیا تقریباً دو لاکھ آدمی جمع ہو گئے، اور ہمت

بڑھی لکھنؤ میں اجلاس کیا، لکھنؤ کی تاریخ میں کوئی اجتماع ایسا نہیں ہوا تھا، سڑکیں جام ہو گئیں۔ 5-6 لاکھ آدمی جمع ہو گئے اور ہمت بڑھ گئی کہ کر سکتے ہیں، حضرت نے رات و دن ایک کر دیا، جہاں تک پہنچ سکتے تھے پہنچے، اور اپنے مدعا کو رکھا کہ یہ ایسا وقت ہے کہ اس ملک میں اسلام کو زندگی ملے گی تو مسلمان زندہ رہے گا، ورنہ نہیں رہے گا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ دس لاکھ نہیں، میں کہتا ہوں کہ جتنے رام لیلا گراؤنڈ کے اندر تھے اس سے کہیں زیادہ باہر تھے اور اب تو ہر سال ایک مرتبہ رام لیلا گراؤنڈ کو بھر دیتے تھے، اور ایسا نہیں کہ کرائے کے ٹولا کر رکھ دیئے گئے ہوں، مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بوڑھے آدمی کو ایک نامہ نگار نے پکڑ لیا جس کے بدن پر کپڑے بھی درست نہیں تھے، اس نے پوچھا ملا جی کتنے پیسے مل گئے جو چلے آئے؟ بولا جیب سے ٹکٹ نکال کر کہ 36 روپیہ کا ٹکٹ لے کر آیا ہوں نامہ نگار منہ پھیر کر چلا گیا، اور کسی تنظیم اور پارٹی کے پاس ایسا آدمی نہیں ہے جس کی آواز پر اتنے آدمی چلے آئیں

سیکولر سیاسی محاذ

میں آپ کو بتاؤں کہ حضرت کی دیرینہ خواہش تھی کہ مسلمان اس ملک کے سیاسی اقتدار میں شریک ہو جائیں انہوں نے اس کے لیے تحریک شروع کی، ہریجن اور مسلم اتحاد، کھان پان کے پروگرام ہوئے، دہلی میں، پٹنہ میں، کرناٹک میں، حیدرآباد میں پروگرام ہوئے اور چاہتے تھے کہ تنہا مسلمان کی نہیں بلکہ دوسری اقلیتوں کو ملا کر ایسا پلیٹ فارم بن جائے جو پارلیمنٹ اور دیگر سیاسی امور میں دخل ہو جائے، حکومت بنے تو ان کے اشتراک کے ساتھ بنے، کسی کے سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی، لیکن حضرت مولانا کی کوشش تھی پہلے کوشش کرتے رہے کہ حیدرآباد سے اس کی شروعات کی جائے، نہیں ہو سکی، تو پچھلے سال طے کر دیا کہ آسام سے اس کی شروعات کی جائے، ابھی چند مہینہ پہلے کی بات ہے کہ آپ جمعیت علماء آسام کے ایک جلسہ میں تشریف فرما تھے، اس میں چیف منسٹر بھی موجود تھا، تو آپ نے مسلمانوں کے مسائل رکھے، جب چیف منسٹر کی باری آئی تو اس نے صفائی دینے کی کوشش کی تو آپ نے اس سے مانگ چھین لیا اور کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو اور کہا کہ اگر کام نہیں ہوا تو ہم تمہارے خلاف تحریک شروع کریں گے، ہم تم کو چھ ماہ کی مہلت دیتے ہیں، گورنر اور چیف منسٹر کے سامنے یہ بات کہی کہ اگر کام نہیں ہوا تو ہم تمہیں کرسی اقتدار سے ہٹادیں گے، چیف منسٹر کا چہرہ سرخ ہو گیا، کس قدر جرأت کی بات ہے؟ کیا کوئی اس طرح کہہ سکتا ہے؟ حضرت مولانا کہہ کر چلے آئے، چھ ماہ تک کام نہیں ہوا تو مجھے بھیجا کہ تم جاؤ اور جا کر اعلان کرو کہ ہم پارٹی بناتے ہیں، چنانچہ جمعیت علماء نے دیگر اقلیتوں کو جمع کیا اور ایک اجلاس کیا اور حضرت نے مجھے بھیجا، میں گیا اور میں نے اعلان کیا کہ ہم پارٹی بناتے ہیں، اور وہ پارٹی چل رہی ہے کام کر رہی ہے، اگر حضرت زندہ ہوتے تو رات و دن ایک کر دیتے۔ مولانا کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان سیاسی اقتدار کے بنانے اور بگاڑنے کے مالک ہو جائیں، یہ مولانا کی ذات تھی ایسا آدمی جس کی بیک وقت نظر ہر طرف ہو اور چوکھی لڑائی لڑ رہا ہو، ایسا آدمی ہونا مشکل ہے، کسی پارٹی کے پاس ایسا آدمی نہیں ہے، آج نہیں ہے اللہ کل پیدا کر دے، ان کا نعم البدل پیدا فرمائے، اور ان کو کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے۔ آمین۔

□□□

(مدرسہ شاہی مراد آباد کے تعزیتی جلسہ میں تقریر سے ماخوذ)

جولا کھوں میں یکتا تھے

امیر البند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی سب سے بڑی صاحبزادی محترمہ سیدہ سعدیہ مدنی مدظلہا (جو موجودہ امیر البند حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے جناب مولانا انوار الرحمن صاحب بخنوری سے منسوب ہیں) کا یہ مضمون اپنے اندر اظہارِ غم کے ساتھ ساتھ بڑی نصیحتوں اور عبرتوں کو شامل ہے۔ بچیوں کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت و محبت، ان کی تربیت کا خیال، قدم قدم پر ان کی دل جوئی اور زندگی کے ہر موڑ پر ان کی رہنمائی یہ ایسی صفات ہیں جو آج کے دور میں ڈھونڈنے بھی نہیں مل پائیں گی، اور پھر ایسا شخص جس کی زندگی کا بیشتر حصہ ملکی بلکہ عالمی مسائل میں گھرے ہونے کی حالت میں گذرا ہو اس کا بچیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ یقیناً لائق صد رشک ہے، بالخصوص اس مضمون کے اخیر میں حضرت فدائے ملت کا اپنی صاحبزادی کے نام جو گرامی نامہ شائع ہو رہا ہے وہ تو اس قابل ہے کہ اسے ہر رخصت ہونے والی لڑکی فریم کرا کے اپنے گھر میں رکھے اور بار بار اسے پڑھ کر اپنی زندگی کا میاب بنانے کی کوشش کرتی رہے۔ یہ گرامی نامہ صرف حضرت کی صاحبزادی ہی کے لئے نہیں؛ بلکہ امت کی ہر لڑکی کے لئے نمونہ عمل اور مشعل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر کو نور سے منور فرمائیں اور ہم سب کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے والا بنائے، آمین۔ (مرتب)

وہ حادثہ عظیم ہمارے سروں پر آبی پڑا، جس کے بارے میں اکثر ”ابویا“ ذکر کیا کرتے تھے، اس وقت میں سوچا کرتی تھی کہ اگر خدا نخواستہ ایسا ہو گیا تو میں کیسے برداشت کر پاؤں گی اور کیسے زندہ رہوں گی؟ مگر اللہ کی مشیت کہ میں زندہ ہوں، مگر میرا دل بے قرار ہے، اے کاش! ایسا ممکن ہوتا کہ میں بھی سفر آخرت میں ان کے ہمراہ روانہ ہو جاتی۔

میرے ابو یا بہنوں بھائیوں کے لئے، عزیزوں، رشتہ داروں اور تمام امت مسلمہ کے لئے جب ہمہ وقت ہمدرد، مہربان اور خیر خواہ انسان تھے، تو اپنی بیٹی کے لئے کیا چیز ہوں گے؟ اس کا اندازہ لوگ ضرور لگا سکتے ہیں۔ جب دوسروں کے لئے ان کی محبت، ہمدردی، ایثار و قربانی کا یہ عالم تھا، تو میرے لئے کیا ہو سکتا ہے؟ میں کیا لکھوں اور کیا بیان کروں، میری عقل حیران ہے؟ نہ قلم میں تاب ہے نہ دل میں طاقت ہے، میرے ساتھ انہوں نے کیا کیا احسانات کئے ہیں اور کس طرح مجھ کو چاہا ہے اس کا شمار کرنا اور قلم بند کرنا بالکل ناممکن ہے۔

معلوم نہیں کیا بات تھی مجھ کو ہمیشہ سے امی کے مقابلہ میں ابو یا سے زیادہ محبت تھی، پانچ سال پانچ ماہ پہلے جب امی مرحومہ کا انتقال ہوا تو ایسا لگا جیسے امی کا گھر خالی ہو گیا، اب اس گھر میں دل بستگی کا سامان نہیں ہے، مگر جب

ابو یا سفر سے واپس آئے تو لگا جیسے دل پر مرہم آ گیا اور رفتہ رفتہ وہ غم مند مل ہوتا ہوا محسوس ہوا، اس وقت اللہ سے بس یہی دعا تھی یا اللہ ایک نعمت سے تو ہم محروم ہو گئے، مگر اس دوسری نعمت کو قائم دائم رکھنا، دوسری نعمت سے محروم نہ کرنا، مگر حکم خداوندی میں کسی کا کوئی دخل نہیں، اتنی جلدی اللہ نے دوسری نعمت سے محروم کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میری شادی ابو یا کے بچوں میں پہلی شادی تھی؛ کیوں کہ میں اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑی ہوں، اور پھر غیروں میں ہوئی تھی اس کا ابو یا پر بڑا اثر تھا، مجھ کو اس موقع پر ابو یا نے خط لکھا، اس میں بہت ساری نصیحتیں لکھیں، اس میں ایک جملہ یہ تھا جو آج تک میرے دل پر نقش ہے کہ ”تمہارا خاندانی ورثہ دولت بادشاہت نہیں ہے تعلق مع اللہ ہے اس لئے اگر تم کوئی کام اپنے باپ دادا کی طرز زندگی کے خلاف کرو گی تو خود بھی ذلیل ہو گی اور ان کو بھی رسوا کرو گی“، یہ ابو یا کے الفاظ اور وہ تحریر ہمارے دل کے آر پار ہو گئی اور دل بہت پریشان ہوا، اللہ سے دست بدعا ہوں یا اللہ اس دن کے لئے دنیا میں نہ رکھنا کہ میری وجہ سے میرے عظیم باپ اور دادا کے نام پر کوئی آنچ آئے، چنانچہ ابو یا کی دعا اور ان کی توجہ میرے قدم بقدم ساتھ رہی ورنہ میں کس قابل ہوں، الحمد للہ اتنی زندگی گذر گئی، خدا مزید بخسن و خوبی پوری فرمادیں۔ (آمین) (ابو یا کا یہ خط مضمون کے اخیر میں ملاحظہ کریں)

میری تربیت میں میرے ابو یا کا خاص کردار ہے، جس طرح ایک ماں اپنی لڑکی کی تربیت کرتی ہے اسی طرح میرے ابو یا نے میری تربیت کی۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امور خانہ داری، مہمان نوازی، پردہ، غرض کہ زندگی کا کون سا پہلو ہے جو انہوں نے مجھ کو نہ سکھایا ہو، نماز کی اہمیت بچپن سے دل میں ڈالی، سفر میں جب جب میں ان کے ساتھ ہوتی گاڑی روک کے نماز کا انتظام کیا کرتے، وضو کی ضرورت ہوتی تو خود کھڑے ہو کر پردہ کے ساتھ وضو کراتے اگر پردہ کی کوئی جگہ نہ ہوتی تو اپنے عباد وغیرہ سے پردے کی آڑ کر کے کھڑے ہو جاتے اور وضو کراتے، مگر نماز ہمیشہ وقت پر ادا کروائی، ابو یا کے ساتھ نماز قضاء ہو جائے اس کا کوئی سوال ہی نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ الحمد للہ نماز کی ایسی عادت ہو گئی کہ قضاء کرنا ناممکن ہو گیا، ایسے ہی روزے کی عادت ڈلوائی، بچپن میں ہر سال عید کے دن یہ پوچھا کرتے کتنے روزے رکھے؟ ہر روزے کا ایک روپیہ انعام متعین تھا، اس شوق میں پورے پورے مہینے ہم روزہ رکھا کرتے تھے، کہ تمیں روزے ہوں گے تو تمیں روپے ملیں گے، حالاں کہ ہمارے بچپن میں رمضان شدید گرمیوں کے دنوں میں آیا کرتا تھا مگر سب روزے رکھا کرتے تھے اور عادت بھی ہو گئی، اسی طرح شادی کے بعد 1987ء میں اپنے ساتھ حج کو لے کر گئے، الحمد للہ میں نے دو حج کئے دونوں ابو یا کے ساتھ، اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔ دوسرا حج ابو یا کے آخری حج میں میں ساتھ تھی یہ سعادت بھی اللہ نے مجھ کو نصیب فرمائی۔ سفر میں ایسا خیال رکھتے تھے کہ ایسا خیال رکھتے ہوئے میں نے کسی فرد کو نہیں دیکھا، گھر میں ہر کام مجھ سے کرواتے، مگر سفر میں میرا ہر کام خود کرتے تھے، اگر بچے چھوٹے ساتھ ہوتے تو اس کو اپنی ہی گود میں رکھتے، غرض کہ کن کن خوبیوں کو بیان کروں؟ ایسے اوصاف خمیدہ ہونا کسی کے اندر بہت مشکل ہے۔ مہمانوں کی کیا خاطر ہوتی ہے، کیا ہونی ہے، کیا پکنا ہے، کیسے بات کرنی ہے؟ انتہاء یہ کہ طرح طرح کے کھانے پکانے سکھائے، مجھ کو خود میرے ساتھ باورچی خانہ میں بیٹھ کر مجھ کو پکانا سکھایا، یہی وجہ ہے کہ جتنی دلچسپی مجھ کو کھانا پکانے سے ہے اتنی دلچسپی مجھ کو کسی اور کام سے نہیں ہے، یہ سب میرے ابو یا کے ذہن ہے۔ اللہ رب العالمین ان کو ایسا عظیم الشان اجر عظیم دے جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ (اللہم آمین)

میری شادی کو 23 واں سال ہے اس اثناء میں میں نے اپنے آپ کو کسی کا محتاج اور بے سہارا نہ محسوس کیا، ابویا کی اس قدر تقویت اور ڈھارس تھی کہ میں نے اپنے کوشوہر کا بھی محتاج نہ سمجھا، مگر اب ایسا لگتا ہے کہ میں بالکل بے سہارا ہو گئی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بھی کوئی بیماری کا یا بچوں کی پیدائش کا سلسلہ ہوا، ابویا نے مجھ کو فوراً بلوایا دہلی لے گئے، دکھلانے کا اور علاج کا ہر طرح کا انتظام کروایا، پوری توجہ کے ساتھ اور بہت سے احسانات میرے ساتھ کئے ہیں ان کو قلم بند کرنا مشکل مجال کام ہے، ایک ایک بات ایک ایک واقعہ یاد آتا ہے اور دل روتا ہے، نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں ساری زندگی یاد کروں گی مگر ایسا محسن نہ پاؤں گی۔ بعض اوقات دل ایسا تڑپتا ہے یا خدا میں اپنے ابویا کو کہاں سے ڈھونڈ لاؤں، بس اللہ سے دعاء ہے اللہ رب العالمین نے جیسے دنیا میں مجھ کو ان کے اتنا قریب کیا ان کی اولاد میں مجھے شامل کیا یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے، ایسے ہی میرے اوپر کرم فرما کر آخرت میں بھی ان کے ساتھ رہنا نصیب فرمائے۔ (آمین)

اس دفعہ رمضان میں اعتکاف میں جانے سے پہلے ابویا سے ملنے گئی تو ظہر کے بعد مجھ کو اور چھوٹی بہن ذکیہ ہم دونوں کو روئے دئے، میں نے کہا ابویا دعاء میں یاد رکھئے اس کی کیا ضرورت ہے، کہنے لگے ”بیٹا! اب ہماری کتنے دن کی زندگی ہے، جب تک ہم ہیں، دے دیتے ہیں پھر کون دے گا؟“ میں نے کہا ابویا ایسی باتیں آپ کیوں کرتے ہیں؟ امی تو ہیں نہیں ہم لوگوں کا آنا جانا تو آپ ہی کے دم سے ہے، تو کہنے لگے ”کس کے ماں باپ بیٹھے رہتے ہیں، ہماری والدہ ہم کو اتنے ذرا سے کو چھوڑ کر چلی گئیں، حضرت والد چھوڑ کر چلے گئے، یہ کہہ کر اس قدر روئے کہ ہم لوگ بھی رونے لگے، ہم نے اپنے زندگی میں کبھی ابویا کو اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، بس رمضان سے یہ دیکھ کر میرا دل و دماغ بے حد متاثر تھا، نہ رمضان کا مزہ تھا نہ عید کا مزہ تھا، عید کے دن صبح سویرے میرا معمول تھا ابویا کو فون کرنا عید کی مبارک باد دینا، معمول کے مطابق میں نے فون کیا اور عید کی مبارک باد دی، طبیعت پوچھی، کہنے لگے ٹھیک ہے مگر یہ لوگ آج ہی دہلی جانے کی بات کر رہے ہیں اور میں جانا نہیں چاہتا ہوں۔ غرض کہ عید سے اگلے دن شام کو منو (محمد مدنی) کا فون آیا کہ ابویا گر گئے سر میں چوٹ آئی ہے بے ہوش ہو گئے ہیں دہلی لے جا رہے ہیں، یہ اندوہ ناک حادثہ ہونا تھا اس لئے رمضان سے ہی ساری خوشی اور رونق غائب تھی، زندگی بے کیف ہو چکی تھی خود کا تعلق تھا سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا مگر دنیا اداس اداس سی ہو چکی تھی بعد میں سمجھ میں آیا کہ ماجرا یہ تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نصیحتوں سے بھرپور ایک یادگار خط

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

عزیزہ بیٹی! اللہ تم کو دارین میں بامراد و خوش و خرم رکھے۔ (آمین) بیٹی! یہ دنیا چند روزہ ہے اس لئے اس کی کسی خواہش و خوشی کی خاطر آخرت کی اصلی اور ہمیشہ کی زندگی کو برباد کرنا سخت دھوکہ اور اپنے ساتھ دشمنی ہے۔

تم اب اپنی زندگی کی خود ذمہ دار ہو، ہم بوڑھے ہو گئے اور کسی کے ماں باپ ہمیشہ ساتھ نہیں دیا کرتے، اس لئے اب ہر بات اور کام کے بھلے برے کو سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے، دراصل چاہنے والا نفع نقصان کا جاننے والا اور سب سے بڑا خیر خواہ اللہ ہے، تمہارا خاندانی ورثہ دولت و بادشاہت نہیں؛ بلکہ دین داری اور تعلق باللہ ہے اس لئے کسی وجہ سے اگر دولت جاتی رہی تو ہرگز دنیا کی کوئی عظیم سے عظیم چیز نہ تمہارے لئے قابل فخر ہو سکتی ہے اور نہ کام آسکتی ہے، تم ایسی جگہ اور خاندان میں جا رہی ہو کہ وہاں ہر قریب و بعید تمہارے ہر کام اور ہر حرکت اور ہر چیز کو غور سے دیکھے گا اور اگر تم نے کوئی کام یا بات اپنے دادا کے طریقہ کے خلاف کی تو ان کو رسوا کرو گی اور خود بھی ذلیل ہو گی۔

لباس میں فیشن اور نقل کے بجائے دین داری کا لحاظ اور شرم و حیا کا پاس ضروری ہے، بہت بات بہت لوگوں سے تعلقات مناسب نہیں ہیں، کم سے کم تعلق اور باتیں بہت سی مصیبتوں سے بچاتی ہیں، تعلقات میں اپنے بڑوں کی مرضی کو سامنے رکھو (جس سے اور جتنا وہ پسند کریں وہی مناسب ہے)

ملنے اور آنے والیوں سے خوش اخلاقی خندہ پیشانی اور انکساری سے پیش آنا چاہئے، ہمیشہ اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنا چاہئے اور دوسرے کتنے خراب ہوں اپنے سے بہتر سمجھنا چاہئے، اگر سسرال کے بڑوں کو اپنا بڑا اور اپنا خیر خواہ سمجھو گی تو انشاء اللہ کبھی ذلیل نہ ہو گی۔ شادی سے پہلے ماں باپ کا درجہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد سب سے بڑا ہوتا ہے، مگر شادی کے بعد شوہر کا درجہ ماں باپ سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ مرضی کے خلاف بات پر چلنا بہت بری عادت ہے، اس کو قریب مت آنے دو، خود کام کرو خدمت کرو سب تمہارے محتاج ہوں گے اور دلوں میں عزت ہو گی، آرام طلبی، کاہلی اور خدمت لینے کی خوگر بنو گی، تو لوگوں کی نظروں سے گرجاؤ گی۔

گھر کی ہر چیز پر نگرانی رکھو، کوئی چیز ضائع نہ ہو، کسی چیز سے بے پرواہی نہ برتو، گھر اور گھر کی چیز کو برابر صاف ستھرا اور اپنی جگہ پر ان کو رکھو، جب جس جگہ سے لو، کام ہوتے ہی اپنی جگہ پر رکھنے کا اہتمام رکھو، مصالحوں، چائے، آچار وغیرہ، ڈبوں، بوتلوں وغیرہ سے لو تو کام ہوتے ہی بند کر کے اس کی جگہ پر رکھو، کسی چیز کو کھلا اور بے جگہ مت چھوڑو، کپڑوں اور دوسری چیزوں کی اپنی جگہ ہونی چاہئے؛ تاکہ جس چیز کی ضرورت ہو مل جائے۔ نماز کو ٹھیک وقت پر صحیح اور اطمینان سے دل لگا کر پڑھنے کی عادت ڈالو، ناشکری اور غیبت عورتوں کی بدترین عادت ہے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ فقط والسلام

اسعد غفرلہ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ابو یا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، اور ہم سب بہن بھائیوں کو صبر جمیل

سے نوازیں۔ آمین۔

□□□

جناب مولانا مفتی محمد عفاں صاحب منصور پوری

استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

ہمارے ماموں جان

ہم نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنے خاندان میں جس شخصیت کو سب سے زیادہ باوزن، قابل احترام اور لائق تعظیم جانا، وہ ہمارے ماموں جان علیہ الرحمہ کی ذات اقدس تھی، خاندان میں کوئی بھی نکاح ہو، کسی کی بھی ”بسم اللہ“ ہو یا خوشی اور غم کا کوئی بھی موقع ہو ان کی موجودگی کو لازمی تصور کیا جاتا تھا۔

نانا جان مرحوم جس وقت اس دنیا سے تشریف لے گئے تو ماموں جان اور بڑی خالہ کے علاوہ کسی کی شادی نہیں ہوئی تھی اور بقیہ سب لوگ عمر کے اس مرحلہ میں تھے جس میں مشفق باپ کے سایہ کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ والدہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ اس نازک موقع پر ماموں جان علیہ الرحمہ نے خاندان کی کفالت اور جملہ ضروریات کی تکمیل کا جو عظیم الشان فریضہ انجام دیا اس نے بڑی حد تک والد مرحوم کی عدم موجودگی کے احساس کو کم کر دیا، وہ سب سے بڑے تھے اور سب کے بڑے تھے جیسا چاہتے دیا کر سکتے تھے؛ لیکن دیانت و امانت کی انتہاء تھی کہ نانا جان مرحوم کے وصال کے فوراً بعد قاری اصغر علی صاحب مرحوم کو ایک خطیر رقم دی اور فرمایا کہ ”قاری صاحب! اب اس میں سے گھر کی ضروریات کے لئے خرچ کیا جائے گا اور ابا جان کی جو رقم آپ کے پاس ہے اس کو محفوظ کر لیا جائے؛ کیوں کہ اس سے دیگر اہل خانہ کا حق متعلق ہو چکا ہے۔“ اس کے بعد گھر کی تمام ضروریات کی فراہمی، بچوں کی پڑھائی لکھائی، شادی بیاہ اور مہمانوں کی فراخ دلی کے ساتھ میزبانی ماموں جان علیہ الرحمہ نے اس انداز میں کی کہ دنیا ان کی عظمت کی قائل ہو گئی اور اہل خانہ میں وہ ”شجرہ سایہ دار“ کی حیثیت اختیار کر گئے۔

آج ہمارا خاندان اس عظیم درخت کے ظاہری سایہ عاطفت سے ہمیشہ ہمیش کے لئے محروم ہو گیا ہے، اگرچہ مرحوم کا باطنی سایہ یعنی روحانی توجہات برابر اہل خانہ کے لئے مشعل راہ ہوں گی، خاندان پر ایک یتیمی اس وقت آئی تھی جب نانا جان مرحوم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، اگرچہ اس یتیمی کے احساس کو ماموں جان نے اپنی خدمات کے نتیجے میں کافی مددہم کر دیا تھا، اور ایک دور یتیمی اب آیا ہے جب نوشتہ تقدیر کے مطابق ماموں جان ہم سے جدا ہو گئے، جانے کو تو خاندان کا ایک ہی فرد گیا ہے اور گیا بھی وہاں ہے جہاں ایک نہ ایک دن سب کو جانا ہے؛ لیکن محسوس ایسا ہوتا ہے کہ درود یوار کی رونق ختم ہو گئی، محفلوں، مجلسوں اور اجتماعات کی زینت کا خاتمہ ہو گیا، کھانے پینے کی لذت چلی گئی، شجر و حجر پر اداسی چھا گئی، سفر و حضر کا مزہ کا فور ہو گیا اور سب کچھ ہوتے ہوئے بھی چپہ چپہ ویرانی کی داستان سنانے لگا، غرض یہ کہ دنیا اور دنیا کے کام اپنے نظام کے مطابق چل تو رہے ہیں؛ لیکن دل و دماغ اتنا متاثر ہے کہ صدمہ سے باہر نکلنے کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

ایک مسلمان کے لئے ایسے مواقع میں تقدیر الہی پر رضامندی کے سوا چارہ کار نہیں ہے، سب کو اس دنیا کو چھوڑ کر جانا ہے آج وہ گئے ہیں کل ہماری باری ہے، خوش قسمت و خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو ایمان پر خاتمہ نصیب ہو اور ذکریٰ خدا میں مستغرق ہو کر جان جان آفریں کے سپرد کریں۔

ہمارے ماموں جان علیہ الرحمہ ہمیشہ اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتے رہے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ (۸ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو) شبستاں اردو ڈائجسٹ کے نمائندے نے آپ سے انٹرویو لیا، دوران انٹرویو نمائندے نے مسلم پرسنل لاء، قیام امن، مسلمانوں کے معاشی مسائل اور اسی طرح کے بہت سارے عنوانات پر بات چیت کی اور اخیر میں سوال کیا کہ مولانا! آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟ جواب ملا: ایمان پر خاتمہ۔

باری تعالیٰ نے اس آخری آرزو اور تمنا کو بھی بحسن و خوبی اپنے فضل و کرم سے پورا کر دیا۔ گذشتہ کئی سالوں سے جب بھی کوئی خیریت معلوم کرتا، طبیعت دریافت کرتا، تو بڑی برجستگی سے جواب دیتے کہ: بھئی! اب کیا خیریت پوچھتے ہو؟ عمر طبعی کو پہنچ چکے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے امت محمدیہ کی اوسط عمر جس کو بتایا ہے اسے بھی پار کر چکے ہیں، اب تو خاتمہ بالخیر کی دعا کرو، ہمہ وقت موت کا استحضار رہتا اور اسی کا تذکرہ کرتے، اور گذشتہ رمضان المبارک تو اس طرح گزارا ہے کہ گویا کہ آپ کو محسوس ہو گیا تھا کہ اب آئندہ رمضان میسر نہیں آئے گا۔

چنانچہ رمضان المبارک سے چار پانچ روز قبل سفر حجاز پر تشریف لے گئے ابتداءً مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور پھر جب رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا تو عمرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، اس لئے کہ رمضان المبارک میں عمرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ: ”رمضان المبارک میں عمرہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے میرے ساتھ حج کرنا“۔ (ابوداؤد شریف حدیث: ۱۹۹۰)

واپس ہندوستان تشریف لائے دیوبند آنے سے پہلے دہلی میں ڈاکٹروں کو دکھایا، رپورٹیں صحیح نہ آئیں تو ڈاکٹروں کے اصرار پر تین چار روز بغرض علاج دہلی کے پولو اسپتال میں داخل رہے، لیکن اس دوران بھی ان کا دل مسلسل دیوبند میں لگا رہا۔ ڈاکٹروں سے چھٹی لینی چاہی لیکن وہ کسی صورت آمادہ نہ تھے، تو ان سے فرمایا: ”کیا آپ لوگ اس بات کی گارنٹی اور ضمانت دیتے ہیں کہ مجھے اگلے رمضان مل جائے گا“، ظاہر ہے اس کی تو کوئی ضمانت نہیں دے سکتا تھا، غرض یہ کہ اصرار کر کے چھٹی لی، اور دیوبند تشریف لے آئے اور رمضان المبارک کی بیش قیمت ساعات اور گراں قدر لمحات کو وصول کرنا شروع کر دیا، اس ضعف اور پیرانہ سالی کی حالت میں نہ صرف پنج وقتہ نماز مسجد میں ادا فرماتے؛ بلکہ تراویح اور تہجد کے لئے بھی مسجد تشریف لاتے اور رمضان المبارک کے معمولات کو حسب سابق انجام دیتے، گردے کے مریض تھے جسم میں پانی کی کمی ہو گئی تھی، اطباء روزہ رکھنے سے منع کرتے تھے مگر اس مرد مجاہد اور صاحب عزیمت انسان کو ایک دن کا روزہ چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا۔

رمضان المبارک کا دوسرا جمعہ تھا، مسجد رشید اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود نماز پڑھنے والوں کے لئے تنگ ہو رہی تھی، دور دراز شہروں اور دیہات سے آنے والے مہتممین و مریدین کا ایک جم غفیر تھا جو اپنے مرشد مصلح کی عیادت و مزاج پرسی کے لئے اور ان کی بابرکت مجلس سے مستفید ہونے کے لئے حاضر ہوا تھا۔

نماز کے بعد اعلان ہوا کہ حضرت والا بیان فرمائیں گے، مجمع سکون و اطمینان کے ساتھ حلقہ بنا کر بیٹھ گیا، سنن و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مجمع کے درمیان تشریف لائے، اور حمد و صلاۃ کے بعد بڑے درد بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ: ”آپ لوگوں کو میری صحت کا خیال نہیں، ڈاکٹروں نے تو مجھے روزہ رکھنے سے بھی منع کیا ہے، لیکن آپ لوگ مجھے تقریر کرنے پر مجبور کر رہے ہیں، جب جسم میں طاقت تھی، قوی مضبوط تھے، تو کبھی بھی تقریر کرنے سے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کو لوگوں تک پہنچانے سے میں نے گریز نہیں کیا؛ لیکن آج صورت حال بدلی ہوئی ہے“، مجمع پر بڑا اثر ہوا اعلان کرنے والے بھی نادم و پشیمان ہوئے کہ خواہ مخواہ ہم نے حضرت کو تکلیف میں مبتلا کر دیا۔

حضرت نے فضائل رمضان پر بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ: ”معلوم نہیں یہ مبارک ساعتیں زندگی میں پھر کبھی میسر آئیں گی یا نہیں ان کو غنیمت جانو اور ایک ایک لمحہ کی قدر کرو“۔ دوران تقریر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، بولتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، مجمع میں کوئی فرد ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں میں آنسو نہ ہوں، ہم نے اس سے پہلے بارہا ماموں جان کی تقریریں سنی تھیں لیکن کبھی ان کو روتے ہوئے اور اس طرح بے قابو ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا مشہور فرمان مبارک ہے کہ: ”ہلاک و برباد ہو وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اپنی مغفرت نہ کروائی، ہلاک و برباد ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا نام لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، ہلاک و برباد ہو وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت کا مستحق نہ ہو گیا“۔ (مستدرک حاکم ۱۵۳/۴)

اس حدیث مبارک کے مشمولات پر انتہائی رقت آمیز لہجے میں بڑی مبسوط اور مؤثر تقریر فرمائی، خرابی صحت کے باوجود تقریباً پون گھنٹے تک بیان فرماتے رہے اور اخیر میں پھر اپنی بیماری اور ضعف کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ”اسی مبارک مہینہ کی قیمتی ساعات کو یہاں گزارنے کے لئے میں ڈاکٹروں سے لڑ جھگڑ کر آ گیا ہوں، اگرچہ وہ لوگ کسی صورت میرے یہاں آنے پر رضامند نہیں تھے، لیکن میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب جو کچھ ٹیسٹ یا علاج وغیرہ ہوگا ماہ مبارک رمضان کے بعد ہوگا“، پھر فرمایا کہ: ”بھائیو! رمضان کے بعد پھر انہی ڈاکٹروں کے پاس جانا ہے نہ جانے وہ لوگ کیا کیا کریں گے؟“ یہ کہتے ہوئے اتنی رقت طاری ہوئی کہ آگے تقریر جاری نہ رکھ سکے بات ختم کر دی، چشمہ اتار کر آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے مسجد کے دروازہ کا رخ کیا، کرسی کا بٹن دبایا، حاضرین دونوں جانب صف بستہ کھڑے ہو گئے اور ماموں جان ان کے درمیان سے نکلتے ہوئے گھر تشریف لے آئے۔

آج کی تقریر سن کر لوگوں پر سکتہ طاری تھا؛ اس لئے کہ انہوں نے اپنے شیخ کو کبھی اس طرح مجمع عام میں گریہ وزاری کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، وہ تو ایسے مضبوط اعصاب والے تھے کہ بڑے سے بڑے حادثہ کو چاہے خانگی ہو یا ملتی، باسانی جمیل جاتے اور چہرہ سے لوگوں کو محسوس تک نہ ہونے دیتے، نانا جان علیہ الرحمہ کی وفات

ماموں جان مرحوم کی زندگی کا بہت بڑا سانحہ تھا، لیکن اس موقع پر آپ نے جس صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا وہ ناقابل بیان ہے۔ پھر ۱۵ نومبر ۱۹۶۸ء کو ان کی زندگی میں ایک اور الم ناک حادثہ پیش آتا ہے، ایک سڑک حادثے کے نتیجے میں ساڑھے آٹھ سالہ صاحب زادے محمد میاں اور خسر محترم مولانا سید حمید الدین صاحب علیہ الرحمہ اور گاڑی کا ڈرائیور جاں بحق ہو جاتے ہیں اور بقیہ لوگ شدید زخمی ہوتے ہیں جن میں آپ کی خوش دامن صاحبہ، اہلیہ محترمہ اور دیگر اہل خانہ ہیں، پورے علاقہ میں کہرام مچ جاتا ہے فضا رنج و غم میں ڈوب جاتی ہے مگر دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ اس دردناک موقع پر بھی اگر کوئی شخص شکر و سپاس کا مظہر اور صبر و استقامت کا پیکر بنا ہوا ہے تو وہ ماموں جان ہی کی ذات گرامی ہے، تعزیت کرنے والوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ: ”مسرت اور غم تو قلبی کیفیات ہیں۔“

اس حادثہ کے پیش نظر جمعیت علماء ہند کے مرکزی دفتر نے ماموں جان کی کئی میٹنگوں کے متعلق منسوخی کی اطلاع دے دی تھی مگر جب آپ کو معلوم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ”کیا اس طرح کے حادثات کی وجہ سے ہم جماعت کا کام ترک کر دیں گے“، چنانچہ دوبارہ لوگوں کو اطلاع کرائی گئی کہ میٹنگ وقت پر ہوگی۔ ان کی زندگی میں اس طرح کے واقعات بھرے پڑے ہیں، تو جن لوگوں کے سامنے ماموں جان کی یہ تصویر رہی ہو ان کا اس موقع پر محو حیرت ہونا بجا ہے۔

غرض کہ مسلسل ضعف و کمزوری کے باوجود دن کے روزے راتوں کی عبادت اور رمضان المبارک کے بقیہ معمولات حسب سابق چلتے رہے، اسی دوران ۱۵ رمضان المبارک کو دل کا دورہ پڑا، مقامی ڈاکٹروں کی رائے ہوئی کہ جلد از جلد دہلی لے جایا جائے، چنانچہ رات ہی میں دلی لے جایا گیا اور وہاں اپولو اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے شعبے میں داخل کر دیا گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ اس وقت بھی ماموں جان کو اپنی بیماری سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ رمضان المبارک کے بابرکت لمحات ضائع نہ ہو جائیں، حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب اگلے روز مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ: ”اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ مجھے یہاں لاکر ڈال دیں گے تو ہرگز نہ آتا“، ایک دور روز (ICU) میں رہنے کے بعد پرائیویٹ کمرہ میں تشریف لے آئے اور اس حالت میں بھی روزہ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، اسپتال میں بھی تراویح باجماعت ادا کرتے رہے۔ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا معمول تھا، چنانچہ آخری عشرہ شروع ہونے سے پہلے ڈاکٹروں سے بات چیت کر کے واپس دیوبند تشریف لے آئے اور مسنون اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو گئے، قوی کمزور ہو گئے تھے، صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی لیکن عزم و حوصلہ ایسا جواں تھا کہ کیا جوانوں کا ہوگا؟ بڑی قدردانی کے ساتھ رمضان المبارک کے آخری ایام گزارے، ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے ہزاروں مستز شدین و مریدین کو راہ سلوک کے منازل طے کراتے رہے، رمضان المبارک کے آخری دن مجمع میں تشریف لائے اور اپنی زندگی کی آخری تقریر فرمائی، دور دراز سے آنے والے مہمانان کرام کا شکر یہ ادا کیا اور فرمایا کہ ہم

میزبانی کا حق ادا نہیں کر سکے۔ خطاب اتنا موثر تھا کہ سننے والوں کی ہچکیاں بندھ گئیں، دورانِ تقریر ارشاد فرمایا کہ: ”اب میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہونا جا رہا ہوں“، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ماموں جان کو یہ معلوم ہے کہ یہ ان کی زندگی کی آخری نصیحت اور الوداعی پیغام ہے۔

رمضان المبارک کی بابرکت ساعتیں گزر گئیں، اگلے دن عید الفطر ہے، عید کی نماز دارالعلوم دیوبند کی مسجد قدیم میں اول وقت ادا فرماتے ہیں اس لئے کہ آج ہی دہلی میں ڈاکٹر کو دکھانا ہے، نماز سے فارغ ہو کر دہلی تشریف لے جاتے ہیں اور ڈاکٹروں کو دکھاتے ہیں، ڈاکٹر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں اور کوئی تشویش کی بات نہیں بتاتے، اگلے دن دہلی سے دیوبند کے لئے واپسی ہوتی ہے۔

والدہ محترمہ رمضان المبارک کے دوسرے عشرہ میں عمرہ کی غرض سے حجاز مقدس تشریف لے گئی تھیں وہ عید کے دوسرے روز فون پر ماموں جان سے بات کرتی ہیں، آپ اس وقت دہلی اور دیوبند کے بیچ میں تھے، طبیعت پوچھتی ہیں اور حال احوال دریافت کرتی ہیں، تو اپنی خیریت بتانے سے پہلے بڑے ہی مشفقانہ انداز میں فرماتے ہیں: ”اب تو رمضان ختم ہو گئے، اب وہاں کیا کر رہی ہے؟ جلدی آجا“ پھر اپنی طبیعت کے سلسلے میں بڑے اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے کہتے ہیں، مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں ڈاکٹر روک نہ لیں لیکن انہوں نے مجھے واپس دیوبند آنے کی اجازت دے دی۔

کیا معلوم تھا کہ یہ ماموں جان کی والدہ محترمہ سے آخری بات چیت ہے، اب اس کے بعد شفقت، محبت بھری یہ آواز سننے کو بھی نہ ملے گی اس لئے کہ اس کے چند ہی گھنٹہ کے بعد یہ اطلاع ملتی ہے کہ ماموں جان کرسی سے گر کر بے ہوش ہو گئے ہیں۔

دہلی سے چل کر دوپہر کا کھانا چھوٹی خالہ کے یہاں ”خانجہاں پور“ میں کھایا اور کھانے کے بعد دیر تک آرام فرمایا، پھر بعد نماز ظہر وہاں سے روانہ ہوئے پروگرام یہ تھا کہ ”پور قاضی“ کے قریب باغ میں ہوتے ہوئے دیوبند پہنچیں گے، لیکن درمیان میں اطلاع ملی کہ حضرت مولانا طلحہ صاحب مدظلہ بغرض ملاقات و زیارت دیوبند تشریف لائے ہوئے ہیں، اس لئے سیدھے دیوبند آنے کا پروگرام بنا لیا، مغرب سے کچھ پہلے گھر پہنچے، اور اندر سے وہ کرسی منگائی جو بیٹری سے چلتی تھی کرسی لائی گئی حسب معمول اس پر بیٹھے اور گھر میں داخل ہونے لگے، جس کے لئے ذرا سی اونچائی کو عبور کرنا تھا اور عام طور سے دن میں کئی کئی بار اس راستہ سے آتے جاتے تھے، لیکن نہ جانے کیا ہوا اوپر کو چڑھتے ہوئے کرسی پلٹ گئی اور ماموں جان کے سر کے پچھلے حصہ میں شدید ضرب آئی، خون جاری ہو گیا، لوگوں نے اٹھایا اور اندر کمرہ میں لے گئے، پورا خاندان جمع ہو گیا کسی کے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اچانک یہ کیا ہو گیا، ماموں جان کے ہوش و حواس ابھی باقی تھے اور اس حالت میں بھی اگر انہیں کسی چیز کی فکر تھی تو وہ نماز اور مہمانوں کی تھی، گھر والوں سے پوچھا کہ مولانا طلحہ صاحب کو چائے ناشتہ وغیرہ کرایا یا نہیں؟ جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ناشتہ سے فارغ ہو گئے ہیں تو اطمینان ہوا، پھر مسلسل اصرار کرتے رہے کہ مجھے تبیم کراؤ، عصر کی نماز

پڑھنی ہے، اس لئے کہ وقت تنگ ہوتا جا رہا تھا، لیکن اس حالت میں جب کہ مسلسل سر سے خون نکل رہا ہے کس طرح تیمم کرایا جاسکتا تھا، بہر حال ان کے اصرار پر مٹی منگائی گئی، تیمم کی کوشش کرنے لگے چہرے پر ہاتھ پھیرا دونوں ہاتھوں کا مسح کرنے لگے اسی دوران بے ہوشی کا غلبہ ہوا اور دنیا و مافیہا سے اس حال میں بے خبر ہوئے کہ دل و دماغ میں نماز پڑھنے کے سوا کوئی دوسری چیز نہ تھی، رات ہی میں دہلی لے جایا گیا اور پھر اسی اپولو اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے کمرہ میں داخل کر دیا گیا، اہل خانہ اور متعلقین کی بے چینی و بے قراری ماموں جان کی صحت کے تیس بڑھتی چلی گئی، اعلیٰ سے اعلیٰ علاج و معالجہ اختیار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی، لیکن اللہ نے اب اپنے اس مقبول بندے کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمایا تھا، چنانچہ ۳ مہینہ پانچ دن بے ہوشی کی حالت میں رہنے کے بعد اس شان سے واصل بحق ہوئے کہ زبان مبارک اسی کے ذکر سے سرشار تھی، اس تین مہینہ میں کبھی کبھی ہوش کے آثار محسوس بھی ہوتے، آنکھیں بھی کھولتے آواز دینے پر متوجہ بھی ہوتے اور تسبیح ہاتھوں میں دے دی جاتی تو اس کے دانوں کو بھی پلٹتے، زبان کی حرکت سے بھی محسوس ہوتا کہ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں لیکن وفات سے دس منٹ قبل جس انداز میں زبان سے ذکر اللہ جاری ہوا اور وہاں موجود لوگوں نے سنا وہ اس سے پہلے محسوس نہیں ہوا تھا، اور اسی ذکر میں روح نفس غصری سے پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماموں جان اگرچہ تین مہینہ سے بے ہوش تھے، لیکن پھر بھی ایک ڈھارس تھی اور اللہ کی جانب سے صحت کی امید لگائی جاتی تھی، لیکن وفات کے بعد عیاں طور پر یہ محسوس ہونے لگا کہ سایہ ہمارے سروں سے اٹھ چکا ہے، ہمارا مربی و مصلح اور ہر مشکل موقع پر ہمیں راہ دکھانے والا ہم سے جدا ہو گیا۔

ماموں جان کی وفات کی خبر یوں تو سب پر بجلی بن کر گری لیکن نانی جان مدظلہا کے دل سے پوچھا جائے کہ انہوں نے اس عمر میں کس طرح بیٹے کی جدائی کے غم کو سہا اور برداشت کیا۔

ماموں جان کا وصال ۷ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ مطابق ۶ فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر شام تقریباً پونے چھ بجے ہوا، ۸ بجے کے قریب آپ کا جنازہ بذریعہ ایسوسی ایشن جمعیۃ علماء ہند کے آئی ٹی او میں واقع مرکزی دفتر لایا گیا، یہ وہی دفتر ہے جس کی شان کو دوبالا کرنے والی آپ بی کی ذات تھی، اسی دفتر میں بیٹھ کر آپ نے ملک و ملت کے لئے وہ عظیم فیصلے لئے ہیں کہ جن کو ملت کبھی فراموش نہیں کر سکتی، آج یہ دفتر آپ کی وفات پر ماتم کناں ہے۔

آپ کا جنازہ اس مدنی ہال کے اسٹیج پر رکھ دیا جاتا ہے جہاں بیٹھ کر آپ نے نہ جانے کتنے اجتماعات کی صدارت کی ہوگی، کچھ ہی دیر بعد ملک کے وزیر اعظم جناب منموہن سنگھ کانگریس پارٹی کی صدر محترمہ سونیا گاندھی دسیوں وزراء اور معزز سیاسی و سماجی شخصیات اپنے محبوب کا آخری دیدار اور خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر پہنچ جاتے ہیں، سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لیتا، دیوبند جانے میں تاخیر ہو رہی تھی اس لئے جنازہ کو دوبارہ ایسوسی ایشن میں رکھ دیا گیا اور چلنے کی تیاری ہو گئی۔

تقریباً ساڑھے دس بجے شب میں ایسوسی ایشن کے ساتھ گاڑیوں کا ایک قافلہ دیوبند کے لئے روانہ ہو جاتا

ہے اور پونے تین بجے کے قریب جب جنازہ دیوبند پہنچتا ہے تو ہزاروں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے شیخ کے آخری استقبال کے لئے جی ٹی روڈ پر موجود ہوتا ہے، لوگوں کی نظر جب ایسبولینس پر پڑتی ہے تو وارثی اور عقیدت کے جذبات اپنی تمام حدود کو پار کر جاتے ہیں اور لوگ دیوانہ وار ایسبولینس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں، فرط عقیدت میں مغلوب ایسے لوگ بھی دکھائی دئے جو ایسبولینس کے پیچھے دوڑتے جاتے تھے اور اپنا ہاتھ ایسبولینس سے مس کر کے اسے چوم رہے تھے۔

جنازہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی کے مکان پر لایا گیا جہاں ثانی جان مدظلہا اور گھر کی تمام مستورات جمع تھیں، فوراً غسل دیا گیا اور پھر کچھ دیر تک اہل خانہ کی زیارت کے لئے رکھ دیا گیا، صبح پانچ بجے سے کچھ پہلے جنازہ کو اٹھایا گیا پروگرام یہ تھا کہ دارالحدیث تھانی میں جنازہ کو آخری دیدار کے لئے رکھ دیا جائے گا؛ لیکن گھر سے نکلنے کے بعد اندازہ ہوا کہ مجمع کنٹرول سے باہر ہوتا جا رہا ہے، یہ مشکل تمام ۴۰ منٹ میں جنازہ گھر سے دارالحدیث پہنچا، زیارت کے لئے چہرہ سے چادر ہٹائی گئی تو لوگ دیدار کے لئے اس طرح ٹوٹے کہ اس سلسلہ کو برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔

نماز فجر کے کچھ دیر بعد جنازہ دارالحدیث سے باہر لایا گیا اور باب الظاہر کے سامنے رکھ دیا گیا، مجمع اتنا زیادہ تھا کہ نہ صرف دارالعلوم کا چپہ چپہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا، بلکہ مسجد رشید کے اطراف و جوانب کا حصہ اور اس کے باہری حصہ میں بھی صفیں لگی ہوئی تھیں، ٹھیک اشراق کے وقت یعنی تقریباً ساڑھے سات بجے جگر گوشہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم نے بھرائی ہوئی آواز میں نماز جنازہ پڑھائی، نماز جنازہ کے وقت بے تحاشا مجمع کے باوجود سکون و اطمینان غیر معمولی تھا، اب جنازہ کو قبرستان تک لے جانا بڑا اہم مرحلہ تھا، فضاء میں شدید کہرا چھایا ہوا تھا، لیکن آنے والوں کا سلسلہ جو رات سے شروع ہوا تھا تسلسل کے ساتھ جاری تھا اور مجمع اندازے سے باہر ہو گیا تھا، اور ہر فرد کی یہ خواہش تھی کہ جنازہ کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرے؛ لیکن یہ ناممکن تھا، احاطہ دارالعلوم سے لے کر قبرستان قاسمی تک کوئی دیوار، مکان یا اونچی عمارت حتی کہ درخت ایسا نہیں تھا جس پر لوگوں کا جم غفیر موجود نہ ہو جس کو جہاں جگہ ملی کھڑا ہو گیا، اور حسرت بھری نگاہوں سے جنازہ کی آمد کا منظر دیکھنے لگا۔ ادھر جنازہ کو دیکھتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پانی میں تیر رہا ہے، جو جنازہ کے قریب تک نہر پہنچ پاتا تھا وہ دور ہی سے اس پر اپنی چادر یا رومال پھینک کر کچھ تسکین حاصل کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی ماموں جان کو حیرت انگیز عظمت و مقبولیت سے نوازا تھا، وہ لوگ جو آپ کی ایک آواز اور پیل پر نامناسب حالات اور سخت موسم کی پرواہ کئے بغیر دسیوں لاکھ کی تعداد میں جمع ہو جاتے تھے، آج وہ بغیر کسی اپیل کے اپنے مشفق شیخ و مربی اور محبوب قائد کو آخری سلام اور الوداع کہنے کے لئے نمناک آنکھوں کے ساتھ اطراف و جوانب اور ملک کے کونے کونے سے آئے تھے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ بروقت نماز جنازہ ہو گئی ورنہ اگر تھوڑی بھی تاخیر کر دی جاتی — جیسا کہ آنے والے لوگوں کا برابر اصرار تھا — تو مجمع بے قابو اور کنٹرول سے باہر ہو جاتا، دارالعلوم سے قبرستان قاسمی تک کی مسافت جو مشکل سے پانچ منٹ میں طے ہو جاتی تھی، آج وہ قبرستان آنے کا

نام نہیں لے رہا تھا، اور جب جنازہ قبر کے قریب رکھا گیا ہے تو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا، اب آپ کو آخری آرام گاہ میں اتارنے کی تیاری کی جانے لگی، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی نے فرمایا کہ: ”حفاظ قرآن ہی آپ کو قبر میں اتاریں“، چنانچہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی، حضرت مولانا سید امجد صاحب مدنی، حضرت مولانا محمود صاحب مدنی، مولانا محمد مدنی صاحب، مولانا ازہد مدنی صاحب، مفتی محمد سلمان صاحب اور احقر نے مل کر آپ کو چار پائی سے اٹھایا، پھر مفتی سلمان صاحب قبر میں سرہانے کی جانب اتر گئے اور احقر کو پائی اترنے کی سعادت حاصل ہوئی، دیگر حضرات نے قبر کے بالائی حصہ سے نیچے اتارنے میں تعاون کیا، ہم لوگوں نے کفن کے سرہانے اور پائی کی گرہوں کو ڈھیلا کیا، دائیں جانب ذرا سی کروٹ دلائی، اور اپنے ماموں جان کو اللہ کے حوالے کر کے قبر کے بالائی حصہ میں چلے آئے، تختے برابر کر دیئے گئے اور مٹی ڈالنے کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو شام تک تسلسل کے ساتھ جاری رہا، بلکہ اگلے دن بھی لوگ قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے دیکھے گئے۔

اب ہمارے ماموں جان، حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ اور نانا جان حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے بالکل جوار میں آسودہ خواب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، ان کی خدمات جلیلہ کو قبولیت سے نوازے اور پوری ملت کی جانب سے ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہم لوگوں کو ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔ □□□

القاسم اکیڈمی کی ایک اور عظیم تاریخی پیشکش

معروف سکالر، عظیم داعی، مفسر قرآن، شارح حدیث
حضرت العلامة مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ کے علمی و دینی مکتوبات کا مجموعہ

کشکولِ معرفت (مکمل)

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

علم و عمل، دین و دنیا، مسنون و وظائف، مفید کتابوں کا تعارف، مغربی سیاست کی مضرت، دینی سیاست کی ضرورت، تصوف و سلوک اور شریعت و طریقت کی جامعیت کا دلچسپ مرقع

صفحات : 458 قیمت : -/180 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

”بڑے بابو“

وہ عظیم مشفق بھائی جس نے یتیم بھائی بہنوں پر دستِ شفقت رکھا

۷ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ ہمارے خانوادہ کے لئے وہ سیاہ دن تھا جب ہمیں دوبارہ یتیمی سے دوچار ہونا پڑا، ایک وہ وقت تھا جب ہم نے ۳۹ سال پہلے اپنے ”اباجی“ (حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کی جدائی کا غم سہا تھا۔ اور اب وہ وقت آیا کہ ہمارے مشفق عظیم بھائی، امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ (جنہیں ہم سب ادب سے ”بڑے بابو“ کے لقب سے پکارتے تھے) بھی ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ میرے لئے سعادت کی بات تھی کہ میں وفات سے چند لمحے پہلے اسپتال میں ”بڑے بابو“ کے پاس حاضر تھی، اور میں نے انہیں تیزی سے اللہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھا، اور آخری مرتبہ کھولی جانے والی آنکھوں پر ہاتھ رکھا، یہ منظر زندگی بھر کبھی میرے ذہن سے اوجھل نہ ہوگا۔ ان کی وفات سے ایسا لگا گویا ایک سایہ سر سے ہٹ گیا، اور ایک آغوشِ شفقت سے ہم محروم ہو گئے، بے شک ”بڑے بابو“ اس جگہ چلے گئے ہیں جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آتا مگر ان کی جدائی کی خلش دل میں ایسی پیوست ہو گئی ہے کہ ابھی تک ذہنی سکون میسر نہیں ہے، اور کسی وقت بھی ان کا خیال دل سے نہیں ہٹتا، اللہ تعالیٰ انہیں آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے، اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

”بڑے بابو“ کی شفقتیں اور احسانات اس قدر ہیں کہ میں بیان نہیں کر سکتی، میری عمر ساڑھے نو سال کی تھی جب ”اباجی“ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس وقت نہ تو اتنی نا سمجھ تھی کہ حادثہ کونہ جانتی، اور نہ اتنی سمجھ دار تھی کہ صبر و ضبط سے کام لیتی۔ ہوتا یہ تھا کہ جب ”اباجی“ کی یاد آتی تو چلا چلا کر روتی تھی آپا صاحبہ (والدہ صاحبہ مدظلہا) بہت سمجھاتی تھیں، خود بھی رونے لگتی تھیں، مگر میں سوچتی تھی کہ اب مجھے پیسے کون دے گا؟ اور ”اباجی“ کی طرزِ باز برداری کون کرے گا؟ اس وقت ”بڑے بابو“ سے گفتگو میں بے تکلفی نہ تھی بلکہ ذرا ڈرا ڈرا لگتا تھا، مگر ”اباجی“ کے بعد اچانک محسوس ہوا کہ ”بابو“ بالکل بدل گئے ہیں، اب جو فرمائشیں آپا سے کی جاتیں تو آپا اگر چہ مین کر رہے تھے مگر ”بابو“ انہیں پوری کرتے اور ہر طرح کی ضرورت کا خیال رکھتے۔

چھوٹے بابو (حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ) مجھ سے تقریباً سات سال بڑے ہیں مگر شروع سے ہی ساتھ کھیلنے کی وجہ سے ان سے بہت بے تکلفی رہی، بچپن میں عید بقرعید کے موقع پر جب کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو ان

کا اصرار ہوتا کہ مجھ کو بہت ضرورت ہے لہذا قرض کے طور پر دے دو اور جیسے ہی میرے پاس پیسے ہوں گے فوراً دے دوں گا، چنانچہ قرض دے دیا جاتا وقت گزرتا جاتا، مگر نہ چھوٹے بابو کے پاس پیسے ہوتے نہ قرض ادا ہوتا۔ مجبوراً مقدمہ ”بڑے بابو“ کی خدمت میں پیش ہوتا، تو آپ ”چھوٹے بابو“ کو تنبیہ فرماتے کہ چھوٹی بہن سے قرض لیتا ہے، اور پھر خود ہی قرض ادا فرماتے۔

میں قرآن شریف ناظرہ ختم کر چکی تھی مگر روانی نہیں تھی، بہت اٹک اٹک کر پڑھتی تھی۔ ایک روز بہت خوب صورت قرآن کریم لے کر آئے اور کہا کہ اگر تو ایک مہینہ میں قرآن شریف ختم کر لے تو یہ قرآن تجھے دے دوں گا، چنانچہ میں نے اس قرآن کو حاصل کرنے کے شوق میں خوب محنت کی، جس کی بدولت بفضل خداوندی نہ صرف پڑھنے میں روانی آگئی بلکہ تلاوت کی پابندی بھی نصیب ہوگئی۔ اسی طرح شروع میں نماز کی پابندی نہیں تھی مگر ”بابو“ کا یہ معمول تھا کہ نماز کے بعد جب گھر میں آتے تو پوچھتے کہ ”عمرانہ نماز پڑھی یا نہیں؟“ ان کی اس پوچھ گچھ کا اثر یہ ہوا کہ نماز کی پابندی بچپن ہی سے ہوگئی۔ فالحمد کله للہ۔

میری پندرہ سولہ سال کی عمر ہوگی، طبیعت خراب ہوگئی، اور نزلہ بگڑ گیا، بڑی خالہ کلکتہ میں رہتی تھیں، خالو مرحوم (حضرت مولانا حمید الدین صاحب) کا اصرار تھا کہ عمرانہ کو کلکتہ بھیج دو یہاں سینہ کے بہت ماہر ڈاکٹر ہیں ان کو دکھا دیں گے، لیکن بابو نے صفائی سے منع کر دیا کہ علاج کے لئے کسی کے گھر نہیں بھیجوں گا۔ پھر آپا صاحبہ کے ساتھ خود دہلی لے کر گئے، وہاں ڈاکٹر کو دکھلایا اور حکیم عبدالجلیل مرحوم کے علاج سے فائدہ ہوا۔ مجھ کو سردی بہت لگتی ہے اس لئے میرے لئے گرم رومال اور کپڑوں کا بہت خیال رکھتے تھے اکثر باہر کے سفر سے جب واپس ہوتے تو اہتمام کے ساتھ ایسے کپڑے لے کر آتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ ”جس شخص کی دو یا تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور وہ ان کی بہترین تربیت کر کے ان کا نکاح کرادے تو اس کے لئے جنت طے شدہ ہے“۔ (ابوداؤد شریف ۵۱۳۷) ”بابو“ نے اپنی تین چھوٹی بہنوں اور دو چھوٹے بھائیوں کی ایسی پرورش کی کہ بڑی حد تک تیبی کا احساس نہ ہونے دیا جس پر انشاء اللہ انہیں آخرت میں رحمت و عافیت اور جنت سے نوازا جائے گا۔ ہم بہنوں کی ہر خوشی میں وہ شریک رہتے تھے، اور ہر پریشانی سے پریشان ہو جاتے، میرے بڑے لڑکے ”سلمان“ نے ”دورہ حدیث شریف“ میں پورے دارالعلوم میں ٹاپ کیا، تو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ دعوت کھلاؤ، یہ شاید دعوت کی پہلی فرمائش تھی ورنہ ہمیشہ دعوت خود کھلاتے تھے۔ جب دیوبند آتے اور میرے جانے سے پہلے بچوں میں سے کوئی پہنچتا تو فوراً پوچھتے کہ ”تیری ماں نہیں آئی“ اکثر فون آتا کہ فوراً آ جاؤ، کھانا ہمیں کھا لو، میرے کپڑے ٹھیک کر دو اور پہنچتے ہی صالحہ کو آواز دیتے کہ اپنے باپ کی پھوپھی کے لئے ناشتہ لاؤ، (صالحہ محمود سلمہ کی منجھلی بچی ہے جس نے دادا کی بہت خدمت کی، اللہ تعالیٰ اس کو دین اور دنیا کی نعمتوں سے نوازے۔ آمین)

عمودِ سلمہ نے اپنی بڑی لڑکی کی شادی بہت سادگی سے کی، کسی کو نہیں بلایا شادی سے ایک روز پہلے میں بابو سے ملنے گئی، تو پوچھنے لگے کہ کل کس وقت آؤ گی؟ میں نے کہا کہ ظہر کے بعد رخصتی میں آ جاؤں گی، تو فرمایا کہ تم میری بہن ہو میں بلا رہا ہوں تم مع اہل و عیال کل یہیں رہو گی۔

ایک روز میں ملنے گئی تو بہت پریشان تھے میں نے پوچھا بابو کیا ہوا؟ کہنے لگے خانہ کعبہ کے غلاف کا اسٹر رکھا ہوا تھا اسے تلاش کر رہا ہوں، میں نے اس کو کفن کے لئے رکھا تھا، میں نے کہا غلاف تو کالا ہوتا ہے، فرمایا کہ اس کا اسٹر سفید ہوتا ہے (اسی غلاف میں آپ کو کفن دیا گیا) پھر بہت ناامیدی کی باتیں کرنے لگے، اس سال شروع رمضان میں عمرہ کر کے آئے، میں ملنے گئی طبیعت پوچھی، فرمایا کہ ”اب آخرت کا راستہ اسپتال ہو کر جاتا ہے“ میرا وسط رمضان میں عمرہ کے لئے جانا ہوا کچھ کاغذات کی تکمیل کی وجہ سے دہلی میں رکنا پڑا تو فون پر فرماتے رہے کہ دہلی میں کیوں ٹھہری ہے دیوبند کیوں نہیں آئی؟ عید کے اگلے روز میں نے مدینہ منورہ سے فون پر بات کی اس وقت آپ دہلی سے دیوبند جا رہے تھے، بہت اچھی طرح بات ہوئی اور جلدی واپس آنے کی تاکید کی، اس کے کچھ ہی گھنٹوں کے بعد سر میں چوٹ لگنے کا دل دوز واقعہ پیش آیا جس کے بعد آپ کو مکمل ہوش نہ آ سکا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ”بڑے بابو“ کی پوری زندگی ایک جہاد سے کم نہ تھی، الغرض کن کن باتوں کو یاد کروں اور کیسے اپنی بے قراری کو سکون دوں، بس اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔ □□□

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین عظیم علمی اور فقہی پیش کش

اسلامی آدابِ زندگی

تحریر! محمد منصور الزمان صدیقی پیش لفظ! مولانا عبدالقیوم حقانی

قرآنی تعلیمات، احادیثِ نبوی، عبادات، معاملات، اعمال کے فضائل، بلندیِ اخلاق و خصائل، محبت و اطاعتِ رسول ﷺ، محرمات سے اجتناب، منہیات کی نشان دہی، فرقِ باطلہ کا تعاقب، ردِّ بدعات، دعوتِ سنت و اتحادِ اُمت، خدمتِ انسانیت الغرض زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کے ہدایات سے معمور، مہد سے لحد تک اہم ضروری مسائل و احکام، سلیس اور با محاورہ زبان میں ایک مطالعاتی معلم اور محسن کتاب، اپنے موضوعات کے تنوع، تفہیم و تسہیل، افادیت اور تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک لاجواب کتاب۔

صفحات : 938 قیمت : 320

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی مدنی منزل دیوبند

یتیمی کا داغ، جو مٹ نہ سکے گا

”بابو“ (حضرت فدائے ملت) کا جنازہ ”اباجی“ کے کمرہ میں انہی کے پتنگ پر رکھا ہوا تھا، اور آپامہ ظلہا (والدہ صاحبہ) ان کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں، مجھ کو دیکھ کر روتی ہوئی آئیں اور لپٹ کر کہا: ”آج تم دوبارہ یتیم ہو گئے۔“ بے شک انہوں نے سچ کہا میں نے تو آنکھیں کھول کر ”اباجی“ کی جگہ ”بابو“ ہی کو دیکھا، اور انہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ اسی شفقت کا معاملہ کیا جو ایک مشفق باپ اپنی عزیز ترین اولاد کے ساتھ کرتا ہے۔ اس وقت بچپن کے چند واقعات یاد آ رہے ہیں ان سے قارئین حضرت کی شفقت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

○ میں بہت چھوٹا تھا، چھوٹے بابو مدظلہ اس زمانہ میں گیا (بہار) میں پڑھاتے تھے، قرآن کریم میں نے وہاں جا کر شروع کیا تھا، ایک سفر بابو علیہ الرحمۃ کے ساتھ ہوا، ساتھ میں کھانا تھا، لیکن روٹیاں سادی تھیں پوچھا ارشد! یہ روٹیاں سادی کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو پراٹھے سے تکلیف ہو جاتی ہے، بہت غصہ سے کہا تو خود سوکھی روٹیاں کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے، اسجد کے لئے پراٹھے کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ مجھ کو یاد ہے دیر تک اس کا ذکر کرتے رہے اور بار بار کرتے رہے۔

○ گیا ہی کے قیام کے زمانہ کا واقعہ ہے، میں دیوبند آیا ہوا تھا۔ بابو کا یوپی اور بہار کا پروگرام تھا اس لئے ہم لوگ چار پانچ دن میں پہنچے، ہر جگہ رات کی طے شدہ ٹرینوں کو چھوڑ دیتے تھے اور منتظمین سے کہتے کہ اسجد کی نیند خراب ہوگی اس لئے دن کی ٹرین کا انتظام کرو۔

○ ایک مرتبہ آپامہ ظلہا کسی ضرورت سے ”بابو“ کے ساتھ دلی جا رہی تھیں، جب میں نے برقعہ اوڑھے دیکھا تو رونا شروع کر دیا کہ میں بھی ساتھ جاؤں گا، آپامہ ظلہا نے زور سے ڈانٹا، ”کوئی ضرورت نہیں! میں تو کل آ جاؤں گی“، چلتے وقت بابو نے گھر میں مجھ کو روتے دیکھ کر پوچھا: کیوں رورہا ہے؟ کسی نے کہا کہ آپا کے ساتھ جانا چاہتا ہے، فوراً کہا کہ: اسے بھی ساتھ لے کر چلو، جلدی جلدی تیاری کی، جب تک تیار نہیں ہوا بیٹھے رہے اور ساتھ لے کر گئے۔ اُس زمانہ میں لیڈیز ڈبہ الگ ہوتا تھا، میں آپامہ ظلہا کے ساتھ اس ڈبہ میں تھا، جیسے ہی اسٹیشن پر گاڑی رکتی فوراً آتے اور پوچھتے کسی چیز کی ضرورت ہے؟ پانی لاؤں، کوئی پھل کھائے گا، کیلا لے کر آئے، ایک مرتبہ کوئی اور چیز لے کر آئے، اس طرح دلی پہنچے۔ اُس زمانہ میں پرانی دلی میں ٹرام چلتی تھی جب ہم لوگ ٹیکسی سے پل بنگش پہنچے تو میں نے اس ٹرام کو دیکھ کر شور مچا دیا، دیکھو کیسی بس؟ لوہے کی کیسی بس۔ مجھ کو یاد ہے کہ بابو نے اس پر بہت زور سے قہقہہ لگایا اور تفصیل سے مجھ کو بتلایا کہ یہ بس نہیں اس کو ٹرام کہتے ہیں اور یہ بجلی سے چلتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

○ جب میری شادی ہوئی، بڑے اہتمام سے سستی پور بہار کا سفر کیا، واپسی میں عورتیں اور سامان وغیرہ

بھی تھا، اس وقت سستی پور صرف ایک ٹرین جنتی جتنا ایکسپریس چلتی تھی، جس میں سب سیکنڈ کلاس کے ڈبے ہوتے تھے، لوگوں کی آمد و رفت ہر وقت رہتی تھی آپ نے سب کو سلا دیا اور پوری رات تقریباً بیٹھ کر گزار دی۔

○ جس زمانہ میں میں دفتر جمعیتہ علماء ہند آیا اس کے کچھ روز بعد فرید بھائی مرحوم مدراس کے بچہ کی شادی تھی، فرید بھائی بابو سے بہت تعلق رکھتے تھے، اور بابوان کا بڑا لحاظ کرتے تھے، انہوں نے بابو سے کہا کہ اسجد کو اپنے ساتھ لے کر آئیں، ہم لوگ مدراس ہوئی جہاز سے پہنچے، پھر ان کے وطن ”پلے پٹی“ گئے، شادی سے فراغت کے بعد فرید بھائی مرحوم نے بابو سے عرض کیا کہ اسجد پہلی مرتبہ جنوبی ہند آیا ہے اس لئے یہاں جو تفریحی مقامات ہیں، میں نے آپ کا اور اسجد کا پروگرام چار روز کا بنا دیا ہے، کوڑے کنال، اوٹی، بانڈی پورہ، نیشنل پارک، میسور اور بنگلور۔ بار بار بابو یہ کہتے رہے کہ مجھ کو کس چیز کی سزا دی جا رہی ہے؟ لیکن ہر مقام پر میرے ساتھ گئے وہاں کی تفصیلات اور خصوصیات بتلاتے رہے، گھماتے رہے، چار روز کی تفریح کے بعد ہم لوگ بنگلور سے دلی پہنچے۔

شفقت و محبت کے واقعات اور یادوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، کہاں تک لکھوں، اس وقت اسی پر اکتفا

کرتا ہوں۔

ملی خدمت کی تابناک مثالیں

مجھ کو جمعیتہ علماء ہند کے دور نظامت میں حضرت بابو علیہ الرحمۃ کے ساتھ بہت قریب رہنے کا موقع ملا، میں نے سرد گرم حالات میں بھی آپ کو ثابت قدم پایا، اور ان جیسے حوصلہ اور جرأت کا انسان میں نے نہیں دیکھا، اس سلسلہ کے واقعات تو بہت ہیں لیکن اس وقت چند ایسے واقعات جن کا میں خود شاہد ہوں، پیش کرتا ہوں:

مراد آباد کا فساد: اندرا گاندھی کے زمانے میں مراد آباد میں عید کے دن عید گاہ میں پولیس نے ایک معمولی سے انتشار پر مسلمانوں پر گولی چلائی اور سیکڑوں مسلمان شہید ہو گئے۔ مراد آباد میں بڑے سخت حالات تھے، پولیس اور پی اے سی کے مظالم مسلمانوں پر سارے شہر میں ہو رہے تھے، اور افسران حکام کو یہ اطلاع دے رہے تھے کہ مسلم نوجوان پولیس پر حملہ آور ہوئے تو پولیس نے اپنے دفاع میں گولی چلائی، انداجی کے پاس یہی اطلاع تھی اور ان کا ذہن بھی یہی تھا، ان ہی خطرناک حالات میں بابو مراد آباد آئے، یہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور دلی پہنچ کر اندراجی سے ملے اور پولیس کے مظالم کی تفصیلات بتلائی، اندراجی نے گیانی ذیل سنگھ کو جو اس زمانے میں حکومت ہند کے وزیر داخلہ تھے، مراد آباد حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا، وہ ہوئی جہاز سے روانہ ہوئے، بابوان کے پیچھے کار سے، جب بابو مراد آباد میں کوٹوالی پہنچے ہیں تو حکام گیانی ذیل سنگھ کو شہر کا دورہ کرا کے وہی پرانی رپورٹ دے رہے تھے، بابو اس میٹنگ میں زبردستی کھس گئے اور صحیح صورت حال سے آگاہ کیا اور گیانی ذیل سنگھ سے کہا آئیے! وہ نوجوان جو پولیس پر حملہ آور ہوئے تھے، ان کی لاشیں آپ کو دکھلاؤں اور گیانی جی کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لائے جہاں بھیڑ بکری کی طرح مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک ایک لاش کا چہرہ گیانی جی کو دکھلاتے تھے، کہتے تھے یہ بوڑھا جس کے چہرہ پر سفید ڈاڑھی ہے یہ آپ کی پولیس پر حملہ آور تھا؟ یہ بچہ جو ابھی چلنا

سکھ رہا ہے یہ آپ کی پولیس پر حملہ آور تھا؟ اس طرح وہاں بوڑھے اور بچوں کی جتنی لاشیں پڑی تھیں ایک ایک کے چہرے کو دکھایا۔ گیانی ذیل سنگھ کے سامنے جب یہ صورت حال آئی تو ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور آئی جی پولیس جوان کے بغل میں کھڑا ہوا تھا، غصہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کی وردی پر جو اشارے لگے ہوئے تھے نوج نوج کر پھینک دئے اور کہا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہاری وردی پر یہ اشارے لگیں، اور دلی آکر اس رپورٹ کی تصدیق کی جو بابو نے اندراجی کو دی تھی، اور اس کے نتیجے میں مراد آباد کے حالات بدلے۔

بھاگل پور کو بچالیا : بھاگل پور کے فساد کے موقع پر بابو کا تیسرا دورہ تھا اور اس میں میں بھی ساتھ تھا۔ ہم لوگ شام کے جہاز سے دلی سے پٹنہ پہنچے اور رات میں وہاں سے ٹرین کے ذریعہ بھاگل پور جانا تھا، ابھی ہم اسٹیشن جانے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ بھاگل پور سے تو اتر کے ساتھ اطلاعات آئی شروع ہوئیں کہ چمپانگر، بھاگل پور کو فساد یوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، جہوم بڑھتا جا رہا ہے، مسلمان اپنا دفاع کر رہے ہیں، پولیس تماشائی بنی ہوئی ہے، اگر فوری طور پر حفاظت کا بندوبست نہ کیا گیا تو رات گزرتے گزرتے فسادی غالب آجائیں گے اور ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام ہو جائے گا۔ بابو نے فوراً وزیر اعلیٰ بہار سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، معلوم ہوا کہ وہ پٹنہ سے باہر ہیں اور مظفر پور سرکٹ ہاؤس میں آرام کر رہے ہیں۔ بار بار فون کرنے پر جواب یہی ملتا کہ صاحب سو گئے ہیں، صبح بات ہوگی۔ جب مایوس ہو گئے تو راجیو گاندھی سے رابطہ کی کوشش کی وہ اس وقت وزیر اعظم تھے، رات اچھی خاصی گزر چکی تھی، لیکن لگے رہے۔ راجیو سے بات ہوئی انہوں نے حالات سن کر کہا چیف منسٹر سے بات کیجئے، بابو نے بہت غصہ میں جواب دیا: یہاں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، اور آپ کو قانون سوجھ رہا ہے، آپ کا چیف منسٹر بات کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ مظفر پور سرکٹ ہاؤس میں آرام کر رہا ہے، راجیو نے کہا کہ اچھا آدھے گھنٹے کے بعد پھر مجھ سے رابطہ قائم کریں، آدھے گھنٹے کے بعد دوبارہ رابطہ قائم کیا، راجیو سے بات ہوئی، انہوں نے کہا کہ ڈسٹرکٹ اتھارٹی کو احکامات دے دئے گئے ہیں وہ حفاظت کا بندوبست کرے گی، بابو نے فوراً کہا کہ وہ شام سے فساد یوں کا ساتھ دے رہی ہے، مظلوموں کا نہیں۔ آپ فوج کو حکم دیں کہ وہ حرکت میں آئے اور اپنی ایک ٹکڑی بھیجیں، ورنہ صبح ہوتے ہوتے پورا علاقہ تباہ و برباد ہو جائے گا، راجیو نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں ایک گھنٹے کے بعد بھاگل پور سے اطلاع ملی کہ فوج آگئی ہے، اس نے پوزیشن سنبھال لی ہے، اور فسادی منتشر ہونا شروع ہو گئے ہیں، وہ پوری رات بابو نے دفتر جمعیت علماء بہار کی ایک کرسی پر بیٹھ کر گزار دی، اور الحمد للہ چمپانگر کو تباہی سے بچالیا۔

بجنور کا فساد : مجھ کو یاد ہے کہ بجنور کے فساد کے موقع پر پی اے سی نے بے پناہ مظالم کئے تھے، انہی حالات میں بابو نے بجنور میں داخل ہونے کی کوشش کی، میں اس سفر میں بابو کے ساتھ تھا، بجنور سے پہلے گنگا کے پل پر پولیس نے بابو کو روک دیا، پولیس کے ساتھ بابو کی تکرار ہو رہی تھی کہ ایک سرکاری بس وہاں رکی، بابو نے چپکے سے مجھ سے کہا کہ جلدی سے اس میں بیٹھ جاؤ، مختصر یہ کہ بجنور سے واپسی پر تفصیلی رپورٹ جب میں نے بابو کو پیش کی، تو بابو اس کو لے کر راجیو گاندھی کے پاس گئے، راجیو اس وقت پوزیشن لیڈر تھے، وہاں کے بھیا نک مظالم کی تفصیلات جب بابو نے راجیو کے سامنے رکھیں اور بتلایا کہ بجنور وہ جگہ ہے کہ جس نے ۱۹۴۰ء سے آج تک فرقہ

پرستی کا مقابلہ کیا اور کانگریس کے علاوہ کوئی نمائندہ وہاں سے نہیں جیتا، مجھ کو یاد ہے کہ راجیو یہ ساری تفصیلات سن کر اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور حکومت کے علی الرغم بابو کے ساتھ انہوں نے بجنور کا دورہ کیا اور اس کے نتیجے میں وہاں کے حالات بدلے۔

بے مثال استغناء

بابو نے جمعیت علماء ہند سے کبھی کوئی تنخواہ یا الاؤنس نہیں لیا، حتیٰ کہ اپنے اور اپنے اہل خاندان کے دفتر میں طعام کا خرچ بھی خود ہی ادا فرماتے، اور اپنے ذاتی ضروریات کا بوجھ کبھی جماعت پر نہ ڈالتے تھے۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ ۱۹۷۳ء میں جب بابو پہلی مرتبہ پارلیمنٹ سے ریٹائر ہوئے تو جمعیت علماء ہند کے دفتر میں ایک خصوصی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ”خدا کو گواہ بنا کر آپ لوگوں کو یہ بات بتلا رہا ہوں کہ ان چھ سالوں میں مجھ کو پارلیمنٹ سے جو کچھ بھی ملا میں نے اس میں سے ایک پیسہ بھی اپنے اور اپنے خاندان پر خرچ نہیں کیا“۔

آخری رمضان کے چند مشاہدات

اس سال رمضان المبارک میں پے در پے ایسے واقعات پیش آئے کہ اندازہ ہونے لگا کہ آپ زندگی سے ناامید ہو رہے ہیں۔ رمضان سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے اپنی مصروفیات کو درمیان میں چھوڑ کر عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، ایک روز پہلے واپسی ہوئی، اس سفر میں گردے بہت متاثر ہوئے، ڈاکٹروں کی رائے پر اپولو میں داخل کر دئے گئے، جب میں اسپتال پہنچا تو دونوں ہاتھوں میں گلوکوس کی نڈل لگی ہوئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئے، یہ معلوم ہو چکا تھا کہ روزہ توڑا نہیں ہے، میں نے خوش طبعی کے طور پر عرض کیا یہ آپ کا اچھا روزہ ہے، گلوکوز چڑھ رہا ہے، پیاس اور ضعف کا نام و نشان نہیں اور روزہ اپنی جگہ پر باقی ہے، تو فرمانے لگے اچھا کل سے روزہ نہیں رکھوں گا، میں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر میں نے عرض کیا ابھی گیارہ ہی بجے ہیں، آپ کچھ کھا لیجئے، گردے کی تکلیف ہے اس میں پانی کی بہت ضرورت ہے، روزہ آپ کے لئے مہلک ہو سکتا ہے، فرمانے لگے آج تو روزہ توڑتا نہیں کل کے بارے میں سوچوں گا۔ میں نے ہمت کر کے عرض کیا کہ اتنی جلدی اپنی بات سے آپ پلٹ گئے، تو بہت زور سے قہقہہ لگایا اور فرمایا ”جب تم اپنی بات سے پلٹ رہے ہو تو میں نہ پلٹوں، تم نے کہا کل روزہ نہ رکھنا، ابھی کہہ رہے ہو آج ہی توڑ دو“۔ بچے (حمود سلمہ وغیرہ) مجھ سے کہنے لگے چچا آپ یہیں رہئے، آج کئی روز کے بعد ”ابویا“ نے اتنی باتیں کی ہیں اور قہقہہ لگایا ہے، اس کے بعد دو تین دن میں طبیعت سنبھل گئی اور دیوبند تشریف لے آئے۔

پندرہ رمضان کو مغرب کے بعد اچانک قلب کا دورہ پڑا، رات ہی میں دیوبند سے دلی لاکر اپولو اسپتال میں داخل کر دیا گیا، اگلے روز ظہر کے بعد بمشکل تمام ملاقات کی اجازت ملی، جس وقت میں آئی سی یو میں پہنچا ہوں، مختلف مشینیں چاروں طرف لگی ہوئی تھیں، اور بیڈ پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے، مجھ کو دیکھتے ہی رونے لگے اور بے قابو ہو گئے اور روتے ہوئے فرمایا: ”نہ روزہ ہے، نہ نماز، نہ قرآن، نہ تراویح۔ آخر کیا ہوگا؟“

آج تک بابو کی وہ بے قراری میری نظروں کے سامنے ہے جو مجھ سے بن پڑا اسی وقت عرض کرتا رہا، میں بھی روتا رہا وہ بھی روتے رہے۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد واپس آ گیا، تین چار روز میں طبیعت سنبھل گئی، ۱۹/۱۹ رمضان کو اسپتال سے چھٹی ملی، ہم سب لوگ عشاء سے پہلے دیوبند پہنچ گئے۔ اگلے دن حسب معمول اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ ۲۱/۱۹ رمضان کو ظہر کے بعد معتکف میں میں نے جا کر عرض کیا کہ ضعف بہت بڑھ گیا ہے، گردے متاثر ہیں، قلب کا دورہ پڑ چکا ہے، ان ہی حالات میں تو روزہ کی رخصت ہے، میری بات سن کر ایک عجیب انداز سے فرمایا! ”اب اگلے رمضان کی مجھ کو امید نہیں ہے، اس وجہ سے مجھے روزے سے مت روکو، جب تک چل رہا ہے چلنے دو“، میں خاموشی سے اٹھ کر واپس آ گیا۔

۲۹/۱۹ رمضان کو ظہر سے پہلے حاضر ہوا تو فرمانے لگے، ظہر کے بعد میرا ارادہ ہے کہ اوپر جا کر مہمانوں سے کچھ کہوں، میں نے کہا کہنے میں تو کچھ حرج نہیں ہے، لیکن اختصار کا خیال رکھئے گا، فرمایا: ہاں! مجھ کو اس کا احساس ہے، پھر ظہر کے بعد دس منٹ کی تقریر میں پورے مجمع کو خوب رلایا، اور خود بھی روئے، اور ایک عجیب جملہ فرمایا، جس کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا کہ ”بھائیو! اب میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جا رہا ہوں۔“

عید کے اگلے دن عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا، اطلاع ملی کہ بابو وہیل چیئر سے گر پڑے، دوڑتا ہوا گھر پہنچا تو دیکھا متو (محمد) سلمہ بابو کے کمرے کے سامنے کھڑے ہیں، میں نے پوچھا کیا ہوا؟ متو نے کہا سر میں چوٹ لگی ہے، پیشاب سے فارغ ہو رہے ہیں، اتنے میں بابو نے آواز دی، ہم لوگ اندر پہنچے تو دیکھا سر کے پچھلے حصے سے تیزی سے ایک ایک قطرہ خون گر رہا ہے، متو سے فرمانے لگے جلدی سے تیمم کی مٹی لاؤ، عصر کی نماز پڑھوں گا، میں نے عرض کیا، خون بہہ رہا ہے تیمم نہیں ہوگا، تھوڑی دیر رک جائیے، خون بند ہو جائے، اس کے بعد تیمم کیجئے گا، تو رک گئے۔ پھر فرمایا: مولانا طلحہ صاحب کو چائے پلائی، میں نے عرض کیا جی ہاں پلا دی۔ کرتے کا پچھلا حصہ تر تھا، میں نے عرض کیا ہاتھ اوپر اٹھائیں، آپ کا کرتا اتار دوں، فرمایا کیوں؟ میں نے کہا کہ اتنا خون لگا ہوا ہے کہ آپ کی نماز نہیں ہوگی، اس درمیان میں ایک منگلی ہوئی، ہم لوگ مستقل کوشش کرتے رہے، کہ کسی طرح خون بند ہو جائے، مختلف قسم کی دوائیں زخم پر لگاتے رہے، اسی درمیان فرمانے لگے، مٹی لاؤ تیمم کروں اور عصر کی نماز پڑھ لوں، تو مٹی لے آئے، تیمم کیا، میں زخم پر دوا لگا تا رہا اور خون روکنے کی کوشش کرتا رہا، اسی درمیان میں دوبارہ تیمم کیا۔ چہو۔ نے بابو مدظلہ وہیں کمرے میں غسل خانے میں وضو کر رہے تھے۔ تیسری مرتبہ پھر بابو نے تیمم شروع کر دیا، مجھ کو حیرت ہوئی کہ سہ بار کیوں تیمم کر رہے ہیں؟ میں نے جھک کر بابو کے پیرے کو غور سے دیکھا تو وہ مجھ کو ہر طرف کے جذبات سے عاری نظر آیا، میں نے چھوٹے بابو کو آواز دی کہ جلدی آئیے! دیکھئے انہوں نے مجھ سے زور سے کہا کہ سنبھالو کہیں گرنہ جائیں، میں نے جلدی سے پیچھے سے کولہی بھر لی، میرا خیال ہے دو منٹ گزرتے گزرتے ان پر مکمل بے ہوشی طاری ہو گئی، اور رات ہی میں ان کو دیوبند سے لا کر دلی پولو اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ اور تین ماہ پانچ دن بے ہوشی و نیم بے ہوشی میں گزری، بالآخر ۶ فروری ۲۰۰۶ء کی شام تقریباً پونے چھ بجے پولو اسپتال میں اللہ اللہ کرتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ □□□

مولانا سید اشہد رشیدی

مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

ایک فطری تاثر

یہ بالکل فطری امر ہے کہ انسان کے دل و دماغ اور ذہن کے نہاں خانوں میں اسی شخصیت کا گہرا اور مضبوط نقش ابھرتا ہے جس سے وہ زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں متاثر ہوا ہو، ماں باپ ہوں یا استاذ، شیخ ہو یا قوم کا رہنما ہر ایک اپنی خداداد خوبیوں سے ماتحتوں کو متاثر کرتا ہے اور اگر رہبری و امامت کے فریضہ کو ادا کر نیوالا شخص مخلص نیک نیت اور صاحب بصیرت بھی ہے تو اسکی تئیں دلوں میں عقیدت کے جذبات بھی جنم لینے لگتے ہیں، میں ہوش سنبھالنے کے بعد سے جس ذات گرامی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا وہ حضرت اقدس امیر الہند فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکت تھی۔ ناکہی کے دور میں متاثر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ گھر اور خاندان کے ہر فرد کو حضرت علیہ الرحمہ کا رطب اللسان پایا، والدہ مرحومہ ہوں یا خالائیں، ماموں ہوں یا نانی صاحبہ دام ظلہا ہر ایک کو حضرت علیہ الرحمہ کی خوبیاں اور حسن سلوک کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا، دوران گفتگو ضرور کسی نہ کسی بہانے گھر کے یہ افراد حضرت علیہ الرحمہ سے محبت اور عقیدت کا اظہار کر دیا کرتے تھے جب بھی حضرت علیہ الرحمہ ملنے کی غرض سے گھر میں تشریف لاتے تو تمام اہل خانہ ہر طرح کا کام کاج چھوڑ کر حضرت کے پاس اکٹھا ہو جاتے اور احترام کے ساتھ خاموش کھڑے ہو کر حضرت کی زیارت کرتے اور ارشادات کو بغور سنا کرتے۔ اسی طرح کسی بچہ کی بسم اللہ کرانی ہو یا کسی حافظ کے ختم قرآن کا موقع ہو یا کسی کے نکاح کا مسئلہ درپیش ہو، ہر موقع پر حضرت مرحوم و مغفور ہی سے درخواست کی جاتی تھی، جس کو آپ خوش دلی سے منظور فرما کر مصروفیات میں سے کوئی وقت یا تاریخ فارغ کر کے متعین فرمادیتے، اس طرح زمانہ طفولیت ہی میں آپ کی عقیدت اور احترام کے تابندہ نقوش قلب و جگر میں پیوست ہو گئے، کچھ سمجھ بوجھ آنے کے بعد سب سے زیادہ جس احساس نے متاثر کیا وہ یہ تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ اپنے چھوٹوں پر حد سے زیادہ شفیق ہیں سفر و حضر میں ہوں یا پروگراموں اور جلسوں میں، اگر کوئی خور و نظر پڑ گیا ہے تو کھانے پینے اور آرام کے وقت ضرور اسکو یاد کرتے آوازیں دیتے اور کھانے وغیرہ اور آرام کے سلسلہ میں دریافت کرتے، اس موقع پر مجھے بچپن کے دو واقعہ یاد آ گئے بطور نمونہ کے درج کئے دیتا ہوں۔

واقعہ (۱): میں دیوبند میں حفظ کر رہا تھا، حضرت علیہ الرحمہ دیوبند تشریف لائے اور ایک دور و زقیام کر کے دہلی جانے لگے، میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ دہلی چلوں گا فرمانے لگے بہت اچھا چلو، ہم لوگ رات میں عشاء کے بعد بذریعہ کار دیوبند سے مظفرنگر اسٹیشن پر پہنچ گئے، ٹرین کے آنے میں کچھ دیر لگی رات کے ڈیڑھ دو بج رہے تھے، حضرت ایک کونہ میں اپنا رومال بچھا کر تہجد میں مشغول ہو گئے، کچھ دیر کے بعد حضرت فارغ ہو گئے اور ٹرین بھی آ پہنچی اور ہم اس میں سوار ہو گئے، قبل اس کے کہ میں کچھ سوچتا حضرت علیہ الرحمہ نے بڑھ کر بستر بچھا دیا اور فرمایا کہ ابھی صبح ہونے میں ڈھائی تین گھنٹہ باقی ہیں سو جاؤ اور پھر بڑی پھرتی سے اپنا بستر بھی بچھایا، اور آرام فرمانے

لگے، دہلی اسٹیشن پر اترنے کے بعد اس سے پہلے کہ میں حضرت کی اٹیچی اٹھاتا، آپ نے قلمی کو اشارہ کیا اور اپنا سامان اسکو تھمانے کے بعد میرا سامان بھی اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور چل دئے، یقیناً یہ برتاؤ چھوٹوں کے دلوں میں احترام کے ساتھ ساتھ محبت کو بھی پروان چڑھاتا ہے اپنے چھوٹوں کے دلوں کو موہ لینا حضرت کو خوب آتا تھا۔

واقعہ (۲): کافی دنوں پہلے کی بات ہے حضرت کا دیوبند سے دہلی جاتے ہوئے میرٹھ کے قریب کہیں ایک سٹینٹ ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے کولہا اتر گیا اور ایک ہاتھ میں فریکچر بھی ہو گیا تھا اس وقت میں دارالعلوم دیوبند میں درجہ ششم کا طالب علم تھا، جب یہ خبر دیوبند پہنچی تو تمام اہل خانہ تشویش میں مبتلا ہو گئے اور جو جس حال میں تھا میرٹھ کی طرف دوڑ پڑا، حضرت علیہ الرحمہ کچھ دن میرٹھ میڈیکل کالج میں زیر علاج رہنے کے بعد مزید بہتر علاج کے لئے دہلی روانہ ہو گئے، میں پہلے میرٹھ اور پھر دہلی عیادت کیلئے گیا، میرٹھ میں حضرت کو تکلیف زیادہ تھی اس لئے کوئی گفتگو نہ ہو سکی لیکن جب میں مزاج پرسی کیلئے دہلی ہاسپٹل میں داخل ہوا، تو حضرت اپنے بیڈ پر تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے اور خاندان کے اکثر افراد آس پاس موجود تھے، میں ایک طالب علم جس کی کوئی خاص حیثیت اور اہمیت نہ اس وقت تھی اور نہ آج ہے، لیکن جب کمرہ میں داخل ہو کر میں نے سلام کیا اور ہمت کر کے مزاج دریافت کیا تو خاموشی اختیار کرنے یا ایک دو جملوں میں جواب دینے کے بجائے اپنی تمام تکلیفوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا اور صرف اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ علاج سے کس حد تک فائدہ ہو رہا ہے اس کو بھی بیان کیا۔ خوردنوازی میں شاید ہی کوئی شخص آپ کے مقام کو پہنچ سکے۔ یہ دو واقعات تحریر کر دیے گئے ہیں، اگر حضرت علیہ الرحمہ کے حسن کردار سے متعلق تمام واقعات کو ضبط تحریر میں لایا جانے لگے تو ان گنت صفحات سیاہ ہو جائیں گے لیکن واقعات کا تسلسل ختم نہ ہوگا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد صحیح طور پر حضرت کی خدمات کو سمجھنے کا موقع ملا جن میں سے خاص طور پر دو خوبیوں نے آپ کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز کر دیا اور ان میں کوئی آپ کی ہمسری نہ کر سکا۔

(۱) خدمت خلق :- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر خلق خدا کی خدمت کی فضیلت اور

اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :

مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبٍ
الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبٍ

جو شخص کسی مؤمن کی دنیاوی تکالیف کو دور کرے گا اللہ
رب العزت اس کے بدلہ میں اس کی قیامت کی دن کی
تکالیف کو دور فرمادے گا۔

حضرت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد عالی کی عکس جمیل اور پر تو تھی، فسادات ہوں یا قدرتی آفات، انفرادی مسائل ہوں یا قومی، جانے پہچانے افراد ہوں یا اجنبی، اپنے ہوں یا دشمن، پریشانی میں گھرے ہر ایک کی مدد کرنا، اس کے کام آنا اور حتی الامکان اس کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنا آپ کا روزمرہ کا معمول تھا۔ خصوصاً فسادات میں لٹے پٹے بد حال مسلمانوں کو دلاسا دینا ان کے آنسوؤں کو پوچھنا اور ان کو پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑا کر دینا حضرت علیہ الرحمہ کا ہی حق تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ پھر بطور احسان کے اسکو زبان پر لانا اور جگہ جگہ ذکر کرنا ہرگز گوارا نہ تھا۔ جمشید پور کا فساد ہوا یا کلکتہ کا، راولپنڈی کا فساد ہوا یا میرٹھ کا،

مراد آباد کا ہو یا حجرات کا ہر جگہ اگر مسلمانوں کے رستے ہوئے رخنوں پر کسی نے مرہم رکھا تھا تو وہ آپ ہی کی ذات عالی تھی۔ آپ اور آپ کی جماعت کے علاوہ کسی بھی موقع پر کوئی بھی نام نہاد لیڈر میدان کارزار میں دکھائی نہیں دیا، اسی طرح جب بھی قدرتی آفات خرمینہ انسانیت پر بجلی بن کر گری تو روتی اور سسکتی انسانیت کی تہارداری اور بے لوث خدمت کیلئے حضرت علیہ الرحمہ بلا خوف و خطر میدان میں کود پڑے طوفان ہوں یا سیلاب و زلزلہ کی تباہ کاریاں ہر موقع پر آپ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں ہمارے دعا ہے کہ اللہ رب العزت امت کی طرف سے حضرت علیہ الرحمہ کو اپنی شایان شان اجر عظیم سے نوازے آمین۔

(۲) **حفاظت دین** : اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں خدائی مدد کے پہنچنے کے لئے بطور شرط کے اپنے دین کی نصرت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :

إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ.
اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرتے رہو گے تو اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے پاؤں جمادے گا۔

حضرت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی دین متین کی حفاظت و اشاعت میں صرف ہوئی جب بھی دین کے قلعہ پر کسی نے شیخوں مارنے کی کوشش کی تو سب سے پہلے میدان میں ختم ٹھوکر آپ ہی اس کے مقابلہ میں ڈٹے اور کسی بھی قیمت پر مفاہمت بلکہ مدہانت کیلئے تیار نہ ہوئے۔ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ کو وقت سے پہلے خطرے کا احساس ہو جاتا تھا اور ظاہر میں جس کو نہ دیکھ پاتے تھے آپ اسکو بھانپ لیا کرتے تھے اور پھر اسکی پیش بندیوں میں مشغول ہو جاتے تھے، بار بار ایسا ہوا کہ کسی باطل فرقہ کے تعاقب کا آپ نے فیصلہ فرمایا دیگر اہل علم اسکی ضرورت کو محسوس نہ کر سکے اور بادل ناخواستہ آپ کے ساتھ شریک ہو گئے اور پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت علیہ الرحمہ کا فیصلہ بروقت تھا اور بالکل درست تھا، رد قادیانیت ہو یا رد غیر مقلدیت، شاہ بانو کیس ہو یا طلاق ثلاثہ، یکساں سول کوڈ کی مخالفت ہو یا عبادت گاہ مخالف بل کو رد کرنے کی جدوجہد ہو، ہر محاذ پر آپ نہایت مستعد اور متحرک دکھائی دیتے ہیں آپ نے کبھی شریعت اور مسلک کی حفاظت کے حوالہ سے مصلحتوں کو آڑے نہیں آنے دیا اور ہرگز کسی جاہد حق سے ہٹے ہوئے فرد یا جماعت سے مصالحت نہیں کی اور برابر دین حق کی حفاظت و نصرت میں لگے رہے۔ نتیجتاً اللہ رب العزت نے بھی اپنے وعدہ کو پورا فرمایا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ہر طرح کی مخالفتوں نیز اپنے اور غیروں کی تمام تر بے وفائیوں اور ہوا خیزی کی کوششوں کے باوجود نصرت خداوندی نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا، کامیابیاں آپ کا قدم چومتی رہیں اور عزت و عظمت کی منازل آپ طے کرتے رہے، جتنی مخالفتیں آپ کی ہوئیں اگر کسی اور کی ہوئیں تو شاید وہ بہت پہلے اپنے وجود کو کھو بیٹھتا، مگر اللہ رب العزت اپنے مخلص بندوں کا ساتھ دیتا ہے اور ناکامیوں سے بچاتے ہوئے ان کو دنیا و آخرت کی سرخ رویوں سے مالا مال فرماتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اب ہمارے درمیان میں نہیں ہیں لیکن ان کی زندگی کے روشن پہلو ضرور ہمارے سامنے ہیں، جن کو مشعل راہ بنا کر حضرت علیہ الرحمہ جیسی کامیاب زندگی گذاری جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو آخرت کی بیش بہا نعمتوں سے مالا مال فرمائے ان کے خلا کو پر فرمائے اور امت کو ان کا بہترین بدل نصیب فرمائے۔ آمین۔

□□□



باب : ۲

نقوش و تاثرات

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہ
امیر جمعیتہ علماء اسلام پاکستان

مولانا اسعد مدنیؒ

ایک فکر، عقیدے، نظریے، تحریک، تاریخ اور ایک جدوجہد کا تسلسل

امیر الہند مولانا اسعد مدنیؒ سیمینار (اسلام آباد) سے خطاب

بعد از خطبہ مسنونہ ! گرامی قدر جناب محترم قاضی حسین احمد صاحب، حضرات علماء کرام، اکابر امت، میرے بزرگوں دوستوں اور بھائیو ! جب حضرت شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز اور آپ کے خانوادے کا ذکر آئے تو پھر ہمارے سامنے اپنی وہ ساری تاریخ اور سارا ماضی اور اس حوالے سے تاریخ کی پوری کتاب کھل کر آ جاتی ہے کیونکہ یہ نام صرف ایک فرد کا نہیں، ایک شخص کا نہیں بلکہ یہ ایک فکر، ایک عقیدے، ایک نظریے، ایک تحریک، ایک تاریخ اور ایک جدوجہد کا نام ہے جو آج ہمارے دور میں ہم جیسے لوگوں کے لئے ایک متاع عزیز ہے۔ فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی اسی کا تسلسل ہے۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے اپنی زندگی بھر کی شبانہ روز جدوجہد سے اس مشن کو زندہ رکھا، اس تاریخ کو جلا بخشی اور اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ ایک کارکن کی حیثیت سے اور اس سلسلے کے ایک خادم کی حیثیت سے میں نے اپنے بزرگوار حضرت والد صاحب کو دیکھا اور ظاہر ہے میری زندگی میں جو کچھ ہے میں نے انہی سے حاصل کیا۔ انہیں اپنے اکابر کے ساتھ جو عقیدت تھی والہانہ عقیدت اس کا میں نے مشاہدہ کیا۔

مجھے یاد ہے یہ غالباً ۱۹۷۰ء سے پہلے کا واقعہ ہے، میں ملتان میں سکول میں پڑھتا تھا اور اس زمانے میں مولانا اسعد مدنی صاحب شاید قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ پاکستان آئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے ان کے استقبال کا انتظام کیا، ریلوے اسٹیشن پر استقبال کا وہ اہتمام میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جس عقیدت اور فرط محبت کے ساتھ حضرت مفتی صاحب ان کو خوش آمدید کہنا چاہتے تھے۔ کیا چیز تھی جس نے حضرت مفتی صاحب جیسی شخصیت کو ان کے اس طرح والہانہ استقبال پر آمادہ کیا؟ مفتی صاحب ان کو لینے کے لئے بہاولپور چلے گئے اور وہاں سے ان کو لیا، اور پھر ریلوے اسٹیشن پر استقبال کا وہ منظر بھی میرے سامنے ہے اور جب گاڑی میں بیٹھے تو مفتی

صاحب نے مجھے بھی اسی گاڑی میں ساتھ بٹھالیا۔ حضرت مولانا سید گل بادشاہ جو ہمارے جمعیت علماء صوبہ سرحد کے امیر تھے اور حضرت مدنی کے شاگرد اور فاضل دیوبند تھے، وہ بھی اس گاڑی میں تھے۔ سخت رش اور دھکم پیل کی وجہ سے مولانا اسعد مدنی صاحب کو کافی تکلیف ہوئی تو مفتی صاحب نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد معذرت کرتے ہوئے ان سے کہا کہ آپ ناراض نہ ہوں یہ جو لوگوں کا ہجوم ہے، یہ حضرت مدنی سے عشق و محبت کی وجہ سے ہے۔ مولانا اسعد مدنی صاحب ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ فرماتے ہیں :

”ہاں! مجھے محسوس ہو رہا ہے میں اسی چیز کو دیکھ رہا ہوں، کوئی ایسی بات نہیں۔“

اور پھر قلعہ قاسم باغ پر آپ نے جمعہ کا خطبہ دیا۔ اس سے مجھے اندازہ لگا کہ حضرت مفتی صاحب کو اس خانوادے سے کس قدر عقیدت تھی اور پھر جب دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب تھی۔ ۱۹۸۰ء مارچ میں۔ حضرت مفتی صاحب بہت بڑا قافلہ لے کر وہاں گئے، پوری ایک ٹرین ان کے ساتھ تھی، میں نے مفتی صاحب کو کبھی بھی روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن جب آپ حضرت شیخ الاسلام کے مزار پر جا کر بیٹھے اور جس طرح وہ چیخ چیخ کر روئے..... میں حیران تھا کہ میرے والد صاحب تو کبھی روتے نہیں تھے اور جب حضرت مفتی صاحب جنوبی افریقہ گئے، وہاں کسی نے ان کو حضرت مدنی کی کیٹیشیں دیں جو کہ غالباً بیعت و سلوک اور ذکر کے موضوع پر تقریریں تھیں یہ دو تین کیٹیشیں ساتھ لائے اور اس قدر شوق سے ان کو سنتے تھے اور سننے کے بعد پھر تبصرہ کرتے تھے کہ :

دیکھو سناؤ اس کو عالم کہتے ہیں کہ جس موضوع پر بولتا ہے اس موضوع کو دلائل سے بھر دیتا ہے۔ پھر مجھے کہا کہ ”خبردار! یہ کیسٹ اگر تم نے کسی کو دی تو.....“ میں مسکرایا اور کہا کہ: حضرت اگر کوئی استفادہ کر لے تو کیا حرج ہے؟ فرمایا: اب تو میری خصوصیت ہے کہ صرف میرے پاس حضرت مدنی کی کیسٹ ہے، جب اوروں کے پاس جائیگی تو میری خصوصیت ختم ہو جائے گی“ اور یقین جانئے! حضرت مفتی صاحب کی وفات کے بعد وہ کیٹیشیں گھر میں گم ہو گئیں آج تک نہیں مل سکیں۔ ہم خود حیران ہیں، تعجب میں ہیں کہ یہ کیا قصہ تھا؟

جب دارالعلوم کی صد سالہ تقریب سے ہم واپس آ رہے تھے، مراد آباد اور لکھنؤ ہو کر دیوبند چلے گئے تھے تو جس وقت ہم گاڑی میں بیٹھے اور حضرت مدنی کے گھر کے سامنے سے گاڑی حرکت کر رہی تھی تو مفتی صاحب نے فرمایا : ”ذرا روک لو اور اس دارالحدیث کے قبے کو دیکھ لو، ذرا دارالنفیر کو دیکھ لو، خدا جانے پھر اس کی زیارت نصیب ہوتی ہے یا نہیں۔“

سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اسی سال اکتوبر میں حضرت مفتی صاحب کا انتقال بھی ہو گیا اس خاندان کے ساتھ، اس خانوادے کے ساتھ حضرت مفتی صاحب جیسے شخص کو جو عقیدت تھی، ظاہر ہے وہ سچی نہیں تھی، ان کی حقیقت کا انہوں نے ادراک کر لیا تھا، پھر حضرت مولانا اسعد مدنی نے مفتی صاحب کی وفات پر جو مجھے

شفقت دی، جو محبت دی، جس سرپرستی اور اعتماد سے نوازا، وہ میرے لئے میری زندگی کی متاع عزیز ہے، اس سے بڑھ کر قیمتی اور کوئی چیز میرے لئے نہیں ہو سکتی۔

گذشتہ رمضان شریف میں جب زلزلہ آیا تو ہندوستان سے اطلاع آگئی کہ جمعیت علماء ہند کچھ امدادی سامان بھیج رہی ہے، ایک ہوائی جہاز ان کی طرف سے آیا چاہتا ہے۔ جب ہمیں اطلاع ملی اور یہاں کی جو صورتحال تھی، یہاں کی ضرورت کا ہمیں علم تھا تو میں نے دیوبند فون کیا اور حضرت نے ٹیلیفون اٹھایا اور پھر فرمانے لگے کہ: ”میں سنتا نہیں ہوں آپ ان سے بات کریں، وہ آپ کی بات مجھے کہیں گے۔“ چنانچہ فون گھر میں کسی کے حوالے کیا وہ میری بات سنتے تھے اور پوچھا آپ کو کیا ضرورت ہے؟ اس وقت میں نے کہا کہ: خیموں اور کمبل کی۔ فرمایا: اچھا ہم بھیج دیں گے۔ تو میں نے پوچھا: جہاز سے بھیجیں گے؟ فرمایا جہاز سے نہیں بھیجیں گے معلوم ہوا کہ اس کا کرایہ بہت زیادہ ہے، اتنے پیسوں کا ہم سامان خرید کر کیوں نہ بھیجیں۔ لہذا ٹرکوں سے سامان آئے گا.....“ اور اگلے روز ان کو دل کا دورہ پڑا اور ان کو ہسپتال لے گئے۔ بہر حال وہ سامان بھی آیا، ان کا وفد بھی آیا، لیکن جو حضرت کا خیال تھا کہ میں یا میرے بیٹے آئیں گے، وہ نہیں آسکے رمضان شریف گھر میں گزارا، عید گزر گئی، پھر اطلاع آئی کہ حضرت کی خواہش ہے کہ ایک دفعہ ضرور آئیں، کیونکہ میرا تعلق ہے آپ لوگوں کے ساتھ، لہذا میں متاثرین کے پاس خود براہِ راست جانا چاہتا ہوں..... جبکہ وہ بیماری کی وجہ سے سفر کے قابل نہیں تھے اور پھر آخری عمل..... کہ عصر کی نماز کا وقت ہے، اذان ہو گئی ہے اور جلدی میں ہیں، کسی کو بلا کر یہ کہنا کہ میری وہیل چیئر وضو خانے تک لے جاؤ۔ وہیل چیئر برقی تھی، بٹن دبایا اور خود دوڑ پڑے اور گر گئے۔ سر میں چوٹ آگئی اور جب اٹھایا تو فرمایا: مجھے جلدی سے نماز میں پہنچانا ہے، مجھے جلدی وضو کراؤ، اور جب اہل خانہ نے کہا کہ اب آپ وضو نہیں کر سکتے تو فرمایا جلدی سے تیمم کراؤ، تیمم کا پتھر لایا گیا، تیمم کرتے وقت پتہ چل گیا کہ ان کا ذہن کام چھوڑ بیٹھا ہے اور چند لمحوں میں ان کی ہوش ختم ہو گیا، گاڑی میں ڈالا اور ہسپتال لے گئے اور پھر تین مہینے تک آپریشن وغیرہ سب کچھ ہوا لیکن ان کو ہوش نہ آیا اور تین مہینے بعد اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ تین مہینے تک بیہوش رہے لیکن آخری لمحوں میں وفات سے دس منٹ پہلے اللہ تعالیٰ ہوش عطا کرتے ہیں اور جب ہوش آتا ہے تو اللہ اللہ کا ذکر شروع کر دیتے ہیں اور اسی ذکر میں اللہ کے پاس چلے جاتے ہیں۔ اللہ نے آخری عمل جو آپ کو نصیب کیا ہے، ہوش سے پہلے وضو، نماز کی طرف دوڑ رہے ہیں، تین مہینوں سے مسلسل بے ہوشی اور آخری لمحوں میں اللہ تعالیٰ آپ کو ذکر کے لئے کچھ ہوش عطا کرتے ہیں۔ ساری زندگی جن کا اللہ کے دین کے ساتھ تعلق ہوتا ہے تو ان کی ساری چیزیں اسی کا مظہر ہوتی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پورے خانوادے کی ان تمام خدمات کو جو انہوں نے دین اسلام کے لئے، دینی علوم کے لئے اُمت مسلمہ کے لئے، انسانیت کے لئے انجام دی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے بدلے آپ کو کروٹ کروٹ

رحمتوں سے نوازے اور ان کے لئے ثقل موازین کا سبب بنائے۔

تاریخی حوالے سے اگر ہم دیکھیں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریک کا آغاز ہوتا ہے، پھر شہدائے بالاکوٹ کی تحریک، دارالعلوم دیوبند کا قیام، پھر تحریکِ خلافت، جمعیتہ علماء ہند کا قیام یہ سب اسی زمین کی تاریخ کا تسلسل ہے اور اسی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کس انداز سے ان لوگوں نے سامراج کو سمجھا اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے زمانے میں تو یہاں انگریز نہیں آیا تھا لیکن انہوں نے مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کو سمجھا اور مغربی سرمایہ داریت کے مقابلے میں اسلام کے نظامِ معیشت کو اس انداز سے متعارف کرایا کہ آج بھی جو ماہر معیشت اس حوالے سے قلم اٹھائے تو حضرت شاہ صاحبؒ کے فلسفے اور نظریے کو نظر انداز نہیں کر سکے گا، پھر جب انگریز آیا تو انگریز کے اصل عزائم کا بھی اگر ادراک کیا تو ہمارے انہی اکابر نے کہا، انہوں نے ان کو سمجھا، ان کی حقیقت کو سمجھا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے تحریکِ خلافت کی قیادت کی۔ اسارتِ مالٹا میں آپ کے شاگرد رشید حضرت شیخ الاسلامؒ آپ کے ساتھ نظر آئے اور خدمت کا یہ عالم کہ جب رمضان آتا ہے تو اگلے دن رمضان ہے اور آج یہ احساس ہوا کہ ہم پانچوں (اسیران) میں سے کوئی بھی حافظِ قرآن نہیں تو اس سال ہمارا ختم قرآن بھی نہیں ہو سکے گا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے کہا کہ حضرت! آپ فکر نہ کریں، استاد کی خواہش تھی، معلوم ہو گیا کہ استاد کیا چاہتے ہیں۔ چنانچہ (حضرت شیخ الاسلامؒ ☆) دن کو پارہ یاد کرتے اور رات کو تراویح میں سناتے تھے اور پورے رمضان میں مکمل قرآن کریم سنا دیا، پھر سردی کا موسم آیا، ٹھنڈ تھی، حضرت شیخ الہندؒ نحیف اور کمزور بدن کے تھے، صبح کا وضو ٹھنڈے پانی سے کرنا ایک معذور اور عمر رسیدہ اور کمزور بدن کے آدمی کے لئے نہایت مشکل تھا لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب سب لیٹ جاتے تھے تو حضرت مدنیؒ ٹھنڈے پانے کا بھرا ہوا کوزہ اپنی بغل میں دبالتے تھے اور ساری رات دبائے رکھتے، یہاں تک کہ صبح کے وقت اس کی ٹھنڈک ختم ہو جاتی تھی۔ گرم تو نہ ہوتا تھا لیکن ٹھنڈ میں جوشدت ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی تھی اور اس طرح قید و بند کی حالت میں آپ نے استاد کی خدمت کی۔ آپ گرفتار نہیں تھے لیکن آپ نے اصرار کیا کہ میں اپنے استاد کو اس حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے ان کے ساتھ رہنا ہے۔“

اس طرح ان حضرات نے ان تکالیف کو عبور کیا اور حقِ رفاقت ادا کیا۔ تحریکِ آزادی ہند کی اور پھر اتباعِ سنت کا یہ حال تھا کہ ایک طرف علم کا سمندر، کراچی کے خالقِ دینا ہال میں ترکِ موالات کے موضوع پر محمد علی جوہر، سیف الدین کچلو اور حضرت مدنیؒ کا جو بیان ہوا ہے۔ آپ اس بیان کو پڑھیں محمد علی جوہر نے جو بیان دیا ہے وہ تحریری دیا ہے۔ حضرت نے جو بیان دیا ہے وہ فی البدیہہ دیا ہے۔ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ مجھے یہ تمام دلائل حضرت مدنیؒ نے بتائے اور میں نے ان کو قلم بند کیا اور جس وقت وہ یہ بیان دینے لگے تو اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں

نے حضرت کے قدم چومے۔ جیل کی کوٹھری سے آپ کو لایا گیا تو جب عدالت نے کہا کہ آپ جانتے ہیں، آپ کے اس جرم کی سزا کیا ہوگی؟ تو حضرت بغل سے سفید کپڑا نکالتے ہیں، ہاں! جانتا ہوں، کفن ساتھ لایا ہوں۔“

آج ہم اس خانوادے کو یاد کر رہے ہیں، اس کی تاریخ کو یاد کر رہے ہیں، جمعیت علماء اسلام، اسلام آباد اور اولپنڈی نے اس تقریب کا انعقاد کر کے اپنے ان بزرگوں کو جو گلہائے عقیدت پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے، اس پر وہ انتہائی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

میرے محترم دوستو! آج امت مسلمہ جن حالات سے گزر رہی ہے، محترم قاضی حسین احمد صاحب نے مختصراً گفتگو سہی لیکن اس کا ایک نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا کہ فرنگی سامراج کے بعد آج مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی قیادت امریکی استعمار کر رہا ہے۔ بڑے دور گزرے، سویت یونین بھی گزارا، اور عالمی سطح پر دو قوتوں کا تقابل اور دنیا کی دو گروپوں میں تقسیم کا دور بھی گزارا اور آپ جانتے ہیں کہ جب ہمارے اکابر امریکی سامراج کو بڑا خطرہ قرار دیتے تھے، مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کو ایک بڑا خطرہ قرار دیتے تھے تو ان پر طعن کیا گیا لیکن آج جب سویت یونین نہیں ہے اور مغربی استعمار اپنے اصل چہرے کے ساتھ دنیا کے سامنے آیا ہے تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج اسلام اور امت مسلمہ کا سب سے بڑا دشمن امریکہ اور مغربی استعمار ہے اور یاد رکھیں کہ یہ جب بھی دنیا پر اپنا تسلط جماتے ہیں تو اس کی پہلی سیڑھی معیشت پر قبضہ ہوتا ہے۔ انگریز جب آیا تو ایک تجارتی کمپنی کی حیثیت سے آیا۔ لیکن اس کی تجارتی کمپنی نے پہلے ہندوستان کی معیشت پر قبضہ کیا اور اس کے بعد ہندوستان کے اقتدار پر قبضہ کیا۔

اسی سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے اکابر کی وہ جو دور اندیشی تھی، جس کے ذریعے مستقبل کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ ادارے قائم کئے۔ آج کی صورتحال کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جو تیر ہمارے اکابر کی کمان سے نکلا تھا وہ تیر آج نشانے پر جا لگا ہے۔

لہذا اس بات پر کسی حوصلہ شکنی اور احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ ان مدرسوں نے حضرت شیخ الہند جیسے لوگ پیدا کئے ہیں، ان مدرسوں نے حضرت شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم جیسی شخصیتوں کو پیدا کیا، اسی مدرسے کے حجرے سے مولانا اسعد مدنی نکلے تھے، اسی حجرے سے مولانا مفتی محمود نکلے، یہ سب لوگ یہاں سے نکلے ہیں۔ ہم سب انہی حجروں کے طالب علم ہیں اور ہم دنیائے کفر کو بتانا چاہتے ہیں، عالمی استعمار کو بتانا چاہتے ہیں کہ اپنے عزائم سے واپس آ جاؤ، ورنہ یاد رکھو! جس نے مدرسے کو ختم کرنے کا سوچا ہے، وہ خود ختم ہوا ہے، مدرسہ برقرار رہا ہے اور ان شاء اللہ یہ برقرار رہے گا، اس کا کردار برقرار رہے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب قاضی حسین احمد

سولہ کروڑ مسلمانوں کا سہارا و پشتیبان

امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی "سیمینار (اسلام آباد) سے خطاب

صدر مجلس قائد جمعیت، قائد حزب اختلاف محترم جناب مولانا فضل الرحمن صاحب، محترم علمائے کرام و برادران عزیز! مولانا سید اسعد مدنی اس وقت ہندوستان کے سولہ کروڑ مسلمانوں کے سہارا اور پشتیبان تھے اور ان کے لئے بڑی تسلی کا باعث تھے، ان کی وفات سے سولہ کروڑ مسلمان ہند اپنے ایک بڑے عظیم سہارے سے محروم ہوئے ہیں اور ہم اس صدمے میں جہاں سید محمود احمد مدنی حفظہ اللہ اور ان کے خاندان کے ساتھ شریک ہیں، وہاں ہم مسلمان ہند کے ساتھ بھی شریک ہیں کہ مسلمان ہند اپنے ایک سرپرست سے محروم ہو گئے۔

برادران عزیز! یہاں میرے خاندان کا ذکر کیا گیا ہے۔ میرے والد محترم مولانا قاضی عبدالرب صاحب جمعیت علماء ہند صوبہ سرحد کے صدر تھے، حضرت مدنی سے بیعت تھے اور دہلی کے پڑھے ہوئے تھے اور میرے نانا مرحوم بھی جب دیوبند کی بنیاد رکھی جا رہی تھی، اس زمانے میں فتح پوری مسجد دہلی میں حدیث پڑھاتے تھے۔ مولانا لطف اللہ جو انور شاہ کشمیری کے خصوصی شاگرد تھے، میں ان کا بھانجا بھی ہوں اور ان کا داماد بھی ہوں، وہ اور مولانا محمد یوسف بنوری بچپن کے دوست تھے اور جامعہ بنوری ٹاؤن میں بھی وہ پڑھاتے تھے۔ مولانا بنوری کے ساتھ مل کر انہوں نے جامعہ بنوری ٹاؤن کی بنیاد رکھی۔ میں بچپن سے اور تقریباً اپنے طالب علمی کے زمانے سے اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ منسلک ہو گیا تھا۔ میں اپنے والد مرحوم کے دس بچوں میں سے چھوٹا تھا، پانچ بہنوں اور پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا، ظاہر ہے کہ چھوٹی اولاد کے ساتھ لوگ شفقت کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں اور میرے والد صاحب بھی مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اپنے بالکل ابتدائی زمانے میں جب جمعیت علماء ہند اور جمعیت علماء اسلام پہ الزام تھا کہ یہ ہندوؤں کے ساتھ مل گئے ہیں اور ہندو کانگریس کے ساتھ مل کر انہوں نے پاکستان کی مخالفت کی۔ ظاہر ہے ہم طالب علم تھے، پروپیگنڈے سے متاثر تھے تو میں نے اپنے والد محترم سے پوچھا کہ ابا جان! یہ آپ ہندوؤں کے ساتھ کیسے مل گئے؟ اور ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کرنے کا کیا تک تھا اور کیا جواز تھا.....؟

والد محترم نے بتایا: بیٹے ہم ہندوؤں کے ساتھ نہیں ملے جو تصور تھا اس زمانے میں وہ یہ تھا کہ مقابلہ برطانوی استعمار اور امت مسلمہ کا تھا۔ اس مقابلے میں جو شکست کھائے گا وہ شکست خوردہ ہو جائے گا اور جو اس میں فتیاب ہو گا وہ فتیاب ہو گا۔ برطانیہ نے امت مسلمہ سے اقتدار چھینا تھا، خلافت عثمانیہ کا اس زمانے میں تصور تھا، امت کا تصور زندہ تھا اور مسلمان اپنے آپ کو ایک دوسرے جڑے ہوئے محسوس کرتے تھے۔

حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

انا بفراقک یا شیخ المدنی لمحزونون !

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے جانشین، عرب و عجم کے علماء کے سر تاج، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے رکن، ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن، ریکن عالم اسلام کی ممتاز دینی شخصیت، اسلامیان ہند کے بے تاج بادشاہ، بھارت کی قومی اسمبلی کے رکن، بین الاقوامی سیاسی، عوامی رہنما، جمعیت علمائے ہند کے صدر مرکزی، پیر طریقت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ۶ فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر ۶ بجے شام نئی دہلی کے اپولو ہسپتال میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام، انا بفراقک یا شیخ المدنی لمحزونون !

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ہاں حاصل کی۔ دورہ حدیث شریف دارالعلوم دیوبند سے کیا۔ آپ کے والد گرامی جمعیت علمائے ہند کے امیر، تحریک آزادی وطن کے ممتاز رہنما، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور ہندو پاک کے بہت بڑے شیخ طریقت تھے۔ آپ کے ہندو پاک، بنگلہ دیش، بیسویں خلفاء تھے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء شاگردوں اور سیاسی رفقاء نے متفقہ طور پر حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو آپ کا جانشین مقرر کیا۔ تقسیم ملک کے بعد بھارت میں رہ جانے والے کروڑوں مسلمان، لاکھوں علماء، ہزاروں مساجد و مدارس کا سہارا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تھے۔ ان کے وصال کے بعد ان سب کی نظریں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی طرف اٹھیں۔ یہ بہت بڑا امتحان اور چیلنج تھا جسے حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے قبول کیا۔ نبھایا اور خوب نبھایا۔ جمعیت علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے وہ عظیم اور گراں قدر خدمات سرانجام دیں کہ بھارت کے تمام علماء نے آپ کو امیر الہند قرار دیا۔ آپ کے وصال کے وقت پچاس ہزار دینی مدارس، ادارے و انجمنیں پرائیویٹ سکول و کالج و مساجد آپ کی سرپرستی میں دینی و دنیاوی علوم کی ترویج، اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

بھارت کے سکولوں و کالجوں میں جب سرکاری طور پر ہندی زبان میں تعلیم جاری ہوئی تو اسلامیان ہند کی تمام علاقائی زبانوں اور اردو کی تعلیم کو پرائیویٹ طور پر اسلامیان ہند کے مذہبی و علاقائی تشخص کو برقرار رکھنے کا

آپ نے نظم قائم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامیان ہند کا ہر نوجوان اپنی علاقائی زبان اور اردو کا اسی طرح کا ماہر ہے جس طرح ہندی زبان کا۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی کا یہ کارنامہ اسلام اور اسلامیان ہند کی بقاء کا بہت بڑا ذریعہ قرار پایا۔ اس کے باعث آج بھارت کے مسلمانوں کی اکثریت دینی جذبہ عقیدہ و مذہبی پختگی میں کسی بھی ملک کے مسلمان سے کم نہیں۔

”ساہوکار“ سودی کاروبار سے مسلمانوں کو ایک بار قرضہ دے کر ہمیشہ کے لئے سودی چکر میں ایسا پھنسا دیتے کہ نسلوں کا نکلنا دشوار بلکہ بسا اوقات ناممکن ہو جاتا۔ قرتی جائیداد تک معاملہ پہنچ جاتا۔ غریب مسلمان در بدر کی ٹھوکریں کھاتا۔ یہ صورت حال جمعیت علمائے ہند کے لئے بہت پریشان کن تھی۔ آپ نے ملک بھر کے علماء، مسلمان تاجر، سیاسی و مذہبی مسلم شخصیات کو جمع کر کے مشاورت کی۔ طے پایا کہ جن متمول مسلمانوں کے پاس فالتو جتنی رقم ہے وہ بجائے بینکوں کے جمعیت علمائے ہند کے قائم کردہ اسلامی بینک میں جمع کرائیں۔ متمول مسلمان سود لینے سے بچ جائے گا۔ امانت کھاتہ سے غریب مسلمانوں کو کاروبار کے لئے جائیداد یا زیورات رہن رکھوا کر بغیر سود کے قرضہ ملے گا۔ جو قسطوں میں ادا کرنا ہوگا۔ بھارت کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک، شہروں، قصبوں، دیہاتوں، قریہ قریہ، طوفانی دورے کر کے حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے جگہ جگہ اس نظام کو چلانے کے لئے کمیٹیاں قائم کیں۔ جو علماء، آئمہ، تاجر اور مذہبی لوگوں پر مشتمل ہوتیں۔ اس اسلامی بینک کاری کے ذریعہ بلا سودی قرضہ کی سکیم ایسے کامیاب ہوئی کہ اربوں روپیہ اس میں جمع ہو کر کروڑوں مسلمانوں کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا ذریعہ بنا۔ نظام اتنا صاف ستھرا اور حساب اتنا عمدہ کہ اس کی امانت رقم سے ایک پائی ضائع نہ ہوئی، نہ کسی مقروض نے ایک قسط شاٹ کی۔ جس آدمی کو جس وقت اپنی امانت کی واپسی کا تقاضا ہوا بغیر کسی رکاوٹ کے وہ مل گئی لوگوں کا ایسا اعتماد قائم ہوا کہ پورا ملک عیش عیش کراٹھا۔ اس پورے نظام کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں شب و روز محنت جانفشانی کے لئے اپنے آرام کو تھج کر ناپڑا وہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے کیا لیکن اسلامیان وطن کو سود کی لعنت اور ساہوکاروں کے چنگل سے نکال کر کامیابی کے ساحل پر اتارا۔

آپ تین بار بھارت کی قومی اسمبلی کی رکن بنے۔ بھارت کے مسلمانوں کے لئے مسلم پرسنل لاء منظور کرایا۔ جگہ جگہ ”مسلم پرسنل لاء بورڈ“ قائم کئے۔ یوں اسلامیان ہند کے مذہبی پرسنل حقوق کا تحفظ کا اہتمام کیا کہ اس پر آپ کو جتنا خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ آپ کی بالغ زلمری کا اندازہ کیجئے کہ تمام بورڈوں میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کو نمائندگی دینے کی پالیسی اپنائی۔ تاکہ کہیں، ہمیں مسلمانوں کے فقہی اختلاف سے کوئی رخنہ نہ پڑ سکے۔ اس طرح عیدین، رمضان شریف کے لئے ہلال کمیٹیاں قائم کیں۔ غرض ایک سیکولر ملک میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے جہاں جس اقدام کی ضرورت تھی، اسے احسن انداز میں پورا کر کے اسلامیان وطن کو احساس

محرومی سے نجات دلا کر ایک آبرو مند سوسائٹی کی طرح قومی دھارے میں اکٹھا کیا۔ آپ کا ایک ایک کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس پر مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

بلاشبہ ہندوستان کی دیگر اقوام کی طرح مسلم قوم بھی آزادی وطن کی تحریک میں پیش پیش تھی۔ ہمارے ہاں آزادی وطن کے رہنماؤں کو سیاسی یا انتظامی اختلاف رائے کے باعث ملک بننے کے بعد مطعون کیا گیا۔ ان پر طعن و تشنیع کے تیر باسائے گئے۔ قدر کیا کرنی تھی انہیں نشانہ بنایا گیا۔ لیکن بھارت میں رہ جانے والے آزادی وطن کے ہیرو مسلم رہنماؤں نے ہند کی مسلمان قوم کو باعزت و باوقار مقام دلانے کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ آزادی وطن کی قربانی و ایثار کے ثمرات کو باآ اور بنانے کے لئے جہاں اور مسلمان رہنماؤں نے بھرپور محنت کی، وہاں حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی خدمات بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی کو اللہ رب العزت نے درد مند دل نصیب کیا تھا جہاں مسلمانوں کی جس پریشانی کو دیکھتے اسے حل کرانے کے لئے سینہ سپر ہو جاتے۔ ہمارے ملک میں شیعہ سنی یا دیگر لسانی و عمرانی پیچیدگیاں نئے نئے فسادات کو جنم دیتی ہیں، مسلم اقلیت والے ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کے مسائل اور زیادہ پیچیدہ ہیں کون نہیں جانتا ہے کہ ہند میں بھی ہندو مسلم فسادات ہوتے ہیں ہوشربا ہو جاتے ہیں، وہاں کی اکثریت کے بعض جنونی رہنما مسلمانوں کا نشانہ بناتے ہیں لیکن مسلمانوں کو ان فسادات سے بچانا یا فسادات کا شکار ہو جانے والے مسلمانوں کو سہارا دینا، ان علاقوں کا دورہ کر کے مسلمان قوم کو حوصلہ دینا آپ پر ختم تھا۔ ان فسادات کی بھٹی میں کود کر مسلمان قوم کو گرداب سے نکالنا اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ انہیں عظیم خدمات کے باعث قوم کی آنکھوں کا آپ تارا تھے۔

مسلمان اکثریت تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہوئی۔ ہزاروں مساجد و مدارس مسلمانوں کے اس علاقہ میں نہ ہونے سے ویران ہوئے۔ بلاشبہ آج بھی بہت سی مساجد زبوں حال اور نوچہ کناں ہیں۔ مسلمانوں کو شہمی بنانے کے لئے تحریکوں پر تحریکیں اٹھائی گئیں لیکن قریہ قریہ پھر کر مسلمانوں کو ارتداد سے بچانا بہت ساری مساجد کی حیثیت کو بحال کرنا، انہیں آباد کرنا اور اس کام کو تحریکی انداز میں آگے بڑھانا جمعیت علمائے ہند کا کارنامہ ہے اور اس ساری جدوجہد میں نمایاں مقام حضرت مولانا سید اسعد مدنی کو حاصل تھا۔

قادیانی تحریک کو انگریز نے ہندوستان میں جنم دیا۔ بلاشبہ مسلمان قوم کے لئے قادیانی فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ قادیانیوں کا قادیان بھارتی پنجاب ضلع گورداسپور میں واقع ہے۔ قادیانی قیادت نے پاکستان میں اپنا مرکز بنایا۔ چناب نگر (سابقہ ربوہ) کی پاکستان میں وہی حیثیت ہے جو عرب مسلمانوں کے لئے اسرائیل کی۔ آج بھی اسرائیل و مرزا نیل تعلقات مسلم دشمنی کے یک نکاتی ایجنڈا پر قائم و دائم ہیں۔ تقسیم سے قبل ہندوستان کے علماء و مشائخ اور تمام مکاتب فکر کی دینی قیادت نے انگریز کے عہد اقتدار میں انگریز اور اس کی معنوی اولاد قادیانیوں کے

خلاف بند رہا۔ قادیانی ارتدادی ٹولہ کے پاکستان میں مرکز قائم ہونے کے باعث ہندوستان میں قادیانی فتنہ کا وہ زور نہ رہا۔

بین الاقوامی حالات اور استعماری طاقتوں کے بل بوتے، ماضی قریب کی پچھلی دو دہائیوں میں استعماری فرنگی ٹولہ قادیانیوں نے بھارت میں پر پرزے نکالے تو حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اس محاذ پر بھی اکابر کی روایات کے امین بن کر میدانِ عمل میں آئے۔ بھارت میں دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کی۔ دارالعلوم میں مرکزی دفتر قائم کر دیا۔ اس کی باضابطہ تشکیل ہوئی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمن مہتمم دارالعلوم دیوبند، کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مقرر ہوئے۔ دارالعلوم کے استاذ الحدیث و ناظم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ قرار پائے۔ ہندوستان بھر میں جہاں جہاں قادیانی فتنہ نے سر اٹھایا، وہاں کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں قائم کیں۔ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کے لئے تخصص فی الختم نبوت کا شعبہ قائم کیا۔ رد قادیانیت کے جگہ جگہ پندرہ روزہ دس روزہ پیمپ لگا کر کورس رکھے۔ دیوبند اور دہلی میں مختلف سالوں میں عالمی سطح پر ختم نبوت کانفرنس کرائیں۔ رد قادیانیت پر مشتمل نئی و پرانی کتب کو چھاپ کر پورے ہندوستان میں قادیانی فتنہ کو ایسی نکیل ڈالی کہ قادیانیت کے مست ہاتھی کا دماغ ٹھکانے آ گیا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان سے شائع ہونے والی کئی کتابیں بھارت میں شائع ہوئیں۔ آج گو حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ موجود نہیں لیکن ان کا قائم کردہ نظم ہندوستان کے مسلمانوں کے ایمان کو بچانے کے لئے مضبوط فیصل کا کام دے رہا ہے۔

ہندوستان کا مسلمان بالخصوص گجرات کے مسلمان باہر کے ملکوں افریقہ، امریکہ، مغربی ممالک میں جا کر آباد ہوئے۔ ڈرتھا کہ یہ مسلمان وہاں جا کر اپنے مسلم تشخص سے محروم نہ ہو جائیں۔ حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ تبلیغی جماعت والے اور حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے ان ممالک پر نظر رکھی۔ سالانہ دورے کئے، ایک ایک دن میں بیسیوں شہروں کے ہزاروں مسلمانوں کے ایمان و اسلام کے تشخص کو بچایا۔ ان کی رہنمائی کی۔ صرف برطانیہ کی مثال لیجئے کہ آج برطانیہ میں گجرات کے مسلمانوں کی ہر مسجد میں مکتب ہے۔ اپنے سکول و کالج ہیں۔ اپنے مدارس ہیں، اپنا نصاب ہے۔ گورنمنٹ کے نصاب کے ساتھ ساتھ حفظ و ناظرہ انگریزی، اردو، گجراتی زبانوں میں دینی تعلیم کا نظام ہے۔ ہزاروں حافظ و حافظات سینکڑوں علماء و عالمات ہیں۔ برطانیہ میں پاکستانی کمیونٹی سے کہیں زیادہ ہندوستانی کمیونٹی کے اس دینی نظام تعلیم کو دیکھ کر حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ایسی دینی قیادت کی بیدار مغزی کو سلام کئے بغیر چارہ نہیں۔ برطانیہ میں جمعیت علمائے برطانیہ ایک متحرک دینی طاقت ہے۔ ہر چند کہ اس میں پاکستانی علماء کی اکثریت ہے۔ ان کا کام بھی خاصہ مسحور کن ہے۔ وہاں بھارت و پاکستان سے تعلق رکھنے والی کمیونٹی دینی مسائل

اس ایک دل و جان ہے۔ لیکن اس امر کا اعتراف حقیقت کا اعتراف ہوگا کہ دینی مدارس و مساجد اور مکاتب کی لٹریٹ گجرات کے مسلمانوں کی ہے۔ اس میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی خدمات کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ہریکہ، افریقہ، ہر جگہ کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ سال میں ایک بار یا دو سے چار ماہ تک حضرت مولانا سید اسعد مدنی ان براعظموں کا دورہ رکھتے اور ایک طوفان کی طرح دن رات ایک کر کے پورے ملک کے کونہ کونہ میں پہنچتے۔ اب دن میں کئی باضابطہ مرتب شدہ نقشے اور نظام کے تحت دورہ کرتے۔ آپ کے ان تبلیغی دوروں سے وہاں دین کی آرا کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ بیعت، ذکر، مراقبہ، بیان، مجلس، دعوت، ملاقات، ان مصروفیتوں کو دیکھ کر اندازہ کیا جانا مشکل ہوگا کہ حضرت مولانا مرحوم ایک مرد آہن تھے، اگر کسی کے ہاں آدھ گھنٹہ وقت عنایت کیا تو اکتیس منٹ ہونے سے پہلے کھڑے ہو جاتے۔ چاہے میزبان جتنا چلائے، مگر آپ پروانہ کرتے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ تھوڑے وقت کا بہت سارے لوگوں کو فیضیاب کر دینے میں آسانی ہو جاتی۔

قادیانی لاٹ پادری مرزا طاہر آنجمانی نے ۱۹۸۴ء میں مجرمانہ فرار اختیار کر کے برطانیہ کو آماجگاہ بنایا۔ یانی گروہ کی مرکزیت چناب نگر سے برطانیہ تبدیل ہو گئی۔ تب ۱۹۸۵ء میں برطانیہ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس داغ بیل ڈالی گئی۔ پہلی کانفرنس سے لے کر گزشتہ سے پیوستہ سال کی کانفرنس تک برابر ہر کانفرنس میں آپ نے فٹ شریک رہے بلکہ کانفرنس کے منتظمین کو اپنی دعاؤں اور سرپرستی سے سرفراز فرمایا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزی یہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم، نائب امیر زبیر حضرت قبلہ سید نفیس الحسنی شاہ صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید اسعد مدنی کا باہمی احترام کا رشتہ سوشل تھا۔ خانقاہ سراجیہ کنڈیاں، خانقاہ سید احمد شہید لاہور میں پاکستان تشریف آوری کے موقع پر ضرور تشریف آئے۔ ناممکن تھا کہ پاکستان تشریف لائیں اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان تشریف نہ لائیں۔ بنگلہ کی سالانہ آل پاکستان ختم نبوت کانفرنس پر تشریف لاتے۔ ایک بار جمعہ کی امامت بھی فرمائی۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر کے لئے ایک بار عصر سے رات گئے تک نائم عنایت فرمایا۔ رب کے بعد جلسہ سے خطاب کیا۔ ملتان، بہاولپور، ڈیرہ غازی خان سے علماء، مندوبین اس کانفرنس میں آپ کا ناسننے کے لئے تشریف لائے۔ سیرت النبی ﷺ پر خطاب فرمایا۔ آپ ﷺ کے بچپن سے وصال تک کے اہم منتخب واقعات کو اس ترتیب و تسلسل سے بیان فرمایا کہ سماں بندھا گیا۔ اس موقع پر عجیب بات دیکھنے میں آئی۔ دوران بیان بجلی چلی گئی۔ جس طرح بیان ہو رہا تھا ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد بجلی آ گئی۔ تب بھی آنے کا تذکرہ نہیں کیا، کروٹ نہیں بدلی، اشارہ نہیں کیا۔ غرض بجلی کے آنے کا ان پر مچھر کے برابر اثر نہیں ہوا۔ پاکستانی خطیب تھے تو آسمان سر پر اٹھا لیتا، کہرام قائم کر دیتا۔ منتظمین کو کوستا، مگر آپ اتنے پاور فل تھے کہ بجلی کا آنا جانا ذرہ برابر ان

کی طبیعت پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ ہزاروں کا اجتماع، لوگ مصافحہ کے لئے مصر ہوئے۔ معذرت کر کے وقت بچالیا۔ بیسیوں شیوخ حدیث و علماء آپ سے بیعت ہونا چاہتے تھے۔ جلسہ کے بعد کھانا بھی تھا۔ بیعت کے لئے درخواست کی۔ فرمایا کہ پاکستان کے مشائخ سے بیعت ہوں۔ وقت نہیں، عرض کیا گیا کہ حضرت نسبت قائم ہو جائے گی۔ چونکہ اس دن کا آخری پروگرام تھا اور کہیں نہ جانا تھا۔ صرف آرام کرنا تھا۔ مان گئے، جس مہمان خانہ میں آپ قیام پذیر تھے، وہاں کھانے کے لئے مہمان علماء جمع تھے۔ بیعت کرنے والوں کے لئے قطعاً گنجائش نہ تھی۔ ہم ابھی سوچ رہے تھے کہ کہاں بٹھائیں، دفتر کے کمرہ میں بلا تکلف فرش پر بیٹھ گئے۔ بیعت کے خواہش مند علماء و مشائخ سے کمرہ بھر گیا۔ دروازہ بند کر دیا اور بیعت کے فوائد، ضرورت اور اہمیت پر گفتگو شروع ہو گئی۔ ہم نے اس فرصت سے فائدہ اٹھایا۔ دسترخوان لگایا، مہمانوں کی ترتیب قائم کی۔ برتن رکھے، کھانا رکھنا چاہتے تھے کہ آپ کے مسٹر شد حضرت مولانا مظہر شاہ اسعدی نے فرمایا کہ ابھی کھانا نہ رکھیں، بیعت پر پون گھنٹہ لگے گا۔ ہم پاکستان کی خانقاہوں کی بیعت کے طریقہ سے آشنا تھے کہ دس پندرہ منٹ میں یہ عمل مکمل ہوتا ہے۔ پون گھنٹہ کیسے؟ تب منکشف ہوا کہ ایک آدمی ہویا ہزار حضرت مولانا سید اسعد مدنی ”کم از کم پون گھنٹہ بیعت پر لگاتے ہیں۔ پہلے بیعت کے آداب، معمولات، وظائف و تلقین پر گفتگو کر کے پھر بیعت کرتے ہیں اور اس پر اتنا قائم لگ ہی جاتا ہے۔

آج معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک کی درخواست پر فوری بیعت کے لئے کیوں آمادہ نہیں ہوتے۔ بلکہ اکثر انکار فرمادیتے تھے۔ بیعت سے قبل اعلان فرماتے کہ اگر کوئی پہلے سے کسی شیخ سے بیعت ہے اور وہ شیخ زندہ ہیں تو وہ اپنے شیخ سے رابطہ رکھیں۔ غرض مریدوں کی بھیڑ کی بجائے جن کی بیعت کرتے، گویا ان کی اصلاح کی ذمہ داری قبول کرتے۔ اس احتیاط کے باوجود بلا مبالغہ لاکھوں افراد ہوں گے جو اقصائے عالم میں آپ سے بیعت ہوں گے۔ آپ سے خانقاہی آبرو وابستہ تھی۔ ورنہ نمائشی لوگ تو ہر بیان کے بعد اعلان کرتے اور کراتے ہیں کہ بیعت کرنے والے آگے آجائیں۔ کوئی نہ آئے تو پہلے سے بیعت شدہ مرید کو بٹھا کر عمل شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھا دیکھی کوئی اور شاید عمل میں شامل ہو جائے۔ دیکھئے اصل نقل میں کس طرح زمین و آسمان کا فرق موجود ہے۔

اسی سفر میں عصر کے بعد علماء کے ساتھ چائے پر آپ کی ملاقات کے لئے لائبریری میں اہتمام کیا گیا۔ بیٹھتے ہی فرمایا کہ مولانا! عیسائیت و رد عیسائیت کی لائبریری میں موجود کتب کی فہرست لائیں۔ دونوں رجسٹر سامنے رکھے۔ ان پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ ان کی فوٹو کاپی چاہئے۔ عرض کیا بھجوادیں گے۔ خیال کیا کہ کئی صفحات کا بنڈل آپ کے لئے زحمت کا باعث نہ ہو، فوراً فرمایا کہ ابھی دینے میں کیا اشکال ہے؟ عرض کیا کہ ابھی پیش کرتے ہیں۔ فوٹو کرانے کے لئے ساتھی کو بھیجا تو مسکرائے اور فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں جہاں رد قادیانیت پر سپیلا نریشن کرائی ہے، اب این جی اوز کی آڑ میں مسیحی مشنریاں بھارت میں سرگرم عمل ہو گئی ہیں۔ رد عیسائیت پر بھی علماء کی تیاری

کے لئے شعبہ قائم کئے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ دارالعلوم کے حضرات کو پاکستان میں ردیساہیت پر چھینی والی کتب کی فہرست درکار تھی تو دفتر ختم نبوت ملتان سے انے کا ان حضرات نے فرمایا تھا تا کہ اس فہرست کا دارالعلوم کی فہرست سے موازنہ کر کے جو کتب موجود نہ ہوں ان کو منگوانے کا اہتمام کیا جاسکے۔ اس لئے اس فہرست کو لے آنا ضروری ہے۔ فرمایا کہ ہر بات کو سمجھانے کے لئے اتنی وضاحت کرنی پڑے تو پھر کام کر پایا؟ عرض کی کہ آپ کی اتنی وضاحت سے تو ہمارے لئے خوش کن انکشاف اور نئی خبر مل گئی، مسکرائے کہ بس اپنا دل خوش کرتے رہو کام نہ کرنا، کیا پاکستان کے کسی جامعہ میں ردیساہیت پر سپیلا زیشن ہوتی ہے؟ ہماری خاموشی پر فرمایا کہ سمجھ گیا۔ باتیں کرنے اور کام کرنے میں بہت فرق ہے۔ اسی اثناء میں فرمایا کہ مجلس کی ردیساہیت پر نئی چھپنے والی تمام کتب کے دو دو سیٹ لائیں اب ہم پر قیل و قال کی فضولیت منکشف ہو گئی تھی۔ فوراً کتابیں لا کر پیش کر دیں جن کا وزن کم از کم بیس کلو کے برابر تھا فرمایا انہیں پیک کر دو، پیک کر دیں، اب ہم قیل و قال سے اپنی روایتی لپیلا پوتی پر اتر آئے کہ حضرت لاہور یا جہاں فرمائیں کل تک پہنچ جائیں گی۔ وہاں سے صاحبزادہ مولانا سید محمود میاں یا سید رشید میاں آپ کے ہاں بھجوا دیں گے۔ اتنا وزن آپ کے لئے ساتھ لے جانا تو مشکل ہوگا۔ فرمایا کہ ہمدردی کا شکریہ۔ واقعی مسافر بوڑھے کے لئے یہ بہت مشکل ہے، لیکن دوسرا سامان یہاں چھوڑا جاسکتا ہے لیکن کتابوں کو تو ساتھ لے جانے کا اپنا ہی لطف ہے۔ اس لئے ان کو ابھی میری گاڑی میں رکھوا دیں، اس سے آپ کے قلم و کتاب سے عشق کو سمجھا جاسکتا ہے۔

کل پاکستان جمعیت علمائے اسلام نے پشاور میں دارالعلوم دیوبند کا نفرنس کا اہتمام کیا۔ دیوبند سے بھاری بھر کم وفد نے اس میں شرکت کی۔ دارالعلوم کی اتنی بڑی قیادت کی اسلامیان پاکستان نے زیارت کی۔ موقعہ زیارت مبیا کرنے کا سامان حضرت مولانا فضل الرحمن نے کر کے ہم وطنوں پر احسان کیا۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی بھی تشریف لائے۔ آخری روز آخری سے پہلا بیان آپ کا تھا۔ جو وقت اختتامی دعا کے لئے طے تھا، وہ قریب ہو گیا، آپ کا اعلان کیا گیا، آپ نے ایمان پر ورا انداز میں خطبہ مسنونہ پڑھا، لاکھوں سامعین پر وجد آفریں کیفیت طاری ہو گئی۔ خطاب چند لمحوں میں مکمل کیا۔ وقت کی تنگی کا عذر کر کے بیٹھ گئے۔ حاضرین زیارت و مختصر بیان سے تو ضرور مستفید ہوئے لیکن تشنگی دور نہ ہوئی۔ بایں ہمہ لاکھوں کے سامنے بیان کرنے کی بجائے وقت کی پابندی کا نمونہ قائم فرمایا۔ سبحان اللہ!

اپنے محبوب رہنما کی حکایت لذیذ کی طوالت کی معافی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، برما، آسام، مالدیپ، نیپال، عرب امارات، سعودیہ، امریکہ، افریقہ، کینیڈا، یورپ، فجی، آئی لینڈ، انڈونیشیا، غرض پوری دنیا کے مسلمانوں کے آپ قابل احترام رہنما تھے۔ ہر جگہ ابنائے دارالعلوم دیگر رہنماؤں کی طرح آپ کا دلی احترام کرتے تھے۔ آپ بھارت کے رہائشی تھے۔ ہر ملک کے ساتھ دوسرے ملک کی پالیسی یکساں نہیں ہوتی

اس لئے جہاں کہیں تشریف لے گئے اس ملک کے سیاسی مسائل پر ایک لفظ تک نہیں کہتے تھے۔ پاکستان اور بھارت کو لے لیں، دونوں ممالک کی کسی زمانہ اور کسی حد تک اب بھی پالیسی مختلف ہے۔ جو امر پاکستانیوں کے لئے اہم ہے انڈیا کے لئے وہ غیر اہم ہے۔ دونوں ملکوں کی اپنی اپنی ترجیحات ہیں۔ کشمیر کے مسئلہ کو لے لیں۔ دونوں ممالک کی اپنی اپنی پالیسی ہے۔ اگر کوئی بات پاکستان میں یہاں کے مسلمانوں کی ترجیحات کو سامنے رکھ کر فرماتے تو آپ کے پہنچنے سے قبل بھارت میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو جاتا۔ وہاں کی ترجیحات کے مطابق یہاں بات فرماتے تو جانے سے قبل پاکستان میں طوفان قائم ہو جاتا۔ اس ایک مثال سے پوری دنیا کے مسلمانوں کی ترجیحات کو سامنے رکھیں تو آپ کی بالغ نظری کی داد دینی پڑتی ہے کہ بیرون بھارت کہیں بھی کسی سیاسی مسئلہ کو ٹیچ نہ کرتے۔ صرف ہر ملک کے مسلمانوں کی دینی رہنمائی فرماتے اور بس۔ یہی وجہ ہے کہ بیرون بھارت قطعاً اخبارات کے نمائندوں سے ملاقات نہ کرتے۔ تاکہ اخباری صنعت کو بات کا بنگلہ بنانے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔ کوئی نمائندہ آ ہی گیا تو علیک سلیک کے بعد نپے تلے چند جملوں کے تبادلہ کے بعد اسے فارغ فرما دیتے۔

لیکن ہمارے خطہ کا اپنا مزاج ہے۔ یہاں ایک جہادی رہنما کو دارالعلوم دیوبند کا نفرنس پشاور میں اس کی خواہش کے مطابق پروٹوکول نہ ملنا تھا نہ مل سکا۔ خیر سے اس قبیلہ کی اکثریت ایجنسیوں کی مرہون منت ہے۔ اس بونے رہنما نے اخباری صنعت کے ایک ایسے موقعہ کے متلاشی قلم کار کو گانٹھا۔ آپ کے خلاف مضمون چھپ گیا جو حقائق کا قتل عام اور خلاف واقعہ الزامات کا طور مار تھا۔ آپ نے اس کے جواب میں ایک لفظ نہیں فرمایا۔ صبر حضرت ایوب علیہ السلام کی سنت پر عمل کیا۔ لیکن آپ کے صبر کا اس خود ساختہ جہادی رہنما پر بعد میں یہ اثر ہوا کہ خود اپنی سر زمین پر سر اٹھا کر چلنے کا حالات نے رہنے نہ دیا۔ اب تک ”کس نے پرسد از من کہ بھیتا کون ہو“ کا مصداق ہے۔ من عادل و لیا فقد اذنتہ بالحرب! کی زندہ عملی تصویر اسلامیان وطن کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

ہاں! پوری دنیا کے مسلمانوں کے عقائد و دینی تشخص کو برقرار رکھنے ان کا احترام بڑھانے میں آپ ہر جگہ نہ صرف کوشاں رہے، بلکہ خون جگر سے ایسا کرنے میں تامل نہیں فرمایا، اور اس میں کسی بھی مصلحت کو آڑے نہیں آنے دیا۔ جمعیت علمائے اسلام کے اختلاف سے آپ کا دل ٹوٹا، طرفین کو سمجھایا لیکن معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ اپنی بھرپور محبت سے قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن کو سرفراز کیا لیکن احترام و تعلق دوسرے حضرات سے بھی قائم رہا۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید، حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت مولانا حفظ الرحمن، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین مدنی کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو حوصلہ دینے میں آپ نے جو کردار ادا کیا وہ تاریخ کا درخشندہ باب ہے۔ مثلاً جہاں کہیں فسادات ہوئے دیگر جماعتیں مشورہ کر کے

پروگرام بنا رہی ہوتیں، لیکن آپ اتنی جلدی صحیح فیصلہ کرتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے کہ اس پر سب ششدر رہ جاتے۔ پریشانی وزبوں حالی میں مسلمانوں کی مدد کیلئے سب سے پہلے پہنچنے والے قومی رہنما آپ ہوتے۔ آپ نے جمعیت علمائے ہند کو سماجی تعلیمی، رفاہی اور قومی جماعت بنانے میں اہم کردار ادا کیا، آپ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے تاسیسی اراکین میں شامل تھے، گزشتہ سے پوستہ سال غسلِ کعبہ کی سرکاری تقریب میں آپ کو مدعو کیا گیا اور اس سعادت سے آپ بہرہ ور ہوئے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی "کاقد متوسط متبسم نورانی چہرہ، عقابِ نظریں، کھلی پیشانی، سڈول جسم، سادہ کھدر کا کرتا، متناسب اونچی شلووار، سر پر اکثر سبز کبھی سرخ عربی رد مال باندھتے، چال میں وقار کے ساتھ ساتھ پھرتی اور تیری، بات اتنی صاف اور آسان کہ ہر ایک کو سمجھ آ جائے، بات کرتے تو لبوں سے موتیوں کی برکھا شروع ہو جاتی، تہجد، اشراق، ادابین، تلاوت، سفر ہو یا حضر ناغہ ناممکن ہوتا، زہد و غنا کے کوہ ہمالیہ، اوصاف حمیدہ سے قدرت نے فیاضی سے آپ کو حصہ نصیب فرمایا، اپنے تقویٰ، پرہیزگاری، عمل و فضل کے باعث لاکھوں مسلمان آپ سے ٹوٹ کر محبت کرتے بلکہ عشق کرتے۔ واقعی محبوبیت ہو تو ایسی کہ جس کا سوکھوں کو بھی اعتراف ہو۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی کیا گئے۔ لاکھوں دلوں کی دنیا سونی ہو گئی۔ دل بھگ گئے۔

دل گلستاں تھا تو آنکھوں سے ٹپکتی تھی بہار دل بیاباں ہو گیا عالم بیاباں ہو گیا

دل کی تکلیف و شوگر نے عرصہ سے آپ سے محبت شروع کر رکھی تھی۔ مگر معمولات جاری رہے۔ اس سال رمضان المبارک خیر خیریت سے گزرا۔ معمولات جاری رہے، عید کے قریب الیکٹرانک وہیل چیئر اٹنے سے چوٹ لگ گئی۔ تین ماہ دہلی کے معروف اپالو ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ وقت موعود آ پہنچا اور دیکھتے ہی دیکھتے آخرت کو سدھا رہ گئے۔ ان کے دل بے قرار ہو کر آ گیا۔ نم کنوۃ العروس کا مصداق ہو گئے!

۶ فروری کو انتقال ہوا۔ ۷ فروری کو دارالعلوم میں لاکھوں عوام نے جنازہ میں شرکت کی۔ شیخ الاسلام

حضرت مدنی کی خانقاہ رائے پور، مظاہر العلوم سہارنپور اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی سے جو مہمانہ تعلقات تھے آپ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے ان کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ آگے بڑھایا۔ آخری وقت بھی اس کا عملی مظاہرہ دیکھنے میں آیا کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی کے جانشین کا جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے جانشین نے پڑھایا۔ اللہ رب العزت بہت ہی جزائے خیر دیں حضرت مولانا فضل الرحمن کو کہ علماء کی ایک جماعت کو لے کر جنازہ میں شریک ہوئے اور یوں اسلامیان پاکستان کا خانوادہ "حضرت مدنی" سے تعلق کا فرض کفایہ ادا ہو گیا۔ دارالعلوم دیوبند کے ہزاروں علماء، مشائخ اور اولیاء کا مسکن قبرستان قاسمی میں داخل خلد بریں ہوئے۔

رفتہ دے لے نہ از دل ما!

ع

شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی مدظلہ
فاضل دیوبند و مہتمم مدرسہ عربیہ نجف المدارس کلاچی

مولانا سید اسعد مدنیؒ اسعد زماں

محترم المقام برادر مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

ذکر صالحین کے برکات :

اخلاص نامہ ملا، آپ نے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ سے متعلق القاسم کے خصوصی نمبر کے لئے مجھ سے کچھ معروضات پیش کرنے کی فرمائش کی ہے۔ مجھے یہ تو معلوم ہے کہ آپ تذکار الصالحین کے مبارک مرض کے بیمار ہیں ذکر صالحین پر رحمت کا نزول بھی سنا کرتے ہیں اور برائے نام شرکت پر لایشقی جلیسہم (ایسوں کا ہمنشین محروم نہیں رہتا) کا مژدہ تو بنص حدیث ثابت ہے۔ اس لئے شکر یہ کے بعد اصل حقیقت عرض کرتا ہوں کہ حضرت مرحوم و مغفور کے علمی کمالات اور عملی مجاہدات سے تو میں بھی بالکل ناواقف ہوں۔ آپ کے چند ملفوظات اور ایک آدھ واقعہ عرض کر دیتا ہوں اگر لائق اشاعت ہو تو اپنی فرمائش کی تعمیل سمجھ لیجئے، بصورت دیگر اپنے ہی تک محدود رکھئے۔

تحریک مدح صحابہ :

پہلا واقعہ : ہم لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی کے خالص فضل و کرم سے ۵۸-۱۳۵۷ھ مطابق غالباً ۳۸-۱۹۳۷ء دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ فلہ الحمد والشکر۔ اس وقت اسعد زماںؒ کی عمر نو دس سال کے درمیان ہوگی، کیونکہ البلاغ کراچی نے آپ کی ولادت ۱۹۲۸ء لکھی ہے۔ اسی سال لکھنؤ میں دشمنان صحابہؓ کی شرارت سے غالباً ایام محرم میں مدح صحابہ کرام علیہم الرضوان پر انگریز حکومت نے پابندی لگادی تھی۔ حضرت مرحوم کے والد ماجد شیخ الاسلام استاد الہند والہجراز سیدنا حضرت مولانا سید حسین احمد المدنی قدس سرہ اسے برداشت نہ کر سکے، دارالعلوم سے چھٹی لے کر لکھنؤ پہنچے اور ہفتہ میں دو شب جلسہ عام میں مدح صحابہؓ کرتے اور کراتے

سول نافرمانی شروع کرائی، عاشقانِ صحابہؓ نے جیلیں بھر دیں اور تین ہفتہ میں حکومت نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

استقبال اور جلوس پر برہمی :

استاد الہند والحجاز قدس سرہ جس گاڑی سے دوسرے دن دیوبند پہنچ رہے تھے تو دارالعلوم کے طلباء اور دیوبند کے شہری ہزاروں کی تعداد میں شہر کے اسٹیشن پر جو شاید پون میل شہر سے دور تھا موجود تھے اور حضرت کو دیکھتے ہوئے نعرہٴ تکبیر اور زندہ باد کے نعرے لگانے لگ گئے۔ آپ نے دیکھ کر بہت ہی برہمی کا اظہار فرمایا، آپ کی نظر شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ پر پڑی تو سخت الفاظ میں فرمایا تم بھی ساتھ آئے ہو اور اسی میں زیب عنوان اسعد زمانؒ کو بازو سے پکڑ کر تانگہ میں ڈالا اور خود بھی صرف انہیں کو لے کر تانگہ کو جلوس کے مخالف سمت پر دوڑا دیا۔ جلوس تتر بتر ہو کر پریشان حالت میں واپس آیا، رات کے اجلاس میں جو حضرت ہی کے لئے جامع مسجد دیوبند میں بلایا گیا تھا، حضرتؒ نے اس جلوس پر پھر ناراضگی کا اظہار فرمایا، جس پر جامع مسجد کے اس وقت کے امام غالباً مولانا عبدالشکور صاحب نام کے تھے، اپنی تقریر میں انتہائی عقیدت مندانہ لہجہ میں عرض کیا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بخیریت مدینہ منورہ پہنچنے پر جو جلوس نکالا تھا، ان پر تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا تھا، تو حضرتؒ نے بیٹھے بیٹھے ہی نرم لہجہ میں فرمایا، بھائی آپ قیاس مع الفارق کر رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم معصوم تھے۔ حسین احمد کے دل میں آپ کے رویہ سے بڑائی پیدا ہو جاتی تو کیا کرتا سب برباد نہ ہو جاتا۔

ہزاروں میں صرف ایک معصوم بچے کا انتخاب :

آپ نے اس اجلاس میں ایک خاص بات یہ بھی فرمائی کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حسین احمد ملک کی سیاسی جماعت کا ایک بڑا سیاسی لیڈر ہو کر مذہب کے ایک جزوی مسئلہ پر سول نافرمانی کی سرپرستی کر رہا ہے۔ دو ایک مسلمان لیڈروں کا نام لے کر آپ نے فرمایا، میں ان جیسا سیاسی لیڈر نہیں ہوں، مذہب کے خلاف جو بھی تحریک چلے گی حسین احمد سب سے پہلے اس کی سرپرستی کرنے کو اپنا مذہبی اور ملکی ہی فریضہ سمجھے گا۔ اس واقعہ میں زیب عنوان اسعد زمانؒ کا تو اتنا حصہ ہے کہ حضرت ہزاروں کے اجتماع کو چھوڑ کر اس معصوم بچے کی رفاقت میں گھر پہنچے کیا بچے کا یہ حال اس کے کسی عظیم مستقبل کی جانب تو اشارہ نہیں کر رہا ہے۔

روح مدنیؒ کی خوشیاں :

علاوہ ازیں حضرتؒ کے عمل اور اس تقریر کے مختلف ملفوظات وارشادات میں ہم پسماندگان کے لئے

عبرت اور نصیحت اور مسلمانوں کی صحیح قیادت کرنے کی شرائط بیان کرنے کی کچھ ضروری ہدایات کے جانب اشارے موجود نہیں ہیں اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر ان کی اشاعت کا ذریعہ اگر ان کی صحیح جانشینی کے سوانح حالات بن رہے ہیں تو کیا اس سے ان کی روح مبارک کو خوشی نہیں ہوگی۔

کاتب دامانی کا تذکرہ :

(۲) شاید ۴۵-۴۴ء میں اتفاقاً سرہند شریف اور پھر دیوبند شریف جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ سرہند شریف سیدنا حضرت نور المشائخ قدس سرہ کی زیارت مقصود تھی اور دیوبند شریف شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کی زیارت زینب عنوان حضرت اسعد زمان مرحوم و مغفور کا تعلق اس سے بھی صرف اتنا ہی ہے کہ اس دفعہ ہم مولانا عبدالحق صاحب عرف کاتب دامانی کے مہمان تھے۔ موصوف خانقاہ مدنی کے متصل ایک کمرہ میں مقیم تھے، یہ دید کی بات تھی اور شنید کی یہ کہ آپ حضرت اسعد صاحب مرحوم و مغفور کے ابتدائی تعلیم کے استاد بھی تھے، کاتب دامانی صاحب ہم لوگوں سے پہلے دورہ حدیث شریف سے فارغ ہو چکے تھے، اپنے ہم وطن شیر و کھنہ تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کے آخر تک خانقاہ مدنی میں رہے۔ آخر میں حضرت نے آپ کو خلافت بھی عطا فرمائی تھی اور اب قبر بھی دیوبند ہی کے کسی قبرستان میں ہے۔ فرحمہم اللہ رحمة واسعة۔

اس سفر کے دو واقعات عرض کرتا ہوں۔ اللہ قبول فرماویں اور ان کا ثواب خصوصی نمبر کے اس مہمان عظیم کی روح کو پہنچا کر ان کے لئے باعث مسرت بنادیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

حسن خاتمہ کی ایک بشارت :

پہلا واقعہ :- اس سفر میں میرے ساتھ دو ساتھی تھے، ماموں زاد بھائی حافظ عبد المنان صاحب، حال مرحوم ان کا خیال سرہند شریف میں حضرت نور المشائخ قدس سرہ سے بیعت ہونے کا تھا کہ ان کے والد صاحب ہمارے ماموں جان ملا عطا محمد صاحب حضرت اقدس موصوف کے مرید تھے، جوان سالی میں وفات پا گئے۔ تین پارہ قرآن مجید روزانہ کا معمول تھا۔ رمضان شریف بروز جمعہ عصر کے قریب وصال ہوا۔ اپنے والد ماجد قاضی محمد نجم الدین صاحب کی شہادت تھی جو بروقت آپ کے پاس موجود تھے کہ آخری سانسوں میں سر اٹھانے لگے کہ وہ دیکھئے قبلہ حضرت صاحب کابل والے تشریف لارہے ہیں۔ تھوڑا سا اٹھایا، پھر سر ہانے پر سر رکھتے ہوئے ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے۔ یہ حضرت کی روح جسد مثالی میں نظر آئی۔ حقیقت حال کا علم صرف عالم الغیب الشہادۃ کو ہے، بہر صورت حسن خاتمہ کی ایک بشارت تھی۔

اسے مولانا حسین احمد سے بیعت ہونا چاہئے :

بہر حال حافظ عبدالمنان مرحوم مذکورہ بالا کا سفر حضرت سے بیعت کرنا تھا۔ دوسرا ساقی نہایت اپنا مخلص متشرع صورت و سیرت نیک اور صالح نوجوان تھا۔ ان کا ارادہ سید العلماء والصلحاء شیخ الاسلام حضرت مدنی سے بیعت کرنے کا تھا۔ سرہند شریف پہنچ کر اس کو خیال آیا یا شاید کسی نے توجہ دلائی تو اس نے بھی حضرت نور المشائخ سے بیعت کرنے کا ارادہ کر لیا اور حضرت کو دونوں نے ایک ہی درخواست میں بیعت کرنے کی گزارش پیش کر دی۔ دو ایک دن کے بعد حضرت نے حافظ عبدالمنان مرحوم کو بلا لیا اور بیعت فرما دیا، دوسرے صاحب نے مکرر یاد دہانی کی درخواست کی تو حضرت نے یاد دہانی کرانے والے سے فرمایا، اس سے پوچھو کہ وہ گھر سے کس بزرگ سے بیعت کرنے کے ارادہ سے نکلا۔ جب حقیقت کا اظہار کیا گیا تو فرمایا، اسے مولانا حسین احمد سے بیعت ہو جانا چاہئے اور پھر ایسا ہی ہوا۔

دستِ مبارک کا بیجہ :

اور سینے جب حضرت مدنی قدس سرہ کا وصال ہوا تو وہ نوجوان بہت ہی پریشان رہا۔ غالباً مسلسل کئی دنوں تک اس کے آنسو تھمنے میں نہیں آرہے تھے۔ اس نے بتلایا کہ ایک دن میں نے حضرت کے ایصالِ ثواب کے لئے کچھ طلبہ کو کھانا کھلایا، جس کے بعد ایک چارپائی پر اسی پریشانی میں لیٹا، آنکھیں لگیں تو خواب میں حضرت کی زیارت ہوئی۔ آپ نے میری چارپائی کے بازو کو اپنے دست مبارک سے پکڑ کر ہلایا اور فرمایا تجھ کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ کہتا ہے آنکھ کھلی حضرت تو نظر نہیں آئے مگر ہاتھ مبارک کا بیجہ نظر آ گیا اور معانائب بھی ہو گیا، مگر اسی کے ساتھ ہی دل کو سکون ہو گیا اور بفضلہ تعالیٰ وہ ناقابلِ برداشت پریشانی ختم ہو گئی۔ کیا مولائے روم نے سالہا سال پہلے کچھ ایسے ہی نقشے دیکھ کر فرمایا تھا کہ.....

بندگانِ حق رحیم و بردبار
مہربان بے رشوتاں یاری کنان
خوئے حق دارند در اصلاح کار
در مقام سخت در روزِ گراں

حضرت مدنی اور مہمانوں کی ضیافت :

بہر حال سال مذکور میں دو چار دن خانقاہ مدنی میں قیام رہا چائے یا کھانے پر علاقہ کے طلباء کرام بلا تے رہے غالباً پانچویں دن حضرت سفر سے تشریف لائے۔ اس صبح جن کے پاس ناشتہ وغیرہ کا وعدہ تھا، انہوں نے علی الصبح بتلا دیا اور سختی سے منع کر دیا کہ حضرت کو کسی طرح بھی معلوم نہ ہونا چاہئے کہ کسی طالب علم نے میرے کسی مہمان

کی دعوت کی ہے۔ آپ اس سے سخت ناراض ہوتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں جو طالب علم مہمانوں کو دعوت دے سکتے ہیں ان کو دارالعلوم سے کھانا نہیں لینا چاہئے۔ بہر حال اس دن حضرت کی زیارت کی اور پھر کسی وقت اجازت لے کر واپس بھی روانہ ہو گئے۔ حضرت مولانا اسعد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ان دنوں پندرہ سولہ برس کی ہوگی لیکن ان دنوں کی آپ کی کوئی بات تو کیا ملاقات کا نقشہ بھی یاد نہیں آ رہا۔

دیوبند سے پانچ روپے کا چندہ :

ہاں اگر اپنی یہ شنید صحیح ہو کہ مخدوم کاتب دامانی صاحب آپ کے ابتدائی تعلیم کے استاد بھی تھے، تو ان سے متعلق بھی ایک واقعہ عرض کرتا جاؤں اور وہ یہ ہے کہ ۱۹۴۹ء میں جب نجم المدارس کے نام سے اپنا پرانا درس متعارف کرایا گیا تو چند سال بعد دامانی صاحب نے نجم المدارس کے لئے دیوبند ہی سے پانچ روپیہ کا چندہ بھیجا، پانچ روپیہ کا چندہ بھی قابل قدر تھا لیکن دیوبند سے آمد کی نسبت سے ہمیں جو خوشی ہوئی اس کا کچھ اندازہ ہم ہی لگا سکتے ہیں۔ چنانچہ مدرسہ کے ایک مخلص ترین ساتھی صوفی محمد حسن صاحب درزی کو میں نے کہا صوفی صاحب! مبارک ہو، آپ کے مدرسہ کے لئے دیوبند سے چندہ آیا ہے، بہت خوش ہوئے۔

پچاس روپیہ از جانب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

پھر کہا اس کا میں بھی آپ کو بدلہ دوں، میں نے عرض کیا ضرور، کہا میری رسید بکلیں کہاں ہیں، میں نے لے کر آیا ایک رسید بک اٹھا کر مجھے پکڑائی اور فرمایا اسے دیکھتے جاؤ، بیس پچیس رسیدیں پڑھیں، تو ایک رسید کا مضمون تھا پچاس روپیہ از جانب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔ انہوں نے فرمایا بتلائیں بدلہ ہو گیا کہ نہیں، میں نے عرض کیا مکمل ترین صورت میں واجر کم علی اللہ۔

اب تفصیل بھی تو سنائیں، تفصیل میں بتایا کہ میں سندھ کی ایک بستی میں گیا، ایک دولت مند غالباً زمیندار صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ یہ شخص دینی مدرسوں سے دلچسپی رکھتا ہے، اور ان کی امداد بھی کرتا رہتا ہے، ہمارے یہ صوفی محمد حسن صاحب خاموش طبیعت اور بہت ہی کم گو شخص تھے انہوں نے اس متمول شخص سے چندہ مانگا تو اس نے ایک روپیہ دیدیا کہتے ہیں میں نے اس سے کہا کہ آپ نے غالباً مجھے گداگر سمجھا میں تو درزی ہوں، اپنے کسب سے اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ یہ شعبان اور رمضان شریف کا مہینہ اللہ فی اللہ مدرسے کی خدمت کرنے کے لئے کام چھوڑ دیتا ہوں۔ اس پر اس نے مجھے دس روپے دیدیے، کچھ دیر کے بعد بلا کسی مزید گفتگو کے وہ اٹھا، اس نے اپنی الماری کھولی اس سے پچاس روپے نکال کر مجھے دیے اور کہا اس کی رسید لکھو مگر میرے نام کی نہیں، میں نے کہا

ہاں بتلائیں کس کے نام کی لکھوں، انہوں نے فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی، کہا پھر وہ بھی رونے لگا اور میں بھی.....

انوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

یعنی اب یہ کس کا حوصلہ ہے کہ باغبان سے پوچھے کہ بتاؤ بلبل نے کیا کہا، پھول نے کیا سنا اور بادِ بحر نے کیا عنایت کی۔

ہم شاد ہیں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں :

اس کے بعد ایک طویل عرصہ بعد شاید ۱۹۷۰ء کے قریب آپ (حضرت اسعد مدنی) ڈیرہ اسماعیل خان دارالعلوم نعمانیہ تشریف لائے۔ جلسہ عام تو غالباً نہیں تھا۔ حضرت مولانا سراج الدین صاحب اور حضرت مولانا علاؤ الدین صاحب مدظلہ چونکہ کئی سال دارالعلوم دیوبند زیر تعلیم رہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان سے اچھا خاصا تعارف ہوگا، کلاچی سے بھائی قاضی عبداللطیف صاحب اور بقول بر خودار قاضی حافظ عبدالحمیم سلمہم کہ یہ بھی زیارت کے لئے گئے اور میرا معذرت نامہ بھی ساتھ لے گئے۔ میں کسی مجبوری سے حاضر نہ ہو سکا۔ بعد میں ایک دفعہ حرم پاک میں شرفِ ملاقات نصیب ہوا تو آپ نے دورانِ مجلس بطور شکوہ کے فرمایا کہ آپ ملاقات کے لئے نہیں آئے تھے یا نہ آسکے، مجھے بہر حال مخدومزادہ کے اس شکایت سے بھی خوشی ہوئی۔ کیونکہ..... ع جواب تلخ مے زید لب لعل شکر خارا کہ محبوب کا تلخ جواب بھی محبوب ہی ہوتا ہے، بقول کے کہ..... ع ہم شاد ہیں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں

جب زمینداریاں اسلام کے راستہ میں رُکاوٹ ثابت ہوں :

ایک اور ملاقات سنہ یہ بھی یاد نہیں رہا اور نہ ہی تقریب ملاقات کا سبب لیکن یہ ملاقات ڈیرہ اسماعیل خان کے ہوائی اڈہ پر ہوئی اور تھوڑے ہی وقت کے لئے۔ اس ناکارہ کا ایک مضمون بینات کراچی میں آچکا تھا جس کا حاصل غالباً یہی تھا کہ بڑی بڑی زمینداریاں اگر اسلام کے راستہ میں رُکاوٹ ثابت ہوں تو کیا اسلامی حکومت ان کو ختم کرنے کی مجاز نہیں ہے؟ میں نے بینات کا وہ شمارہ پیش کر کے عرض کیا کہ ہو سکتا ہے دورانِ سفر آپ کو فرصت مل جائے اور اس پر اپنی رائے مبارک سے مطلع فرماویں، تو باعثِ اطمینان بنے۔ حضرت اسعد مرحوم نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے فرزند محترم مرحوم مولانا محمد صاحب کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ حضرت والد ماجد قدس سرہ سے سنا تھا کہ گنجائش تو ہے مگر بہ اعطاء قیمت..... اس کے بعد پھر حرم پاک میں غالباً ایک سے زیادہ بار ملاقات ہوئی۔

امیدوں کا خون :

ایک دفعہ غالباً ۱۹۷۶ء جبکہ احقر کا پہلا حج تھا، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب شاید نام تھا پاکستانی تھے۔ علاقہ بلوچستان قلعہ سیف اللہ کے ماحول کے اصل باشندہ، ژوب میں اس ناکارہ کے واقف ہوئے، تقسیم ملک پاکستان کی حمایت میں سرگرم کوشاں لیکن جب ان کی تگ و دو کامیاب ہوئی اور اس عجوزہ کے سر سے برقعہ اٹھا کر دیکھا تو بے اختیار کہنے لگا.....

ز یاراں چشم نیکی دشتیم
خود غلط بود آنچه ما پنداشتیم

ہم کو دوستوں سے بڑی امیدیں تھیں۔ افسوس کہ غلط نکلیں۔

اپنے امیدوں کا خون دیکھا تو فوراً سعودیہ کو ہجرت کی غربت کی حالت میں وہاں پہنچے سنا ہے کہ ابتداء میں سڑکوں کی مرمت وغیرہ کی مزدوری کی مگر دل مطمئن رہا کہ قرب یار (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) تو حاصل ہے.....

قریب یار ہم کو دفن کرنا ، ورنہ مرقد سے
صدائے نالہ شوق آئے گی گور غریباں سے

مہاجر مزدور کا عالم مدینہ منورہ میں مدرس بن گئے :

اس وقت سعودیہ کے ہاں پاکستان پھر علماء کی بہت بڑی قدر تھی، ان کو معلوم ہوا تو مولانا موصوف مہاجر کی بوجہ عالم ہونے کی بہت قدر کی اور چند سالوں میں ان کو مدرسہ دارالحدیث مدینہ منورہ میں درس دینے کی ملازمت مل گئی ۱۹۷۵ء کو ہمارے ہاں سے کچھ حاجی گئے، پشتوزبان کے باعث بعض حاجیوں سے ان کی بات چیت ہوئی تو پوچھا کہاں سے ہو، انہوں نے سرحد یا ڈیرہ اسماعیل خان کا نام لیا تو پوچھا کلاچی کے قاضی عبدالکریم کو جانتے ہو، اس نے بتایا کہ میں کلاچی ہی کا باشندہ ہوں تو بڑی محبت سے سلام کا پیغام دیا۔ انہوں مجھے ان کا سلام پہنچایا تو میرے دل نے گواہی دی کہ کیا عجب یہی سلام ہی مژدہ وصال مدینہ منورہ ثابت ہو.....

کہاں میں اور کہاں یہ نکھت گل نسیم صبح تیری مہربانی

تذکرہ صاحبزادہ حافظ محمود چودھوانی اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی کا :

۱۹۷۶ء کو یہ ناکارہ مدینہ منورہ پہنچا، مگر مدینہ منورہ میں ایک ساتھی پنجاب کا حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ انہوں نے مولانا موصوف کو بتلایا کہ عبدالکریم کلاچوی بھی رات کو ہمارے ساتھ پہنچا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ (عبدالقیوم حقانی) کے چودھوان کے حافظ محمود نواز صاحب مرحوم بھی اسی صبح ہماری انتظار میں تھے۔ کیسے پیارے اور کیسے مہربان بزرگ اور دوست اس زمانہ کے تھے کہ جن کی یاد ہی سے دل میٹھا اور قلب پریشاں رشک جنان ہو جاتا ہے۔ پہلے حافظ محمود نواز صاحب مرحوم ملے اور ساتھ ہی کہا میرے مکان میں ایک آدمی کی گنجائش ہے۔ آپ کوئی مکان تلاش نہ کریں ہم دور فیق لازم ملزوم تھے، مگر انہوں نے کہا فکر کی بات نہیں، نماز (صبح ہی کی تھی) سے فارغ ہو کر حضرت مولانا منظور احمد صاحب ملے اور فرمایا مکان کا مسئلہ ذرا مشکل ہوتا ہے۔ یہاں ایک کمرہ میں گنجائش ہے۔ میں ان سے اس کمرہ کی تفصیلات معلوم کرنے لگا تو چودھوان کے حافظ صاحب مرحوم کہنے لگے میں نے جو مکان کی پیشکش کی کیا وہ منظور نہیں۔ میں نے عرض کیا آپ کو ظاہر ہے تکلیف تو ضرور ہوگی، اس نے فوراً مداخلت کی ہرگز نہیں، میں نے حضرت مولانا چنیوٹی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور نماز اشراق سے فارغ ہو کر حافظ صاحب چودھوانی مرحوم کے مکان بلکہ کمرہ میں ہم چلے گئے۔

تذکرہ شیخ الحدیث ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ کا :

حضرت مولانا چنیوٹی نے اس دن مسجد نبوی ﷺ سے متعلق ازراہ محبت و اخلاص مختلف معلومات بھی فراہم فرمائیں کیونکہ آپ اس سے پہلے بار بار اس شرف اور اعزاز سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔ یاد پڑتا ہے کہ حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی ان دنوں مدینہ منورہ کی یونیورسٹی میں تخصص کے درجات میں زیر تعلیم تھے، انہیں اس ناکارہ کی آمد کا علم ہوا تو ازراہ ذرہ نوازی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ جاتے ہوئے فرمایا ہمارے متعلق کوئی ضروری کام ہو تو ضرور ہی بتلا دیجئے۔ میں نے عرض کیا کہ معلوم ہوا ہے کہ یہاں کے معلمین آٹھ دن ٹھہرانے کے فوراً بعد حرم پاک روانہ کر دیتے ہیں، حج کے ایام دور ہیں، اگر ممکن ہو تو چند دن مزید اگر ہم یہاں ٹھہر جائیں تو خوشی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کل ان شاء اللہ آپ کو اس کے متعلق کچھ بتلا سکیں گے۔ کل شریف لائے اور بتایا کہ جب تک آپ چاہیں یہاں رہ سکیں گے، بس جانے سے ایک دن پہلے اپنے معلم کو یہ بتلا دیں کہ ہم کل جاویں گے۔

چنانچہ حضرت مولانا کے اخلاص، ہمت اور برکت سے بائیس (۲۳) دن ہم نے مدینہ منورہ میں

گزارے فالحمد لله على ذالك حمداً كثيراً والشكر لهم شكراً جزيلاً۔ ظاہر ہے کہ آپ کا یہ احسان آخر تک یاد ہی رہے گا۔ واجرہم على الله تبارک و تعالیٰ۔

اکابر کی شفقتیں روشن مستقبل کی ضمانت :

آپ (عبدالقیوم حقانی) نے کئی بار بتایا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ آپ کی بعض تحریروں کو پسند فرماتے ہیں۔ میری تحریر پھدی کا شور با اگر آپ پسند فرماتے ہیں تو اس کی وجہ ماضی قریب کے بعض اکابرین کا ذکر خیر اس میں موجود ہونا ہوگا۔ نہ کہ اس ناکارہ کی معمولی تحریر۔ حوالہ تو ذہن میں نہیں رہا، غالباً شاہانِ دہلی محدثین دہلی کے متعلق اور عین ممکن ہے انفاس العارفین یا علماء ہند کی شاندار ماضی میں نظر سے گذرا ہو کہ ایک دفعہ کوئی غیر مسلم سرکاری ملازم ان کی خدمت میں کسی ضرورت سے آیا، آپ بے اختیار ان سے مصافحہ کیلئے کھڑے ہو گئے، جس سے خود ان کو بھی تعجب ہوا، تھوڑی دیر بعد کسی وجہ سے اس کے کاغذات میں کسی مقبول بارگاہِ الہی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے چند سطور دیکھے گئے تو خود ان کو یقین آ گیا کہ ان کو دیکھ کر میرا اس طرح بے اختیار کھڑے ہو کر ملنے کا سبب یہی تحریر ہی معلوم ہوتی ہے۔ بس اس ناکارہ کی کسی تحریر کا کسی اہل نظر کو پسند آنے کا سبب کچھ ایسا ہی ہونا ہو سکتا ہے۔ رب کریم اس ناکارہ کے ایمان کی حفاظت فرماویں، نشکرہ علی ماہدانا الی الاسلام و من علیٰ بالایمان علی سید الانس والجان علیہ و علی آلہ و اصحابہ مادام الملوان من التسلیمات والصلوات الاتمان والاکملان۔ ہاں ایسے اکابر کی پسندیدگی کو کیوں نہ روشن مستقبل پر حمل کیا جائے کیونکہ یہی انا عند ظن عبدی بی کا تقاضا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہی رکھنا چاہئے کہ وہ ایمان و اسلام کی برکت سے کسی کی شفاعت سے خاتمہ ایمان پر فرمائیں گے، کیونکہ یہ حضرات شہداء اللہ فی الارض ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی کا کشف :

حضرت گنگوہیؒ مذکور کا واقعہ غالب گمان یہی ہے کہ حضرت تھانویؒ ہی کے کسی مضمون میں پڑھا ہے، آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ جب شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ ریاضات اور مجاہدات شاقہ کے بعد وقت کے اکابر اولیاء کے شہادتِ حسنہ اجازہ خلافت وغیرہ لے کر گنگوہ پہنچے تو اپنے شہر کی ایک آبادی یا ایک عمارت پر دیکھا کہ برکات اور رحمتوں کی بارش برس رہی ہے۔ بڑے شوق سے اندر جا کر دیکھا تو غیر مسلموں کا مندر ہے، بہت سے چیلے بیٹھے ہوئے اپنے غیر اسلامی طریقہ کا شغل کر رہے ہیں، پوچھا کہ گرو صاحب کہاں ہیں، کہا گیا کہ وہ ایک بند کمرے میں چلے کاٹ رہے ہیں، کمرے کا دروازہ پوچھا تو جواب ملا کمرہ زیر زمین ہے اور دروازہ مکمل بند کر دیا گیا ہے۔ دریافت

کیا اندر روشنی اور ہوا داخل ہونے کا کوئی بندوبست بھی نہیں، انہوں نے بتلایا فلاں کونے میں معمولی سا سوراخ ہے۔ شاہ صاحب اسی کے پاس جا کر مراقب ہوئے، تھوڑی دیر میں آپ کی روح جسد مثالی نام رکھیں یا کچھ اور اندر پہنچ گئی، گرو صاحب کو بڑی حیرت ہوئی پوچھا کون ہو اور کیوں آئے ہو، مسلمان کا ایک ہی جواب تھا اور وہی دیا فرمایا مسلمان ہوں اور تم کو اسلام کی دعوت دینے آیا ہوں۔ اس نے کہا مجھے اس وقت ریاضات شاقہ برداشت کرنے سے جو قوت اور کمال حاصل ہے، وہ کسی کے پاس نہیں، پھر مجھے مسلمان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی قوت اور کیا کمال ہے جو اور کسی میں نہیں اور تم کو حاصل ہے، کہا یہ برتن آپ کے سامنے ہے، میں اپنے آپ کو توجہ کے ساتھ پانی بنا دوں گا، اور پھر اپنی ہی توجہ سے آپ کے سامنے اسی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا دکھلائیے، اس کا جیسا دعویٰ تھا اسی طرح سامنے کے برتن میں پانی بن کر ظاہر ہو گیا اور انسانی شکل کا کوئی حیوان جو پہلے نظر آ رہا تھا غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا تو وہی گرو صاحب پھر انسان کی شکل اختیار کر کے ظاہر ہوا اور پھر وہی کہا کہ ایسا کمال کن فیکون کا جو مجھے حاصل ہے کسی میں بھی نہیں اور یہ کمال اسلام کے بغیر جب مجھے حاصل ہے تو میں اپنا طریقہ مذہب وغیرہ وغیرہ کیوں تبدیل کروں۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا، خدا نے چاہا تو میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔ اس نے کہا دکھاؤ تو مانوں۔ آپ نے فرمایا ایک بات کریں میں نے جب تم پانی کی شکل میں ظاہر ہوئے تمہارے اس پانی میں اس کپڑے کا تھوڑا سا حصہ بھگو یا تر کر دیا تھا۔ تم بھی جب میں پانی کی شکل میں ظاہر ہو جاؤں اس میں اپنے کپڑے کا تھوڑا سا حصہ تر کر کے اپنے پاس رکھ دینا، اس نے کہا یہ کیوں فرمایا یہ بعد میں بتلاؤنگا۔

حضرت شاہ صاحب نے اس سے پہلے بلا کسی تجربہ کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ کفر سے مقابلہ ہے، شرمندہ نہ فرماویں۔ مجھے پانی بنا کر اس کو دکھلا دو۔ پھر بھی اپنے حق پر ہونے کا واسطہ و وسیلہ بنا کر رب العالمین جل جلالہ سے دعا کی کہ اب مجھے پھر انسان ہی کی شکل عطا فرمادیں۔ قاضی الحاجات جل شانہ و عم نوالہ نے آپ کی درخواست کو قبول فرمایا۔ گرو صاحب نے آپ کو پانی کی شکل میں دیکھ لیا اور پھر بیٹھے بیٹھے انسان کی شکل میں بھی دیکھ لیا گرو صاحب نے کہا شاہ صاحب ٹھیک ہے میرا یہ خیال صحیح نہیں کہ میں آپ کی دعوت قبول کر کے مسلمان ہی ہو جاؤں کیونکہ یہ کمال بغیر اسلام کے بھی مجھے حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا میرے پانی میں آپ نے کپڑا تر کر لیا تھا۔ اس نے کہا ہاں تر کر لیا تھا، فرمایا اس کو سونگھو۔ اس نے سونگھا تو عجیب و غریب خوشبو محسوس کر کے بہت ہی محظوظ ہوا۔ اس کے پانی میں شاہ صاحب نے جو کپڑا تر کر لیا تھا، گرو صاحب کو کہا اس کو بھی سونگھ لو، اس نے ناک کے قریب کرتے ہوئے بڑی جلدی سے بہت دور ہی اس کو پھینک دیا۔

شاہ صاحب نے پوچھا کیا ہوا اس نے کہا اس کپڑے سے تو مجھے ایسی بدبو محسوس ہوئی کہ میں اسے برداشت نہیں کر سکا۔ آپ نے فرمایا اسے کس کے پانی سے تر کر دیا گیا تھا، جواب ظاہر تھا، اسے بڑی خفت ہوئی اور کہا آخر ایسا فرق اور اتنا فرق کیوں اور کس سبب سے فرمایا، یہی کفر اور اسلام کا فرق ہے بس اس سوال و جواب اور اسی مناظرہ سے گرو صاحب نے کلمہ شریف پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا۔ باہر آئے اور سب چیلوں کو کلمہ اسلام سے مشرف کیا۔ معلوم ہوا وہ رحمتیں جو برس رہی تھیں وہ ان کے حال پر نہیں بلکہ روشن استقبال کی علامت تھیں بات لمبی ہو گئی۔ ماہنامہ ”القاسم“ کے بعض روشن خیال ناظرین روح کا تجسد اور ہیئت کذائی مناظرہ اور اس کے نتائج کو ہضم کر سکیں یا نہیں۔ میں اتنا عرض کرنا چاہتا تھا کہ حضرت الشیخ مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہ کی کسی تحریر کی پسندیدگی اگر صاحب تحریر کے حال کے مطابق نہ بھی ہو تو عین ممکن ہے کہ یہ اس کے حسن معال کی علامت ہو۔ اللہم فلیکن ہذا۔

یاد دہانی :

لمبی کہانی کی ابتداء آپ بھول گئے ہوں گے یاد رکھئے، بلوچستان کے محترم مولانا مہاجر صاحب کی بات کر رہا تھا۔ ۱۹۷۶ء کی بات ہے اپنا پہلا حج ہے عرفات میں نماز پڑھنے کی فکر ہے، کوئی بتاتا ہے کہ اس دن کا امام مدینہ منورہ سے آتا ہے کوئی کہتا ہے یہ ریاض سے بھیجا جاتا ہے۔ عام اطلاع یہ ہے کہ یہ حرم ہی کا امام اعظم ہی ہوتا ہے۔ فکر کی بات یہ نہیں کہ جو بھی ہو وہ امام اس دن ظہر اور عصر کے دو ہی رکعتیں پڑھاتا ہے۔ ان حضرات کی تحقیق بھی ہے کہ حجاج کرام حج کے احرام میں ہوں، اس دن ان کے ظہر اور عصر کے دو ہی رکعتیں ہیں چار نہیں۔ احناف کے نزدیک باقی ایام کی طرح عرفات کے دن بھی ان اوقات کی نماز چار چار رکعتیں ہیں، اس لئے ان کی تحقیق میں دو رکعتوں پر سلام پھیرنے والے امام کی نماز بہر صورت فاسد ہو جاتی ہے۔

میں اس سلسلہ میں ان بلوچستانی مہاجر مولانا صاحب سے ملا۔ تاکہ ان سے اس امام کی تحقیق کروں، انہوں نے بتایا۔ امام جہاں کا ہوا سے حکومت لمبے راستہ سے عرفات پہنچا دیتی ہے تاکہ احناف کی نماز خراب نہ ہو اور اس سلسلہ میں یہ بطور ایک نظیر کے بیان کیا کہ جب جماعت کھڑی ہونے لگتی ہے تو امام صاحب چونکہ تکبیر سے پہلے پہلے مسواک کیا کرتے ہیں، ان کے نزدیک اگر چہ دانتوں سے خون آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن احناف کو اطمینان دلانے کے لئے (یعنی موسم حج کے بغیر) اپنی انگلی جس پر سفید کپڑا لپیٹ دیا جاتا ہے، دانتوں پر پھیر کر دائیں بائیں صغیر اول والوں کو دکھا دیتے ہیں کہ دیکھو خون کا کوئی بھی اثر نہیں ہے۔

امام عرفات کی خبر کے بارے میں شبہ کا اظہار :

آدم برسر مطلب : یعنی برقصہ حضرت اسعد زمان مجھے اسی سال حضرت چنیوٹی نے

فرمایا عصر کے بعد فلاں جگہ پاک و ہند کے حج پر آنے والے علماء کرام آجایا کرتے ہیں، آج کل حضرت اسعد صاحب بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ وہ بھی اکثر شریک ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا آج ان شاء اللہ حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ اس دن میں حاضر ہوا، دورانِ مجلس امام عرفات کی بات چلی تو میں نے مدرس دارالحدیث کی بات کا ذکر کیا تو اسعد مدنی نے صحیحانہ لہجہ میں فرمایا کہ یہ بات ہم پہلی بار آپ سے سن رہے ہیں، گویا خبر کے مشکوک ہونے کے طرف اشارہ تھا۔ میں نے خود بھی اس پر عمل تو نہیں کیا، پہلے سال جمع تقدیمی میں امام عرفات کے پیچھے دونوں نمازیں ادا کیں کہ پھر ایسا موقع ملے گا یا نہیں۔ قیام گا ہوں میں ہزاروں کا اجتماع تو ہوتا ہے لیکن لاکھوں کا نہیں مگر عصر کی نماز خیمہ میں آ کر اپنے وقت پر اس نیت سے پڑھ لی کہ اگر میرے ذمہ عصر کی کوئی نماز باقی ہو تو یہ اس کی قضا کر رہا ہوں۔ بعد میں جب بھی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ تو مسجد عرفات تک پہنچنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ یہ دیکھ کر تو بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے ریڈیو سامنے رکھ کر امام عرفات کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ خیمہ میں جماعت کے ساتھ بھی نماز پڑھنے والے عصر کی نماز قبل از وقت نہیں پڑھ سکتے۔ البتہ مغرب کی نماز اپنے وقت پر نہیں بلکہ مزدلفہ میں عشاء کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ عشاء سے پہلے ادا ہی نہیں ہو سکتی، کاش کہ حجاج کرام حج کے ضروری مسائل سیکھنا بہت ہی ضروری خیال فرما لیتے۔

بہر حال اس طویل کہانی میں عروسِ نبرجانشین حضرت مدنی کا تو اتنا ہی حصہ تھا کہ آپ نے امام عرفات کے سلسلہ میں اطلاع اور خبر کے تحقیقی ہونے پر شبہ کا اظہار فرمایا اور جسے بلاوجہ نہیں کہا جاسکتا۔

ہوش سے کام لینا چاہئے :

ایک اور ملفوظ: حرم پاک ہی کی کسی اور مجلس میں جو بظاہر آپ کا کوئی رفیق سفر یا کم از کم ایک مخلص تھانے افسوسناک لہجہ سے آپ ہی کے سامنے بیان کیا کہ آج کے فلاں ہجوم میں میری جیب کٹ گئی اور جس میں ہزاروں کی رقم بتلائی۔ آپ نے بات کو تو سنا مگر اندازہ یہ ہوا کہ اسے اپنے خیال کے مطابق مطلوبہ ہمدردی سے نہیں نوازا گیا اس نے کسی طرح دوبارہ بھی اپنے صدمہ کا اظہار کیا، مگر آپ نے پھر بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اس پر میں بھی سوچنے لگا کہ یہ خاموشی بے معنی نہیں ہونی چاہئے۔ مصیبت زدہ نے جب تیسری بار اپنا دکھ سنایا تو آپ نے فرمایا، عجیب بات ہے عقلمند آدمی ہو کر اتنی بھاری رقم کو ایک ہی جیب میں ڈالنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلتا یہی تھا اور یہی نکلا۔ مقصد یہ تھا کہ آئندہ ہوش سے کام لینا چاہئے۔

بہر صورت زینتِ نبرج سید العصر مولانا اسعد سے متعلق اپنی دروغی یہی ہے جو پیش خدمت کر رہا ہوں۔

یعنی حضرت کے دو چار ملفوظات جن میں نمازِ عرفات کے امام صاحب سے متعلق خبر پر تبصرہ اور بڑی بڑی زمینداریوں کے بارہ میں بعض حالات میں صحیح حکومت کے اختیارات، حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے خیالات کا حوالہ بھی شامل ہے۔ اسی طرح آپ کی جدائی میں چند آنسو بہاتے وقت ماضی کے چند اہل اللہ کے ایمان ز اور روح افزا واقعات۔ طفولیت آپ کی وہ جو پہلے واقعہ کی ضمن میں عرض کی گئی کہ حضرت شیخ الاسلام والمجاهدین آپ کے والد ماجد نے ہزاروں کے اجتماع اور فلک شگاف زندہ باد کے نعروں میں سے اپنے لئے آپ ہی کو چن لیا گویا.....

گزیدی از ہمہ گلہا تو آں را
بما بگذاشتی باقی جہاں را

یعنی باغ کے سب پھولوں میں آپ نے صرف اسی کو چن لیا اور باقی سب دنیا کو ہمارے لئے چھوڑ دیا۔ اور جوانی و شباب کا یہ عالم کہ ۱۹۵۷ء میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی جانشینی کے لئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی موجودگی اور سرپرستی میں آپ کے والد ماجد کے کثیر التعداد خلفاء کرام نے آپ ہی پر اتفاق کر لیا۔ کیونکہ اس وقت آپ کی عمر تیس سال کے قریب تھی، یہی عمر شباب نشا فی عبادۃ اللہ کی مصداق ہے اور یہی غالباً اہل جنت کی عمر بتائی گئی۔ اب اس کے بعد کی عمران دو معتبر شہادتوں کی روشنی میں کیسی گذری ہوگی۔ اس پر بغیر اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ..... ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔

فرحمہ اللہ رحمة واسعة غفر ذنوبہ و ستر عیوبہ و ہب لنا المصابین بوصالہ
ولیایرثہ و یرث عن اکابر علماء نا الدیوبندیین و افیض علینا من برکاتہم الی یوم الدین و صلی
اللہ علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین و
بارک و سلم۔

نجم المدارس کلاپی میں وصال کے دن ہی فوری طور پر بتوفیق اللہ تعالیٰ ختمات قرآن مجید سے ایصالِ
ثواب کیا گیا اور احقر نے اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں مرحوم و مغفور کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اظہارِ
تعزیت کا فریضہ ادا کیا۔ والقبول من اللہ تبارک و تعالیٰ۔

حقیقت یہ ہے کہ.....

ما قصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا پیرس

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دور تک قافلہ صبح کے آثار نہیں

محرم الحرام کی ساتویں تاریخ ہے، افق آسمانی پر چمکتے سورج کی تابانی ماند پڑتی جا رہی ہے، سورج غروب ہونا چاہتا ہے، مگر اس سے پہلے ہی ملت اسلامیہ کا آفتاب فضل و کمال نصف صدی سے زائد عرصے تک اپنی جرأت، عزیمت، اخلاص، درد مندی اور جاں سوزی کے ذریعے اپنی تابانیاں بکھیرنے کے بعد دنیائے دوں سے رخصت اور غروب ہو کر آخرت کے ابدی سفر پر روانہ ہو جاتا ہے، اس طرح ۸۰ سال کی قربانیوں، جاں فشانیوں، ملت کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے اور الجھی ہوئی گھٹیوں کو سلجھاتے کے عظیم کاموں سے مالا مال مجاہدانہ زندگی گزار کر ملت اسلامیہ کا قائد جلیل، مرد کوہ کن، ذکر الہی سے سرشاری کی والہانہ کیفیت میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملتا ہے

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر ✱ خوب تر تھا صبح کے تاروں سے بھی تیرا سفر
امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کا سانحہ وفات پورے عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہے، یہ صرف ایک فرد کی وفات نہیں بلکہ پورے ایک عہد کا، اور اسکی دل آویز خصوصیات کا خاتمہ ہے، ان کی شخصیت بلاشبہ اسلامی تاریخ کی ان جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیات میں نمایاں ہے جن کے پائے ثبات و استقامت میں نہ حکمرانوں کا رعب و جلال لغزش پیدا کر پاتا ہے، اور نہ ہی سیم و زر کی زنجیریں قصر سلطانی کے گنبد پر اپنا نشیمن بنانے پر انھیں آمادہ کر سکتی ہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ

باسلاطین در قند مرد فقیر ✱ از شکوہ بور یا لرزد سریر
مرد فقیر بادشاہوں سے پنجہ آزما ہو جاتا ہے، اس کے بوریا کے جلال و شکوہ سے تخت و تاج لرزاں و ترساں رہتے ہیں، وہ ان خوش نصیب بندگان خدا میں سے تھے جنھیں قسام ازل نے بے شمار کمالات، امتیازات اور خوبیوں سے بہرہ مند فرمایا تھا، ان کی ذات میں جو مکارم و محاسن اور حسنت و فضائل کا اجتماع اللہ کی توفیق سے تھا ان کا احاطہ بے حد دشوار ہے بقول شاعر

من كثرة الأخبار من مكر ماته ✱ يمر به صنف ويأتي به صنف
یعنی ان کے مکارم اتنے گونا گوں ہیں کہ ایک کا ذکر چھڑتا ہے تو دوسرا سامنے آ جاتا ہے، مریوم کی چند نمایاں امتیازی خصوصیات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے :

(۱) عظمت و عبقریت

حضرت امیر الہند علیہ الرحمہ کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی عظمت ہے، اللہ نے ان کو جو ہمہ جہتی عظمت عطا فرمائی تھی وہ محض خاندانی درخشش نہیں تھی، بلکہ عظمتوں اور رفعتوں کے منارہ بانند تک پہنچنے کے لئے انھوں نے اپنا

خونِ جگر جلایا تھا، ملت کے مسائل کے لئے ایوان پارلیمنٹ میں، ارباب اقتدار کے سامنے، پبلک اسٹیجوں پر، شہر شہر، قریہ قریہ، ملک و بیرون ملک، سفر حضر، راحت و کلفت، ہر وقت اور ہر حال میں اپنے ذاتی اور خاندانی غموم و ہوموم سے بے پروا ہو کر ان کی شب و روز کی پیہم مجاہدانہ مساعی، جہد مسلسل، لگن، ملت کا درد بے پناہ، سوز و دروں اور خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر * سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے کے مطابق فکر مندی اور کڑھن یہ سب ان کی عظمت کے بنیادی روشن عنادین، مظاہر ہیں، ان کو خاندانی عظمت بھی حاصل تھی اور وہ چاہتے تو اسی پر بس کر بیٹھتے، مگر ان کا طائر بلند پرواز محض خاندانی عظمت کو آشیانہ بنانے پر آمادہ نہ ہوا بلکہ انھوں نے اپنے جہاد مسلسل سے ذاتی عظمت کی رفعتیں حاصل کیں، اور ان کی فکر عربی شاعر کی اس فکر سے ہم آہنگ رہی۔

ان الفتی من يقول ها انا اذا * ليس الفتى من يقول : كان ابى صاحب عزم جوان وہ ہے جو خود مرد میدان ہو اور کسی دوسرے کے بھروسے پر نہ رہے، وہ کسی کا دست بگر نہ ہو، بلکہ اسے اپنے زور بازو پر یقین محکم ہو اور وہ لکار کر کہے کہ لو! میں سامنے موجود ہوں، صاحب عزم وہ نہیں جو صرف اپنے آباء و اجداد اور خاندان کی عظمت پر ناز کرتا پھرے اور خود میدانِ عمل میں کوئی جوہر نہ دکھاسکے، حضرت امیر الہند اپنی دنیا آپ بنانے والے اصحاب عزیمت میں سے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ”راہ میں حائل ہوں اگر کوہ تو ٹھکرا کے نکل“ چنانچہ ان کے مشن کی راہ میں بڑے بڑے طوفان آئے، اپنوں اور غیروں کی ریشہ دو انیاں آئیں، رکاوٹوں اور مخالفتوں کی ہوائے تند و تیز آئی، مگر کوئی چیز ان کی رفتار کار اور عزم و ہمت کے آڑے نہ آسکی اور وہ زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے رہے کہ۔

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے * مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حد پرواز سے

(۲) قائدانہ جوہر

اللہ نے ان میں کوٹ کوٹ کر قائدانہ صلاحیت بھروی تھی، دورانِ اندیشی، عقابانی روح، اصابتِ فکر، جرأت و عزیمت، حق گوئی، بے باکی، بصیرت و فراستِ ایمانی، بلند نگاہی اور عالی حوصلگی کی جو خوبیاں ان کے خمیر میں پیوست تھیں، قیادتِ ملت کے پرچار اور نازک سفر میں یہی ان کا رُخِ سفر اور زاوہ راہ تھیں، بقول اقبال۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز * یہی ہے رُخِ سفر میر کارواں کے لئے

کہا جاتا ہے کہ ”قیادتِ اطاعت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے“ ملت کے غم میں اونچے بول بولنے اور جھوٹے آنسو بہانے والے قائدینِ ملت کے انتشار اور جذبہٴ اطاعت سے محرومی کا داوا دیا کرتے ہیں مگر امیر الہند مرحوم کی قیادتِ ملت کی پچاس سالہ تاریخِ اطاعت و اجتماعیت کی آئینہٴ تاریخ ہے، اور مفادِ پرست و مصلحت کوش، کرگس صفت قائدین کی قیادت اور امیر الہند کی جرأتِ مندانہ اور شاہین صفت قیادت میں جو واضح فرق ہے وہ یہی ہے کہ۔

مرے ہم ضمیر بلبل ترا مرا ساتھ ہی کیا * ترا درد درد تھا، مرا غم غم زمانہ

ہندوستان میں سرمایہٴ ملت کی پاسبان و نگہ بان تنظیم ”جمیۃٴ علمائے ہند“ کے وسیع اور عوامی بے نظیر پلیٹ فارم سے نصف صدی سے زائد عرصے تک انھوں نے اسلامیانِ ہند کی قیادت کی، اور احساسِ محرومی و کتری سے

دو چار ملت کو حوصلہ بخشا، ان کے سینوں میں دہلی آگ کو شعلہ جوالہ بنایا، انھوں نے مصلحت اندیشوں کے بجائے جرات مندانہ اقدامات کی تحریک یہ کہتے ہوئے پیدا کی کہ۔

مصلحت اندیشیوں ہی کا تو یہ انجام ہے * اتحاد دین و ملت پارہ پارہ ہو گیا انھوں نے امت کو یہ ہمت دی کہ امت اپنے مسائل پوری قوت سے اٹھائے، اسے اپنے وجود اور تحفظ کی فکر کے بجائے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا ہے، اس کے وجود پر کوئی آنچ نہیں آتی ہے، اصل چیز حقوق کا جرات مندانہ مطالبہ ہے، انھوں نے ملت میں یہ روح بھری کہ وہ اپنے مسائل اٹھائے اور اس میں ذرا بھی لچک، نرم روی اور سہل انگاری سے کام نہ لے، اس لئے کہ۔

مسئلے زندہ قوموں کی پہچان ہیں * مردہ قوموں کے کوئی مسائل نہیں ناعاقبت اندیش اور کوتاہ بین افراد کو کبھی کبھی ان کی قیادت میں ضرورت سے زیادہ عاجلانہ اقدامات، اور تدریج کے بجائے، منزل بہ منزل سفر کے بجائے یک بیک آخری منزل اور مقصد پالینے کا مزاج نظر آتا ہے، مگر امیر الہند کی فراست اور دور اندیشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا تھا، اور ان کی رفتار کارگو یا یہ پیغام دیتی تھی کہ۔

بڑھ جنوں کچھ اور آگے، منزلیں ہیں اور بھی * اس سے کیا حاصل کہ ٹکرائیں درود یوار سے ہم دنیا نے یہ منظر بار بار دیکھا وہ جمعیت علماء (جس کی تاریخ عزیمت کی روشن ترین تاریخ ہے) ہند کے پلیٹ فارم سے امیر الہند کی ایک صدا پر خلق خدا کا وہ ہجوم اکٹھا ہوتا ہے جن سے ایوان باطل میں لرزش پیدا ہو جاتی ہے، جمعیت کی تاریخ میں امیر الہند کی قیادت کا دور اس کا عہد زریں ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ۔

تاریخ جنوں یہ ہے کہ ہر دور خرد میں * اک سلسلہ دار و رسن ہم نے بنایا

(۳) مسلک دیوبند کا تحفظ

امیر الہند کی ایک نمایاں خصوصیت مسلک دیوبند کا تحفظ، اور اکابر دیگر العلوم کی مزاج، مذاق اور اقدار کی زونج و اشاعت کا فکر و اہتمام ہے، اور اس کے لیے انھوں نے جو قابل قدر خدمات انجام دیں ان سے ان کی بیدار مغزی اور ہوش مندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، گذشتہ مارچ ۲۰۰۵ء میں میں نے دہلی میں حضرت سے ملاقات کے دوران اپنی ایک تصنیفی کاوش ”مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے، پیش کی، آپ نے اس کا سرسری مطالعہ فرمایا اور پوچھا کہ اس کتاب میں دارالعلوم دیوبند کا ذکر نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ جی ہاں: دیوبند کا ذکر ہے، پھر وہ باب کھول کر پیش کیا جس میں مفکر اسلام، دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام حضرت مدنی کا مفہمل ذکر ہے، حضرت نے وہ پورا مضمون پڑھا، اپنی مسرت کا اظہار کیا اور دعائیں دیں، اس معمولی واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم، مسلک دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم سے ان کا تعلق کس درجہ والہانہ اور عاشقانہ تھا، اور اکابر کا مزاج و مذاق ان کے دگ و پے میں کس درجہ پست تھا۔

ملت کی بدستی ہے کہ چند سالوں سے ایک جماعت مسلسل مسلک احناف و دیوبند اور اکابر دیوبند کے خلاف طوفان بدتمیزی میں مشغول ہے، اور کچھ بے توفیق تکفیر و تہلیل یا کم سے کم تقسیر و تشبیح کی حدوں تک جلد ہونچے ہیں، امیر الہند نے اس نازک موقع پر تحفظ سنت کا نفرنس بلائی، اور ملت اسلامیہ کے تمام روشن دماغ، سلیم المفکر افراد، عقیدت

مندان و خوشہ چینیان دارالعلوم کو اکٹھا کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ مسلک دیوبند اور عظمت اکابر کے تحفظ کے لئے پیشہ دماغی، قلبی، لسانی، علمی عملی ہر طرح کی کوشش جاری رہے گی اور مسلک دیوبند پر کوئی آنچ آئے اسے گوارا نہ لیا جائے گا۔

(۴) اتحادِ ملت کی سعی محمود

حضرت کی زندگی کا یہ پہلو عام طور پر نگاہوں سے اوجھل ہے، یا غلط فہمیاں حائل ہیں، اصحاب بصیرت واقف ہیں کہ جمعیت علماء اور دارالعلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے حضرت نے اتحادِ ملت کی کوشش مستقل جاری رکھی، اتحادِ ملت کا سرا برا اور راست اصلاح معاشرہ سے جڑا ہوا ہے، تحریک اصلاح معاشرہ جو آج ہندوستان کے ہر گوشے میں جاری ہے اور اس کے اثرات نمایاں ہیں، وہ جمعیت علماء کی دین اور امیر الہند کا فیض ہے، سابق فرقہ پرست حکومت ہند نے مدارس اسلامیہ کے خلاف دہشت گردی پھیلانے کا جو ڈھونگ رچا تھا، اور مدارس کی تفتیش اور اہل مدارس کو تاراج کرنے کی جو منظم مہم اور کوشش جاری کی تھی اور اس کے لئے جو سیاہ بل نافذ کرنے کا پروگرام تھا حضرت نے اس کے مقابلے کے لئے کانفرنس بلائی، اور پھر سب نے دیکھا کہ ان کی آواز پر لاکھوں مسلمانان ہند نے لبیک کہا، تاریخ نے یہ منظر بھی ریکارڈ کیا کہ مختلف الخیال افراد اور مختلف مکاتب فکر کے نمائندے حضرت کے قدم بہ قدم اس مہم میں شریک ہیں، اتحاد و اجتماعیت کا یہ حسین و دل نواز مظاہرہ حضرت کے جذبہ اتحاد کا ایک نمونہ ہے۔

(۵) تدین و تقویٰ اور خشوع

حضرت کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والا ان کے تدین، تقویٰ اور خشوع کا شاہد ہے، حقوق کی ادائیگی کا اہتمام، توازن، معاملات کی صفائی، معاشرتی زندگی کی پاکیزگی، نماز باجماعت کا بے نظیر اہتمام، خاشعانہ کیفیت، شب بیداری، آہ سحرگاہی، تلاوت و مناجات، دعا و انابت اور حسن اخلاقی حضرت کی عملی زندگی کے روشن عناوین ہیں، اور ان کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ یہاں اس کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔

جمعیت علماء کی عملی قیادت میں قدم رکھنے کے دن سے لے کر یوم وفات تک شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جب ایک خاص حلقے میں ان کی تحقیر اور ملامت نہ کی گئی ہو، ان کے لئے کلمات اہانت استعمال نہ کئے گئے ہوں اور ان کو ملت کا دشمن ثابت نہ کیا گیا ہو اور ان کے خلوص پر حملے نہ کئے گئے ہوں، مگر یہ حرکت ان لوگوں نے کی جن کے جسم نازک میں ملت کی خدمت کی راہ میں ایک پھانس بھی نہیں چھپی، جن کے پیروں میں اسلام کے لئے کوئی کاٹنا نہیں گڑا، اور خون تو بڑی چیز ہے اسلام کی صحیح خدمت میں انھیں پسینہ کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوتی، جس وقت ملت محرومی اور مایوسی کے دور سے گذر رہی تھی، علاقہ کے علاقہ خونِ مسلم سے لالہ زار ہو رہے تھے، لاشے بے گورو کفن تھے، مساجد و مدارس کی حرمت اور وقار داؤں پر لگے ہوئے تھے، اس وقت ملت کے اس مرحوم و مجاہد قائد عظیم کے بارے میں زبانِ ملامت دراز کرنے والے کہاں تھے؟ ۷ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ کی صبح احاطہ دارالعلوم دیوبند میں پورے ملک سے اپنے قائد عظیم کی تدفین میں کشاں کشاں آیا ہوا انسانی سمندر زبان حال سے کہہ رہا تھا "ہکلتا کون جناتز ائمة السنة" ائمہ دین اور رہبران امت کا جنازہ اسی شان سے اٹھتا ہے۔ جنازے میں شریک انسانی ہجوم بے پناہ زہمت ہونے والے کی مقبولیت اور محبوبیت کا نشان تھا، اور ہر صاحب بصیرت یہ تاثر ظاہر کرنے پر مجبور تھا کہ قیادتِ ملت کی صف میں ایسا خلا اور سناٹا در آیا ہے کہ ۔۔۔ دور تک قافلہ صبح کے آثار نہیں۔۔۔

مولانا اسعد میاں جواری رحمت میں

ہم عمرو ہم درس وہم جماعت ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں، اسعد میاں بھی کامل تین ماہ کی مایوس گن علالت کے دن پورے کر کے ۶ محرم ۱۳۲۷ھ / ۶ فروری ۲۰۰۶ء کو اسی رواں دواں قافلہ کافر دہن گئے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے، اور ہم پیچھے رہ جانے والوں کو بھی اپنے وقت پر اس مغفرت و رحمت کا شریک بنائے۔ صحیح تاریخ اور مہینہ تو یاد نہیں البتہ ۱۹۴۴ء و ثوق سے یاد ہے جو ہجری ۱۳۶۳ کے متوازی تھا اور مہینہ از روئے قیاس شوال کا ہونا چاہئے (جو انگریزی مہینہ اکتوبر کے مطابق بنتا ہے) کہ اپنا داخلہ دیوبند میں ہوا۔ کتابیں جو ملیں ان میں ایک مختصر المعانی تھی (وہ زمانہ طلبہ کی درجہ بندی کا نہیں تھا۔ کتابوں کی درجہ بندی تھی کہ کون کون سی کتابیں کس استعداد کے طالب علم کو ایک سال میں پڑھائی جائیں)۔ مختصر المعانی کے استاد تھے حضرت مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندی، بڑے پرانے اور مانے ہوئے استادوں میں سے۔ کتاب کی جماعت کافی بڑی تھی، اچھی وسیع درس گاہ بھی بھری ہوئی۔ اسی جماعت میں اسعد میاں بھی تھے۔ میں تو وہاں کسی کو بھی نہ جانتا تھا، نو وارد تھا۔ انھیں پتہ نہیں کیونکہ میری طرف التفات ہوا۔ خیال آتا ہے کہ جیسے پہلے ہی دن سے مہربان ہو گئے۔ میرے لئے بھی یہ التفات قدرتی طور سے باعث اُنس بنا اور پھر یہ ایک درجہ کی دوستی میں بدل گیا، جس کے ابتدائی چار سال تو دارالعلوم کے احاطہ ہی میں بیٹے۔

مجھے شہادت دینی چاہئے، داد دینی چاہئے کہ اسعد میاں اگر چہ اُس ہستی کے فرزند ہی نہ تھے جس کے آگے زانوائے ادب تہ کرنے کی سعادت اپنے لئے ہمیشہ سرمایہ فخر رہی ہے، بلکہ خود بھی درجات و مراتب کی بلندیاں طے کرتے کرتے فخر خاندان بنے، مگر وہ تعلق جو دارالعلوم کی طالب علمی میں انھوں نے قائم کیا تھا اس میں آخر دم تک کبھی فرق دیکھنے میں نہ آیا! بعض وقت دوستانہ بے تکلفی کا کچھ ایسا بے جا استعمال بھی مجھ سے ہو گیا کہ ڈر لگا برانہ مان گئے ہوں۔ مگر نہیں، وضع داری میں ذرا جو فرق آیا ہو۔ میں تیس برس سے لندن میں ہوں، مرحوم کہ سراپا حرکت تھے، سال میں ایک دو بار دورہ ادھر کا بھی عرصہ سے ہونے لگا تھا۔ اسی کی بدولت ملنے جلنے کی صورت باسانی بنتی رہی۔ اور جس وضع داری کی بات کر رہا ہوں وہ اسی ضمن میں یہ تھی کہ جیک لیبا والے سفری حادثہ سے پیدا ہونے والی

مجبوری حائل نہ ہوگئی مشکل ہی سے مجھے اپنی قیام گاہ پہ آنے کا موقع کبھی دیا، ورنہ اپنے ایک ایک منٹ کے مصروف پروگرام میں وقت نکال کے خود ہی خانہ خراب پہ آنا اور لازماً آنا۔ شاز و نادر ہی کبھی ایسا ہوا کہ بغیر طے لوٹ گئے ہوں۔ یہ تین مہینے کی آخری علالت کا سلسلہ جس دن شروع ہوا میں اتفاق سے اس کے دوسرے ہی دن دتی پہنچا تھا۔ اور آخری ہفتہ کو چھوڑ کر یہ پورا عرضہ انڈیا ہی میں گزرا۔ دو دفعہ اپنا ہسپتال بھی جانا ہوا جہاں مرحوم زیر علاج تھے۔ مگر جس بیہوشی کی حالت میں ہسپتال لائے گئے تھے اس نے ساتھ آخر تک نہ چھوڑا کہ نام ہی کو سہی ملاقات ہو سکتی۔ اب سراپا حرکت سراپا سکون تھا۔ پس آخری ملاقات وہی رہ گئی جو تقریباً دو سال پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت بھی میں دتی پہنچا تھا، پتہ چلا کہ اسعد میاں حج میں گئے تھے وہاں سے بہت علیل ہو کے لوٹے ہیں۔ طوفانِ باد و باران کی جو آزمائش اس سال حجاج کو پیش آئی تھی موصوف بھی اس کی زد میں آئے۔ یا اللہ معذوری کا وہ حال کہ بمشکل پاؤں اٹھاپاتے ہیں اور حج کے اثر دحام میں جا پہنچے! کئی باتیں جو بہت شروع سے واضح کرتی گئی تھیں کہ وہ اپنے حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کے خلف الصدق ہیں ان میں سے ایک انتھک حرکت و جدوجہد بھی تھی۔ مگر اس حج کی خبر نے بتایا کہ وراثت کی مقدار پر قانع نہیں رہے، اُسے دو چند کیا ہے۔ عیادت کے لئے جانے کا ارادہ کیا تو پتہ چلا کہ طبیعت بہتر ہے ڈاکٹر کی اجازت سے چند دن کے لئے دیوبند چلے گئے ہیں۔ بہر حال واپس آئے۔ جمیعت کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ دیکھ کے فی الجملہ اطمینان ہوا کہ اس جھٹکے سے بظاہر نکل گئے۔ میں نے کہا بس بہت خدمتِ ملک و ملت ہوگئی، اب خدا کے لئے اپنے اوپر رحم کریں۔ کچھ آرام کر لیں۔ کہنے لگے اب آرام کیا کرنا۔؟ اتنی برس پورے ہونے جا رہے ہیں۔ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ کی میری پیدائش ہے۔ لیجئے معلوم ہوا کہ سال پیدائش ہم دونوں کا ایک ہے۔ بس مہینوں کا آگے پیچھا ہے۔

انتھک مزاج کی وراثت کے ساتھ حوصلہ مندی کا ایک وصف بھی بھرپور پایا ہوا تھا جسے کہنا چاہئے کہ اُن کا اپنا تھا۔ اس وصف کی ایک نشانی جمیعت العلماء ہند کا موجودہ پُر شکوہ دفتر واقع نئی دہلی ہے۔ جن لوگوں نے جمیعت کا قدیم دفتر پرانی دلی کی گلی قاسم جان والادیکھا ہوگا۔ وہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس درجہ کی حوصلہ مند فطرت لے کے اسعد میاں آئے تھے۔ حوصلہ مندی عزم و استقامت بھی چاہتی ہے۔ ماشاء اللہ اس سے بھی وہ ایسے بھرپور تھے کہ دینی میدان ہوئے یا سیاسی، تنہا ہی اپنی سوچ اور اپنے اہداف کے لئے راہیں استوار کرنے میں کبھی ادھر ادھر دیکھتے اور تھڑ دلی کا شکار ہوتے نظر نہیں آئے۔ اور بالعموم اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے کہ حریف ان سے بازی لے جاتے ہوئے نظر نہ آئیں۔ ایک اور چیز جس میں شاید ہی ان کا حریف ہونے کی ہمت وقت کے میدانِ لوگوں میں سے کوئی کر سکا ہو، کشادہ دستی و مہماں نوازی تھی۔ مٹھی کبھی بند ہو کے نہیں رہی۔ اور دسترخوان کبھی سٹا نہیں۔ اور یہ چیز بھی انھیں اپنے والد والا تبار حضرت مدنی سے وراثت میں ملی تھی۔ دعا ہے کہ حضرت کے مثالی ورثہ کی بہتر سے بہتر حفاظت کا سلسلہ اس خاندان میں سدا جاری رہے۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب استاذ مدرسہ امدادیہ مراد آباد

حضرت امیر الہند! چند تاثرات

حضرت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو پہلی بار کب دیکھا یہ تو یاد نہیں لیکن جس بات کا نقش دل پہ آج تک ہے وہ ہے حضرت امیر الہند کی نماز، مدنی مسجد دیوبند میں ایک ایسی شخصیت جس کے ارد گرد بہت سے افراد چل رہے تھے داخل ہوئے سنت کے مطابق دائیں طرف کھڑے ہوئے نماز فرض کے بعد سنت کی ادائیگی میں لگ گئے، ہم دیکھتے ہی رہ گئے ایسا رعب کہ ساتھ ساتھ چلنے والا اور ساتھ ہی مسجد میں داخل ہونے والا جمع بالکل خاموش، اور جب نماز میں محبوب حقیقی سے لو لگایا تو خشوع و خضوع کا پیکر مجسم۔ جتنی دیر میں ہم نے بلکہ اکثر اہل مسجد نے سنت مع وتر پڑھے حضرت کی دو رکعت نماز ہوئی۔ نماز سے فراغت کے بعد ذرا سا پیچھے ہٹ کر بیٹھے تو دوڑک بہت سے لوگ کھڑے ہو گئے، میں بھی ان میں ایک تھا، وہ دن ہے اور آج کا دن اب تک میری آنکھوں نے ایسی خشوع و خضوع والی نماز حضرت کے علاوہ نہیں دیکھی، صبح ہوئی مدنی مسجد میں نماز پڑھ کر نکلے اور سیدھے تفریح کے لئے چل دیئے، اس وقت میں کسی کو پہچانتا نہیں تھا کہ کون لوگ حضرت کے ساتھ میں تھے، ہاں یہ بات اب تک ذہن میں ہے چند نورانی شکلیں ایسی تھیں جس کے بارے میں دل نے خود فیصلہ کیا یہ حضرت کے خانوادہ کے لوگ ہیں۔ قاسم پورہ جو ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے وہاں تک گئے۔ ایک جم غفیر پیچھے پیچھے حضرت آگے آگے لوگ جب گفتگو کرتے تو اس کا خیال رکھتے کہ آواز حضرت کے کان میں نہ پہنچے۔ میں دارالعلوم دیوبند کا ایک جدید طالب علم تھا، مجھے بڑی حیرت تھی کہ اتنے لوگ ہیں کسی کی ہمت نہیں کہ وہ کچھ بات کرے۔ مزار قاسمی آکر حضرت نے کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کیا، پھر چل پڑے ہم نے کتابوں میں پڑھا تھا، بڑوں سے سنا تھا، کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایسا رعب عطا فرمادیتا ہے ہمت کرنے پر بھی ان کے سامنے زبان نہیں کھلتی ہے۔ ایسی عظمت شان حضرت امیر الہند کو بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی۔ جب بھی حضرت دیوبند تشریف لاتے یہی دیکھتا چاہے تفریح میں ہوں یا عصر کے بعد کی مجلس سوائے چند معزز اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے کوئی اور حضرت کے سامنے بولتا نہ تھا۔

مدنی دارالطالعہ جو طلبائے دارالعلوم کے سب سے بڑی انجمن ہے اس کا ایک سالانہ پروگرام (جو عموماً دارالحدیث تھانی میں ہوتا ہے) حضرت امیر الہند کی صدارت میں ہو رہا تھا حضرت الاستاذ حضرت مفتی سلمان صاحب مدظلہ العالی کی شفقت میرے ساتھ تو شروع سے تھی اور آج بھی ہے ان کے حکم پر جلسہ کی نظامت میں کر رہا تھا جب حضرت امیر الہند کو خطاب کی دعوت میں نے ان الفاظ سے دی، حضرت فدائے ملت سے بعد احترام درخواست ہے کہ ہم طلباء و سامعین کو نصیحت فرمائیں حضرت نے خطبہ پڑھ کر سب سے پہلے میری سرزنش کی اور اپنے مخصوص انداز میں میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، کہ آپ کو کس نے اجازت دی کہ آپ میرا نام رکھیں، میرے

والد حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے میرا نام اسعد رکھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے اس نام رکھنے کی وجہ پوچھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا اسعد کو بگاڑیں گے تو اسد کہیں گے، میں اس وقت کی گرفت اب تک محسوس کرتا ہوں میری ہمت نہ ہوئی کہ میں سر اٹھاؤں، حضرت مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہ نے مجھے تسلی دی کہ بڑے لوگ اپنے لئے القاب پسند نہیں کرتے، لیکن تم نے بھی ٹھیک کیا، چھوٹوں کو بڑوں کا نام لیکر دعوت دینا بھی خلاف ادب تھا، اس کے بعد مدنی دارالمطالعہ کا پروگرام، مدرسہ تعلیم القرآن پیرزادہ مراد آباد اور سیرت خاتم النبیین کانفرنس جامع مسجد مراد آباد وغیرہ پروگراموں میں جب حضرت کا نام پکارنے کا وقت آیا تو فدائے ملت کا لفظ میری زبان سے بھول کر بھی نہیں نکالا بلکہ صرف حضرت صدر محترم یا اس جیسے الفاظ و القاب سے کام چلا لیتا تھا۔

میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ حضرت امیر الہند میرے گاؤں (پر تاب گڈھ) تشریف لے جائیں۔ احباب میں ذکر کرتا تو دارالعلوم دیوبند میں ساتھ پڑھنے والے طلباء میرا مذاق اڑاتے، کہ مولانا مدنی اور تمہارے گھر؟ لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت الاستاذ مولانا عبدالہادی صاحب کو حضرت امیر الہند کا پر تاب گڈھ کا پروگرام بنایا۔ پنجاب میل سے دوپہر حضرت تشریف لائے، ظہر اور عصر کے بعد مختلف مقامات پر پروگرام منعقد ہوئے، رات کا بیان میرے گاؤں اور قیام میرے گھر طے ہوا، ۲۱ مئی ۱۹۹۱ء کو رات میں قیام فرما کر صبح چار بجے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ مولانا عبدالہادی صاحب مدظلہ نے میرا تعارف کرایا، کہ پروگرام کا کنوینیر یہ طالب علم ہے جو دارالعلوم دیوبند میں پڑھ رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا آج ۲۸/ شوال ہے آپ طلباء کی تعلیم کا حرج کرتے ہیں، تعلیم پروگرام سے مقدم ہے۔

فراغت کے بعد دہلی حاضر ہو کر حضرت سے بیعت ہوا، حضرت نے کچھ وظائف بتلائے ان وظائف پر کسی نہ کسی درجہ عمل تو آج بھی ہے لیکن محرومی و بد نصیبی سبق آگے نہ بڑھو اسکا، میری تدریسی خدمات سے وابستگی مدرسہ امدادیہ سے ہوگئی، دہلی آتا جاتا رہا، بھائی صاحب حضرت مولانا سید احمد مدنی صاحب کی بے پناہ عنایات کی وجہ سے حضرت امیر الہند کو بہت قریب دیکھنے اور کبھی کبھی خدمت کا موقع بھی ملتا رہا، محبت بڑھتی رہی، لیکن صد افسوس استفادہ نہ کر سکا۔

۱۳/ اکتوبر ۲۰۰۱ء کی بات ہے، حضرت مفتی محمد سلمان صاحب کے مرتب کردہ پروگرام کے تحت مراد آباد تشریف لائے۔ امریکہ نے اسی دوران افغانستان پر حملہ کر دیا میری معرفت بھی ایک پروگرام بعد نماز ظہر رامپور دورا ہے پر نیشنل ہائے وے پر ہونا طے پایا، اجازت نہ ملنے کی وجہ سے مدرسہ امدادیہ رامپور دورا ہے کی وسیع و عریض مسجد میں بہ عنوان اصلاح معاشرہ منعقد ہوا، حضرت تشریف لائے "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے امریکی مصنوعات کے بائیکاٹ کا حکم فرمایا، مدرسے کے ارد گرد کا علاقہ بدعت زدہ ہے، بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، جو شریک ہوا اس نے اگرچہ بدعت سے توبہ نہ کی ہو لیکن کم از کم دیوبندی حضرات سے نفرت ختم ہوگئی یہ اثر حضرت کی تشریف آوری سے ہوا، رمضان المبارک میں حضرت کی علالت کی خبر سن کر دیوبند حاضر ہوا، ملاقات کی اجازت نہ تھی، حضرت کے بچھلے صاحبزادے برادر م مولانا محمد مدنی صاحب سے عرض کیا کہ آج ۲۶ رمضان ہے مجھے واپس جانا ہے، حضرت سے ملاقات ہو جائے تو سزا کا میاب

ہو جائے، بھائی محمد صاحب حضرت کے متکلف میں نماز ظہر کے بعد لیکر گئے حضرت چارپائی پر بیٹھ کر قرآن مقدس کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ہم کئی منٹ تک کھڑے ہو کر زیارت کرتے رہے، شاید حضرت کو پتہ بھی نہ چلا کہ کون آیا گیا۔ حضرت امیر الہند کے انتقال کی خبر مجھے مدینہ منورہ میں قبل نماز عصر ہوئی، بعد نماز عصر تا نماز عشاء قرآن کریم پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا، بعد نماز عشاء حضرت کے حقیقی بھانجے اور چہیتے حضرت مولانا محمد اخلد رشیدی مدظلہ کی مخصوص نشست گاہ مسجد نبوی میں حاضر ہوا، میرے ساتھ مولانا احمد عبداللہ آرگنائزر جمعیت علماء ہند اور مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء مدرسہ شاہی بھی تھے ہم لوگ حاضر ہوئے ہم کیا تعزیت کرتے ہم خاموش کھڑے تھے ہندوستان، پاکستان، افریقہ، برطانیہ، دنیا کے بہت سے ملکوں کے متوسلین و معتقدین و متعلقین جو سفر حج پر تھے حضرت مولانا اخلد رشیدی صاحب سے تعزیت کرتے رہے ایک ہجوم ہو گیا۔

بھائی اخلد صاحب مدظلہ سے ملکر لوگ آبدیدہ ہو جاتے اور بعض لوگ باواز بلند رونے لگتے، مسجد نبوی میں اس طرح مجمع دیکھ کر ہر گزرنے والا محسوس کر سکتا تھا کہ حضرت امیر الہند کے وصال کا غم عالمی ہے، لیکن مولانا محمد اخلد صاحب بھی اپنی خاندانی روایات کے مطابق دوسروں کو تسلی دیتے رہے، ایصالِ ثواب کی درخواست کرتے رہے، ہماری بھی اگلے دو دن کے بعد واپسی طے تھی، اہتمام کر کے پورا قرآن کریم ختم کر کے دوسرے دن صفحہ پہ بیٹھ کر اپنے محسن کیلئے ایصالِ ثواب کیا بارگاہ الہی میں بہ وسیلہ محبوب الہی رفع درجات کی دعائیں کیں۔

مراد آباد واپس آ کر ایک دن قیام کر کے مدرسہ امدادیہ کے سربراہ عالی حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب مدظلہ کی معیت میں تعزیت مسنونہ کیلئے دیوبند حاضر ہوا، وہاں سب تھے لیکن نگاہیں جس کے دیدار کو ترس رہی تھیں افسوس وہ ذات نہ تھی، ناچار واپس ہو گیا اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو نعم البدل عطا فرمائے، صاحبزادگان، برادران دیگر متعلقین و متوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے، حضرت کے درجات اللہ تعالیٰ بلند فرمائے۔ آمین۔ □□□

سوانح قائد ملت حضرت مولانا مفتی محمودؒ

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

تذکرہ سوانح، سیرت و اخلاق، تحصیل علم و تکمیل، درس و افادہ، ذوق علم اور شوق مطالعہ، علمی انہماک، زہد و تقویٰ، عشق رسول ﷺ و اہتمام سنت، تواضع و عبدیت، عزیمت و توکل، بے نفسی و فنائیت، سیاسی بصیرت و عظمت، علمی و دینی اور سیاسی کارنامے، حکمت و بصیرت، لطائف و بذلہ بخیاں، مرزائیت کا تعاقب و رد و فرق باطلہ، اعلا کلمۃ اللہ کے لئے جہاد اور مساعی مسلسل، قید و بند کی صعوبتیں الغرض ایک تاریخ، ایک تحریک اور انقلاب کی داستان۔ مضبوط جلد بندی اور شاندار طباعت، کمپیوٹرائزڈ ٹائٹل۔ صفحات 320 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ

مولانا ڈاکٹر عبدالرحمن ساجد الا عظمیٰ جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد

اللہ جو رحمت میں جگہ دے

قابل رشک زندگی کے مجاہدانہ سفر کا آخری لمحہ اور بعد از مرگ قاسمی شہر خوشاں تک پروقار الوداعیہ اس قائد و راہبر کی داستان حیات کا آخری باب ہے جس کی موت پر پوری ملت، بالخصوص ملت اسلامیہ ہندو گوار ہو گئی ہے۔ زندگی اور موت کا صدر رشک تلازم، سعی محکم اور عمل پیہم سے عبارت ہوا کرتا ہے، جس پر دنیا فخر و ناز سے دیر تک خراج دل پیش کیا کرتی ہے، اور جس کو دیکھ کر شاعر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

زندگی ایسی گزارو کہ سبھی کو رشک ہو

موت ہو ایسی زمانہ عمر بھر رویا کرے

کچھ یہی شان ہے اس مرد آہن کی جو ۶ فروری ۲۰۰۶ء شب منگل، سب کو سو گوار چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ یہ ہے کہ جب بھی کبھی قوم و ملت پر مشکل گھڑی آئی ”بات دل کی ہے“ نظر صرف اور صرف اسی ذات گرامی تک پہنچتی، اسی کے خیالی سراپا کا طواف کرتی۔ حالات کے وسیع تناظر میں اس کی مصلحت کیا ہے؟ خاموشی یا تحریک۔ یہ فیصلہ اس کا اپنا تھا۔

گر زبان کو آواز اور قلم کو رشتہ حروف سے منسلک کروں۔ تو یقیناً میں بھی اپنے مشاہدہ کی روشنی میں ان کی عظمت کا اعتراف انھیں لفظوں میں کروں گا جو استاذی محترم حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی تے ”جلسہ تعزیت مراد آباد“ میں فرمایا تھا کہ ”وہ عزم و ہمت کے پہاڑ تھے، جو فیصلہ کرتے، سوچ سمجھ کر کرتے اور جب کر لیتے تو پھر اس پر پوری قوت سے اڑ جاتے گویا منظر فہاذا عزمتم فتوکل علی اللہ کا ہوتا اور پھر منجانب اللہ ظاہری اسباب و مسائل بہم ہوتے چلے جاتے، اس درمیان نہ تھکتے نہ رکتے بلکہ جہد مسلسل میں شان ”شہنشاہ باری کی ہوتی جو مہمات کو سر کرنے کے لئے ہمیشہ گھوڑے کی پشت پر سوار رہا کرتا تھا نہ کبھی اس کی ہمت جواب دیتی، نہ مخالفت کا کوئی طوفان اس کی راہ روک پاتا، جب تک کہ منزل خود بڑھ کے اس کے استقبال کو نہ آ جاتی۔

ہوش کے ساتھ ہی رنگ غالب اور نمایاں دیکھا، جو ایک قائد کیلئے امتیازی وصف ہوتا ہے، اس لئے پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سچائے قوم، فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنی زندگی میں تحریک کے جس میدان میں قدم رکھا، کامیابی ہمیشہ ان کے ساتھ رہی، اس عظیم مجاہد کی رحلت پر جب دنیا اس ہو گئی، تو پھر خاندان مدنی کے ہر چھوٹے بڑے پر کیا گزری ہوگی اس کا اندازہ تو خود ملت اسلامیہ ہند اپنے سود و زیاں سے کر سکتی ہے ہماری تو بس یہی دعا ہے کہ اللہ مدنی خاندان کو صبر کی ہمت دے اور ملت کو سچا جائیں اور نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

□□□

خودی ہو زندہ تو ہے موت اک مقام حیات

خراج عقیدت کے نام پر، مرثیہ گو مرثیہ گوئی میں مصروف ہیں اور مقالہ نویس، مقالہ نویس میں، خاک نگار خاکوں میں رنگ بھر رہے ہیں اور تاریخ گوئی کے ماہرین قطعات تاریخ میں، اس انفرادی خراج عقیدت کے علاوہ اجتماعی خراج پیش کرنے والے بھی پیچھے نہیں ہیں، اخبارات و رسائل کے ادارے ہمہ تن متوجہ ہیں کہ ان کے رسالے کا ”فدائے ملت نمبر“ نمبروں کی فہرست میں امتیازی مقام حاصل کرے، عمدہ مضامین، درد انگیز مرثیوں اور بلند منظوم قطعات تاریخ پر مشتمل ان کا ”نمبر“ قیمتی کاغذ، نستعلیق کتابت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آئے اور لائبریریوں کی زینت بننے کے علاوہ قارئین سے داد و تحسین حاصل کرے۔

مذکورہ بالا سطور سے حقیر راقم کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ سب کچھ از روئے شرع ناجائز ہے، یا یہ کہ نوجوان نسل کو اپنے پیس روکا بروا سلاف کی سبق آموز حیات، اور دین و ملت کے تئیں ان کی خدمات سے واقف کرانا کوئی گناہ ہے، تاہم اس حقیقت میں تاثر نہ ہونا چاہئے کہ یہ بہر حال ایک ثانوی چیز ہے۔

درجہ اول کی چیز یہ ہے کہ ہم پیچھے رہ جانے والے اپنے مرحوم قائد کو عقیدتوں کا خراج یوں پیش کریں؛ کہ عملاً اپنی زندگی کو ان کے مشن کے لیے وقف کر دیں، ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے ان کی فکر مندی کی مشعل سے روشنی حاصل کریں، ماہ رمضان میں متوسلین کے لیے، ان کی ایمانی مجالس کو صفائے قلب اور جمعیت کے اسٹیج سے منعقدہ اجلاس اور تحریکوں کو سیاسی بصیرت کے لیے رہبر بنائیں، قدرتی آفات اور فسادات سے متاثرہ علاقوں میں، ان کی نگرانی میں ہونے والی ”ریلیف“ سے درد مندی اور ”مسیحیت و قادیانیت“ جیسی اسلام دشمن تحریکوں کے مقابلہ میں میدان بن کر سامنے آنے اور ان کی سرکوبی کے لیے مستقل افراد سازی کے عمل سے دینی حمیت کا سبق سیکھیں اور ایک ایم، پی ہونے کی حیثیت سے پارلیمان میں کی گئی ان کی بے لاگ تقریروں سے جرأت و ہمت کا درس لیں، غرض یہ کہ بیسویں صدی کے آغاز ہی سے فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں جل رہے، اس غیر مسلم اکثریت والے ملک میں نصف صدی پر محیط ان کی ملی دقومی سرگرمیوں کی تاریخ سے، بدلتے حالات میں خود کو پوزیشن کرنے کا بیش قیمتی ہنر سیکھیں۔

اگر ہم پس ماندگان میں سے چند ایک بھی، قحط الرجال کے اس دور میں، خود کو اس قربانی کے لیے تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ملت کے لیے یہ ایک خوش آئند بات ہوگی اور اسلامیان ہند کی ہچکولے کھاتی کھستی ایک تازہ دم ناخدا کے سہارے اپنا سفر جاری رکھ سکے گی۔

”فدائے ملت مرحوم“ کے حادثہ و فوات کو اگر کوئی صرف مدنی خانوادے یا صرف جمعیت کا حادثہ تصور کرتا ہے تو یہ ایک بڑی بھول ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کا اثر پورے ملک میں محسوس کیا جائے گا اس لیے کہ یہ آگ اور خون میں کود کر قومی یک جہتی کے پرچم کو بلند کرنے والی اور عالمی سطح پر ملک کی جمہوری ساکھ کا تحفظ کرنے والی اہم ترین شخصیت کا حادثہ ہے اور ملک کی مسلم اقلیت کا تو اس سے متاثر ہونا منطقی نتیجہ ہے اس لیے کہ یہ اس کی اپنے ایک نہایت باحوصلہ، باتدبیر اور اس سے بڑھ کر باتوفیق قائد سے محرومی ہے ”لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا“

افسوس یہ نہیں کہ جانے والا چلا گیا اس لیے کہ ہر آنے والا آیا ہی جانے کے لیے ہے، لیکن ماتم یہ ہے کہ آج ہم اسلامیان ہند ہر جانے والے کے بعد اپنی زندگی کا ثبوت فراہم کرنے میں ناکام سے نظر آرہے ہیں، قوموں کی تاریخ کا تجزیہ بتلاتا ہے کہ کسی بھی قوم کی زندگی کا زمانہ عروج و ترقی وہی رہا ہے جس میں اس کے افراد کی قوت ارادی، اتنی مستحکم رہی کہ کسی بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والی بڑی سے بڑی شخصیت کے وصال سے، نہ تو ان کی تحریکی سوچ تذبذب کا شکار ہوئی اور نہ ہی دشمنوں نے ان کے پائے استقامت میں کوئی لرزش محسوس کی؛ بلکہ اسی شخصیت کے پس روؤں میں ایسے باحوصلہ کردار بھی آئے جو اسی کے نقوش ہدایت کو اپنا کر، میدان عمل میں اترے اور اس خوش اسلوبی سے مرحوم کا کام پائے تکمیل تک پہنچایا کہ تاریخ نے ان کے کارناموں کو ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں سمو یا اور قوم نے بجا طور پر ان کو اپنا محسن تسلیم کیا۔

یہ صرف زبان کی زور آوری یا قلم کی فسوں کاری نہیں، ایک زندہ حقیقت ہے جس پر کائنات میں نفسیات کے سب سے بڑے ماہر اور اقوام و ملل کے بے مثال مربی محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد ”فرب مبلغ اوعی لہ من سامع“ سے بھی واضح روشنی پڑتی ہے کہ کئی بار بعد میں آنے والا، بلا واسطہ سننے والے کہیں زیادہ ذہین و سمجھدار ہوتا ہے اور اسی کا اثر ہے، کہ امت مسلمہ کے زمانہ اقبال مندی میں، اس طرح کی مثالیں، تسلسل کے ساتھ وقوع پذیر ہوتی رہیں کہ اگر استاذ صرف عالم تھا، تو شاگرد نے علامہ کا لقب پایا، استاذ اگر ملی امراض کا ماہر نباض تھا تو شاگرد نے اس سلسلے میں شان تجدید پائی، غرض یہ کہ کوئی بھی میدان عمل ہو، خواب اگر زندگی نے دیکھا تو تعبیر فراہم کرنے کے لیے کوئی ایوبی میدان میں آگیا، عربی ادب کے مشہور حماسی شاعر ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الحضرمی البغدادی نے ایسی ہی زندہ قوموں کیلئے کہا ہے

إذا أسيد منهم خلا، فإمام سيد
فصول لما الكرام، فاعول

کہ ان کے قومی شباب کا امام یہ ہے کہ اگر ایک مسند نشین، رخت سفر باندھتا ہے، تو دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے جو شریف سرداروں کی طرح قول و فعل میں یکسانیت رکھتا ہے اور قوم اس کے تازہ عزم و استقلال کے ساتھ، مزید صبار قہار ہو کر شاہ راہ ترقی پر گامزن ہو جاتی ہے۔ افرادی قوت کے اس پس منظر میں اگر دیکھیں، تو آزادی کے بعد سے، ہم ہندی مسلمانوں کی، فترت خطرے کی حد تک ست ہے اور جمود کا عالم یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے، جوش و جذبے کی آگ میں تپ کر کنڈان ہونے والے، ہمارے سر پرست زعماء و قائدین، قطار لگائے رخصت ہوئے جا رہے ہیں اور نئے دور میں، قومی قیادت کے لیے نئے صاحب عزیمت افراد کی قلت ہی نہیں، قحط ہے۔ ایسے میں ضرورت ہے کہ اصحاب استعداد آگے آئیں، ”موت“ جیسے سخت آزمائشی مرحلے میں ثابت قدمی کا ثبوت دیں اور آنے والی نسل کو ایک وسیع تر متحدہ پلیٹ فارم مہیا کریں؛ کہ بیسویں صدی میں خستہ زندگی گزارنے والے، ہندی مسلمان کی ”خودی و خود شناسی“ اتنی زندہ و پائندہ بنے کہ اکیسویں صدی کا مورخ ع کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

جیسے مصرعوں کا سہارا نہ لے، بلکہ ان کی ”ریشک اقوام“ حیات جاں نواز کا ورق پلٹتے ہوئے دفعتاً اس کا چہرہ دمک اٹھے، قلم ہوش میں آجائے اور وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو کہ
خودی ہو زندہ، تو بے موت اک مقام حیات کہ عشق، موت سے کرتا ہے، امتحان ثبات

□□□

مولانا امام علی دانش استاذ ادارہ محمودیہ محمدی لکھنؤ پور

مولانا سید اسعد مدنی میں کردار صحابہ کی جھلک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں محققین نے فرمایا ہے کہ (وہم فرسان بالنیہار و رہبان باللیل) وہ دن کے شہ سوار اور رات کے عابد، دنیا بیزار تھے، دن میں دین کی سر بلندی کے لئے سرگرم عمل رہتے راتوں کو ضرورت بھر آرام فرما کر نماز و مناجات میں مشغول ہو جاتے ان کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں گذرتا تھا اس کیفیت و حالت کا عکس جمیل اکابر ملت کی زندگیوں میں بھی پایا جاتا رہا ہے۔ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کے روز شب بھی اصحاب نبوی کے منہج و طریق پر گذرتے تھے میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور پرکھا ہے دین پر ثابت قدم و یقین کی پختگی، اصابت رائے اور ہوشمندی کے ساتھ مسلسل جدوجہد کرتے رہنے میں اپنی مثال آپ تھے، حالات موافق ہوں یا ناسازگار وہ کبھی ناامید نہ ہوتے تھے اسلام اور مسلمانوں کی سر بلندی کے لئے ملک و بیرون ملک کے مسلسل دورے فرماتے دنیا کے کسی گوشہ میں مسلمانوں پر کوئی آفت آتی اسکی خلش اپنے دل میں محسوس کرتے، ہر ممکن تعاون کرتے ہندوستانی مسلمانوں کی عزت و آبرو جان و مال اور دین و ایمان کے تحفظ کا پختہ عزم رکھتے تھے، بروقت فیصلہ کرتے اور مناسب اقدام کرتے حق گوئی اور حق پرستی ان کا شیوہ تھا خواص ہو یا عوام رعایا کے لوگ ہوں یا حکام سب کو راہ راست دکھاتے کسی سے مرعوب نہ ہوتے مسلسل فسادات برپا کر کے فرقہ پرست لوگ اہل اسلام کے حوصلوں کو پست کر دینا چاہتے تھے، تاکہ وہ اس ملک میں دوسرے درجہ کے شہری بن کر رہیں ان کو حوصلہ دلانے اور عزت کی زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھانے کے لئے ملک و ملت بچاؤ تحریک چلائی ایک موقع پر فرمایا کہ اس ملک کے بنانے اور سنوارنے میں ہم کسی سے پیچھے نہیں ہیں ہم نے تحریک آزادی کی قیادت کی ہے ہم کسی سے رعایت نہیں چاہتے ہیں ہم اس ملک پر دوسرے کے برابر حقوق رکھتے ہیں۔ چکو لیکر رہیں گے اس ملک کی ایک بڑی آبادی کو ہزاروں سال سے پس ماندہ اور کمزور رکھا گیا ہے ان کو بھی ساتھ لیکر ہم حقوق کے حصول کی جنگ لڑیں گے عائلی قانون میں تغیر و تبدیلی کو شش روکنے، دینی مدارس کے تحفظ و بقاء کی جدوجہد، مساجد و مقابر و اوقاف کی حفاظت میں تسلسل کے ساتھ مخلصانہ جدوجہد کرتے رہنا، حضرت کا طرہ امتیاز رہا ہے ایک مرتبہ فرمایا کہ فسادات میں مسلمان لوٹے اور مارے جاتے ہیں ان کی باز آباد کاری کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ان کے اندر رپورٹ درج کرانے کی جرأت پیدا کرنے اور ان کے خلاف قائم ہونے

والے مقدمات کی پیروی میں جمعیت علماء ہند پیش پیش رہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ریلیف کا ابتدائی کام تو دوسری مسلم تنظیمیں بھی کرتی ہیں مگر آخر تک جمعیت علماء ہند ہی ثابت قدم رہی ہے اس کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی حضرت کی شخصیت نے ہمہ جہتی خدمت کی ہے اور ملت اسلامیہ کے لئے ہر محاذ پر کام کیا ہے اصلاح معاشرہ کی تحریک انہوں نے چلائی قریہ قریہ تک اصلاح کی آواز پہنچائی قیام مکاتب اسلامیہ کی جدوجہد میں جماعت کو لگایا، دعوتی و تبلیغی دورے خود بھی کرتے تھے اور دوسرے علماء کرام کو توجہ دلائی فتنہ ارتداد کا مقابلہ کیا عیسائی مشینریوں اور قادیانیوں کی مسلمانوں کو مرتد کرنے کی فتنہ انگیز تحریک کو ناکام بنایا ائمہ فقہ پر طعن کر کے امت کا شیرازہ منشر کرنے والوں کے فتنہ سے امت کو بچانے کا اہتمام فرمایا عظمت صحابہ کرام کو مجروح ہونے سے بچایا اور اسی کے ساتھ بیعت و ارشاد کے سلسلہ کو بھی برقرار رکھا، حضرت کی نسبت بہت قوی تھی اور تربیت کا طریقہ نہایت آسان تھا سی لیے ان کے وابستگان جلد ہی روحانی ترقی کرتے تھے تواضع و انکساری اور تحمل و بردباری میں بھی حضرت کی مثال جلد نہیں ملے گی۔

زغرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم * کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جا است
 قصبہ محمدی میں ہر سال تشریف لا کر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے نقوش قدم پر گامزن رہتے ہوئے پورے علاقہ کو دینی فیض پہنچاتے علماء کرام کو ہدایت کرتے کہ وہ اپنا فرض منصبی ادا کرتے رہیں عوام کو اتباع سنت کا پیغام پہنچائیں ایک ایک دن میں کئی کئی اصلاحی جلسوں کو خطاب کرتے دشوار گزار راستوں کا سفر بھی خوش دلی سے گوارا کر لے تے بعض دفعہ پیدل بھی چلنا پڑا ہے میزبانوں کی فروگزاشتوں پر بھی شفقت سے پیش آتے اور اس مسلسل جدوجہد کے دوران پنج وقتہ نماز باجماعت پورے خشوع و خضوع سے ادا کرتے رہتے نصف شب کے بعد تہجد کی ادائیگی ذوق و شوق سے کرتے ذکر و دعا میں مشغول رہتے نماز ادا بین اور نماز تہجد میں طویل قرأت اور اسی انداز پر دیر تک رکوع و سجدے کرتے نماز کی ادائیگی کا وہ روحانی ایمان افروز منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے "لسی مع اللہ وقت" کی جھلک محسوس ہوتی تھی دوران سفر جن مقامات سے گزرتے وہاں کی دینی حالت دریافت فرماتے اور ساتھ ہی نہایت مفید کارآمد نصائح و ہدایات سے نوازتے جاتے، اخلاق کریمانہ کی یہ حالت تھی کہ ہر متعلق سمجھتا کہ ہم کو ہی زیادہ چاہتے ہیں فراست مومنانہ کا نور قلب میں موجزن تھا، نور بصیرت و تقویٰ سے جیسے روشن تھی وہ اس دور کے بہت بڑے مصلح و قائد اور ولی کامل تھے۔

ترقی یافتہ اور سہولت کی جگہوں پر جانے میں تو دیگر حضرات کو بھی تکلف نہیں ہوتا مگر ہمارے پس ماندہ علاقہ کی سرپرستی و صدارت کے لئے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ بھیج دیتا تھا دعا ہے کہ آئندہ بھی اللہ نعم البدل عطا فرمائے وہی حقیقی کارساز ہے۔

☆☆☆

عظیم باپ کے عظیم فرزند

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے سانحہ وفات کی خبر ملنے پر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ دارالعلوم کراچی کی مسجد میں ۱۰ محرم ۱۴۲۷ھ جمعرات کے روز نمازِ ظہر کے بعد تعزیتی خطاب فرمایا تھا۔ افادہ عام کی خاطر یہ خطاب ہدیہ قارئین ہے (ادارہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا :

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ کی وفات کی المناک خبر ہمیں تاخیر سے ملی۔ آج کل اخبار دیکھنے کا موقع بھی کم ملتا ہے، ورنہ یہ اجتماع کل ہونا چاہیے تھا مگر اطلاع تاخیر سے ملی۔ اس وجہ سے یہ خطاب آج ہو رہا ہے۔ حضرت مولاناؒ کے سانحہ وفات کی خبر تمام مسلمانانِ برصغیر کے لئے عموماً اور دینی مدارس کے لئے خصوصاً بڑی اندوہناک خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے جانے سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پُر فرمائے اور ان کی برکات سے محروم نہ فرمائے۔ (آمین)

مولانا اسعد مدنیؒ سے ہمارا تعلق مختلف وجوہ سے تھا، وہ ہمارے سب سے بڑے بھائی جان مولانا محمد زکی کیفی صاحبؒ کے ہم سبق بھی تھے، ان دونوں حضرات نے کافی عرصہ دارالعلوم دیوبند میں ساتھ پڑھا ہے۔ ایک رشتہ ان سے یہ تھا کہ وہ ہمارے ہم وطن بھی تھے، تیسرا یہ کہ وہ عظیم باپ کے عظیم فرزند تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ جو استاذ الاساتذہ ہونے کے علاوہ اونچے درجہ کے ولی اللہ اور صاحب نسبت شیخ طریقت تھے، اکابر علمائے دیوبند میں ان کا خاص امتیاز تھا۔ ان وجوہ سے ہمارا ان سے بہت قریبی تعلق بنتا ہے۔

ہمارے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ :

”میں نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے کوئی کتاب تو نہیں پڑھی لیکن وہ میرے اساتذہ کے طبقہ کے بزرگ تھے۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ اپنے والد صاحبؒ کو یہی دیکھا کہ وہ حضرت مدنیؒ کی ایسی ہی تعظیم کرتے تھے

جیسا کہ ایک شاگرد استاد کی تعظیم کرتا ہے۔

جب متحدہ ہندوستان میں قیام پاکستان کی تحریک چل رہی تھی تو بزرگان دیوبند میں اختلاف ہوا۔ بعض بزرگوں کی رائے یہ تھی کہ پاکستان بننا چاہئے، مسلمانوں کی حکومت الگ ہونی چاہئے اور مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ مل کر ایک صف میں اس طرح شامل نہیں ہونا چاہئے کہ وہ بالادست ہوں اور ہم زیر دست ہوں، وہ اکثریت میں ہوں، ہم اقلیت میں ہوں، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی رائے یہ تھی کہ جو لوگ قیام پاکستان کی تحریک میں پیش پیش ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہیں اور یہ امید نہیں ہے کہ وہ پاکستان بننے کے بعد اسلامی حکومت کے مقاصد پورے ہو سکیں گے۔ اس لئے ہمیں ہندوؤں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنی چاہئے۔ ایک طرف حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، ہمارے والد صاحب اور مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ تھے۔

دوسری طرف شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ وغیرہما تھے۔ اختلافات کا دور تھا، ہم نے وہ دور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، کیونکہ جب ہم ہجرت کر کے پاکستان آئے ہیں تو میری عمر کا بارہواں سال چل رہا تھا۔ ساری تحریک پاکستان ہمارے سامنے کی ہے، اُن دنوں میں دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم حفظ کرتا تھا۔

غیر منقسم ہندوستان کے اختلافی دور میں حضرت والد ماجد اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے وہ رفقاء جو یہ تحریک چلا رہے تھے، انہوں نے دارالعلوم دیوبند سے استعفاء دیدیا تھا، تاکہ دارالعلوم سے دو متضاد قسم کے فتاویٰ جاری نہ ہوں اور دارالعلوم جو سب کی مشترک متاع ہے، اس کے فتاویٰ میں تعارض نہ ہو، اس کو نقصان نہ پہنچے، اُس واسطے یہ حضرات دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور ان کے رفقاء حسب سابق دارالعلوم دیوبند میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ اختلافات کا دور تھا، اسی زمانے میں حضرت مدنیؒ کو انگریزی حکومت نے گرفتار کر لیا، کافر عرصہ کے بعد جب وہ رہا ہو کر آئے تو والد صاحبؒ ملاقات کیلئے گئے، میں بھی ساتھ تھا اور یہ میری حضرت مدنی سے پہلی اور آخری ملاقات تھی، میں نے آپ سے مصافحہ کیا تھا، مجھے آج بھی آپ کے ہاتھوں کا گداز یاد ہے۔

مولانا اسعد مدنیؒ عظیم باپ کے عظیم فرزند تھے۔ اللہ رب العالمین نے ان کو اپنے والد ماجد کی بہت آصفیات کا امین بنایا تھا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صاحب کمالات اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ اُن کی اعلیٰ صفات کو بیان کرنا مجھ جیسے ناکارہ کے لئے آسان نہیں، لیکن اپنے بزرگوں سے جیسا کہ سنا، چند صفات ان کی زندگی

میں بہت ممتاز تھیں، ایک انتہاء درجہ کی تواضع، دوسری جفاکشی، مجاہدات اور ریاضتیں اور زہد اور سادگی۔
حضرت مدنیؒ کی تواضع اور جفاکشی کے بارے میں میں نے اپنے والد صاحبؒ سے خود سنا کہ حضرت شیخ
الہندؒ کی صاحبزادی کی شادی تھی، والد صاحبؒ بچپن سے ان کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، رمضان میں رات کو تراویح
میں ان کے ساتھ شریک ہوتے تھے، تو حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی صاحبزادی کی شادی
تھی، ہم بھی اس میں شریک تھے۔ فرماتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ دور سے ایک شخص چلا آ رہا ہے، اور اس کے سر پر
پانی کا مٹکا ہے۔ قریب آیا تو پتہ چلا کہ وہ حضرت مدنیؒ ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ خود شیخ تھے اور استاذ الاساتذہ تھے
لیکن استاد کی خدمت کے لئے یہ فدائیت یہ جاں نثاری۔ اللہ اکبر۔

میں نے اپنے والد صاحب سے ایک اور واقعہ سنا وہ یہ کہ حضرت شیخ الہند جب مالٹا میں اسیر ہوئے تو
حضرت مدنیؒ بھی حضرت کے ساتھ تھے۔ سردیوں میں پانی ٹھنڈا ہوتا تھا، گرم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تھا، تو
حضرت مدنیؒ پانی کا برتن اپنے لحاف میں لے کر لیٹے رہتے تھے تاکہ جس کی حرارت سے پانی کی ٹھنڈک میں کمی
آ جائے اور وضو کرنے میں آسانی ہو جائے۔

یہ جاں نثاری، یہ فدائیت اور یہ للہیت تھی۔ ایک اور واقعہ سنا ہے یا کہیں پڑھا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی
صاحبزادی کی شادی میں مہمان زیادہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ بیت الخلاء اُس زمانے میں گھڈی کے ہوتے تھے فلش
سٹم کارواج نہیں تھا، بیت الخلاءوں میں بدبو پیدا ہوگئی، کسی نے حضرت شیخ الہندؒ سے کہا تو ان کو پریشانی ہوئی۔
حضرت مدنیؒ بھی مجلس میں موجود تھے۔ کچھ دیر بعد کسی نے بتایا کہ حضرت وہ تو صاف ہو گئے، پتہ چلا کہ حضرت مدنیؒ
نے صاف کر دیئے ہیں۔ ان اوصاف حمیدہ سے اللہ نے ان کو نوازا تھا۔

عین اسی زمانے میں جب اختلافات اپنے عروج پر تھے اور حکیم الامتہ حضرت تھانویؒ کی طرف سے
فتوے جاری ہو رہے تھے کہ تحریک پاکستان میں مسلمانوں کو حصہ لینا چاہئے۔ ادھر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی
طرف سے اس کے برعکس بیانات اور تقریریں جاری تھیں۔ اختلافات پورے عروج پر تھے، عین اسی زمانے میں
حضرت مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ ان سب حضرات نے طے کیا کہ ان مسائل
کے بارے میں حضرت حکیم الامتہ تھانویؒ سے مشورہ کیلئے جانا ہے۔

اختلافات اپنی جگہ لیکن ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم اپنی جگہ۔ اب ہوا یوں کہ اچانک پروگرام بننے کی
وجہ سے پہلے سے اطلاع نہ کر سکے اور حضرت تھانویؒ کی خانقاہ کا یہ اصول تھا کہ آنے والا پہلے سے اطلاع کرے
تاکہ اس کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام کیا جائے۔

پس یہ حضرات رات کو خانقاہ بند ہونے کے بعد پہنچے۔ حضرت تھانویؒ بھی گھر جا چکے تھے۔ ان حضرات کی تواضع، سادگی اور تعظیم دیکھنے کہ نہ حضرت کو اطلاع کی نہ دروازہ کھٹکھٹایا، بلکہ چادریں ہاتھ میں تھیں وہیں بچھائیں اور خانقاہ کے باہر دروازے پر لیٹ گئے۔ حضرت تھانویؒ نماز فجر کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ یہ حضرات خانقاہ کے باہر ہی لیٹے ہوئے ہیں، فرمایا کہ بھئی کیا غضب کر دیا آپ نے یہاں کیوں لیٹ گئے؟

فرمایا کہ حضرت ہمیں آپ کی خانقاہ کے اصول معلوم تھے، ہم نے ادب کے خلاف سمجھا کہ اس وقت خانقاہ کھلوائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میرا غریب خانہ تو موجود تھا، مجھے اطلاع فرمادیتے، ان حضرات نے فرمایا کہ حضرت! ہم نے آپ کو بھی تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔

پھر مشورہ ہوا مگر وہ اپنی رائے پر قائم رہے، یہ اپنی رائے پر قائم رہے، لیکن ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم میں ادنیٰ کمی نہیں تھی، ان حضرات کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعظیم و تکریم کیسی تھی؟ اس کا کچھ حال اس خط و کتابت سے ظاہر ہوتا ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے شائع کی ہے۔ اس کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات ایک دوسرے پر کیسے فدا تھے، ایک دوسرے کی کیسی تعظیم کرتے تھے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا اور ہمارا بغداد کے ایک سفر میں بھی ساتھ رہا۔ ایران عراق جنگ کے دوران وہاں عالمی کانفرنس میں جانا ہوا اور تقریباً آٹھ دن ہم ایک ہی ہوٹل میں رہے۔ ان کا بھی معمول تھا کہ وہ فجر کے بعد چہل قدمی فرماتے تھے اور میرا بھی یہ معمول ہے۔ بسا اوقات ساتھ گھومنے جایا کرتے تھے۔

الحمد للہ ان سے محبت کا تعلق تھا، دارالعلوم بھی تشریف لائے اور بارہا ملاقات ہوئی، دیوبند ہم گئے تو وہاں بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا ارشد مدنی صاحب تقریباً ہمارے ہم عمر ہیں، جس سال میری دارالعلوم سے فراغت ہوئی، تو میں اپنے والد صاحبؒ کے ساتھ دیوبند گیا، ہجرت پاکستان کے بعد والد صاحبؒ کا اور میرا یہ دیوبند کا پہلا سفر تھا۔ اس وقت مولانا ارشد مدنی صاحب دورہ حدیث کر رہے تھے، ان کے ساتھ ہمارا لڑکپن سے دوستانہ تعلق ہے، بعض کھیل بھی ہم نے ساتھ کھیلے ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ نے ایک اور واقعہ سنایا تھا کہ ایک سفر میں ہم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ تھے۔ جب اسٹیشن پر پہنچے تو فرمانے لگے کہ بھئی سنت کے مطابق کسی کو امیر مقرر کر لینا چاہئے، ہم نے کہا بس حضرت اس کیلئے آپ متعین ہیں۔ بغیر تکلف کے فرمایا: ”ٹھیک ہے“۔ جب چلنے کا وقت ہوا تو اس کا سامان بھی اٹھایا اس کا بھی اور تیسرے کا بھی اور ریل میں رکھنے لگے۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ یہ خدمت ہم انجام دیں، اور درخواست بھی کی، مگر فرمایا: ”اطاعت امیر واجب ہے“۔ کسی کو سامان نہ اٹھانے دیا اور خود سب کا سامان اٹھا اٹھا کر

گازی میں پہنچایا۔

یہ واقعات حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی وفات سے تازہ ہو گئے۔ ان واقعات کو پھیلانے اور بیان کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارے دینی حلقوں میں دو لفظ بڑے گندے استعمال ہونے لگے ہیں اور ہمارے مدرسوں پر بھی وہ لفظ استعمال ہونے لگے ہیں ”تھانوی گروپ اور مدنی گروپ“ یہ اتنے گندے اور بدبودار الفاظ ہیں جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں اور یہ ایسے ہی گندے اور بدبودار الفاظ ہیں جیسے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک انصاری اور ایک مہاجر کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ انصاری نے انصاریوں کو بلایا یا اللانصار مہاجر نے مہاجرین کو پکارا یا للمہاجرین رسول اللہ ﷺ نے بوجھایہ کیا بات ہے؟ دعویٰ فافانہا منتنة۔ ”یعنی ایسے الفاظ چھوڑ دو“۔ ان الفاظ سے زمانہ جاہلیت کی بو آتی ہے۔ سی طریقہ سے تھانوی گروپ اور مدنی گروپ کے الفاظ ہیں۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی حضرت تھانویؒ کے سامنے یہ الفاظ کہتا یا حضرت مدنیؒ کے سامنے کہتا تو ضرور یہ حضرات اس کو اپنی مجلس سے نکال دیتے۔ اس لئے کہ یہ بزرگ تو ایک دوسرے پر جانیں دینے والے تھے ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کرنے والے تھے۔ ان کی طرف گروپ بندی کی نسبت کرنا ان پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اور ان کی شان میں بڑی گستاخی ہے۔

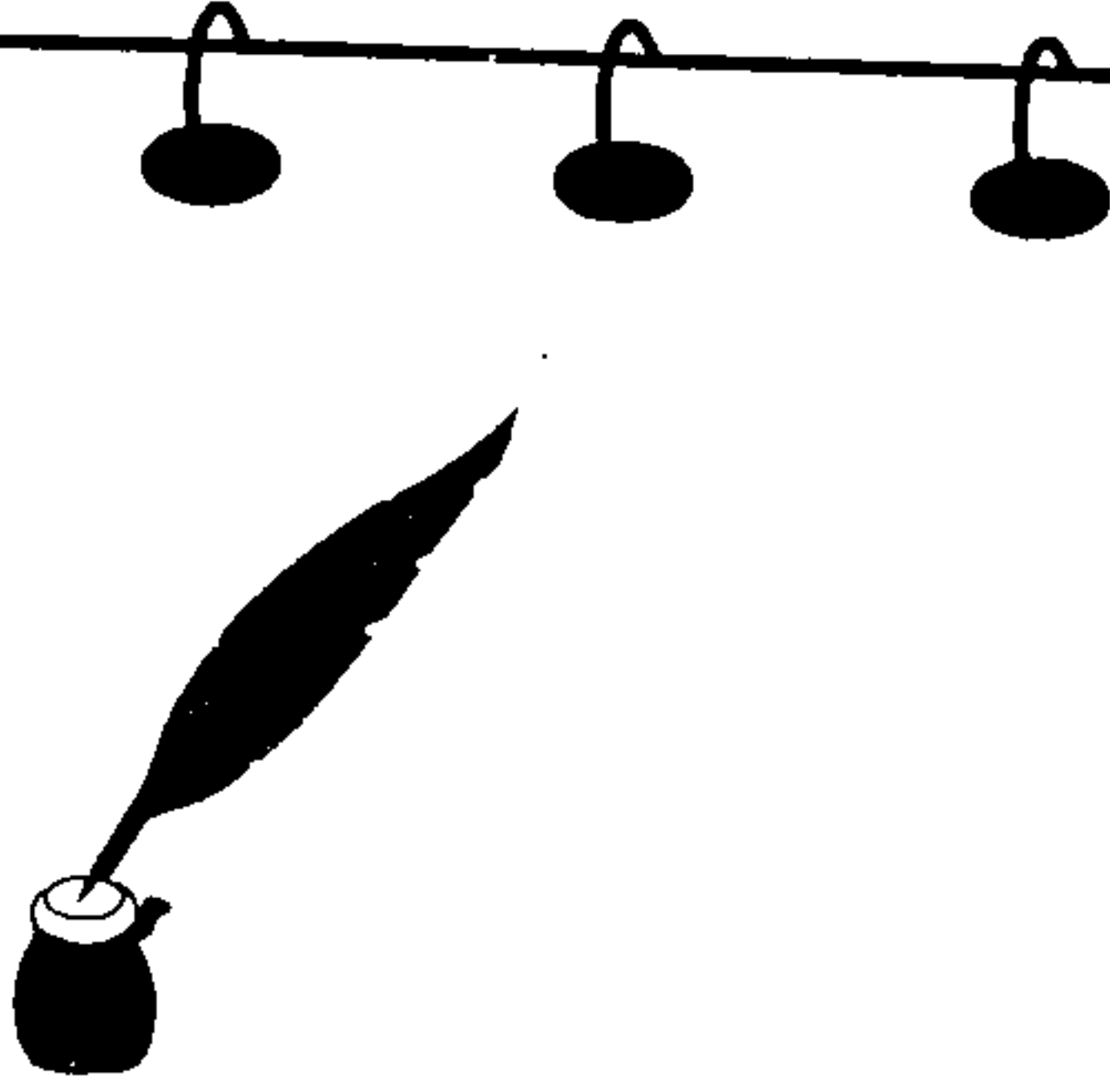
حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ نے مسلمانان ہند کی بڑی خدمات انجام دیں۔ بین الاقوامی سطح پر جو لوگ پیش پیش رہے ہیں، ان میں مولانا خاص طور سے ممتاز تھے۔

میری آپ حضرات سے درخواست ہے کہ ان کیلئے دعائے مغفرت کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے، ایصالِ ثواب کا بھی اہتمام کیا جائے۔ البتہ چونکہ اجتماعی طور پر تداعی کے ساتھ قرآن خوانی کے بارے میں ہمارے بزرگوں کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے ہاں اجتماعی قرآن خوانی نہیں ہوتی۔ جتنا ہو سکے ان کے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے، صدقہ خیرات کے ذریعے، قرآن پڑھ کر، کم از کم قل ھو اللہ، پڑھ کر ہی ثواب پہنچا دیا جائے، یہ بھی کافی ہے، ضروری نہیں کہ صرف آج ہی پہنچایا جائے بلکہ جب بھی یاد آئے ان کے لئے ایصالِ ثواب کرتے رہا کریں۔

اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے اور ان کو درجاتِ عالیہ سے نوازے اور ان کے پس ماندگان کو صبر

جمیل اور فلاح دارین عطاء فرمائے۔ (آمین)

واللہ اعلم بالصواب



باب : ۷

قیادت و شجاعت، تدبیر و

بصیرت، سیاسی کارنامے

اور قومی و ملی خدمات

جناب عادل صدیقی صاحب

جمعیت علماء ہند کی قیادت و خدمات اور آئینہ ایام

حضرت مولانا سید اسعد مدنی "صدر جمعیت علماء ہند (جن کا انتقال ۶ فروری ۲۰۰۶ء کو ہو گیا) کے بعد جمعیت میں ایک بحرانی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور ہر وہ شخص جو جمعیت سے ذرہ برابر بھی تعلق رکھتا تھا، دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ اللہ جمعیت کی آبرو کو محفوظ رکھے۔ آخر اکابرین اُمت کی دعاؤں اور مشوروں سے یہ مسئلہ حل ہوا۔ حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہ اس کے صدر منتخب ہوئے اور حسب دستور مولانا محمود اسعد مدنی جمعیت کے ناظم عمومی کی حیثیت سے برقرار رہے۔ اللہ رب العزت ہر دو حضرات کو ملت کی بھرپور خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور جمعیت کی جو تاریخ رہی ہے، اس پر یہ رواں دواں رہیں۔ اس موقع پر ادارہ نے مناسب سمجھا کہ جمعیت کی شاندار ماضی کو قارئین تک پہنچایا جائے تاکہ قارئین کو معلوم ہو کہ حضرت فدائے ملت کی قیامت میں جمعیت کی کیا خدمات رہی ہیں بس اسی منشا کے تحت جناب عادل صدیقی کا یہ مضمون اختصار کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے..... (ادارہ)

حصول آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے طرح طرح کے ایسے مسائل آئے، جن کا ماضی میں تصور بھی نہ کیا جاسکتا تھا۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے جمعیت علماء ہند ہی وہ واحد جماعت تھی جس نے مسلمانوں کی پشت پناہی کی۔

جمعیت علماء ہند ایک ایسی تنظیم ہے جو مستند علماء کی قیادت میں اہل وطن کی خدمت آج سے نہیں بلکہ اسی سال سے زائد زمانے سے مصروف عمل ہے۔ آزادی وطن کی تاریخ میں اس کا شاندار رول ہے، اس نے ہمیشہ ہی ملک کے اتحاد اور سیکولرزم کے زریں اصولوں کو اپنایا ہے۔ چنانچہ تعمیر وطن کے حوالے سے اس کی خدمات کسی بھی طرح کسی دوسری جماعت یا تنظیم سے کم نہیں ہیں۔

ہندوستان میں دورِ مغلیہ کے زوال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۰۳ء میں اپنی حکومت قائم کی، یہ وہ دور تھا کہ عیسائی مشنری ہندوؤں اور مسلمانوں کو عیسائی مذہب اپنانے کا سبق دے رہے تھے اور چونکہ برطانوی سامراج نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی، اس لئے قدرتی طور پر وہ مسلمانوں کو ہی ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے تھے۔

ہندوستان میں جدوجہد آزادی کی بنیاد شاہ عبدالعزیز نے ڈالی جو کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے تھے۔ انہوں نے عیسائی مذہب کے پرچار کے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے ایک فتویٰ دیا جسے تاریخ ہند میں زبردست اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا ملک غلام ہو چکا ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے آزاد کرائیں۔ چنانچہ یہی فتویٰ جمعیت علماء ہند کے لئے مشعل راہ ثابت ہوا اور آج تک علماء ہند اسلام کے تحفظ اور وقار کی خاطر اسی فتویٰ کی روشنی میں پیش قدمیاں دکھاتے رہے ہیں۔ اسی فتویٰ نے ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے لئے راستہ ہموار کیا۔

چنانچہ حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نے ہندوستان کے شمال مغرب میں برطانیہ کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا۔ آپ نے آزاد ہندوستان کے لئے ایک عارضی حکومت بھی قائم کی تھی۔ اسی جدوجہد اور لڑائی میں شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید نے ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر جام شہادت نوش کیا، مگر انہوں نے جدوجہد آزادی کی جو شمع روشن کی تھی، وہ ۱۸۵۷ء تک روشن رہی، ۱۸۵۷ء میں ۳۳ علماء کرام نے جہاد کا فتویٰ صادر کیا اور حاجی امداد اللہ مہاجر کی قیادت میں مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور حافظ ضامن شہید نے ملک کو آزاد کرانے کے لئے سراوردھڑ کی بازی لگادی۔ ۱۸۶۳ء اور ۱۸۷۱ء کے درمیان علماء کے خلاف بغاوت کے ۵ بڑے مقدمات وہابی مقدمات اور انبالہ سازش کیس کے نام سے تاریخ آزادی کا روشن باب ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد علمائے کرام کو پھانسی کے تختوں پر جھولنا پڑا۔ صرف دلی میں ہی ۵۰۰ علماء کو پھانسی دی گئی۔

۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کاسنگ بنیاد رکھا گیا، اس ادارے کے پہلے شاگرد مولانا محمود حسن نے ثمرۃ التربیت کے نام سے ایک جماعت بنائی تاکہ برطانوی سامراجیت کے خلاف مسلح جنگ لڑی جاسکے، یہ کوشش تقریباً ۳۰ سال تک چلتی رہی۔ ۱۹۰۹ء میں اس کا نام نظارۃ المعارف پڑا۔ ۱۹۱۶ء میں ریشمی رومال تحریک کے ذریعے ہندوستان کو آزاد کرانے کا پیغام عام کیا گیا، اس سلسلے میں ملک بھر کے ۲۲۲ علماء کرام کو گرفتار کر لیا گیا، ان میں چند اہم نام یہ ہیں :

مولانا محمود حسن، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خان، مولانا سید حسین احمد

مدنی وغیرہ۔ مولانا محمود حسن اور مولانا سید حسین احمد مدنی کو حجاز سے گرفتار کیا گیا اور مالٹا میں قید کر دیا گیا۔

دیں اثناء ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا سنگ بنیاد رکھا گیا، ہندوستان کے مسلمانوں کو جدوجہد آزادی میں شریک کرنے کے لئے ۳۰۰ علماء کرام نے نصرۃ الابرار کے نام سے فتویٰ جاری کیا، مولانا ابوالکلام آزاد نے اس مقصد کی تکمیل کی خاطر الہلال جاری کیا، ۱۹۱۳ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی اور دنیا کا سیاسی نقشہ بدلنے لگا۔ علماء کرام نے مسلح جنگ کا راستہ ترک کر کے برطانوی سامراجیت کے خلاف کانگریس سے مل کر لڑائی کرنے کی بات سوچی۔ جمعیت علماء ہند نے ایک طرف مسلمانوں کی دینی، تعلیمی، اخلاقی اور معاشی حالت سدھارنے پر زور دیا تو دوسری طرف اس نے کانگریس کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کرانے کا پلان تیار کیا۔ آزادی وطن کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے ۱۹۱۹ء میں جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ مفتی کفایت اللہ اس کے پہلے صدر بنے اور مولانا احمد سعید اس کے پہلے جنرل سکرٹری، امرتسر کے اجلاس میں یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو اس عظیم کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے جمعیت علماء ہند کی قیادت میں ملک کو آزاد کرانے کے لئے قربانیاں دیں، مفتی کفایت اللہ نے کانگریس اور مسلم لیگ کے اس معاہدے کی مذمت کی جو لکھنؤ پیکٹ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے ۲۰ علماء کرام کے دستخطوں سے لارڈ مابنگو کی آمد پر برطانوی جشن فتح منانے سے بھی انکار کیا۔ جمعیت علماء ہند نے مولانا فضل الحق، حسرت موہانی کی صدارت میں خلافت کانفرنس میں ایک تجویز کے ذریعے جشن فتح کی تقاریب کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ۵۰۰ علماء کرام کے دستخطوں سے عدم تعاون تحریک کے حق میں فتویٰ دیا، شیخ الہند نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے یوم تائیس کے موقع پر عوام سے اپیل کی کہ وہ جدوجہد آزادی میں شریک ہوں۔ ۱۹۲۱ء میں برطانوی سرکار نے اس فتویٰ کو ممنوع قرار دیا، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے اعلان کیا کہ برطانوی سرکار کے ساتھ تعاون اور اس کی ملازمت حرام ہے، اس اعلان کے خلاف مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، اور جگت گرو شکر آچاریہ کے ساتھ ان پر مقدمہ چلا اور دو سال قید با مشقت کی سزا ہوئی۔

۱۹۲۱ء میں جمعیت علماء ہند نے مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں یہ تجویز رکھی کہ غیر ملکی سامان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ ۱۹۲۲ء میں مولانا حبیب الرحمن عثمانی کی قیادت میں اسمبلیوں کا بائیکاٹ کیا گیا، ۱۹۲۳ء میں مولانا سید حسین احمد مدنی نے کوکی ناڈا میں جمعیت کانفرنس میں اپنے صدارتی خطبہ میں وطن کی مکمل آزادی کا مطالبہ پیش کیا۔ اسے ۱۹۲۶ء میں جمعیت کی قرارداد کے ذریعے باضابطہ شکل دی گئی۔ پشاور کانفرنس میں حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری کی صدارت میں جمعیت علماء ہند نے سب سے پہلے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ چنانچہ کمیشن کچھ حاصل

کیے بغیر بے نیل و مرام یہاں سے انگلینڈ واپس چلا گیا، اس کے بعد کانگریس نے بھی اس طرح کی قرارداد پاس کی۔ ۱۹۲۸ء میں جمعیت نے لکھنؤ میں کل جماعتی کانفرنس میں حصہ لیا۔ ۱۹۲۹ء میں گاندھی جی نے ڈانڈی مارچ کیا، اس سلسلے میں متعدد علمائے کرام کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۳۰ء میں جمعیت علماء ہند نے کانگریس کے ساتھ اشتراک کا ایک ریزرویشن پاس کیا۔ ۱۹۳۲ء میں مفتی کفایت اللہ دہلوی نے ایک لاکھ افراد کے جلوس کے ساتھ گرفتاری دی۔ گرفتار ہونے والوں میں مولانا سید حسین احمد مدنی بھی شامل تھے۔

مولانا سید حسین احمد مدنی نے مشترکہ قومیت کے تصور کے لئے دلائل پیش کیے اور برطانوی سامراج کے خلاف بھی ابنائے وطن کو ساتھ ملایا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران جمعیت علماء ہند نے برطانوی سامراج کے خلاف عدم تعاون کا اعلان کیا۔ ۱۹۴۰ء میں جمعیت کے رہنما مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد قاسم شاہ جہان پوری، مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوری، مولانا اسماعیل سنبھلی، مولانا سید اختر الاسلام وغیرہ کو برطانوی سامراجی نظام نے گرفتار کر لیا۔ مولانا سید حسین احمد مدنی کو گرفتار کر کے چھ ماہ قید کی سزا سنائی، کیونکہ آپ نے مراد آباد میں منعقدہ جمعیت کانفرنس میں ہندوستان کی آزادی کا نعرہ بلند کیا تھا، گرفتاری کی مدت کے خاتمے پر آپ کو ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور نئی جیل میں رکھا گیا۔ سرکار نے ”علماء ہند کا شاندار ماضی“ نامی کتاب پر بھی پابندی لگا دی۔ یہ کتاب مولانا محمد میاں کی تصنیف ہے۔

بہر صورت آج بھی جمعیت علماء ہند کے زیر اصول ملکی اتحاد اور سالمیت کی بنیاد پر پرورش پارہے ہیں۔

آزادی کے بعد

تقسیم وطن کے بعد جو مسلمان یہاں رہ گئے، وہ مصیبتوں اور آلام کے ایک بڑے پہاڑ تلے دبے جا رہے تھے۔ سب سے زیادہ آفت تو فرقہ وارانہ فسادات تھے جو پنجاب، ہماچل پردیش، دلی، ہریانہ، مغربی اتر پردیش، بہار اور مدھیہ پردیش وغیرہ میں ہوئے۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں پیرا کھڑ چکے تھے اور اگر مولانا سید حسین احمد مدنی اور جمعیت کے ناظم عمومی مولانا حفظ الرحمن اور اس کی مجلس عاملہ کے رکن مولانا ابوالکلام آزاد کی دعائیں اور مساعی جمیلہ نہ ہوتیں تو مسلمانوں کو ہندوستان سے ترک وطن کر کے دوسروں کی طرح پاکستان ہی جانا پڑتا اور ہندوستان میں عالم اسلام کے نام لیوا اور مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں کے رکھوالے نہ باقی رہتے۔ ہماری اسلامی وراثت فرقہ پرست کٹر پنتھیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاتی۔ سب سے بڑی مصیبت تو کسٹوڈین کی شکل

میں نمودار ہوئی اور ہر مسلمان خود کو وطن میں اجنبی محسوس کرنے لگا تھا، جمعیتہ علماء ہند کی مساعی جمیلہ سے تقریباً ۱۹۰۲ مقدمات میں مسلمانوں کی جائیداد کسٹوڈین کے قبضے میں سے واگزار کرائی گئی، جمعیتہ علماء نے لکھنؤ میں کانفرنس بلائی، جس کی بڑی اہمیت تھی۔ جمعیتہ علماء ہند کا دائرہ کار اب سیاسی سرگرمیوں سے ہٹ کر ملک میں سیکولر روایات کو فروغ دینے اور سیکولر آئین کی ترتیب و تدوین پر مرکوز ہوا۔

یہ بات شاید کم ہی لوگوں کو یاد ہو کہ جمعیتہ علماء ہند کے ناظم عمومی مولانا حفظ الرحمن نے آئین ساز اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے آئین سازی کے سیکولر ڈھانچے پر زور دیا اور اس عمل سے مسلمان قوم جو تقسیم وطن کے نتیجے میں حوصلہ کھو بیٹھی تھی، ایک نئے جوش اور ولولہ کے ساتھ آگے بڑھ سکی، اس سے فرقہ پرستوں کی حوصلہ شکنی ہوئی اور مسلمانوں کو پاکستان بھیجنے کے ان کے خواب چکنا چور ہو گئے۔ جمعیتہ علماء ہند کی کوششوں سے مسلمانوں کو ہندوستان میں باوقار زندگی گزارنے کا حوصلہ ملا۔ اس کے بعد فرقہ پرستوں نے خاص کر آرائیس ایس وغیرہ نے منصوبہ بند طریقے پر فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دی۔ سب سے بھیانک فساد ۱۹۲۱ء میں جبل پور میں ہوا۔ ۱۹۶۳ء میں کلکتہ کا فساد، ۱۹۶۹ء میں احمد آباد اور بڑدوہ کا فساد، ۱۹۷۱ء میں اندور، مونا تھ بھنجن اور بھینوٹی کا فساد، ۱۹۸۰ء میں مراد آباد اور میرٹھ کا فساد، ۱۹۸۳ء میں بھینوٹی کا فساد، ۱۹۸۷ء میں میرٹھ اور ملیانہ میں مسلمانوں کی نسل کشی، ۱۹۸۹ء میں بھاگل پور کا فساد، ۱۹۹۳ء میں ممبئی، دلی بھوپال، سورت اور دیگر مقامات کے فسادات اس سلسلے کی خونچکاں داستانیں ہیں۔ ان تمام فسادات کے دوران انتظامیہ کا رول جانبدارانہ رہا، ۱۹۷۵ء میں ایمر جنسی نافذ کی گئی اور اس دوران بھی مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کی گئی، اس موقع پر بھی جمعیتہ علماء ہند نے حق کی آواز بلند کی تاکہ فرقہ پرستوں کی ان کوششوں کو ناکام بنایا جاسکے جو وہ مسلمانوں کی تعمیر حیات کی جدوجہد کو ناکام بنانے کے لئے رات دن کر رہے تھے۔

جمعیتہ علماء ہند نے ہر فساد میں مسلمانوں کی باز آباد کاری اور بحالی کے لئے شب و روز کام کیا اور مصیبت زدگان کو قانونی امداد بہم پہنچائی۔

جمعیتہ علماء ہند نے مسلمانوں کی اخلاقی، تعلیمی اور مذہبی حالت سدھارنے کے لئے بدر سے قائم کیے۔ ۱۹۵۲ء میں جمعیتہ علماء ہند نے ممبئی میں تعلیمی کانفرنس بلائی، جس میں مسلمانوں کو شورہ دیا گیا کہ وہ اپنے بچوں کی اپنے طور پر پرائمری سطح پر دینی تعلیم کا بندوبست کریں اور سرکار کی طرف سے ان کو جو سیکولر تعلیم دلائی جا رہی ہے، اسے بھی حاصل کریں، جمعیتہ علماء ہند نے دینی، تعلیمی بورڈ اسی مقصد کے تحت قائم کیا، گجرات میں اصالح المسلمین کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی۔ جمعیتہ علماء ہند نے ۱۹۸۳ء میں اپنی تعلیمی اور ملی کانفرنس کا انعقاد کیا، یہ کانفرنس کوٹھاری کمیشن کی سفارشات کے بعد بلائی گئی۔ آرائیس ایس نے گجرات، آسام اور اڑیسہ، راجستھان میں مسلمانوں

کے خلاف ان کے غیر ملکی ہونے کی سازش رچائی۔ ۱۹۹۳ء سے بڑے شہروں میں بنگلہ دیشیوں کا مسئلہ اٹھایا گیا۔ آسام میں جمعیت علماء ہند نے شہریوں کے نیشنل رجسٹر کی کاپیاں اپنی شاخوں پر رکھوا دیں تاکہ اس آفت کے شکار مظلومین کی مدد ہو سکے۔ اس کے خلاف احتجاج کیا اور مسلمانوں کے نام انتخابی فہرستوں سے خارج کیے جانے کے خلاف زوردار آواز اٹھائی۔

جمعیت علماء ہند نے ۱۹۶۱ء میں مسلم کنونشن بلایا، جمہوریت کنونشن بلایا جسے اچاریہ ونوبابھاوے اور ۵۶ ارکان پارلیمنٹ نے بے حد پسند کیا، ۱۹۷۹ء میں ملک و ملت بچاؤ تحریک چلائی، ۱۹۹۱ء میں فرقہ پرستی مخالف کنونشن بلایا۔ ۱۹۹۳ء میں قومی اتحاد کانفرنس کا انعقاد ہوا اور ۱۹۹۳ء میں شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے کنونشن بلایا گیا۔ جمعیت نے بار بار سرکار کو متنبہ کیا کہ سرکار فرقہ وارانہ فسادات کو روکنے میں ناکام رہی ہے۔ اس نے شروع سے ہی آریس ایس جیسی فرقہ پرست تنظیموں کی مسلم دشمن سرگرمیوں کی مخالفت کی ہے۔ ۱۹۶۰ء میں سیکولر ذہن کے حامل ہندوؤں کو اجین کے جمعیت علماء ہند کے اجلاس میں اکٹھا کیا۔ ۱۹۷۹ء میں کمیونسٹوں، سوشلسٹوں اور سیکولر ذہن کے افراد سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ :

جامعہ ملیہ اسلامیہ ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہے جو جمعیت کے ارکان کی کوشش سے وجود میں آیا لیکن اس ادارے کے اقلیتی کردار کو قائم نہیں رہنے دیا گیا، مسلمانوں کی تعلیم اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی حوصلہ شکن رہی ہے، اردو کو اس کے جائز حق سے محروم رکھا گیا، جمعیت علماء نے ۲۲ لاکھ افراد کے دستخطوں کی مہم کے ذریعے سے انجمن ترقی اردو اور آل انڈیا اردو ایڈیٹرز کانفرنس کے مطالبات کی ہم نوائی کی۔ جمعیت نے گجرا ل کمیٹی رپورٹ پر عمل درآمد کا مطالبہ کیا، سرکار نے ۱۹۷۲ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار چھین لیا۔ جمعیت نے اس قانون کو چیلنج کیا اور سپریم کورٹ میں مقدمہ داخل کر دیا۔ بالآخر ۱۹۸۱ء میں اس یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال کر دیا گیا، جمعیت کی کوششوں سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اکیڈمک کونسل کے اختیارات بحال ہو سکے۔ جمعیت علماء نے ۱۹۷۴ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کنونشن بلایا، جمعیت علماء کی خدمات کا دائرہ ۱۸۰۳ء سے تاہنوز پھیلا ہوا ہے جس کا بیان کسی ایک چھوٹے سے مضمون میں ممکن نہیں۔

(بشکریہ الجمعیت نئی دہلی، جمعیت علماء ہند کے ۲۶ ویں اجلاس پر خصوصی شمارہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا اسعد مدنی اور جمعیتہ علماء ہند

رسول رحمت ﷺ نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ ہم اپنے مردوں کو ان کی بھلائوں سے یاد کیا کریں۔

(حدیث)

مولانا اسعد میاں مرحوم کی 50-60 سالہ زندگی ملک و ملت کی خدمات کا عظیم ریکارڈ رکھتی ہے اور اس میں انفرادی و اجتماعی زندگی کی ناگواریاں بھی ہیں اور خوشگواریاں بھی، جہاں تک جمعیتہ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کے نشیب و فراز کا تعلق ہے۔ یہ ناچیز بہت قریب سے ان کا مشاہدہ کر رہا ہے اور یہ فرض تاریخ کا ہے اور وہ ضرور اس فرض کو ادا کرے گی کہ ان دونوں اہم قومی اور دینی اداروں کی مثبت اور منفی دونوں قسم کی خدمات میں مولانا مرحوم کا کتنا حصہ ہے، لیکن یہ ناچیز جس پہلو کو اہمیت دیتا ہے، وہ مولانا مرحوم کی جدوجہد کا وہ پہلو ہے، جس کے ذریعہ مرحوم نے جمعیتہ علماء کے نظریاتی، سیاسی اور روایتی کردار کی حفاظت میں تن من دھن سے سرگرم حصہ لیا، میرا اشارہ اس طرف ہے کہ جمعیتہ علماء ہند کی اولین بانی قیادت کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد اس جماعت کے سیاسی نظریہ (قومی اتحاد) کا مخالف طبقہ اس جوڑ توڑ میں لگ گیا کہ مولانا آزاد اور مولانا مدنی کی اس سیاسی فکر کو اور اس جماعت کی قربانیوں کو ملت اسلامیہ کی نظروں سے اوجھل کر دیا جائے۔

ملی اتحاد ایک مبارک خیال لیکن اس نعرہ کے پس پردہ مولانا آزاد اور مولانا مدنی اور ان کے رفقاء مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمن کی روشن مذہبی اور قومی اور ملکی خدمات کے بے حقیقت ثابت کرنے کی کوشش ایک مذموم جذبہ تھا جو بروئے کار آ رہا تھا۔ پاکستان میں دیوبندی حلقہ کی ایک شاخ کھلم کھلا ایک غیر معقول حاسدانہ جذبہ کا اظہار کر رہی تھی، ہندوستان کے اندر یہ ایک پس پردہ تحریک تھی۔ مولانا اسعد مدنی نے جمعیتہ علماء ہند کی قیادت سنبھال کر جس مضبوطی کے ساتھ اپنے اکابر کی خدمات کو ان کے ناموں کو اور ان کارناموں کو زندہ رکھنے کی کوشش کی وہ قابل تعریف ہی کہی جاسکتی ہے۔

مولانا اسعد مدنی کا جمعیتہ علماء کے اقتدار میں داخل ہونا جماعتی زندگی کا ایک فطری عمل تھا، جماعتی نظام

میں نئے خون اور نئی خدمت کے داخل ہونے سے نظام کی چولیس ہل جاتی ہیں، رد و بدل کے فطری عمل میں ناگواریاں اور خوشگواریاں دونوں باتیں شامل ہوتی ہیں اور وہ ہوئیں، نہ ہوتیں تو اچھا ہوتا لیکن تبدیلیاں اپنا ایک مزاج رکھتی ہے، انہیں کوئی بدل نہیں سکتا، اسی طرح نئی قیادت اپنا ایک مضبوط حلقہ بنانے کی کوشش کرتی ہے اور اس سے پرانے حلقہ کی اہمیت گرنی شروع ہو جاتی ہے۔

مولانا اسعد مدنی ”بھی جماعت کے اقتدار کو ہاتھ میں لینے کے لئے سیاسی تدبیر کے اس ماحول سے گزرے، میں نے پرانے لوگوں سے ہمیشہ یہی کہا کہ وہ جماعت کے مفاد میں اپنے آپ کو کنارہ لگانے کی کوشش کریں، شکایت سے زبان کڑوی نہ کریں، یہی صورت حال مولانا کے جانشین صاحبزادوں کی طرف سے پیش آرہی ہے اور تاریخ اپنے آپ کو دوہرانے میں کسی سے مشورہ نہیں کرتی۔

مولانا اسعد مدنی نے آزاد ہندوستان کا وہ دور پایا جسے امارت و دولت کا دور کہنا چاہئے، غربت کے دور میں جماعتیں ممبر سازی اور عوامی چندوں سے چلتی تھیں، آزاد ہندوستان میں بڑے بڑے اہل دولت جماعتی نظاموں کو چلا رہے ہیں، مولانا نے اس دور کے تقاضوں کے مطابق جماعت کو عوامی چندوں سے بے نیاز کر دیا، قدرت نے انہیں دولت میں اقبال مند بنایا تھا، وہ جدھر جاتے تھے، مال و دولت ان کے قدم چومتی تھی، اس کمائی نے انہیں جماعت کا شاہ جہاں بنا دیا تھا، ان کے عہد کی عمارتیں مسجد عبدالنبی اور مسجد رشید دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی دوسری شاندار عمارتیں اس کی گواہ رہیں گی۔ ہندوستان کے سیکولر ماحول میں مسلمانوں کی اجتماعیت برابر تحلیل ہو رہی ہے، جماعت اسلامی ہو یا مجلس مشاورت ہو، ان کی تقسیم بڑی عبرتناک ہے، مولانا نے جمعیت علماء کے قومی اداروں کو اپنے خانوادہ کے اندر محصور کر کے اسے محفوظ کر دیا یہ سانحہ سہی لیکن وقت کی ایک ضرورت تھی، باپ کے بعد بیٹے کی بدعت ایک سیاسی ضرورت بن گئی ہے، کہتے ہیں کہ جمہوریت میں صلاحیت کار کی فضاء پیدا ہوتی ہے لیکن یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، پھر ہماری تاریخ کا یہ ایک لطیفہ ہے کہ ہم درود آل رسول ﷺ پر بھیجتے ہیں اور پیروی سنت امیر معاویہ کی کرتے ہیں۔

البتہ ہمارے اکابر صوفیا اس بدعت سے بے زار ہیں۔ بہر حال اب یہ اس خانوادہ کی صلاحیت پر موقوف ہے کہ وہ اپنے والد کی امانت کو کس طرح رکھتے ہیں؟ مجھے یاد ہے کہ تبدیلی کے دور میں مولانا مفتی عتیق الرحمن مرحوم سے ان کے ہمدردوں نے کہا کہ آپ جمعیت علماء کے نام سے الگ جماعت بنالیں، ہم آپ کو اس کا صدر تسلیم کر لیں، مگر مفتی صاحب نے جمعیت علماء کے نام سے جماعت بنانے کی تجویز کو قبول نہیں کیا اور نئی جماعت مجلس مشاورت کے نام سے کام شروع کر دیا، یہ ان حضرات کے اخلاص کی بات تھی، وہ اس تاریخی ورثہ کو نقصان پہنچا کر رسول پاک ﷺ

کی جانشین جماعت کے سامنے شرمندگی سے اپنے آپ کو بچا کر چلے گئے، پھر جن صاحبان نے جماعت سے علیحدہ ہو کر جمعیت علماء کے نام سے جماعت بنائی، اس کا انجام مالی حساب و کتاب کے برے انجام پر ختم ہو گیا اور اس سے مولانا اسعد مدنی کے وقار کو فائدہ پہنچا۔

دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ کا تذکرہ مولانا اسعد مدنی کی زندگی کا نہایت عبرتناک حصہ ہے، لیکن دونوں علمی خانوادوں کے حالیہ اتفاق نے اس باب کو بند کر دیا اور اس میں مولانا اسعد مدنی اور مولانا محمد سالم دونوں نے بڑے تدبر کا ثبوت دیا، حالانکہ دارالعلوم کے قضیہ کی بنیاد ہی ان دونوں صاحبزادوں کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ اس لئے دارالعلوم دیوبند کے معاملات کا تذکرہ کرنا ہی مناسب نہیں سمجھتا اور امید کرتا ہوں کہ اس اتحاد میں تیسرے صاحبزادے مولانا نظر شاہ کشمیری بھی شامل رہیں گے تاکہ دارالعلوم عمارتوں میں تقسیم ہونے کے بجائے اتحاد عمل کی راہ پر گامزن ہو اور دارالعلوم دیوبند کی علمی عظمت جو اس مرکزی علمی ادارے کے فاضل ترین اساتذہ کے دم سے قائم ہے وہ قائم رہے اور بحال ہو۔

مولانا اسعد مدنی کے ایک عقیدت مند عالم نے مجھ سے کہا کہ مولانا اسعد مدنی نے شاہ عبدالقادر رائے پوری کے مشورہ پر عمل کیا۔ مولانا رائے پوری نے ان سے فرمایا تھا کہ پڑھنے پڑھانے کا کام تو دوسرے لوگ بھی کر رہے ہیں، تم حضرت مدنی کے سلسلہ بیعت و ارشاد کی اشاعت کا کام سنبھالو، اس کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مولانا اسعد مدنی نے پڑھنے پڑھانے سے اپنے آپ کو یکسو کر کے بیعت و ارشاد کی راہ پر اپنے آپ کو ڈال دیا اور اس طرح دنیا کے کونہ کونہ میں یہ سلسلہ پھیل گیا، میں نہیں کہہ سکتا کہ لوگ اس سے اتفاق کریں گے یا نہیں لیکن اس ناچیز کے نزدیک خدائے تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ خدا کے جس مقبول و مسعود بندہ (مولانا حسین مدنی) کے سیاسی نظریہ کے سبب اسے مسلمانوں میں متروک و مہجور بنانے کی اندر اور باہر دونوں جگہ کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کی مقبولیت کا شہرہ گاؤں گاؤں پھیل جائے اور حدیث نبوی ﷺ کی اس بشارت کا ظہور ہو جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ کو بلند کر دیتا ہے۔ (حدیث)

اس پہلو سے اسعد میاں اس شیخ طریقت کے جانشین تھے، جماعتیں وسائل سے چلتی ہیں اور جمعیت علماء مرحوم کے جانشین صاحبزادے انہی وسائل سے جماعت کو چلاتے رہیں گے لیکن مدنی سلسلہ بیعت کا کیا ہوگا؟ حضرت مدنی کے دوسرے لائق صاحبزادے مولانا ارشد میاں مدظلہ اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لئے اپنے خاندان کی طرف سے کتنی ہمت افزائی حاصل کریں گے؟ اس کا جواب تو وقت دے گا، مولانا اسعد امیر الہند کے لقب سے بھی سرفراز تھے اور ان کا شاہانہ دسترخوان، مہمانوں کی خاطر مدارات اور ہمدردوں پر نوازشات ان کے امیر

الہند ہونے کا ثبوت تھا، لیکن بڑا فرق تھا، ان کے درویش صفت والد کے وسیع دسترخوان میں اور ان کے دسترخوان میں۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا دسترخوان حضرت خواجہ محبوب الہی کا لنگر تھا اور اسعد صاحب کا دسترخوان امیر معاویہؓ کا دسترخوان تھا۔ چنانچہ عہدِ اول کے ایک سادہ لوح بزرگ کہا کرتے تھے کہ نہ کی لذت حضرت علیؓ کے پیچھے حاصل ہوتی ہے اور کھانے کا مزہ امیر معاویہؓ کے دسترخوان پر ملتا ہے۔ مرحوم کے ایک دوست مولانا سے ملنے گئے، جب وہ پیروں کی معذوری سے کرسی نشین ہو گئے تھے، انہوں نے مزاج پوچھا تو مولانا نے مرزا غالب کا یہ شعر پڑھا.....

ہو گئیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

انہوں نے کہا، مولانا آپ اور مرزا غالب، تو مرحوم ہنسنے لگے، مرگ ناگہانی کے دور سے بھی مولانا گزر گئے، ان کی طویل بیماری حدیث پاک کی بشارت کے مطابق بندۂ عاصی کے گناہوں کا کفارہ بنے گی، مرحوم مدنی خانوادہ کو ایک خوش حال خانوادہ بنا کر گئے ہیں۔ اس امید کے ساتھ کہ یہ سب اپنے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی وجہ سے خاندان کے اندر اتفاق قائم رکھیں گے اور ان کے دادا کے ایک ناچیز خادم ہونے کے ناتے یہ عاجزان تمام حضرات سے اسی بات کا امیدوار ہے۔

مولانا مرحوم کئی سال سے مختلف امراض کے جھٹکے جھیل رہے تھے اور ان کے قوی اعصاب ہمت ہارنے کے لئے تیار نہیں تھے، لیکن شاعر نے کہا ہے.....

زندگی تجھ کو مٹانے نکلے
ہم بھی کس درجہ دیوانے نکلے

ہمارے بعض احباب یہ مضمون پڑھ کر ناراض ہوں گے اور شاید دونوں ہی ناراض ہوں لیکن میں ان سے

کہتا ہوں.....

عشق نے کچھ کئے گریباں چاک
اس نے گیسو بھی کچھ سنوارے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ملی قیادت کا ستون

جس دنیا میں ہم جیتے ہیں اس میں ایک انفرادی زندگی ہوتی ہے اور ایک اجتماعی زندگی۔ بسا اوقات انسان انفرادی زندگی اس طرح گزار دیتا ہے کہ نشیب و فراز کے بہت سے پہلو دوسروں کے سامنے آتے ہی نہیں لیکن اجتماعی زندگی گزارنے والے کے بہت سے پہلو عوام کے سامنے رہتے ہیں، تاہم بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ منظر عام پر آتے ہی نہیں۔ حضرت مولانا اسعد مدنی نے ہر چند کہ انتہائی عوامی زندگی گزاری، مگر ان کی جدوجہد بھری زندگی کے بعض پہلو مشکل سے لوگوں کے سامنے آئے۔ میرا تعلق ان سے ہمہ جہت تھا، میں ان کا بھائی نہیں تھا مگر وہ مجھ کو بھائی سے زیادہ بڑھ کر عزیز رکھتے تھے، اس لئے کہ وہ افراد ساز بھی تھے اور افراد کی صلاحیت کے مطابق کام لینا بھی جانتے تھے۔

دو دہائیوں سے زیادہ تک جمعیت علماء ہند کے سیکرٹری کی حیثیت سے ان کے ساتھ میری جو قریبی وابستگی رہی، اس کی بنیاد پر ان کے سلسلے میں میرے لکھنے اور کہنے کے لئے بہت بڑا ذخیرہ ہے، مگر وقت، حالات اور خود اخبار کے صفحات اس کی اجازت نہیں دیتے کہ پورا ذخیرہ رقم کر دیا جائے، میں نے اس پورے عرصہ میں ان کی شاہانہ زندگی کو جہد مسلسل میں مصروف پایا اور جب ان کے مشن کو ان کی پہلے سے زیادہ ضرورت تھی تو ان کا بلا وہ آ گیا۔

حضرت مولانا اسعد مدنی اپنے عہد کے ممتاز و نامور عالم دین اور قائدانہ صلاحیت کے ایک سرگرم دینی و ملی رہنما تھے۔ ان کی زندگی جہد مسلسل اور سعی پیہم کا عملی نمونہ تھی۔ وہ شیخ محمود حسن کے افکار و خیالات کے امین، اپنے والد شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنی کے سچے جانشین اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کے عکس جمیل تھے، ایمانی فراست، سیاسی بصیرت اور زبردست قومی، ملی اور سماجی شعور ان کا طرہ امتیاز تھا۔ بیدار مغزی، اولوالعزمی، فکری بالیدگی، عزم کی پختگی ارادہ کی مضبوطی، حالات سے باخبری اور قوم و ملت کی صحیح نباضی نے ان کی شخصیت کو پُر اعتماد بنا دیا، انہوں نے اپنی منزل، اپنا راستہ خود متعین کیا اور پوری بصیرت اور غیر معمولی جرأت کے ساتھ آگے بڑھتے رہے راہ میں رُکاوٹیں آئیں، دشواریوں کا سامنا ہوا، راہ چلتے خار مغیلاں سے آبلہ پا بھی ہوئے لیکن ملت کی فلاح و بہبود

کے لئے ان کا سفر جاری رہا، سنگین حالات اور سخت مرحلوں میں بھی ان کے قدم نہیں رُکے۔ وہ خیر خواہ ملت اور ایک وسیع النظر انسان تھے۔ وسعتِ ظرفِ عمل ان کی شناخت تھی، انہوں نے جمعیتِ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملت کی بھرپور نمائندگی کی، دستوری حقوق کی بازیابی کے لئے، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، مظلوموں کی امداد ریلیف اور دادرسی، یکساں سول کوڈ کی مخالف، مسلمانوں کی شہریت کا مسئلہ، اوقاف کی نگہبانی، مدارس کی سرپرستی، اصلاحِ معاشرہ، اقتدار میں حصہ داری اور مختلف میدانوں میں مسلمانوں کی مناسب نمائندگی کے علاوہ فرقہ پرستی کی مخالفت قومی اتحاد، جمہوریت اور سیکولرزم کے استحکام اور امن و قانون کی بالادستی کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے اور حکومت کے ایوانوں میں اور پارلیمنٹ کے فلور سے بھی مسلمانوں کے حقوق کے لئے اپنی صدا بلند کرتے رہے اور لڑتے رہے، صلاح و فلاح کا کون سا میدان تھا، جہاں انہوں طبع آزمائی نہ کی ہو، بلاشبہ ان کی رحلت سے ایک مخلص رہنما کی ملی جدوجہد کے ایک طویل عہد کا خاتمہ ہو گیا جو تقریباً نصف صدی پر محیط تھا۔

مولانا محض ایک مسلم قائد یا سیاسی قائد نہیں تھے، وہ سب کے خیر خواہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب ان کے تھے۔ ان کے سینہ میں انسانیت کی بہبودی کے لئے جو دل دھڑکتا تھا، اس پر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی توجہ تھی۔ ان کا دل درد مند مظلوموں اور مصیبت زدوں کے درد سے تڑپ اٹھتا تھا، فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی خبر ملتے ہی وہ بے چین ہو جاتے تھے، ان کے چہرے پر کرب کے آثار دکھائی پڑتے تھے اور کئی بار ان کی آنکھوں سے آنسو جھلک پڑتے تھے لیکن ان کے آنسوؤں کے پیچھے عزم ہوتا تھا، وہ ان کی امداد کے لئے فوراً اٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور ان کی امداد اور دادرسی کے لئے سب سے پہلے پہنچ جاتے تھے، ان کے آنسوؤں نے کبھی ان کے عمل میں لغزش نہیں آنے دی۔

آسام کے نیلی اور دیگر مقامات پر جب مسلمانوں کا قتل عام ہوا تو ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر وہ گواہی روانہ ہو گئے، حالانکہ یہ وقت انتہائی خوفناک تھا، جگہ جگہ خون ریزی اور تشدد برپا تھا، راستوں میں، آفسوں اور گھروں میں کسی کی جان محفوظ نہ تھی، ایسے پر تشدد لمحات میں مولانا مدنی نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر مظلوموں کی دادرسی کو اپنا فرض سمجھا اور قتل عام کو روکنے میں دل و جان سے لگ گئے، میں اس عرصہ میں ان کی ایک ایک نقل و حرکت کا عینی شاہد تھا، انہوں نے فوج کی طرح جمعیتِ علماء کے ارکان کو مظلوموں کی دادرسی کے لئے چاروں طرف پھیلا دیا تھا، یہی نہیں بلکہ ان کی حیات میں جہاں جہاں بھی فرقہ وارانہ فسادات برپا ہوئے، انہوں نے حتی الامکان مظلوموں کی دادرسی کی کوشش کی، مولانا یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ فسادات میں کس قدر معصوم جانوں کا ضیاع ہوتا ہے اور مسائل کھڑے ہوتے ہیں، اس لئے انہوں نے ملکی سطح سے فسادات کے سلسلہ کو ختم کر دینے کے لئے بھرپور تگ و دو کی، اور اس کو

اپنی زندگی کا مشن بنالیا، اس لئے دیکھا گیا کہ ان کے عہدِ صدارت میں جو بھی عظیم الشان اجلاس جمعیت کے پلیٹ فارم سے ہوئے ان میں فرقہ وارانہ فساد کے خلاف ضرور آواز بلند کی گئی۔

بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں انہوں نے جمعیت علماء ہند کی نظامتِ عمومی کی ذمہ داری سنبھالی، آزادی کے بعد بڑا فسادِ جبل پورا اور ساگر میں ہوا تھا، لیکن اس کے بعد چھٹی دہائی میں خوفناک فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، راوڑکیلا، بھاگل پور، کلکتہ، میرٹھ، رانچی، گجرات، وغیرہ اور دیگر فسادات کی تباہی کے واقعات کا تصور کر کے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، فساد کی خبر ملتے ہی فوراً روانہ ہو گئے اور جب راوڑکیلا پہنچے تو وہاں کے چھوٹے سے اتر پورٹ پر تنہا کھڑے تھے مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری، نہ ان کے ارادوں میں لغزش آئی، وہ فساد سے متاثرہ علاقوں میں پہنچ گئے اور مظلوموں کی داد رسی کی، کلکتہ فساد میں متاثر علاقوں کے دورے پر ان پر جان لیوا حملے ہوئے، لیکن ان کے عزم میں کوئی کمی نہیں آئی، وہ مظلوموں کی امداد رسانی اور انہیں انصاف دلانے کی جدوجہد میں پوری طرح ثابت قدم رہے، راوڑکیلا کے فسادات سے لے کر گجرات کے حالیہ فساد میں مسلمانوں کے قتل عام تک ہر جگہ انہوں نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اپنے اسی عمل کو دہرایا، بلاشبہ وہ مجاہد ملت مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی کے بعد دوسرے ملی رہنما تھے، جنہوں نے آگ و خون میں کود کر مظلوموں کی ہمت بندھائی اور ہمت و جرأت اور شجاعت کی ناقابل فراموش تاریخ رقم کی۔

انہوں نے سیاسی میدان میں بھی بھرپور ایمانی تقاضہ پر عمل کیا، انہوں نے نہ صرف ملت کو بلکہ ملک کے درپیش مسائل پر بھی اپنے فہم و تدبر کو استعمال کیا، وہ ملکی و ملی معاملات میں بڑے حساس اور دور رس نگاہ کے مالک تھے، ایمر جنسی کے ساتھ جب کانگریس حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا تو اس کے بعد جنتا پارٹی کی حکومت شری مرارجی ڈیسانی کی سربراہی میں بنی، مرارجی جب سوراشر وزیر اعلیٰ تھے تو انہوں نے وقف ایکٹ کی زبردست مخالفت کی تھی، وہ کہتے تھے کہ ٹرسٹ ایکٹ کی موجودگی میں وقف ایکٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ مسلم اوقاف اگر ٹرسٹ ایکٹ کے تحت ڈیل ہوتے تو واقفین کی منشاء کے مطابق ان کا استعمال نہیں ہو پاتا، لیکن ان کی زبردست مخالفت کے باوجود وقف ایکٹ بن گیا، لیکن سوراشر کے کچھ علاقوں میں ٹرسٹ ایکٹ ہی قائم رہا اور وقف ایکٹ قائم نہیں ہو سکا، مرارجی کے وزارتِ عظمیٰ کے دور میں وقف منسٹر سکندر بخت نے ایک بیان میں کہہ دیا کہ اوقاف مسلمانوں کی جائیداد ہے، وہی ان کی حفاظت کریں، اس بیان کو مولانا نے نہایت سنجیدگی سے لیا اور آخری دم تک قوم و ملت کی خدمت میں لگے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تحریک مدارس کا روح رواں

مورخہ ۶ فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ بروز دوشنبہ شام پانچ بج کر ۴۵ منٹ پر علم و عرفان، تقدس و للہیت، جرأت و بسالت اور دوراندیشی اور عزیمت کا آفتاب عالم تاب ۸۷ سال تک اپنی ضیا پاشیوں کے بعد نئی دہلی کے افق میں روپوش ہو گیا اور امیر الہند، فدائے ملت، جانشین شیخ الاسلام اور قائد اسلام میان ہند و روح رواں تحریک مدارس اسلامیہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیتہ علمائے ہند اور رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اس دارفانی سے کوچ فرما کر رفیقِ اعلیٰ کی جوارِ رحمت میں جا پہنچے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ سوگواروں نے انہیں دیوبند کے تاریخی قبرستان ”مزارِ قاسمی“ میں ۸ محرم کی صبح سپردِ خاک کیا

ع دفن ہو گا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

حضرت مولانا سید اسعد مدنی ”نے نصف صدی سے زائد عرصے تک ملک و ملت کی مثالی خدمت کی ہے۔ ان کی خدمت کا دائرہ بے حد وسیع تھا۔ مسلمانانِ ہند کی دینی و ملی قیادت ان کے جان و مال کے تحفظ دستوری اور شہری حقوق کی بازیابی، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، امارتِ شرعیہ کے قیام، اسلامی اوقاف کے تحفظ، ملکی و ملی اور اسلامی مسائل کے سلسلہ میں واضح موقف، بابرہ مسجد کی بازیابی کی جدوجہد، ملک کے سیکولر کردار کی بقاء و تحفظ، پارلیمنٹ میں حق و صداقت کا آواز بلند کرنے، مظلوموں اور بے کسوں کی حمایت کے حوالے سے جہاں انہوں نے زریں خدمات انجام دی ہیں، وہیں مکاتبِ دیدیہ۔ کہ قیام، دینی تعلیم کی نشر و اشاعت، اسلامی مدارس کے فروغ و ترقی کے سلسلہ میں بھی ان کی خدمات بے حد تابناک ہیں۔

اسلامی مدارس ملک و ملت کا عظیم سرمایہ ہیں۔ مدارسِ دیدیہ نے جہالت و ناخواندگی کی بیخ کنی، نونہالانِ اسلام کی دینی تربیت، ملی و قومی مقاصد و اہداف کی تکمیل، ملک و ملت کی دینی و دنیاوی قیادت میں مثالی کردار ادا کیا ہے۔ ان مدارس نے اسلامی اخلاق و کردار کے حامل افراد، امن و آشتی کے پیکر اور انسانیت و شرافت کے معمار پیدا کیے ہیں۔ دینی، سماجی اور سیاسی خدمت کے ہر شعبے میں دینی مدارس کے فضلاء کرام نے اپنی زریں خدمات کے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں، مدارسِ اسلامیہ نے اتحاد و یکجہتی، امن و آشتی، انسانیت و مروت اور مساوات و ہمدردی کا

درس دیا ہے اور ملک کو انگریزوں کی سیاسی و فکری غلامی سے نجات دلانے میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔
حضرات اکابر علمائے دیوبند رحمہم اللہ مدارس اسلامیہ کو ملک میں اسلام کی بقاء و تحفظ، علوم کتاب و سنت کی اشاعت و حفاظت، اسلامی تہذیب و تمدن کی پاسبانی اور سرمایہ ملت کی نگہبانی کا سب سے بہتر اور مؤثر ذریعہ سمجھتے تھے۔ جب ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو سرزمین دیوبند میں اسلام، علوم اسلامیہ اور اسلامی عقائد کی حفاظت و دفاع اور خدمت دین و ملت کے جذبے سے معمور رجال کار کی تیاری کے لئے دارالعلوم دیوبند کے نام سے اسلامی چھاؤنی کا قیام عمل میں آیا تو اس کے اساسی مقاصد میں پانچواں مقصد علوم دینیہ کی اشاعت کے لئے مختلف مقامات پر مدارس عربیہ قائم کرنا اور ان کا دارالعلوم سے الحاق کرنا قرار دیا گیا۔ بعد ازاں جب اکابر دیوبند نے ۱۹۱۹ء میں جمعیتہ علمائے ہند کی داغ بھیل ڈالی تو اس کے اغراض و مقاصد کی دفعہ نمبر ۹ میں علوم عربیہ و اسلامیہ کا احیاء اور زمانہ حال کے تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم کا اجراء شامل رکھا گیا۔ اکابر دیوبند و جمعیتہ نے اس اہم اساسی مقصد پر قیام کے روز اول سے اپنی توجہ مبذول رکھی۔ چنانچہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے، دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کے بعد مدرسۃ الغرباء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آبادی، مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی وغیرہ کی بنیاد رکھی۔

ان کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو قیام مدارس سے بطور خاص شغف رہا، حضرت نے دارالعلوم میں شیخ الحدیث اور صدارت تدریس کی مصروفیات جمعیتہ علماء ہند کی صدارت اور بے پناہ ملکی و ملی مسائل کے باوصف اس جانب بے حد توجہ مبذول رکھی۔ ملک کے کونے کونے میں تشریف لے گئے اور دینی مکاتب و مدارس کے قیام پر لوگوں کو متوجہ فرمایا۔ مدارس کی خدمت و آبیاری اور ترقی و استحکام کے لئے جاں فشانی کا جذبہ حضرت امیر ملت اسلامیہ مولانا سید اسعد مدنیؒ کو اپنے والد ماجد حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ سے ورثے میں ملا۔۔۔ جمعیتہ علماء ہند میں دینی تعلیم کی نشر و اشاعت کے لئے مستقل دینی تعلیمی بورڈ قائم تھا۔ حضرت فدائے ملت نے اس بورڈ کو فعالیت اور استحکام بخشا اور اس بورڈ کے لئے درج ذیل نظام طے پایا :

- (الف) دینی تعلیم کو ہر گھر، ہر مکتب اور ہر اسکول کا لچ تک عام کرنے کے لئے جدوجہد کرنا اور ہر مسجد کو دینی تعلیم کا مرکز بنانا۔ (ب) دینی مدارس و مکاتب کے لئے تربیت یافتہ اساتذہ فراہم کرنا اور اساتذہ کی تدریسی تربیت کے لئے دینی تعلیم کے سینٹر قائم کرنا۔ (ج) مشاہیر علمائے کرام اور ماہرین تعلیم کا ایک بورڈ قائم کرنا جو ملک کا دورہ کرے اور مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کے مطابق ان کی رہنمائی کرے۔ (د) پسماندہ علاقوں میں دینی مکاتب قائم کرنا۔ (ه) دینی تعلیمی اداروں میں باہمی تعاون و اشتراک کی فضا قائم کرنا۔ (و) دینی تعلیم کی ترویج و ترغیب کے لئے عام مسلمانوں میں دینی اجتماعات منعقد کرنا۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے طویل دور نظامت و صدارت میں مذکورہ امور کی انجام دہی جاری رہی اور ملک کے کونے کونے میں پھیلی جمعیت علماء ہند کی اکائیوں کو ہدایت دی گئی کہ مجوزہ نظام عمل اور رہنما اصولوں کی روشنی میں دینی تعلیم کا نظم کیا جائے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے چپے چپے میں دینی مکاتب اور اسلامی مدارس کا جال بچھ گیا۔ جمعیت علماء ہند کی جڑیں ملک گیر سطح پر بڑی گہری ہیں، جتنی بڑی تعداد میں عوام و خواص اس جماعت سے وابستہ ہیں، اتنا کسی جماعت سے وابستہ نہیں۔ حضرات علمائے کرام اور عام مسلمانوں کو حضرت فدائے ملت سے والہانہ تعلق اور جذباتی لگاؤ تھا۔ ذمہ داران مدارس اپنے سالانہ اجلاسوں میں حضرت کا پروگرام لینے کی بھرپور سعی کرتے کیونکہ حضرت کی تشریف آوری اجلاس کی کامیابی کی ضمانت ہوتی اور حضرت فدائے ملت کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے لوگ پروانہ وار ٹوٹ پڑتے تھے۔ ایک دن میں کئی کئی مقامات پر اجلاس ہوتے اور پروگرام دینے کے بعد حضرت اس میں ضرور شرکت فرماتے کبھی عذر نہ فرماتے۔ جلسوں میں شرکت کا اتنا اہتمام اور وعدے کی اتنی پاسداری کہیں دیکھنے کو نہ ملی۔

مدارس کے مسائل سے حضرت کو بڑی دلچسپی تھی، مدارس کے مفادات کا ہمیشہ خیال رکھتے اور نقصان دہ چیزوں سے بچنے کی تاکید کرتے۔ سرکاری امداد کو مدرسوں کے لئے سم قاتل سمجھتے تھے، ذمہ داروں کو اس سے اجتناب کی تاکید فرماتے، مدارس کا حساب و کتاب صاف و شفاف رکھنے پر زور دیتے تاکہ مدرسے کی بدنامی نہ ہو اور کبھی سرکاری عملے کی مداخلت کا اندیشہ نہ رہے۔ جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ اہل مدارس کا عوام سے رابطہ دن بدن کمزور ہو رہا ہے تو آپ نے علمائے کرام کو عوام سے مربوط رہنے کا مشورہ دیا اور اس کی تاکید مختلف جلسوں میں فرمائی کہ محلہ کی مسجدوں میں تفسیر قرآن کریم کا نظم قائم کیا جائے، اصلاحی اجتماعات کیے جائیں، ان میں عوام کو شریک کیا جائے اور ان کی حسب ضرورت رہنمائی کی جائے۔ جمعیت کے زیر اہتمام اصلاح معاشرہ کے پروگرام شروع کیے گئے اور سال میں ایک عشرہ اس کے لئے خاص کیا گیا۔ پچھلے کئی سالوں سے ہر صوبے میں اصلاح معاشرہ عشرہ منایا جاتا ہے، اصلاحی پروگرام ہوتے ہیں اور دارالعلوم دیوبند اور دیگر بعض مدارس کے اساتذہ کرام اس پروگرام میں شریک ہوتے رہے ہیں، یہ پروگرام بے حد مفید رہے ہیں۔

اسی طرح جب نام نہاد دانشوروں اور بعض ناعاقبت اندیشوں کی جانب سے یہ مطالبہ زور پکڑنے لگا کہ مدارس اسلامیہ میں جدید کاری کی جائے اور عصری علوم کی تعلیم نصاب میں شامل کی جائے تو اکابر دارالعلوم کے منہاج و مزاج کے مطابق حضرت امیر الہند نے بھی اس کی شدت سے مخالفت کی اور فرمایا کہ یہ مدارس کے خلاف منصوبہ بند سازش ہے، جس کا مقصد مدارس اسلامیہ کو اس کے نصب العین سے ہٹانا اور ان کی افادیت کو ختم کرنا

ہے۔ الحمد للہ حضرت مولانا دو دیگر اکابر کے سخت موقف کے باعث یہ آواز دب گئی ہے۔ مدارس اسلامیہ کے بارے میں اتنا متفکر رہنے والا اور ان کو تعمیر و ترقی سے ہمکنار کرنے اور مسائل و مشکلات سے نکالنے کی تدبیر کرنے والا ان جیسا مردِ آہن کوئی نظر نہیں آتا ع ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

فرقِ باطلہ کی بیخ کنی اور باطل کی سرکوبی آپ کی زندگی کا اہم مشن تھا۔ حضرت مولانا نے دارالعلوم میں فرقِ باطلہ کی تردید اور مسلکِ حق میں پختگی کے لئے محاضراتِ علمیہ کا نظام قائم کرایا اور دوسرے مدارس کے ذمہ داروں کو اس جانب متوجہ فرماتے رہے، اسی طرح قادیانیت کے قلعِ قمع کے لئے حضرت مولانا نے دارالعلوم دیوبند میں مجلسِ تحفظ ختم نبوت کی داغ بیل ڈالی اور ان باطل فرقوں سے مقابلہ اور نبردِ آزمائی کے لئے طلبہ کو تیار کرنے کے ایک اجلاس میں اپنے خطاب میں فرمایا :

”ہر مدرسے میں جمعہ کو دو گھنٹہ اس کے لئے مخصوص کریں اور طلبہ کو معلومات دیں۔ دارالعلوم

میں کئی سال سے شعبہ قائم ہے، کتابیں حاصل کریں، مشورہ کریں اور پورے عزم کے ساتھ

تعلیمی و تدریسی کاموں کے ساتھ فرقِ باطلہ کی تردید کا کام بھی شروع کر دیا جائے۔“

حضرت امیر الہند کی پکڑ علماء اور عوام پر جتنی تھی اتنی کسی اور کی نہ تھی۔ سلگتے ہوئے ملکی و ملی مسائل پر جب آپ اجتماعات اور کانفرنسوں کا اعلان فرماتے تو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں وابستگانِ جمعیتِ ملک کے کونے کونے سے جمع ہو جاتے جن میں بڑی تعداد علمائے کرام اور ذمہ دارانِ مدارس کی بھی ہوتی، ان اجلاسوں میں حضرت امیر الہند مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں اپنے اندیشوں اور اُمیدوں کا اظہار فرماتے، خطرات کا مقابلہ کرنے کی تلقین فرماتے اور موثر تدابیر بیان فرماتے، پر آشوب اور نامساعد حالات نے کبھی حضرت مولانا کے حوصلے اور عزیمت کو متزلزل نہیں کیا ۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا

وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے تھے اندازِ خسروانہ

حضرت مولانا نے مدارس میں تعلیمی و تربیتی امور پر توجہ مرکوز رکھنے کی ہمیشہ تاکید کی اور علمائے کرام اور اہلِ مدارس کا جو طرہ امتیاز اور ماضی کی خصوصیات تھیں ان کو باقی رکھنے پر زور دیا۔ سادگی اور قناعت، خلوص و لٹہیت کی تلقین فرمائی، مدارس اسلامیہ کے ایک کل ہند اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :

”اگر لٹہیت و اخلاص کے بجائے دنیا پیش نظر ہو اور حصولِ دنیا کے نتیجے میں اللہ کی طرف توجہ

اور تعلق کم ہو جائے تو خیر و برکت اٹھ جائے گی اور دنیا کے فساد، جھگڑے، نفس پرستی کا غلبہ ہوتا

چلا جائے گا، اس لئے مدارس کے حضرات کو محاسبہ کرنا اپنی نیتوں کو درست کرنا اور مستفیدین اور کارکنان مدرسہ کو اس طرف توجہ دلانا اور اصلاح کی کوشش کرنا از بس ضروری ہے، ورنہ مقصد مقصد نہیں رہے گا، وسائل مقصد بن جائیں گے، دنیا مقصد بن جائے گی، چند پیسوں میں مدرسہ چھوڑ کر دنیا میں لگ جائیں گے، بیشک دنیا دارالاسباب ہے، اس لئے وسائل بھی ہونے چاہئیں لیکن انہیں مقصد بنانا نہیں چاہئے، وسیلہ کو وسیلہ بناؤ، وسیلہ کو مقصد نہ بناؤ، بناؤ گے تو مقصد کھو جائے گا اور افادیت نہیں رہے گی، کوئی للہیت پیدا نہیں ہوگی۔ اللہ کے دین کے خادم پیدا نہیں ہوں گے، کمانے والی مشینیں پیدا ہوں گی۔“

اُتر پردیش کی فرقہ پرست حکومت نے جب اپنے آرڈیننس کے ذریعہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں مشرکانہ گیت ”وندے ماترم“ مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے بھی پڑھنا لازم کر دیا اور ہندوستان کی فرضی تصویر کے آگے جھکنے اور پھول مالا چڑھانے کا فیصلہ کیا گیا تو حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہ نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اس کی تردید اور آرڈیننس کے واپس لیے جانے کا پرزور مطالبہ کیا، صوبے کے مختلف علاقوں میں احتجاجی جلسے اور مظاہرے کیے گئے، حضرت والا کی تحریک پر دارالعلوم دیوبند میں مدارس اسلامیہ کا ایک اہم اجلاس ۲۱/۱۱/۱۹۱۹ھ کو جامع رشید میں منعقد کیا گیا، جس میں اس آرڈیننس کے خلاف تجویز منظور کی گئی اور اس فیصلے کو سختی سے مسترد کر دیا گیا، اسی طرح جنوری ۲۰۰۰ء میں اُتر پردیش کے وزیر اعلیٰ رام پرکاش گپتا کی قیادت میں بی جے پی حکومت نے اپوزیشن کے سخت اعتراض کے باوجود ”اُتر پردیش پبلک مذہبی عمارات و مقامات ریگولیشن بل ۲۰۰۰ء پاس کر دیا۔ یہ بل دستور ہند کی دفعہ ۲۵، ۲۶ اور ۳۰ کے یکسر منافی تھا۔ اس کا مقصد اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کی مذہبی آزادی کو سلب کرنا تھا، اس بل کی رو سے اگر کہیں کوئی مذہبی پبلک عمارت کی تعمیر یا مرمت وغیرہ کرنی ہے تو اس کے لئے ضلع مجسٹریٹ کو درخواست دے کر اجازت لینے کی ضروری قرار دی گئی تھی، مجسٹریٹ کی اجازت نہ ملنے کی صورت میں کسی مسجد یا مدرسے کی نہ تو کوئی عمارت بن سکتی تھی نہ اس کی مرمت کی جاسکتی تھی، اس بل کی مخالفت میں حضرت امیر الہند نے ذمہ داران دارالعلوم کو مدارس اسلامیہ کا اجلاس بلانے پر متوجہ کیا۔“

چنانچہ ۲۷/۱۱/۱۹۲۰ھ کو حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم کی صدارت میں دارالعلوم دیوبند میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جس میں تقریر فرماتے ہوئے حضرت امیر الہند نے اس بل کی شدید مخالفت کی اور اسے واپس لینے کا مطالبہ فرمایا اور اسے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی مذہبی آزادی پر زبردست حملہ قرار دیا، بل کے خلاف تجویز منظور کی گئی اور طے کیا گیا کہ اس بل کے خلاف مزید اجتماعات مختلف مقامات پر کیے جائیں اور مقامی ڈی ایم کو میمورنڈم پیش کیا جائے اور اس کی نقل صدر جمہوریہ اور وزیراعظم کو بھی ارسال کی جائے۔ اس

سلسلے میں حضرت امیر الہند کی ہدایت اور جناب مولانا محمود مدنی ناظم عمومی جمعیت علماء ہند کی کوششوں سے پہلے لکھنؤ اور پھر نئی دہلی میں زبردست احتجاجی مظاہر کیا گیا، جس میں لاکھوں افراد شریک ہوئے اور ان ریلیوں کا اثر یہ ہوا کہ حکومت ہند اس بل کو سرد خانے میں ڈالنے پر مجبور ہوئی۔

حضرت امیر الہند کا ایک امتیازی وصف ان کی بیباکی اور حق گوئی ہے، مدارس اسلامیہ دینی اداروں اور مسلمانان ہند کے مسائل کے تعلق سے انہوں نے سربراہان حکومت اور ارباب اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کیں اور اپنے برحق، واضح اور سخت موقف پر ہمیشہ قائم رہے۔ ان میں کبھی اس حوالے سے کوئی لچک پیدا نہ ہوئی۔

حدیث بے خبراں ہے کہ بازمانہ بساز زمانہ باتونہ ساز دو بازمانہ ستیز

پچھلے چند سال میں مسلمانوں کے لئے عموماً اور دینی اداروں اور مدارس اسلامی کے لئے خصوصاً بڑے صبر آزما اور پُر آشوب رہے ہیں، فرقہ پرست عناصر اور ملک دشمن طاقتوں نے مدارس اسلامیہ کے خلاف، منصوبہ بند مہم چھیڑ دی تھی، مدارس کو بدنام کیا جا رہا تھا، ان کی کردار کشی کی جا رہی تھی اور ان دینی مدرسوں کو ملک دشمن سرگرمیوں کا مرکز اور آئی ایس آئی کی پناہ گاہ تک کہا جانے لگا تھا۔ اس وقت اکابر دیوبند خصوصاً حضرت امیر الہند فرقہ پرست طاقتوں کی اس مہم کو ناکام بنانے اور مدارس اسلامیہ کی بقاء و تحفظ کے لئے بطور خاص سرگرم عمل رہے اور بانگ دہل شرپسند عناصر کی مذمت کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ان ملک دشمن طاقتوں کو لگام دے، اسی طرح ذمہ داران مدارس کو پوری ہمت و پامردی کے ساتھ ان سازشوں کا مقابلہ کرنے کی تلقین فرمائی، ان کو خطاب کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا :

”آج ہم لوگ جس دور سے گزر رہے ہیں وہ بڑا خطرناک دور ہے۔ عیسائی، یہودی اور فرقہ پرست طاقتیں بھرپور وسائل کے ساتھ اسلام کو مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، ان کا نشانہ خاص طور سے دینی مدرسے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہی مدارس علومِ دیدیہ کے سرچشمے ہیں لیکن ہم کو پوری طاقت کے ساتھ دشمنان اسلام کی سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے اور ان کو داندان شکن جواب دینا ہے۔“

”مدارس اسلامیہ اور دہشت گردی کا الزام“ کے عنوان پر دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام منعقد مدارس اسلامیہ کے کل ہند اجتماع سے اپنے بصیرت افروز چشم کشا خطاب میں حضرت امیر الہند نے فرمایا :

”اسلام اور مدارس اسلامیہ کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم دہشت گردی کو کسی طرح کا تعاون دینے کو تیار نہیں، ساری دنیا جانتی ہے کہ ملک میں لاکھوں لوگ ہیں جو دہشت

گرد تنظیموں سے جڑے ہوئے ہیں، ناجائز ہتھیار رکھے ہوئے ہیں، ہر طرح کے جرائم کے مرتکب ہیں، اس کی انہیں ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ان کی وجہ سے ملک کا سیکولر کردار خطرے میں ہے لیکن ان کو دہشت گرد کہنے والا کوئی نہیں ہے جبکہ مدارس کو خواہ مخواہ بدنام کیا جا رہا ہے۔

مدارس اسلامیہ کے داخلی و خارجی مسائل کے حل اور مشکلات کے ازالہ کے لئے حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہ نے مدارس اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے اور ان کی تنظیم قائم کرنے پر زور دیا، چنانچہ حضرت نے مجلس شوریٰ دارالعلوم میں مدارس اسلامیہ کے کل ہند اجتماع کی تجویز رکھی، مجلس شوریٰ نے سہ روزہ اجتماع کا فیصلہ کیا، جو اکتوبر ۱۹۹۴ء میں حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کی زیر صدارت جامع رشید دارالعلوم میں منعقد ہوا جس میں ”رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ“ کے قیام کا فیصلہ ہوا، مرکزی دفتر دارالعلوم دیوبند میں قائم کر دیا گیا اور رابطہ کے صدر حضرت مہتمم صاحب زید مجدہم قرار پائے۔ حضرت امیر الہند کو رابطہ کے امور سے اتنی دلچسپی تھی کہ اپنے سفر پاکستان کے موقع پر وہاں قائم وفاق المدارس اسلامیہ کے دستور اساسی اور دیگر ضروری کاغذات وفاق کے ذمہ داران سے حاصل کر کے اپنے ہمراہ لائے اور تاجپز کو عنایت فرمایا تاکہ اس کی روشنی میں دستور العمل رابطہ کی ترتیب ہو اور کام کو آگے بڑھایا جائے۔ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم کے زیر اہتمام مدارس اسلامیہ کے اب تک ۱۰ بڑے کل ہند اجلاس دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوئے ہیں، جن میں مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم، نظام تعلیم و تربیت، مشکلات مدارس، مدارس کے باہمی روابط و اتحاد، حفاظت اسلام میں مدارس اسلامیہ کے کردار وغیرہ موضوعات پر غور و خوض ہوتا رہا ہے اور انقلاب انگیز فیصلے کئے جاتے رہے ہیں۔ حضرت میر کاروان ملت اسلامیہ ان تمام اجلاسوں میں بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے، اپنے بصیرت افروز بیانات سے مستفید فرماتے اور اپنے صدائے دل نواز سے سامعین کے قلوب کو ہمیں کرتے.....

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پر سوز یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

جب فرقہ پرست عناصر کے زہریلے بیانات مدارس کے خلاف زیادہ آنے لگے اور حکومت ہند کی وزارتی گروپ کی رپورٹ میں بھی مدارس اسلامیہ کو ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ قرار دے دیا گیا تو اس وقت حضرت امیر الہند نے محسوس کیا کہ تمام مکاتب فکر کے مدارس کو متحد کر کے ایک ”متحدہ تحفظ مدارس کمیٹی“ کی تشکیل کی جائے، چنانچہ پہلے دارالعلوم دیوبند میں اس کی کوشش کی گئی کہ دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام تمام مکاتب فکر کے مدارس کا ایک مشترکہ اجلاس دہلی میں بلا یا جائے اور ایک متحدہ مجلس تحفظ مدارس کا قیام عمل میں لایا جائے۔ دارالعلوم کی جانت سے دیگر مکاتب فکر کے بڑے مدارس اور ذمہ داروں سے رابطہ بھی قائم کیا گیا لیکن بعض مکاتب فکر کے قائدوں کی طرف سے اُمید افزا پیغام نہ ملا تو حضرت امیر الہند نے، جمعیتہ علماء کی جانب سے ۸ مارچ ۲۰۰۳ء کو شاہ

جہانی جامع مسجد دہلی میں تحفظ مدارس کا اجلاس بلایا اور دیگر مکاتب فکر کے مدارس کے ذمہ داروں کو دعوت نامہ دینے اور ان سے گفتگو کے لئے مختلف علاقوں میں مختلف افراد کو بھیجا گیا، چنانچہ لکھنؤ، بستی، سدھارت نگر، گورکھپور، اعظم گڑھ، موبنارس اور جون پور کے مدارس کا حضرت کے حکم پر احقر راقم السطور نے دورہ کیا اور ذمہ داران سے ملاقات کر کے ان کو ۸ مارچ کے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ اس اجلاس میں دیگر مکاتب فکر جماعت اسلامی، اہل حدیث، بریلوی حضرات کے مدارس کے بہت سے ذمہ دار شریک ہوئے۔ یہ اجلاس بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ حضرت اقدسؒ نے اپنی خداداد بصریت، ایمان فراست، جہد مسلسل اور روحانی عزیمت اور بے پناہ جرأت و حق گوئی سے مسلمانوں کی بقاء، سرمایہ ملت کی نگہ بانی، مدارس اسلامیہ کی پاسبانی اور ملت میں اتحاد قائم کرنے کی جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہ بان اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

مدارس اسلامیہ کے حوالہ سے حضرت اقدسؒ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ دارالعلوم دیوبند کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گا، کون نہیں جانتا کہ نہایت پر آشوب حالات اور نازک ترین وقت میں بحرانی دور سے دارالعلوم کو نکالنے اور تعمیر و ترقی کی وسیع شاہراہ پر گامزن رکھنے میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی مساعی جمیلہ کا بے حد دخل ہے۔ تعلیمی اور تعمیری ہر لحاظ سے پچھلے چند سالوں میں دارالعلوم دیوبند نے حیرت انگیز ترقی کی ہے، نظم و نسق بہتر ہوا ہے، تعلیمی امور پر بطور خاص توجہ دی جا رہی ہے، اور معیارِ تعلیم و تربیت بلند ہوا ہے۔ پرانی عمارتوں کی مرمت اور جدید عمارتوں کی تعمیر بڑے پیمانے پر جاری ہے، دارالعلوم سے حضرت اقدسؒ کو بڑا والہانہ تعلق تھا، حضرات اساتذہ کارکنان اور طلبہ عزیز کی ضروریات اور سہولیات کا وہ بطور خاص خیال فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے انتقال پر ملال پر تمام خدام دارالعلوم اور طلبہ عزیز ماتم کناں اور رنج و غم میں نڈھال ہیں اور دارالعلوم کے درودیوار بے حد اداس اور سوگوار ہیں۔

دیراں ہے مے کدہ خم و ساغر اداس ہیں وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

افسوس کہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک اپنے یقین محکم، عمل پیہم، جہد مسلسل اور اپنی حیات بخش تدبیروں سے مسلمانان ہند کی ترقی و استحکام اور حفاظت کا سامان کرنے والی عظیم ہستی مدارس اسلامیہ کو فعالیت اور تنظیم و تعمیر سے ہمکنار رکھنے والی نابغہ روزگار وہمہ جہت شخصیت لاکھوں عقیدت مندوں کو غمزدہ و سوگوار چھوڑ کر مالک حقیقی سے جام ملی۔ فرحمہ اللہ رحمة واسعة.....

کل ان کے در پہ سنا تھا حیات بٹی تھی امیدواروں میں خود موت بھی نظر آئی

☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا اسعد مدنیؒ اور دارالعلوم دیوبند

امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ذات گرامی زندگی کے گونا گوں پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے تھی، ایسی ہمہ جہت شخصیتیں اس دنیائے فانی میں تقریباً نایاب ہیں۔ ابھی تک دنیا میں بجز اللہ ایسے لوگ موجود ہیں، جنہوں نے حضرت مولانا سید حسین مدنیؒ کو دیکھا ہے اور آپ سے استفادہ کیا ہے۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے آپ کی جوتیاں سیدھی کی ہیں اور آپ کی دعاؤں سے استفادہ کیا ہے۔ یہ اپنی جگہ خود اتنی بڑی خوبی ہے کہ اس کا جواب نہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں اس شعر کا مفہوم عملی طور پر واضح کیا ہے.....

ہر کہ خدمت کردا و مخدوم شد ہر کہ خود را دید او محروم شد

آپ کی زندگی کی خوبیوں کو کتنا ہی مختصر کر کے کیوں نہ بیان کیا جائے مگر وہ ایک مضمون میں تو کیا، ایک کتاب میں نہیں سما سکتیں۔ قومی و ملی سرگرمیوں کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ تصور میں بھی اس کا احاطہ دشوار ہے۔ آستانہ حضرت مدنیؒ کی روایات کو زندہ و پائندہ رکھنا، مدارس اسلامیہ کے حوالے سے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنا، تحفظ ختم نبوت اور دیگر متعلقہ تحریکات کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو عام کرنا، جمعیتہ علماء کے پلیٹ فارم سے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ ملک کے مجموعی عوام کی خدمات انجام دینا، ہندو مسلم اتحاد کی ذریعہ ملک کے سیکولرزم کو مستحکم کرنا، پارلیمانی زندگی کے دوران ایوانِ بالا میں ملک و ملت کی اس انداز پر ترجمانی کرنا کہ وہ تاریخِ ہندوستان کا نمایاں باب بن گئیں، ہزار ہا مریدین کے توسط سے دین اسلام کی خدمت اور اسلام کے ابدی پیغام کی اشاعت و ترویج، غرضیکہ زندگی کے اس قدر پہلو ہیں جو اس بات کے متقاضی ہیں کہ آپ کے نام پر متعدد ایسی کمپنیاں قائم کی جائیں اور پھر ان خدمات کو تفصیلی طور پر احاطہ تحریر میں لایا جائے، سردست دارالعلوم دیوبند سے آپ کے تعلق اور مدارس اسلامیہ کی دینی خدمات پر ایک سرسری نظر ڈالی جا رہی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ دراصل ہندوستان کی آزادی کی تاریخ ہے۔ یوں تو یہ ادارہ ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء سے ہندوستان میں مسلمانوں کے تحفظ و بقا اور ان کی ثقافت کے تحفظ کے لئے کوشاں ہے مگر ۱۹۸۰ء کے بعد سے اس ادارے کو آزاد ہندوستان میں جس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے، ان کو وہی بزرگانِ دین سمجھ سکتے ہیں جو اس وادی

پُرفار سے گزرے ہیں۔ اس عرصہ میں دارالعلوم کو آگے بڑھانے، اس کی روایات کو زندہ و پابندہ رکھنے، اس میں حالاتِ حاضرہ کی روشنی میں ضروری اضافے کرنے، اس کو عالمی سطح پر روشناس کرانے، جدید تعلیمی تقاضوں سے اسے ہم آہنگ کرنے اور مفت تعلیم، نیز تعلیم بالغان کے قومی مقاصد کو اصل رنگ و روپ دینے، اس کی تعلیمی، تعمیری اور روزِ مردہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا عظیم ترین کام صرف اور صرف حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی قیادت و سیادت، نیز آپ کے مشوروں اور عملی جدوجہد سے ہی انجام پاسکا۔ اکابرینِ ملت سے گستاخی کی معافی طلب کرتے ہوئے اگر میں یہ کہنے کی جسارت کروں کہ یوں تو دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ بھی ہے اور امیر الہند مولانا سید اسعد مدنیؒ جن کو اب ہم نہ دیکھ سکیں گے، دارالعلوم دیوبند میں اس وقت ساڑھے تین ہزار طلباء ہیں، ان کے کھانے پینے رہنے سہنے، کتابیں فراہم کرانے، بجلی، پانی کی سہولتیں مہیا کرانے، سفری اخراجات کے لئے ریلوے کنسیشن دلوانے، داخلہ کی سہولتیں بڑھانے، علاج معالجے کے لئے رقومات فراہم کرانے، ان کو یومیہ اخراجات وغیرہ کے لئے معقول وظائف دلانے اور نہ معلوم کتنے عنوانات سے ذمہ داریاں سنبھالنے میں جس ہستی نے قائدانہ اور عملی رول ادا کیا، وہ تھے مولانا سید اسعد مدنیؒ۔

اس قدر ذمہ دار ہونے کے باوجود سادگی کا پیکر، متعدد ثقہ حضرات نے بتایا کہ ریل کے سفر کے آغاز سے قبل سب ساتھیوں کے ٹکٹ خود لائن میں کھڑے ہو کر لیا کرتے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد دارالعلوم کو اس قدر مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا کہ اکثر اساتذہ کی تنخواہوں کی ادائیگی کیلئے رقم نہ ہوتی، مگر آپ نے کسی کو اس دشواری کا احساس نہ ہونے دیا اور اپنے طور پر اس دشواری کو دور کر دیا۔ آپ طلبائے عزیز کی ضرورتوں کے لئے بے حد پریشان رہتے تھے۔ آپ کے دور میں طلبائے عزیز کے کھانے کا معیار پہلے سے کہیں زیادہ اچھا ہو گیا۔ طلباء کے وظائف کی رقم درجہ بدرجہ بڑھتی رہی۔ آپ نے دارالعلوم کے بوسیدہ کمروں کو ناقابلِ رہائش سمجھا اور اس بات پر زور دیا کہ ان کی تجدید نو کی جائے، بجز اللہ یہ کام پورے زور و شور سے اب بھی جاری ہے۔

ایک بار حکومت نے بنگلہ دیشی طالب علموں کے آنے پر پابندی لگانے کا فیصلہ کیا۔ جب حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو یہ معلوم ہوا تو آپ کو تشویش ہوئی اور آپ احقر کے ساتھ وزیر داخلہ جناب وائی بی چوہان سے ملے اور فرمایا کہ اگر آپ ان طلباء کو یہاں آنے سے روکیں گے تو یہ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے پڑوسی ملکوں میں جائیں گے، جب یہ وہاں تعلیم حاصل کریں گے تو ان کا ذہن دوسری طرح کا ہوگا اور یہ ہندوستان کی ان خدمات سے اداائف ہوں گے جو یہاں دینی تعلیم کے رواج کے حوالے سے کی جا رہی ہیں۔ وزیر داخلہ آپ کی گفتگو سے بے حد متاثر ہوئے اور اس حکم کو واپس لے لیا گیا۔ آپ نے تعلیم کے حوالے سے دارالعلوم دیوبند میں وہ تمام اصول لاگو کیے، جو موجودہ تعلیمی پالیسی کا جزو لازم ہیں۔ مثلاً مفت تعلیم، تعلیم بالغان، طلباء میں نظم و نسق، حب الوطنی، پڑوسیوں کے حقوق کا خیال۔ ان سب اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں انگریزی کی تعلیم، کمپیوٹر کی تعلیم، صحافت کی تعلیم

شروع کرائی، یہی نہیں استادوں اور عملے کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا۔ ہنگامی ضرورتوں کو پورا کرنے اور بیماری آزادی میں مستحق طلباء اور استادوں نیز عملے کی مدد میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ طلبائے عزیز کے حوالے سے آپ کی خاص کوشش یہ تھی کہ ان کو ان کے ذوق کے مطابق کھانا ملے جو معیاری ہو۔ اس وقت دارالعلوم کا سالانہ بجٹ آٹھ کروڑ روپے کے قریب ہے۔ اس رقم کو آپ نے کبھی زیادہ نہ سمجھا بلکہ آپ کے دور میں سب اخراجات بحسن و خوبی چلتے رہے۔ آپ کی فکر معیار تھی۔ آپ طلبائے عزیز کی رہائش گاہ کو بھی معیاری دیکھنا چاہتے تھے۔

چنانچہ ایک طرح سے وہ اپنے وقت کے شاہجہان تھے۔ آپ طلباء میں بیداری لانا چاہتے تھے تاکہ وہ اپنی زندگی میں عملاً اسلام کی خدمت صحیح ڈھنگ سے کر سکیں، یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی مخالفت، شرعی امارت کی ضرورت فوج اور پولیس میں مسلمانوں کی واجب نمائندگی، سرکاری ملازمتوں میں واجب حصہ، قانون ساز اداروں، اسمبلیوں راجیہ سبھا اور لوک سبھا میں ان کی تعداد کے اعتبار سے ان کی نمائندگی، اس طرح کی دوراندیشانہ سوچ آپ کو ہندوستان کے دانشوروں، عالموں، سیاست دانوں میں ایک ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ گذشتہ ایک سال سے آپ نے دارالعلوم دیوبند کے ۱۹۸۰ء کے بعد شروع ہوئے قضیہ کو جس طرح پنپانے کی کوشش کی اور حضرت مولانا سالم صاحب سے صلح و صفائی کے لئے جو عملی اقدامات کیے ان سے آپ کی بصیرت کا بھرپور ثبوت ملتا ہے۔ ان کوششوں کا ہی نتیجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند جا جو جزو اعظم، اس سے جدا دکھائی دے رہا تھا، اب روز بروز قریب آ رہا ہے۔ خیال ہے کہ دارالعلوم دیوبند (وقف) کے جن ارکان کے سابقہ مطالبات ادا نہیں کیے جاسکے ہیں، ان کی ادائیگی اب آسان ہو جائے گی۔

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ ایک دور تھا جبکہ حضرت قاری محمد طیبؒ پاکستان چلے گئے تھے، حضرت مدنیؒ کی کوشش سے وہ دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں بلا لیے گئے تھے اور مسجد قدیم میں ایک جلسہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ ایک ہی منہ پر جلوہ افروز تھے اور حضرت مدنیؒ نے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی خدمات جلیلہ پر روشنی ڈالی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ اس وقت بھی اتحاد و اتفاق کی کچھ ایسی ہی فضا دیکھنے کو ملے، اگر ایسا ہوا تو یقیناً یہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی بعد از وفات کرامت ہوگی۔

مختصر یہ کہ قرآن و حدیث کی جو تعلیم دارالعلوم دیوبند کے توسط سے اس وقت نہ صرف دیوبند میں بلکہ پاکستان، بنگلہ دیش اور دیگر مقامات پر دی جا رہی ہے، اس کا سرچشمہ دارالعلوم دیوبند ہے اور دارالعلوم کو اس منزل تک پہنچانے میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی پُر خلوص خدمات کو بڑا دخل ہے۔ حضرت مولانا رابع حسنی ندوی نے بجا طور پر ارشاد فرمایا کہ موجودہ دور میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا بلاشبہ وہ منصب نبوت کے علوم و معارف کے امین تھے۔ مولانا عبدالحق مدرا سی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند اپنے رفیق کو ہر دم یاد رکھے گا۔ ان کی ملی، سیاسی، سماجی اور دینی خدمات ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں اور آنے والی نسلیں بھی ان تعلیمات سے فیض یاب ہوتی رہیں گی۔

ڈاکٹر شکیل صدیقی

ریڈر شعبہ قانون، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

پُر آشوبِ دَورِ میں گرا نَقدرِ خداتِ کَانمُونہ

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ - (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے) لیکن اس دنیا میں چند شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی وفات سے ایک خلا سا پیدا ہو جاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ خلا کبھی پورا نہ ہو سکے گا لیکن خالق کائنات کا راز ہے، زندگی اور موت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تخریب و تعمیر چلتی رہتی ہے اور اللہ رب العزت کے حکم سے دنیا کا کاروبار چلتا رہتا ہے۔

مولانا اسعد مدنی کا انتقال یقیناً ملت اسلامیہ کے لئے ایک سانحہ سے کم نہیں ہے، کیونکہ وہ ایسے عالم دین تھے جنہوں نے دینی حمیت کے ساتھ ساتھ دنیاوی مسائل سے خود کو الگ نہیں کیا۔ خصوصی طور پر مسلمانانِ ہند کو ایک مثبت رہنمائی دی۔ جمعیت علماء ہند کے جھنڈے تلے انہوں نے جس سیاسی بصیرت اور کارگردی کا مظاہرہ کیا اور جس طرح سے ملت اسلامیہ کے جذبات کی ترجمانی کی اسے تاریخ ہند کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ بقول مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا اسعد مدنی اپنی اجتماعی فکر و ذہن اور اعمال و خدمات کی وسعتوں کے لحاظ سے ملت اسلامیہ میں ایک معتبر متعارف شخصیت کے مالک تھے۔ اس لحاظ سے ان کی وفات سے عمومی طور پر غیر معمولی غم محسوس کیا گیا۔

۱۹۷۳ء انہیں جمعیت علماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا اور بحیثیت صدر انہوں نے جمعیت علماء کو آزاد ہندوستان میں ایک مؤثر رول ادا کرنے کا موقع دیا۔ اتفاق سے یہ وہ دور تھا جب ملک میں سوائے کانگریس پارٹی کے کوئی پارٹی نظر نہیں آتی تھی اور یہ بڑا مشکل کام تھا کہ کانگریس کی ہر وقت مخالفت کی جائے۔ اس لئے مولانا اسعد مدنی کی قیادت میں جمعیت علماء ہند نے دو محاذوں پر کام کیا۔ پہلا محاذ تعلیمی محاذ تھا جس میں مولانا کی کوششوں سے ملک کے طول و عرض میں مدارس کا جال بچھ گیا جو جمعیت کی سرپرستی میں کام کر رہے ہیں۔ دوسرا کام جو مولانا نے کیا وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں سیاسی بیداری کرنے کی کوشش کی اور ملی مسائل پر قوم کا موقف رکھنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ مولانا نے حکومت وقت پر ایک پریشر گروپ کی طرح کام کیا اور یہ کوشش کی کہ کانگریس سے رابطہ نہ بگاڑتے ہوئے

اہم ملی مسائل پر حکومت کی توجہ مبذول کرائی جائے اور اس لئے جمعیت علماء ہند پر کانگریس کے تیس نزم رویہ اختیار کرنے کا الزام بھی لگتا رہا، لیکن ان سب نکتہ چینیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مولانا مرحوم نے اپنے مشن کو جاری رکھا اور سیکولر اور نیشنلسٹ لوگوں کو جمعیت سے جوڑنے کا کام کرتے رہے۔

گجرات کے مسئلے پر جمعیت نے مسلمانوں کے ساتھ ہوئے ظلم کو سختی سے ملک کے لیڈروں کے سامنے اٹھایا اور پچھلے چند سالوں میں جب سے امریکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک طرح نفرت آمیز دشمنی کا مورچہ کھولا ہے اور پوری دنیا میں مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے میں لگا ہوا ہے، مولانا اسعد مدنی نے علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود جگہ جگہ جلسے اور کنونشن کر کے غیر مسلم عوام اور حکومت کو بتانے کی کوشش کی کہ مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ مولانا نے ہندوستان ہی نہیں بلکہ پاکستان، بنگلہ دیش اور انگلستان میں متعدد کانفرنسوں کو خطاب کیا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ کسی بھی قوم پر دہشت گردی کا لیبل لگا دینا ٹھیک نہیں ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرحوم مولانا اسعد مدنی نے ملک اور قوم کی جو بیش بہا خدمت انجام دیں وہ تاریخ میں محفوظ کی جائیں گی۔ جو قومیں اپنے محسنوں اور رہنماؤں کو بھول جاتی ہیں تاریخ کے اوراق ان قوموں کو بھول جاتے ہیں۔ مولانا کی زندگی ملک کے حکمرانوں کیلئے مشعلِ راہ ہیں۔ خصوصی طور پر جو لوگ قوم کی فلاح و بہبود کی سیاست کو بھی شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں، انہیں مولانا مرحوم کی زندگی سے سبق لینا چاہئے۔

القاسم اکیڈمی کی ایک اور عظیم تاریخی پیشکش

سوانح قائد اہل سنت و کلیل صحابہ، مظہر شریعت و طریقت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنی

جس میں آپ حضرت قاضی صاحب موصوف کے زندگی کے ہمہ جہت پہلوؤں، تبلیغی و

اصلاحی باتیں، حلقہ ذکر دعوتی اور واعظانہ خطابات اور ان جیسے سینکڑوں عناوین ملاحظہ فرمادیں گے۔

ان شاء اللہ عنقریب منظر عام پر آ رہا ہے۔

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد پاکستان

حق گوئی و بے باکی

خالق کائنات نے کچھ ایسی ہستیاں پیدا فرمائیں ہیں جن کی وفات پر کنبہ روتا ہے اور کچھ ایسے لوگ ہیں جن پر محلہ اور شہر روتا ہے اور کچھ ایسی ہستیاں ہیں جس پر زمانہ اور زمیں و آسمان روتے ہیں اور انسانی برادری کا کوئی بھی فرد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، ایسی ہی دلکش صفات اور مجموعہ محاسن کے مالک تھے جانشین شیخ الاسلام، فدائے ملت امیر الہند حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی، جن کو بہت سے لوگ ایک عالم، شیخ طریقت، سالک، سیاسی رہنما اور مجاہد کی حیثیت سے جانتے تھے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو ان سب کمالات و فضائل سے آراستہ کیا تھا۔ ان کی صفات کا ہر حصہ مستقل باب ہے جس پر آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا اور اس سے انسانیت استفادہ کرتی رہے گی۔

واقعہ ہے کہ آج کی دنیا ممتاز شخصیتوں، وسیع النظر اور قبح عالموں سے خالی نہیں لیکن حضرت مدنی کو معاصرین میں جن صفات نے منفرد اور ممتاز بنایا وہ ان کی عزیمت اور حمیت تھی اور یہ وصف خاص جو انہیں ان کے والد محترم ربی و مرشد حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے وراثت میں ملا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت مدنی مذہبی، اصلاحی، قومی، ملی، تعلیمی، اجتماعی اور جدوجہد کے ہر محاذ پر سرگرم، متحرک اور چاق و چوبند دکھائی دیتے تھے۔

حضرت مدنی کی شخصیت کا ایک اہم وصف ان کی بیباک گوئی، بلند حوصلگی اور جرأت اظہار ہے۔ اکیسویں صدی کے اس پر آشوب دور میں جہاں ایمان و ایقان کی روشنی دھندلا رہی ہے اور مادیت پر مذہبی و روحانی عقائد کی سالمیت کو بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے، ایسے حالات میں مولانا مرحوم کی شخصیت نے کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔

نور کے نام پر بکتی ہے یہاں تاریکی لوگ کہتے ہیں خزاں کو یہاں فصل بہار

حضرت نے کبھی بھی اور کہیں بھی حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور اسلام کی حقانیت و صداقت کو اجاگر کرنے کے لئے زندگی بھر چوڑے لڑائیاں لڑتے رہے۔ حضرت عشق رسول ﷺ سے ایسے سرشار تھے کہ ان سے ٹکرانے والی کوئی شے ایسی نہ تھی جسے دیکھ کر وہ خاموش تماشائی بنے رہتے۔ اسلام، ذات نبوی ﷺ اور قومی مسائل کے تعلق سے کوئی توہین آمیز مضمون، رسائل و کتب یا فلم کسی دنیا میں سامنے آتی، گستاخی یا بے ادبی کی کوئی تصویر شائع ہوتی تو سب سے پہلے یہ مردِ آہن ہی تھا جو اس کا نوٹس لیتا تھا۔ اس وقت ان کی حمیت کی تلوار بے نیام ہو جاتی۔ وہ اس کا تعاقب اس وقت تک کرتے تا آنکہ گستاخ کی زبان و قلم تائب نہ ہو جاتے۔

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

فدائے ملت ایک سچے محب وطن تھے، اس سلسلے میں وہ جو کچھ کرتے اس کا فائدہ صرف مسلمانوں کو نہیں پورے ملک کو پہنچتا تھا۔ ہندوستان میں اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ دانستہ اور نادانستہ جو نا انصافیاں اور زیادتیاں ہوتیں اور یہاں کے اہل اقتدار اور سیاسی رہنما جس کوتاہ نظر، جذباتیت کے شکار ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے، حضرت مدنیؒ اس صورت حال کے اصلاحی حقائق کو سمجھ کر صحیح جمہوریت، سماجی انصاف اور سیاسی شعور پیدا کرنے کی شکلیں بہم پہنچاتے۔ اس کے لئے انہیں کئی بار عوامی اجتماعات اور ملت بچاؤ تحریک چلانی پڑی۔ جس کے سبب جیل میں رہ کر سنت یونٹی ادا کرنی پڑی۔ ہر طرح کی صعوبتیں برداشت فرمائیں اور کبھی بھی ان کے ارادوں میں اضمحلال نہ آیا اللہ نے ان کے خلوص و قربانی کا ہر محاذ پر کامیابی سے استقبال کیا۔

حضرت مدنیؒ خود فرماتے: ”میرے والد ماجد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ہمیں ایمان و یقین اور اشاعتِ دین کے ساتھ وطن عزیز سے عشق، آزادی سے محبت اور انسانوں کی خدمت کی جو راہ دکھائی تھی، میری کوشش یہی ہے کہ جب تک زندہ رہوں ان عنوانات پر زندگی کی داستان ترتیب دیتا رہوں۔“

یہی وجہ تھی کہ ان کے رگ و ریشے میں دینی و ملی خدمات سے متعلق جذبات موجزن رہتے اور نہ تھکنے والی خدمات کے ساتھ تاحیات یہ کارنامے انجام دیتے ہوئے اس مرد با وفا اور مجاہد نے جوانی کی بہترین طاقتیں، قلب و دماغ کی پوری توجہات اور ہمت سے ملک و بیرون ملک کے سیاسی مسائل کو سلجھانے اور اُمت کی ذہنی تربیت میں زندگی صرف فرمائی۔ ۱۸ سال تک ممبر پارلیمنٹ کی حیثیت سے ایوانِ بالا میں جرأت و بے باکی کے ساتھ حق و صداقت کا پرچم بلند فرماتے رہے اور تقریباً ۳۳ سال تک جمعیۃ علماء ہند کے صدر نشین رہے، جس کے ذریعہ آپ نے احیاءِ دین، ملت کے مسائل اور اس کی شیرازہ بندی، ٹوٹے دلوں کا سہارا اور اجڑوں کو بسانے کا کام کیا اور اپنے والد محترم کی سچی جانشینی کا تادمِ صحت و حیات حق ادا فرماتے رہے۔

سفر ہو یا حضر فرانس، نوافل و مستحبات کی ادائیگی، مخالف ماحول میں معمولات کی پابندی، وقت اور وعدے کا ایفاء دور دراز کے جلسوں اور اجتماعات میں شرکت، ناموسِ مدارس کی حفاظت آپ کی ذات کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ درحقیقت اس قحط الرجال کے دور میں حضرت مولانا مرحوم جیسے حکمتِ دین سے واقف صاحبِ فہم و بصیرت، مدبر عالم، درد مند مصلح اور غمگسارِ ملت کا اٹھ جانا ایک الم ناک سانحہ ہے۔ آدمیت کے اس قحط، انسانیت و انحطاط کے اس دور میں قومی قیادت و سیاست اور تصوف کی بزم جو خالی ہو گئی ہے، وہ ایک بڑا علمی اور انسانی حادثہ ہے۔ جس کے ساتھ تاریخِ ملک و ملت کا ایک باب سپردِ خاک ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے موسمِ بہار کا ایک حسین سلسلہ تقریباً ۷۸ سال کی عمر میں ۶ فروری ۲۰۰۶ء کو ختم ہو گیا۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں

ملتِ اسلامیہ اداروں کے امیر کارواں، ہند میں سرمایہ ملت کے نگہباں، قافلہٴ اُمت کے بیباک حدی خواں، ہزاروں اسلامی اداروں کے سرپرست و معمار، میدانِ سیاست کے عظیم سالار، فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ جو رحمتِ حق میں پیوست ہو گئے اور پوری اُمت کو یتیم کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون تقدیر پر راضی رہنے کے علاوہ اور کیا کیا جاسکتا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ حادثہ ایک فرد کا نہیں، ایک اُمت کا ہے، رونا ایک خاندان کا نہیں پوری ملت کا ہے۔ اپنے عظیم باپ سے محروم صرف چار صاحبزادگان کا نہیں اُمت کے ہر جوان کا ہے، قائد صرف جمعیتِ علماء کا رخصت نہیں ہوا بلکہ ہر اسلامی تنظیم اور اس کے قائدین اپنے سرپرست و رہنما سے محروم ہو گئے، نیز سوگواری صرف دارالعلوم دیوبند کا نہیں، تمام مدارسِ اسلامیہ کا مقدر بنی ہے۔ طاقت صرف وابستگانِ دیوبند کی نہیں، تمام مسلمانوں کی کمزور ہوئی ہے، ماتم صرف اہل مذہب کا نہیں، اہل سیاست کا بھی ہے اور حادثہ صرف مسلمانوں کا نہیں پورے وطن عزیز کا ہے۔ عجیب شخصیت تھی اس عظیم قائد کی، ان کے جانے سے چاروں طرف ایک بھیانک خلا نظر آ رہا ہے، جس کا پر ہونا بظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔ ان کی وفات سے ہر فرد اور پوری قوم اپنے اعتماد سے محروم ہوئی ہے۔ عربی کا مشہور شعر شاید ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا تھا.....

وما کان قیس ہلک ہلک واحد و لکنہ بنیان قوم تہدما

(ترجمہ) قیس کی وفات ایک فرد کی وفات نہیں بلکہ وہ ایک پوری قوم کی عمارت کا انہدام ہے۔

ہندوستان جیسے ملک میں جو مختلف اقوام کی آماجگاہ ہونے کے باعث اپنا ایک مخصوص ماحول رکھتا ہے، ملت کی کامیاب قیادت ایک نازک ذمہ داری ہے، جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے عظیم اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت مرحومؒ کو باری تعالیٰ نے وہ قائدانہ صفات بھرپور طریقہ پر عطا فرمائی تھیں، جو ہر ملت کی قیادت کے لئے درکار ہیں اور ان صفات کی بدولت حضرتؒ نے ملت کی قیادت کا وہ معیار قائم فرمایا، جس کا نبھانا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہند یہ ہر نازل ابتلاء کے موقع پر رہنمائی کے لئے نظریں انہی کی طرف دیکھتی تھی اور وہ اپنے خداداد اوصاف، بے مثال عزم و حوصلہ اور مخلصانہ جدوجہد سے دستگیری فرماتے تھے اور اپنی روحانی قوت اور پہاڑوں جیسی عزیمت سے طوفانوں کے رُخ موڑ دیتے تھے۔ ان کی شخصیت فتنوں کے مقابلے میں امن کے لئے دیک ڈھال کی حیثیت رکھتی تھی۔ افسوس آج اس ڈھال سے ہم محروم ہو گئے۔ حضرت مرحوم کی نمایاں صفات میں سے ایک ان کی جرأت و بیباکی اور حق گوئی بھی تھی۔ انہوں نے بارہا ایوان حکومت میں نعرہ حق بلند کیا۔ پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے مسائل اٹھائے اور تمام سیاسی حلقوں میں وزن پیدا کیا۔ فتنہ پرور کوئی فتنہ اٹھانے سے پہلے ان کی طرف سے خائف اور لرزہ بر اندام رہتے تھے اور حکومتی حلقے بھی کوئی فیصلہ کرتے ہوئے ہزار بار سوچتے تھے۔

ان کی ذات سے ملت کا وقار قائم تھا اور پوری قوم کو ایک تقویت اور ڈھارس محسوس ہوتی تھی۔ ہم جیسے لوگ جوان کے اپنے ہیں کوئی تعجب نہیں، لیکن آج دیکھنے میں یہ آ رہا ہے کہ ان کے جانے کے بعد تمام حلقوں کے لوگ ایک عجیب خلا کا احساس کر رہے ہیں اور سب کو ایک عظیم سرمایہ سے محرومی اور اس عظیم سرپرست کی جدائی بے چین کر رہی ہے۔

سوانح شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالحقؒ

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

☆ عصر حاضر کے جلیل القدر عالم ☆ محدث کبیر ☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے حالات زندگی، علمی و عملی کمالات، نمایاں صفات، اندازِ تعلیم و تربیت، دینی و اصلاحی ☆ قومی و ملی اور ملکی خدمات کا دلاویز اور ایمان افروز تذکرہ۔

صفحات : 320 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

جلتے ہوئے مراد آباد میں داخل ہونے والی پہلی شخصیت ملتی درد کا عکاس ایک واقعہ

مولانا سید اسعد مدنی "ایسے مسلم لیڈر تھے جن میں ملک و ملت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ مصیبت اور تکلیف کے وقت دادرسی کرنے والوں میں سب سے پہلے ہوتے تھے۔ انہوں نے کبھی جذباتی نعروں کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور نہ ہی ان کا سہارا لیا۔ انہوں نے کبھی کوئی کام دکھاوے یا ذاتی فائدے کے لئے نہیں کیا ہے۔ ان کا ہر کام، ہر قدم سنجیدگی، خلوص نیت اور دیانت داری پر محمول ہوتا تھا۔ انہوں نے ہر موقع پر ہوش مندانہ قیادت کا ثبوت دیا ہے۔ دہلی کا چھوٹا موٹا جھگڑا ہو یا میرٹھ، علی گڑھ، مراد آباد اور گجرات جیسے انسانیت سوز فساد مولانا مدنی ہمیشہ نہ صرف پہلے پہنچنے والوں میں ہوتے تھے بلکہ قانونی و دیگر امداد کے لئے بھی وہی پہل کرتے تھے۔

یوں تو ایسے واقعات سے ان کی زندگی عبارت ہے، لیکن راقم الحروف کو بھی چند ایک کا چشم دید گواہ ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ ان میں اگست ۱۹۸۰ء کا عید گاہ مراد آباد کا سانحہ بھی شامل ہے۔ ۱۳ اگست ۱۹۸۰ء کو عید الفطر تھی، میں نماز کے بعد دہلی گیٹ قبرستان ہوتے ہوئے حسب معمول مرکزی دفتر عبدالنبی گیا ہوا تھا کہ مراد آباد سے فون آیا جو اتفاق سے میں نے اٹھایا، فون مدرسہ شاہی سے تھا۔ انہوں نے عید گاہ میں پولیس فائرنگ اور اس کے بعد شہر میں ہو رہی افراتفری کی اطلاع دی۔ خبر تشویشناک تھی، دفتر میں موجود ذمہ داران نے اس کی فوری اطلاع اس وقت کے ناظم عمومی مولانا سید احمد ہاشمی کو دہلی میں اور صدر مولانا سید اسعد مدنی کو دیوبند میں دی۔ اس زمانے میں چونکہ آج کی طرح الیکٹرانک میڈیا نہیں تھا، اس لئے افواہوں کا بازار گرم ہو گیا۔ بہر حال خبر کی شدت کے پیش نظر مولانا مدنی "عید کی تقریبات موقوف کر کے فوراً دہلی آ گئے۔ دفتر میں مولانا کی موجودگی ہر ایک کو مستعد رکھتی تھی۔ لہذا دفتر میں تمام کام جنگی پیمانے پر شروع ہو گیا۔ متاثرین کی خبر گیری کے لئے وزراء کو، ارباب اقتدار کو، سرکاری افسران کو اطلاع دینے اور ایکشن کرانے کے لئے فون کھڑے لگے۔ اسی درمیان معلوم ہوا وزیر داخلہ گیانی

ذیل سنگھ حالات کا جائزہ لینے کے لئے خود مراد آباد جا رہے ہیں۔ اس اطلاع نے حالات کو مزید بے چین کر دیا۔ ان کی بے چینی، ان کی پریشانی اس وجہ سے تھی کہ وزیر داخلہ کو سرکاری افسران یا پولیس صحیح صورتحال سے آگاہ نہیں کرائیں گے۔ وہ ان کے دورے میں ان کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ تاکہ ان کو مسلمانوں کے ساتھ کی گئی زیادتی سے باخبر کرا کے متاثرہ افراد سے ملایا جاسکے اور متاثرہ مقامات دکھائے جاسکیں۔ اس کے لئے انہوں نے اس وقت کے ہوم سیکرٹری سید مظفر حسین برنی سے وزیر داخلہ گیانی ذیل سنگھ کے ساتھ ان کے ہیلی کاپٹر سے جانے کا انتظام کرانے کے لئے کہا۔

یہ تو ممکن نہیں ہو سکا البتہ اتنا ضرور ہو گیا کہ مولانا بذریعہ کار مراد آباد جائیں گے اور وہاں وزیر داخلہ کے دورے میں ان کے ساتھ رہیں گے مراد آباد کے ایم ایل اے حافظ محمد صدیق وغیرہم کو پیشگی اطلاع دی گئی۔ مولانا مدنی ”حسب پروگرام مراد آباد اپنی کار سے پہنچے اور وزیر داخلہ کے قافلے میں شریک ہوئے۔ مولانا نے مقامی مسلم لیڈروں کی نشاندہی پر تمام ان افراد سے ملاقات کرائی۔ تمام ان مقامات کا دورہ کرایا جن کو بصورت دیگر سرکاری افسران اور پولیس نہیں کراتی۔

اس طرح مولانا سید اسعد مدنی ”پہلے مسلم لیڈر اور غیر سرکاری شخص تھے جو فساد کے ۲۴ گھنٹے کے اندر ہی جلتے ہوئے مراد آباد میں داخل ہوئے تھے۔ مولانا کا مراد آباد کا مشن یہیں ختم نہیں ہوا تھا بلکہ یہ تو نقطہ آغاز تھا۔ اس کے بعد مراد آباد کا آنا جانا اس وقت تک جاری رہا، جب تک وہاں امن وامان قائم نہیں ہو گیا۔

القاسم اکیڈمی کی تاریخی اور عظیم علمی پیشکش

تذکرہ وسوانح الحاج مولانا محمد احمد صاحب

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ایک بندہ خدا، درویش خدا مست، فقر بوزر و مسلمان کے وارث، رجوع و دعوت الی القرآن کے علمبردار، قرآن و سنت کی تعلیمات کے داعی اور اکابر علماء دیوبند کے مسلک اعتدال کے امین، تفسیر ”درس قرآن“ کے مؤلف الحاج حضرت مولانا محمد احمد کا جامع سوانحی خاکہ۔

صفحات : 172 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد پاکستان

وہ بولتے تو ایوان لرز جاتا تھا

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ولادت کاسن دنیا کی غلامی اور غلامی کے خلاف اٹھنے والی صداؤں کا سن تھا، مولانا نے آنکھ کھولی تو حریت کے متوالے کی گرج اور سامراجیت کی توپوں کی دھمک ہندوستان کی فضاؤں میں گونج رہی تھی، جس ماحول میں ان کے شعور کی تعمیر ہوئی وہ علم و عمل اور ذکر الہی کا ماحول تھا۔ شعور کے پہلے پائیدان پر قدم رکھا تو شفیق باپ کو دین اسلام پر جان نچھاور کرتے دیکھا۔ کہا جاسکتا ہے مولانا سید اسعد مدنیؒ کا مزاج اور طبیعت جس خمیر سے تیار ہوا وہ حق گوئی، بیباکی، حوصلہ مندی، مجاہدانہ فکر، بے نیازی، راست روی جیسی خصوصیات سے معنون ہے۔

امیر مالٹا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (متوفی ۱۹۵۷ء) اس زمین پہ آسمان تھے۔ اس تحریک آزادی کے سرخیل کارواں کی بزرگی اور فقیرانہ شان کے تذکرے عام ہیں۔ وہ ایسے شاہ وقت تھے جنہوں نے دنیائے علم پر فقیرانہ شان سے حکومت کی۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ اسی عظیم شخصیت کے بڑے فرزند تھے۔

مولانا اسعد مدنیؒ کی پیدائش ۲۵ اپریل ۱۹۲۸ء کو ہوئی۔ ایام طفلی میں ہی والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ آٹھ سال کی عمر میں شیخ الہند کے گھر میں آگئے تھے۔ انہی کے آستانہ میں ان کی پرورش ہوئی۔ چنانچہ جب مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ولادت ہوئی تو شیخ الہند کی صاحبزادی محترمہ بتول عثمانی سے مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ان کو دودھ پلویا تا کہ مولانا اسعد مدنیؒ اس گھر میں ایک محترم اور دودھ شریک بھائی اور بیٹے بن کر رہیں، ایسا ہی ہوا بھی۔ حضرت شیخ الہند ان کے والد کے اُستاد و شیخ تو تھے ہی ایک اعتبار سے مولانا سید اسعد مدنیؒ کے نانا کی حیثیت میں بھی تھے۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ نے انہی رضائی ماں بتول عثمانی کا زندگی بھر حق ادا کیا اور شیخ الہند کے نام کو روشن و تابندہ اور زندہ رکھنے میں اہم کارنامے انجام دیئے۔

مولانا کے حقیقی چچا سید احمدؒ کی صاحبزادی عائشہ سے ان کی شادی ہوئی۔ ان سے مولانا کے یہاں ایک صاحبزادے نے جنم لیا۔ ان کا نام احمد مدنی رکھا گیا۔ موصوف آج کل مدینہ میں مقیم ہیں۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ کو

ہندوستان اور اپنے وطن سے والہانہ عشق تھا۔ ان کی چچا اور خسر چاہتے تھے کہ مولانا ہندوستان سے ہجرت کر کے مدینہ میں سکونت اختیار کریں جو انہوں نے کبھی قبول نہ کیا۔ اسی قسم کے کچھ حالات کے سبب پہلی اہلیہ سے جدائی ہو گئی، مولانا کا دوسرا نکاح مدرسہ عالیہ کلکتہ کے شیخ الحدیث مولانا حمید الدین کی صاحبزادی محترمہ بریرہ خاتون (متوفی ۲۰۰۰ء) سے ہوا۔ ان سے دو بیٹیاں اور چار بیٹے ہیں۔

مولانا سید اسعد مدنی ۱۹۶۸ء سے ۱۹۹۳ء تک یعنی تین مرتبہ راجیہ سبھا کے رکن منتخب ہوئے۔ مولانا مدنی کا راجیہ سبھا کے بااثر اراکین میں شمار ہوتا تھا۔ حزب اختلاف بھی مولانا کا احترام کرتا تھا، پارلیمنٹ میں ان کی حق گوئی مشہور تھی۔ اپوزیشن کے پاس بولنے کے لئے بہت کچھ ہوتا ہے مگر رولنگ پارٹی کے اراکین معذور و بے بس ہی ہوتے ہیں لیکن مولانا سید اسعد مدنی کی جرأت مندانہ صفت یہ رہی کہ رولنگ پارٹی میں رہتے ہوئے بھی ایوان میں یہ کہنے کی جرأت رکھتے تھے (مہرا ندر اگانڈھی سے مخاطب ہوتے ہوئے) :

”میڈم آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے لفظ ”مسلم“ ہٹانے کی کوشش کر سکتی ہیں لیکن اگر آپ میں ہمت ہے تو ”بنارس ہندو یونیورسٹی“ میں لفظ ہندو کو نکلانے کی سوچ کر بھی دیکھئے۔ آپ کے نیچے سے یہ کرسی نکل جائے گی۔“

مولانا ملی معاملات میں اور قومی مفادات کے سامنے ”پارٹی لائن“ سے ہٹ کر بولنے میں نہیں چوکتے تھے، فسادات میں حکومت کی نقاب الٹ کر رکھنے دینے میں بھی تکلف نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا کے دو بیانات جو انہوں نے اپنی ہی حکومت، انتظامیہ کے خلاف پارلیمنٹ میں دیئے، مثال میں پیش ہیں :

۲۲ فروری ۱۹۷۳ء کو راجیہ سبھا میں صدارتی خطبہ پر اظہار تشکر کرتے ہوئے مولانا سید اسعد مدنی نے کہا تھا :

”لوگوں میں بد کرداری بڑھتی جا رہی ہے، بد کردار لوگ عام طور پر پولیس انتظامیہ وغیرہ میں داخل ہو گئے ہیں، فرقہ وارانہ جذبات والے بھی پولیس میں گھس گئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اپنے فرض کو ایمانداری سے ادا نہیں کرتی بلکہ وہ ایسے کارنامے انجام دے رہی ہے جس سے جانور اور درندے بھی شرم جائیں۔ ابھی جو فسادات فیروز پور، بنارس وغیرہ مقامات پر ہوئے ہیں، ان میں پولیس نے جو رول ادا کیا ہے وہ بالکل لٹیروں اور فساد یوں جیسا ہے۔“

۲۵ فروری ۱۹۸۲ء کو آپ کا بیان کچھ یہ تیور لیے ہوئے تھا :

”فرقہ وارانہ فسادات نہ تو کر فیو کی پابندی ہوتی ہے، کر فیو ایک طرفہ ہوتا ہے، قانون کا مذاق

اڑایا جاتا ہے۔ چنانچہ مراد آباد میں جو لوگ مجرم تھے وہ نہیں پکڑے گئے جو غیر مجرم تھے افسران جس بات کا زبان سے اقرار کرتے ہیں ان کو گرفتار کیا گیا، اس طرح کا ذہن پیدا ہو رہا ہے۔ ظالم اور مظلوم کو نہیں سمجھتے، اگر وہ ان کی کیونٹی کا ہوتا ہے تو ان کو پروٹیکشن دیتے ہیں، اگر وہ ان کی کیونٹی کا نہیں ہوتا تو خواہ کتنا ہی مظلوم کیوں نہ ہو اس کے خلاف جھوٹے مقدمے قائم کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی کوئی دادرسی نہیں ہوتی۔“

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مولانا سید اسعد مدنی ”ایسے واحد رکن پارلیمنٹ تھے جو اپنی حکومت و انتظامیہ کے خلاف بھی بیباک بولتے تھے۔ محض راجیہ سبھا میں ہی نہیں، میڈیا کے ذریعہ بھی انہوں نے ”انصاف کی آواز“ کو بلند کیا ہے۔ ان ہی خصوصیات کے سبب ۱۹۸۶ء میں مولانا کو ”امیر الہند“ منتخب کیا گیا۔ مولانا سید اسعد مدنی کی شخصیت کے لئے راجیہ سبھا کی رکنیت ایک معمولی بات تھی، اس لئے انہوں نے اس کو بہت زیادہ خیال نہیں کیا۔ البتہ کانگریس کے وفادار رہے اور سمجھتے رہے کہ اس ملک میں قومی سطح کی سب سے کم خراب جماعت کانگریس ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں جب مسز اندرا گاندھی کو جیل بھیج دیا گیا تو مولانا سید اسعد مدنی نے مسز اندرا گاندھی کی حمایت میں ملک گیر تحریک چلائی اور خود بھی اس پاداش میں جیل گئے۔ مولانا سید اسعد مدنی نے دنیا بھر میں لاکھوں لوگوں کو بیعت کیا۔

الکتب المدوّنہ فی الحدیث

و اصنافها و خصائصها

مصنف : مولانا محمد زمان صاحب کلاچوی مدرس نجم المدارس کلاچی

استاذ العلماء حضرت العلامة مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ کی جلیل القدر عربی تالیف ”الکتب المدوّنہ فی الحدیث و اصنافها و خصائصها“ کا اردو ترجمہ اپنے موضوع پر جامع نافع اور مفید ترین کتاب تدوین و ترتیب کے مرحلے میں یہ عظیم شاہکار مدوّنہ مولانا عبدالقیوم حقانی کے مفصل مقدمہ و تعارف کے ساتھ القاسم اکیڈمی پہلی دفعہ اردو زبان میں منظر عام پر لا رہی ہے۔

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

دین و سیاست کا خوبصورت امتزاج

۶ فروری ۲۰۰۶ء کا دن ملی، قومی و دینی حوالے سے ایک یوم سیاہ کے طور پر یاد رکھا جائے گا، جس کی شام ۵:۴۵ بجے دہلی کے اپولو ہسپتال میں جمعیت علماء کے صدر حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا انتقال ہوا اور ۷ فروری ۲۰۰۶ء کو دیوبند کے مزارِ قاسمی میں ملک و ملت کے لئے سراپا جد و جہد، ایک مسلسل متحرک وجود کو لاکھوں افراد نے سپردِ خاک کر دیا لیکن اسعدؒ قوم کے کردار و عمل، شخصیت، ملک و ملت کی عظیمہ خدمات، بے شمار افراد کی روحانی تعلیم و تربیت اور سب کو خصوصاً علماء اہل دانش کو ساتھ لے کر چلنے چلانے کی منفرد صلاحیت کو تہہ خاک نہیں کیا جاسکتا ہے، وہ سب تاریخ کے اوراق کا حصہ بن چکے ہیں، جریدہ عالم پر ثبت اور قلوب زندہ پر نقش ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی اور بارہ سالہ دورِ تدریس، اس کے درو دیوار گواہ ہیں۔ جمعیت علماء ہند کی دس سالہ نظامتِ عمومی اور ۳۳ سالہ صدارت کا عہد ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ہم خود ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۲ء تک دیوبند میں اسعدؒ ملک و ملت کے سراپا متحرک وجود کو دیکھتے ہوئے اور جولائی ۱۹۸۶ء سے اب تک تقریباً بیس سال سے بہت قریب سے مختلف مسائل پر تبادلہٴ خیال، رائے مشورہ لیتے، دیتے، فیصلے کرتے، دینی، ملی، ملکی، قومی، سیاسی، سماجی امور و مسائل پر سنجیدہ غور و فکر کرتے، ان کے حل کے لئے غلطاں و پچپاں اور پھر مضبوطی سے جرأت و ہمت کے ساتھ اقدامات کرتے دیکھا۔ سب کچھ آئینہ کی طرح ہمارے سامنے ہیں، وہ دین سیاست کا خوبصورت امتزاج اور خدمتِ خلق، بندگی رب کا اعلیٰ نمونہ تھے، تصویریت اور خیال سے زیادہ ہر مسئلے کے عملی پہلو پر توجہ دیتے تھے، علم کی روشنی میں، عمل و تربیت اور تعلیم و تعلم کے فروغ کے لئے زیادہ کوشاں رہتے تھے، الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط تھے، جو لفظ برسوں جس مسئلے کے تعلق سے استعمال کرتے تھے، جب ضرورت ہوتی اسی کا استعمال کرتے، متبادل مترادف لفظ نہیں، یہ ہمارا پچاسوں بار کا تجربہ و مشاہدہ ہے، ان کی موجودگی میں کام کرنے کی بڑی ہمت اور اطمینان رہتا تھا کہ ہماری کمی خامی ان کی باوزن شخصیت سے چھپ جائے گی، چھتھنا درخت کے سایہ کی طرح ان کے عظیم وجود کی چھاؤں میں وقت کی سخت دھوپ سے تحفظ ملتا تھا، اب جبکہ

ہم سے جدا ہو گئے تو ایک بڑا اخلا اور محرومی کا احساس ہوتا ہے، ہمارا یہ احساس کسی مرید کی طرح عقیدت کے تحت پیدا شدہ احساس نہیں ہے بلکہ ایک ایسے ایماندار طالب علم کا احساس ہے، جو ہر چیز کو تجسس اور اس کو سمجھنے والا ذہن رکھتا ہے اور وہ اس کی بہت قدر کرتے تھے۔ وہ کسی کام میں قدرے تاخیر سے کبھی کبھار خفا بھی ہوتے، ڈانٹ بھی دیتے، لیکن اس میں بڑا پیار ہوتا تھا، مسئلے کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھنے کی تاکید کرتے اور جب تحریر تیار ہو کر جاتی تو خوش ہوتے تھے، کچھ دیر پہلے کی ڈانٹ کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، کیونکہ بات کرنے اور کام کرنے والوں کو اچھی طرح جانتے تھے، بات تو بات ہے، اگر کبھی کبھار کام میں تاخیر ہو تو یہ مسئلہ نہیں ہے کیونکہ کام کرنے والے سے ہی تاخیر ہوتی ہے جو کام ہی نہ کرے، اس سے تاخیر کا کیا مطلب؟

اسعد قوم کی کچھ باتوں سے بہت سے لوگ اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن یہ سب مانتے ہیں کہ وہ لگن کے آدمی، دھن کے پکے اور تعلیم و تربیت، جرأت و ہمت، وضع داری، رکھ رکھاؤ، مقاصد کے تئیں بیداری کا نمونہ اور ارباب اقتدار کے سامنے ملک و ملت کے مسائل کو لاگ پیٹ کے بغیر جھکے، بے باکی سے کہنے کے عادی تھے، وہ ملک و ملت کے مسئلے کو ہندو مسلم مسئلہ نہیں بناتے تھے، حتیٰ کہ بابر مسجد کے مسئلے کو بھی ہندو مسلم مسئلہ کے بجائے فرقہ پرستوں کی سازش کا نتیجہ اور انصاف اور سچائی کا مسئلہ بتاتے تھے، وہ ہر طرح کی فرقہ پرستی کے خلاف اور ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے، قومی اتحاد اور جمہوریت اور سیکولرزم کے تحفظ اور امن و قانون کی بالائری کے لئے سدا کوشاں رہے، یہ انہیں اپنے عظیم والد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے ورثہ میں ملا تھا، تاہم ان کی عملی اور ملی و قومی زندگی کا آغاز جمعیتہ علماء اتر پردیش کے صدر ہونے سے ہوا اور تین سال بعد ۹ اگست ۱۹۶۳ء میں جمعیتہ علماء ہند کے جنرل سیکرٹری اور ۱۱ اگست ۱۹۷۳ء میں اس کے صدر منتخب ہوئے۔ مسلسل ۳۳ سال تک بلا مقابلہ صدر منتخب ہوتے رہے، یعنی ۳۳ سال جمعیتہ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک و قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا جبکہ ملک کے ایوان بالا (راجیہ سبھا) میں ۱۸ سال، تین ٹرم ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۳ء، ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۳ء تک اقلیتوں اور ملک و قوم کے مسائل کو پیش کر کے حکومت وقت کو ان کے حل پر مسلسل توجہ دلائی اور کہنا چاہئے کہ ان کی کامیاب نمائندگی کی۔ ۱۹۶۲ء میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے سانچہ ارتحال سے مظلوموں خصوصاً مسلمانوں کے حقوق کے لئے اور فرقہ پرستی، ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنے کے سلسلے میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا، اسے مولانا سید اسعد مدنی نے بخوبی پُر کیا۔

پورے ملک میں یہ تاثر عام تھا کہ اب مظلوموں، اقلیتوں کا کیا ہوگا، اس کا مکمل جواب مولانا مدنی کے شکل میں ملک و ملت کو ملا اور کچھ ہی عرصہ میں ملت کی مایوسی امید میں بدل گئی، راقم کی ترتیب اور مولانا محمود مدنی کی

توجہ سے ان کی ۱۸ سالہ پارلیمنٹری تقاریر ”صدائے حق“ کے نام سے الجمعیت بک ڈپو سے شائع ہو گئی ہیں، ان کے مطالعہ سے ہر انصاف پسند یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مولانا مدنی نے ملت کی نمائندگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ اس کے جذبات کو صحیح عنوانات دینے کا لائق تحسین کام کیا ہے، مسئلہ آسام، شہریت کے مسائل، بابری مسجد، مقابرہ مساجد کا تحفظ، فسادات کی روک تھام، ریلوے، امن و قانون کی بحالی، مسلم یونیورسٹی، اس کا اقلیتی کردار، اقلیتوں خصوصی مسلمانوں کے آئینی حقوق کا تحفظ، تحفظ شریعت، زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کے مناسب نمائندگی، یکساں سول کوڈ، اوقاف، ہندو مسلم اتحاد، فرقہ پرست عناصر کی تخریبی سرگرمیاں جیسے امور پر مولانا مدنی نے جس جرات و صفائی سے اپنے نقطہ نظر و خیالات کو پیش کیا، حتیٰ کہ اپنی پارٹی کے خلاف بھی جس بے باکی سے محض انصاف کے تقاضوں کی تکمیل اور امن و قانون کی بالاتری کیلئے آوازِ حق بلند کی ہے، وہ صداقت شعاری، حق گوئی کی روشن مثالیں ہیں۔ انہوں نے مظلوموں کی حمایت اور حب وطن کی ایک تاریخ رقم کی ہے، ایسی مثال کم ملتی ہے کہ پارٹی مفاد سے اوپر اٹھ کر محض انصاف اور سچائی کے حق میں آواز بلند کی گئی ہو، لیکن مولانا مدنی نے اس شاندار روایت کی پوری پاسداری کی۔

اسی طرح جمعیت علماء ہند کے اجلاس ہائے عام کے خطبہ ہائے صدارت اور مختلف مواقع پر مختلف اجلاسوں، کانفرنسوں کی صدارتی و افتتاحی کلمات و بیانات بھی ان کی بیدار مغزی، ژرف نگاہی اور بصیرت افروزی کے عمدہ نمونے ہیں۔ ان کی قیادت میں جمعیت علماء ہند مسلمانوں کی حیثیت سے ابھری، فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی باز آباد کاری میں تاریخی و مثالی رول ادا کیا ہے، انسانی حقوق کی پاسداری اور کمزور طبقوں کی تعلیمی و اقتصادی ترقی کے لئے ان کے کام سے جمعیت کو بڑا وقار و احترام ملا۔ ان کے عہدِ نظامت و صدارت میں ملک و ملت کا شاید کوئی مسئلہ ہو، جو جمعیت علماء ہند کا مرکز توجہ نہ بنا ہو۔ وقت کے تمام مسائل اس کے احاطہ جدوجہد میں رہے ہیں؛ سینکڑوں دینی، سماجی، فلاحی اداروں کی سرپرستی و رکنیت کا شرف انہیں حاصل رہا ہے، کانگریس ورکنگ کمیٹی، راجیہ سبھا کی ضوابط کمیٹی، سرکاری یقین دہانی کمیٹی، علی گڑھ کورٹ، رابطہ عالم اسلامی مکہ، مجمع الجوث الاسلامیہ قاہرہ، مؤتمر اسلامی تونسہ، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، مدرسہ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد، مرکزی وقف کونسل، اردو کونسل، ہمدرد ٹرسٹ، مرکزی حج کمیٹی کے رکن ہونے کے علاوہ مسلم پرسنل لاء بورڈ اور آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے بانی ارکان میں سے تھے۔ مولانا مدنی کی شخصیت مختلف شعبہ ہائے زندگی کو محیط اور ملک و بیرون ملک میں رہنے والے مسلمانوں کی دینی، ملی رہنمائی، دعوت و تبلیغ، روحانی تربیت، سب ان کا محورِ عمل اور میدانِ کار تھیں، ان کی شخصیت ایسی تھی کہ ملک و بیرون ملک میں چھائی ہوئی تھی، جب نگاہ اٹھی وہ مرکز میں رہی، ان کو نظر انداز کرنا مشکل تھا، انہیں

محبوبیت و فدائیت کا مقام حاصل تھا۔ تاحیات منصب رشد و ہدایت پر فائز رہے، گرچہ انہیں اصلاً خصوصی خلافت و اجازت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے حاصل تھی، تاہم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے تمام خلفاء و خدام نے متفق ہو کر اجازت سے نوازا تھا۔ اس حوالے سے ان کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اس سلسلے میں ان کے اتنے تبلیغی و دعوتی اسفار، ملک و بیرون ممالک ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے سیاح بھی ان سے پیچھے رہ جائیں گے۔ عبادت اور ذکر و فکر کا انہماک و معمول مثالی تھا، مدھیہ پردیش کے مفتی مولانا عبدالرزاق صاحب اور دوسرے بہت سے حضرات سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمیں مولانا اسعد مدنی کی نماز نے گرویدہ بنایا ہے، سیاسی حلقوں میں بھی انہیں احترام حاصل تھا۔ تمام سیاسی پارٹیوں کے ذمے دار لحاظ کرتے تھے اور ان کی شخصیت کا وزن محسوس کرتے تھے، ان کی باتوں پر توجہ دیتے تھے، لکھے خطوط کو قابل اعتنا سمجھتے تھے، جنہیں ہر ضرورت مند کی خاطر متعلقہ پارٹیوں اور افراد کو بلا جھجک لکھتے رہتے تھے، چاہے دینی حلقہ ہو یا سماجی، سیاسی سب میں مولانا مدنی کو بڑا اعتبار حاصل تھا۔ ان کے ہم سے جدا ہو جانے سے مختلف سطحوں پر ایک بڑا خلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اس کا ملک و ملت کو شدت سے احساس ہے، جیسا کہ مختلف حلقوں کی طرف سے سامنے آنے والے تعزیتی بیانات و تاثرات سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کی خدمات کا دائرہ کہاں تک وسیع تھا، ملت کا یہ احساس ہی ان کے کردار و عمل کی پائیداری اور زندگی کا ثبوت دیتا رہے گا اور واقعہ یہ ہے کہ زندگی تو عمل سے ہی بنتی ہے، جسمانی وجود سے نہیں اور اسعد قوم نے اپنے سراپا جدوجہد اور متحرک وجود سے عمل کی تحریک و ترغیب پیدا کی ہے، ملک و ملت کو حیات بخش رہنمائی دی ہے، جو ناقابل فراموش بھی ہے اور ہمیں روشن مستقبل اور مسلسل جدوجہد کی طرف لے جانے والا بھی۔

ترتیب ! مولانا عبدالقیوم حقانی

آثارِ صالحہ

ایک پاکباز خاتون کی علمی و دینی، روحانی و عملی مساعی، ذوق علم، شوق مطالعہ، مخلصانہ عمل، طلب، تڑپ اور عشق سنت رسول ﷺ، عبادت و انابت، زہد و تقویٰ، صبر و قناعت اور تشکر و امتنان کی کیفیات سے بھرپور داستان معرفت، حکیم الامت حضرت تھانوی کے خلفاء سے مکاتبت کے آئینہ میں۔ شاندار طباعت، عمدہ کاغذ، کمپیوٹر کمپوزنگ، مضبوط جلد بندی اور دیدہ زیب کمپیوٹر انزڈ ٹائٹل۔

صفحات : 236 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، نوشہرہ سرحد پاکستان

حسب صدیقی (صدر کل ہند مسلم اقتصادی کونسل)

اقتصادی تحریک اور مولانا مدنیؒ

ہندوستان کی آزادی کے بعد مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی اور معاشی پسماندگی کے موضوع پر مولانا سید اسعد مدنیؒ نے سب سے پہلے غور و فکر شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس اقتصادی تخیل کو عملی جامہ پہنانے کا نقطہ آغاز ۱۹۶۱ء میں مسلم فنڈ کے عنوان سے دیوبند کی تاریخ ساز سرزمین پر ہوا اور میری خوش بختی کہ اس بلا سودی اقتصادی تخیل کو عملی شکل سے ہمکنار کرنے کے لئے مولانا سید اسعد مدنیؒ کی پہلی نظر انتخاب اس ناچیز پر پڑی اور انہوں نے اس تخیل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے طریقہ کار مرتب کرنے کی اہم ذمہ داری میرے ناتواں کاندھوں پر رکھ دی۔ بظاہر یہ کام بہت مشکل اور نیا تھا، مگر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے سامنے زانوے ادب طے کرنے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خصوصی توجہ کا یہ روحانی فیضان کہ ناچیز نے مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحبؒ کی شرعی رہنمائی میں ایک ایسا طریقہ کار مرتب کر لیا جسے عملی کام کا نمونہ بنایا جاسکا۔

دیوبند میں مولانا سید اسعد مدنیؒ کی قیادت میں بلا سودی نظام کے تحت مسلم فنڈ چل رہا ہے، اپنے اس ۲۳ سال کے طویل سفر میں رفاہی اور فلاحی پروگراموں کے تحت تعلیمی اور حفظانِ صحت سے متعلق ضرورتوں کو پورا کرتا آ رہا ہے۔ مسلم فنڈ کا تصور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا تھا، جس کو مولانا سید اسعد مدنیؒ نے آگے بڑھایا۔ بینکنگ نظام میں اور موجودہ تجارتی اصولوں کے مطابق سود کا لین دین معاشرے کے لئے ناگزیر ہے، تاہم مسلم فنڈ ایک چھوٹی اکائی کے طور پر مسلم معاشرے کو سود کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ مسلم فنڈ نظام پسماندہ اور متوسط طبقے کی امداد اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا ایک پیکیج ہے۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ کی زیر سرپرستی چلنے والا مسلم فنڈ نظام ایک وسیع بلا سودی نظام کا تصور پیش کرتا ہے۔ عملی دشواریوں اور قانونی پیچیدگیوں کے باوجود اگر مخلصانہ انداز پر کوشش کی جائے تو پورے ہندوستان میں اس نظام کو ایک آئیڈیل کے طور پر نافذ کر کے ملت کے لئے بڑے کام کیے جاسکتے ہیں۔ اس کی مثال دیوبند کے مسلم فنڈ نے عملی طور پر پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی

ہے۔ مولانا اسعد مدنی کی زیر سرپرستی سے اس ادارے نے دیوبند میں دخترانِ ملت کے لئے علمی دانش گاہ (گرلز اسکول) اور مسلم نوجوانوں کے لئے روزگار سے جوڑنے والا مدنی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (آئی ٹی آئی) موثر ڈرائیونگ اسکول جیسے صنعتی تربیتی ٹریننگ کورس شروع کر کے ان کو کامیابی کی منزلوں سے ہمکنار کیا اور نسل نو کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس جدوجہد میں کامیابی حاصل کر کے مولانا مدنی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آج مسلمان نوجوانوں کو اگر کوئی چیز روزگار سے جوڑ سکتی ہے تو وہ صرف ٹیکنیکل ایجوکیشن ہے۔ آج اس ادارے سے نکلے ۹۰ فیصد نوجوان روزگار پر ہیں جو ہندوستان ہی میں نہیں بیرون ہند میں روزگار سے جڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس مجاہد کے زیر سرپرستی چلنے والے اس ادارے نے دیوبند میں حفظانِ صحت اور غریبوں کے علاج معالجہ کے لئے کئی موثر اقدامات کیے، اسی کے تحت اس نے آنکھوں کے علاج اور آپریشن کی سہولتیں مدنی آئی ہسپتال کے ذریعہ عوام تک پہنچائی ہیں۔ درحقیقت مولانا سید اسعد مدنی ایک فعال اور متحرک شخصیت تھے۔ وہ جو کہتے تھے وہ کر کے دکھلاتے تھے۔ سچ بولنا ان کا طرہ امتیاز تھا۔

مولانا نے ہندوستان کے مسلمانوں کی ہر سطح پر سیاسی، معاشی اور اصلاحی پروگراموں کی خوب خوب آبیاری کی ہے۔ آج مولانا سید اسعد مدنی ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کی اس تحریک کو آگے بڑھایا جائے۔ حضرت مدنی سے ۴۴ سال کی دیرینہ رفاقت اور قربت کا جو مجھے اعزاز حاصل ہے، اس میں میری تربیت کے ساتھ ساتھ میں نے پایا کہ حضرت کے یہاں ملی دردمندی کا جذبہ ہمیشہ زندہ رہا۔ وہ مظلوموں کے ہم نوا، غریبوں کے غمگسار اور مذہبی معاملات میں نہایت پختہ عزم اور بیباک طبیعت کے مالک تھے، جس بات کو حق سمجھتے تھے اس میں مصلحت کوشی ان کے یہاں حرام تھی۔ سفر اور حضر میں منکسر المزاج، متواضع اور خلیق پایا۔ آج بھی ذہن و دل میں ایسے بہت سے واقعات سرگوشیاں کر رہے ہیں جس سے میری زندگی میں اجالا ہے اور وہ عام آدمی کے لئے سبق آموز ہیں۔

سوانح شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

حضرت مدنی کا تذکرہ، دلچسپ حکایات و واقعات اور سیرت و سوانح پر اپنے طرز کی پہلی البیلی حیرت انگیز اور ایمان

افروز کتاب صفحات : 272 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

تحریر: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری
جنرل سیکریٹری مجلس یادگار شیخ الاسلام۔ پاکستان

جمعیت علمائے ہند کا اقتصادی اور معاشی پروگرام

جمعیت علمائے ہند براعظم ہند و پاکستان کے علمائے دین کی تنظیم ہے۔ اس کے بانی وہ علمائے دین تھے جن کا ذوق خدمت مذہب و سیاست کے کسی ایک دائرے میں محدود نہ تھا۔ وہ جس طرح علوم و معارف دینی میں گہری نظر رکھتے تھے اسی طرح وقت کے سیاسیات اور اس کی رفتار کی گہری بصیرت اور حالات کے تقاضوں اور مسائل کا ادراک رکھتے تھے۔ جس طرح مذہب و سیاست میں ان کی نظر گہری تھی اسی طرح ان کی نظر میں وسعت اور عزائم میں بلندی بھی تھی۔ وہ ملک کے حدود میں مسلمانوں کی خدمت پر کمر بستہ نہیں ہوتے تھے بلکہ عالم اسلامی کا کوئی خطہ ان کے دائرہ خدمت سے باہر نہ تھا اور جب وہ براعظم پاک و ہند کے مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے عازم سفر ہو رہے تھے تو گویا انہوں نے اس خطے کی تمام غلام قوموں کو غلامی کے پنجے سے نجات دلانے کا عزم کیا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یہ براعظم جس استعماری قوت کے پنجے استبداد کی اتانیت میں تھا اس کی ستم رانیاں جنوب مشرقی ایشیا کے دور کے ممالک تک اور شمالی مغربی ایشیا کے ممالک سے لے کر شمالی اور جنوبی افریقہ کے ممالک تک دراز تھیں۔ استعمار نے غلامی کی ایک ہی زنجیر سے سب کو جکڑ لیا تھا۔ اس عالم غلام آباد میں براعظم ہند پاکستان کو وہ اہمیت حاصل تھی کہ جب تک کہ یہاں غلامی کی زنجیروں کو توڑا نہ جاتا ایشیا و افریقہ کے کسی ملک کی آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ براعظم ہند پاکستان کی آزادی کے ساتھ ہی قریب و بعید کے ممالک کی زنجیریں ٹوٹنی شروع ہو گئیں اور ۱۹۴۷ء پر ابھی ربع صدی نہ گزری کی بیسیوں ممالک آزاد ہو گئے۔

جمعیت علمائے ہند کے بزرگ جانتے تھے کہ ہندوستان کی آزادی ایشیا و افریقہ کے تمام غلام ملکوں کی آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور آزادی کے اس تصور اور جدوجہد ہی سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کی کامیابی وابستہ ہے۔ مذہب و سیاست کی یہ جامعیت رہنماؤں کے فکر اور عزائم ہی میں نہ تھی، جمعیت کے مقاصد کے حروف

وسواد میں بھی نمایاں تھی۔

اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے ہمہ قسم کے دینی، تعلیمی، تہذیبی، معاشرتی اور ان کے معاشی و اقتصادی مسائل بھی جمعیت علمائے ہند کے مقاصد اور اصلاح و ترقی کے دائرے سے خارج نہ تھے۔ جمعیت علمائے بزرگوں نے سیاسی تحریکات کے ہجوم اور اتحاد و اتفاق کے پر جوش نعروں میں بھی اتحاد بین المسلمین، تنظیم مسلمانان، قیام ملت کے مساعیٰ حسنہ، مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح، اسلام کی تبلیغ، ارتداد کے سد باب، سنگھٹن کی تحریک کے رد، مسلمانوں کے تحفظ کی ضرورتوں سے کبھی نہ تو چشم پوشی کی نہ کوتاہی عمل کا ثبوت دیا۔

جمعیت علمائے ہند نے تحریک خلافت کے دور میں سیاسی خدمات کے میدان میں قدم رکھا تھا۔ اسی سلسلے میں ترک موالات کے پروگرام نے ملک کی رہنما قوتوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس کے بعد تحریکات کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو ۱۹۳۷ء تک دراز ہوتا رہا اور دنیا جانتی ہے جمعیت علمائے ہند کے رہنماؤں اور اس کے کارکنوں نے کس طرح سردھڑکی بازی لگا کر ہر تحریک میں حصہ لیا اور کیا کارنامے انجام دیے۔ لیکن میں یہاں مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے جمعیت علمائے ہند کی کوششوں پر روشنی ڈالوں گا۔

اس میدان میں جمعیت کی خدمات کے کئی دائرے ہیں :

۱۔ پہلا دائرہ تو یہی ہے کہ جمعیت نے حصول آزادی سے پہلے سے مسلمانوں کی معاشی امداد اور رہنمائی کے لیے کئی اسکیمیں بنائی تھیں اور فنڈ قائم کیے تھے۔ ان کا سلسلہ آزادی کے بعد نہ صرف قائم رہا بلکہ اس سلسلے میں بہت زرق ہوئی۔

۲۔ دوسرا دائرہ یہ تھا کہ آزادی کے بعد خصوصاً حکومت نے پس ماندہ اقوام کی معاشی بد حالی کو دور کرنے کے لیے ان کی تعلیم میں سہولتوں، وظائف کے اجراء، ٹیکنیکل اداروں کے قیام اور گھریلو دست کاریوں کے فروغ کے ذریعے، معاشی و اقتصادی امداد کی مختلف اسکیموں کے ذریعے، صنعت و حرفت کے فروغ کی اسکیموں، کمرشل انسٹی ٹیوٹس اور ٹریننگ سینٹر قائم کر کے معاشی بد حالی دور کرنے کے جو انتظامات حکومتوں نے کیے ان سے فائدہ اٹھانے کے بے روزگاروں اور بد حالوں کی صحیح رہنمائی کرنا جمعیت کی خدمات کا بہت بڑا میدان رہا ہے اور اس کا بہت فائدہ ہوا ہے۔

۳۔ جمعیت کی خدمت کا تیسرا میدان یہ ہے کہ خود اس نے بہت سے ٹیکنیکل ادارے قائم کر کے اور مختلف دست کاریوں اور صنعتوں اور حرفتوں کے سکھنے کے لیے سہولتیں پیدا کر کے اور بعض پیشوں کی تربیت کے انتظامات سے بے روزگاروں میں ایسی صلاحیتیں پیدا کر دیں جس سے مستفید ہو کر ہزاروں معاشی بد حال اور بے روزگار اپنے

پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بن گئے۔ اس انتظام کے علاوہ جمعیت نے ضرورت مندوں کو تعلیمی و وظائف کے اجرا اور چھوٹے کاروباروں اور پیشوں کے آغاز کے لیے قرضے کے انتظامات کے سلسلے میں ایسے فنڈ اور اسکیمیں جاری کیں جن سے بے روزگاروں کی معاشی بد حالی دور کرنے میں مدد ملے۔

اسی طرح جمعیت نے اپنی کوششوں سے مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی بد حالی دور کرنے کی ایک مستقل تحریک پیدا کر دی، جس سے ہزاروں لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

جمعیت علمائے ہند کے دائرہ حرکت میں اس کے قیام کے ابتدائی دور ہی سے سیاسی، دینی اور اصلاحی خدمات کے ساتھ عملی تعمیر کے بنیادی اور اہم کاموں میں مسلمانوں کی معاشی و اقتصادی حالات کو سدھارنے اور ان کی بد حالی کو دور کرنے کی طرف توجہ دی گئی تھی اور بعض اسکیموں کا اجرا عمل میں آیا تھا۔ لیکن ملک جن رستا خیز حالات سے گزر رہا تھا ان میں معاشی اور اقتصادی منصوبوں کی طرف پوری توجہ نہ دی جاسکتی تھی۔ آزادی کے بعد اس مسئلے کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی اور اس پر توجہ دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ابھی حیات تھے۔ قدرت نے انہیں اس باب میں خاص ذوق اور گہری بصیرت و دیعت فرمائی تھی۔ حضرتؒ کو احساس تھا کہ معاشی بد حالی صرف تن پیٹ کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ انسان کے اخلاق و تہذیب کو تباہ کر دینے والا مہلک مرض ہے اور ایک اچھی سوسائٹی کی تعمیر کی راہ کا سنگ گراں ہے۔ حضرتؒ نے اپنی زندگی میں معاشی و اقتصادی حالات کی درستگی کے لیے تحریک کا آغاز کر دیا تھا اور جمعیت علمائے ہند کے ارکان کو خاص طور پر متوجہ کر دیا تھا۔

یہی معاشی تحریک اس مضمون میں خاک سار کا موضوع ہے۔ جانشین شیخ الاسلام امیر الہند حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کے دور میں اس تحریک کو خاص فروغ حاصل ہوا اور اس کے فیضان سے ملت کی کھیتی سیراب ہوئی۔ اس تحریک کے حوالے سے ۱۹۷۶ء کو جمعیت کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس کی مجلس منتظمہ نے تفصیل کے ساتھ حالات کا جائزہ لے کر ایک مفصل اور جامع پروگرام مرتب کیا اور ان تمام امور کو نہ صرف دستور کا حصہ بنا دیا بلکہ جمعیت کے ہر رکن پر لازم کر دیا کہ وہ اپنے ذوق و صلاحیت کے مطابق پروگرام کے کسی جز کی تکمیل میں لازماً حصہ لے گا۔ یہ پروگرام چھ حصوں پر مشتمل ہے، ہم ان میں سے دنیاوی تعلیم، سماجی خدمات اور اقتصادی پروگرام کی دفعات کو نقل کرتے ہیں۔ معاشی و اقتصادی پروگرام کی تکمیل میں دنیاوی تعلیم کی نوعیت اور بنیاد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ پروگرام ملاحظہ کیجیے :

دنیاوی تعلیم :

الف: ابتدائی بنیادی تعلیم میں دینی اور دنیاوی دونوں مضامین کا انتظام کرنا۔ ب: اسکول اور کالج قائم

کرنا اور ان میں مذہبی اور ٹیکنیکل تعلیم کا بھی بندوبست کرنا۔ ج: طلبہ کے لیے تعلیمی وظائف فراہم کرنا۔ د: ٹریننگ سینٹر یا کیمپ کھول کر اساتذہ کو طریقہ تعلیم اور اصول تربیت سکھانا۔

طریقہ کار :

- ۱۔ ہر ریاست میں مادری زبان کو ذریعہ تعلیم مان کر ابتدائی تعلیم کا ایسا نصاب مرتب کیا جائے جو دینی اور دنیاوی دونوں مضامین کو درجہ وار شامل ہو۔
- ۲۔ ہر بڑی آبادی میں درجہ پنجم تک مکاتب اسلامیہ چلائے جائیں اور سرکاری معیار کے مطابق تعلیم دی جائے۔
- ۳۔ اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے بچوں اور بچیوں کے لیے جزوقتی شبینہ یا صبحی مکتب قائم کیے جائیں اور ان کے لیے صرف دینی مضامین کا مختصر نصاب بنایا جائے۔
- ۴۔ تعلیم بالغان کا بندوبست کر کے لوگوں کو مادری زبان لکھنا پڑھنا اور اسلامی عقائد و مسائل سکھائے جائیں۔
- ۵۔ بڑی آبادیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے اسکول اور کالج قائم کر کے علم و ہنر کو عام کیا جائے اور ان میں مذہبی و اخلاقی مضامین کو بھی لازمی بنایا جائے۔ نیز ان میں فنی تعلیم و تربیت کے سینٹر کھول کر نوجوانوں کو فنکار اور ہنرمند بنانے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور ترغیب دی جائے۔
- ۶۔ تعلیمی فنڈ قائم کر کے ہونہار طلبا کو وظیفے دیئے جائیں یا اوقاف اور اہل خیر حضرات سے شخصی وظائف دلائے جائیں۔

سماجی خدمات :

الف: مختلف مذہبی فرقے کے لوگوں کا مشترکہ اجتماع کرنا۔ ب: شرعی پنچایت قائم کر کے خاندانی تنازعات کو ختم کرنا۔ ج: شہری ضروریات کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرنا۔ د: مزدوروں، کسانوں اور پس ماندہ لوگوں کی خدمت کرنا۔ ہ: یتیموں، بیواؤں، مجبور لوگوں اور غریب لڑکیوں کی شادی کرانے میں مدد کرنا۔ د: فضول رسم و رواج اور اسراف بے جا کی اصلاح کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنا۔

طریقہ کار :

- ۱۔ مشترکہ اجتماعات وہی حضرات بلائیں جو مختلف فرقوں کے لوگوں میں رسوخ رکھتے ہوں اور اس اجتماع

میں ایسے ہی مسائل لائے جائیں جو مختلف فرقوں کی دل چسپی کے ہوں اور ان کو باہم قریب کر سکیں۔ مثلاً اخلاق، تعلیم، چھوت چھات، اونچ نیچ، علاقائی ترقی، سماجی سدھار وغیرہ۔

۲۔ شرعی پنچایت (مطلوبہ ضابطے) کے مطابق زن و شوہر کے باہمی تنازعات کو شریعت کی روشنی میں طے کرا کے خاندانی کشیدگی کم کرانے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ کسی آبادی کی عام ضرورتوں میں بلا اختلاف مذہب و ملت اور بلا لحاظ ذات پات سب کی ضرورتوں میں کام آئیں۔ بالخصوص سیلاب، آتش زدگی، وبائی امراض وغیرہ میں سب کی خدمت کی جائے۔

۴۔ تلک، شادی اور بارات کی فضول خرچیاں، بیواؤں کی شادی نہ کرنا، پیدائش یا موت کے غلط قسم کے رواج وغیرہ کے خلاف رائے عامہ اتنی بیدار کی جائے کہ اجتماعی شکلوں میں یا رضا کارانہ طور پر کسی رسم و رواج کو چھوڑ دینا آسان ہو جائے۔

۵۔ ایسے سینٹر کھولے جائیں جہاں مختلف فرقوں کے بچے اور نوجوان مل جل کر صحت و قوت کے لیے کھیل کود یا ورزش میں حصہ لے سکیں۔

اقتصادی پروگرام :

الف: مسلم فنڈ یا امدادی فنڈ قائم کرنا اور اسے چلانا۔

ب: کارپوریشن یا کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعے کاروبار کو فروغ دینا۔

ج: گھریلو دست کاریوں اور چھوٹی صنعتوں کو رواج دینا۔

طریقہ کار :

۱۔ مسلم فنڈ ان اصولوں اور ضابطوں سے چلایا جائے جن کا تجربہ مختلف مقامات پر کامیاب رہا ہے، تاکہ ضرورت مند سود کی لعنت سے نجات پائے اور عام لوگ مالی بچت کے عادی ہو جائیں، جس سے ان کا اور ان کے بچوں کا مستقبل سرسبز ہو سکے۔

۲۔ (الف) امدادی فنڈ قائم کیے جائیں۔ اس کے لیے باہمی اعتماد کے سات یا نواشخاص کو بنیادی ممبر بنا کر متفقہ طور سے فنڈ کا کوئی ناظم منتخب کیا جائے اور ہر سہ ماہی پر پورے حساب و کتاب کی جانچ کی جائے اور مشورے دیئے جائیں۔

(ب) ذرائع آمدنی حسب ذیل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً: (۱) ماہانہ فیس ممبری (۲) عطیہ (۳) امانت (۴)

فصل یاسین یا تہوار یا شادی کے موقع پر کیے ہوئے ہنگامی چندے (۵) زکوٰۃ، فطرہ، چرم قربانی اور صدقہ (۶) فنڈ کا دستور العمل فارم درخواست وغیرہ کاغذات کی قیمتیں۔

(ج) پورا سرمایہ مثلاً حسب ذیل مدوں میں اس طرح بھی صرف کیا جاسکتا ہے :

- (۱) دس فیصدی سے قیمتوں، بیواؤں اور معذور لوگوں کی امداد۔
 - (۲) بیس فیصدی سے مدارس، اسکول، دارالمطالعہ اور صنعتی اداروں کی امداد۔
 - (۳) پانچ فیصدی سے غریب لڑکیوں کی شادی میں امداد۔
 - (۴) پانچ فیصدی سے مسجد، مسافر خانہ یا ہسپتال کی مرمت، تعمیر یا ترقی۔
 - (۵) دس فیصدی سے نادار طلباء کی تعلیمی امداد یا وظیفے۔
 - (۶) چار فیصدی سے لاوارث میت یا بے چارہ مسافر کی اعانت۔
 - (۷) چھ فیصدی سے دینی، اخلاقی اور اصلاحی لٹریچر کی ترتیب و اشاعت۔
 - (۸) پچیس فیصدی سے زیور یا قیمتی سامان کی ضمانت پر بلا سود قرض۔
 - (۹) پندرہ فیصدی سے دفتری نظم و ضبط قائم کرنا اور اس کو چلانا۔
- ۳۔ تاجر یا صنعت کار یا پیشہ ور لوگوں پر مشتمل ایسا مالی کارپوریشن بنایا جائے جو مقامی کاروبار اور تجارت وغیرہ کو اجتماعی کوششوں سے فروغ دے یا اسے کنٹرول کرے۔ نیز جہاں جہاں ضرورت ہو وہاں اپنی نگرانی میں مناسب انتظام کرائے۔
- ۴۔ جہاں گھریلو صنعتوں یا چھوٹی دست کاریوں کا رواج ہو یا آسانی سے چل سکتی ہوں وہاں امداد باہمی کی سوسائٹی قائم کر کے ان کاموں کو ترقی دی جائے۔ ان کی سرپرستی کی جائے اور ان میں غریب اور پس ماندہ لوگوں کو کام سکھانے کی کوشش کی جائے۔ مثلاً موم بتی، اگر بتی، صابن، لفافے، موزے، بنیان اور سویٹر وغیرہ۔
- ۵۔ بے روزگار مردوں اور عورتوں اور لڑکوں کے لیے سینٹر کھول کر ان کو سلائی، رنگائی وغیرہ یا لوہے لکڑی کے مختلف کام یا سائیکل موٹر اور ریڈیو وغیرہ کی مرمت کے ہنر سکھائے، جائیں۔ پھر سکھنے والوں اور فن کاروں کو بھی سوسائٹی کے منافع سے ایک حصہ دیا جائے۔
- ۶۔ ہنرمند لوگوں کو آسان قسطوں پر کچا مال فراہم کر کے انھیں بازار سے کسی مناسب کاروبار میں مشغول کر دیا جائے اور انھیں خود کفیل بنانے کی سعادت حاصل کی جائے۔
- اب ۱۹۵۶ء سے ۱۹۷۶ء تک جمعیت کی بیس سالہ جدوجہد پر ایک نظر واپس ڈال لیجئے کہ جمعیت کے ہر صدر نے اپنے دور میں مسلمانوں کے سماجی اور معاشی و اقتصادی مسائل کو کتنی اہمیت دی اور بہ طور ہدف کے ان

مسائل کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔

۱۔ ۱۹۵۶ء میں جمعیت علمائے ہند کا انیسواں اور آخری اجلاس عام جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی زیر صدارت سورت میں منعقد ہوا تھا، اس اجلاس میں مسلمانوں کے اقتصادی مسائل سے متعلق ایک تجویز منظور کی گئی، جس کے ذریعے ہندوستان میں ملت کے تمام افراد اور طبقات کو اقتصادی ترقی اور سماجی بہبود کے لیے حکومت کی ترقیاتی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے پر متوجہ کیا گیا۔ یہ تجویز اجلاس کی آخری نشست ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ساڑھے تین بجے شام مفتی عتیق الرحمن عثمانی نے پیش کی تھی۔ اس آخری نشست کی صدارت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کر رہے تھے۔ بحث و مباحثے کے بعد حسب ذیل الفاظ میں بالاتفاق منظور کی گئی۔

”وطن عزیز کے وہ ترقیاتی منصوبے جن کا پہلا پنج سالہ دور ختم ہو کر دوسرا پنج سالہ دور شروع ہو گیا ہے، ان کے ذریعے ملک نے جو ترقی اب تک کی اور آئندہ کے لیے جو بہتر توقعات کی راہیں کھلیں وہ ملک کے ہر باشندے کے لیے باعث مسرت و اطمینان ہے۔

جمعیت علمائے ہند کو یقین ہے کہ ان تعمیری منصوبوں کی راہ میں مسلمان اپنی وسیع آبادی اپنے جذبہ حب الوطنی اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہت اہم پارٹ ادا کر سکتے ہیں۔ بالخصوص مختلف فنون اور دست کاریوں اور گھریلو صنعتوں میں ان کی مہارت آج بھی مسلم ہے۔ یہ افسوس ناک بات ہے کہ بہت سے مسلمان اب تک اپنی ناواقفیت کے باعث ان تجویزوں اور منصوبوں سے بڑی حد تک بے گانہ ہیں۔ ان کی اس بے گانگی اور ناواقفیت سے قدرتی طور پر ایک طرف ملکی تعمیر و ترقی کی رفتار میں فرق آرہا ہے اور دوسری طرف خود ان پر قلت سرمایہ اور احساس کمتری سے مایوسانہ کیفیت طاری ہے، جس کے نتیجے میں وہ ان منصوبوں کے ثمرات و فوائد سے محروم ہیں، جو ان کی اقتصادی پس ماندگی کے لیے بھی مدد و اثابت ہوتے۔

ان حالات میں جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس پوری اہمیت اور بصیرت کے ساتھ اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ ہندوستان میں ملت کے تمام افراد اور طبقات کو اقتصادی ترقی اور سماجی بہبود کے لیے تعمیری کام کرنے پر آمادہ کیا جائے اور جمعیت کے تمام ارکان پر زور دیتا ہے کہ ملک کے پہلے پنج سالہ پلان کے نتائج اور دوسرے پنج سالہ پلان کے فوائد کا غور سے مطالعہ کریں، تاکہ ان کی روشنی میں ہر جگہ ترقی و خوش حالی کے پروگرام بنائے جاسکیں۔“

۲۔ جمعیت علمائے ہند کا اکیسواں اجلاس عام میرٹھ میں شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین احمد کی صدارت میں ۱۹۶۳ء میں منعقد ہوا تھا۔ اجلاس کی ایک تجویز میں کہا گیا تھا:

”جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس عام ترقیاتی منصوبوں کے متعلق اجلاس سورت اور اجلاس اُجین کی قرار دادوں کی یاد دہانی کراتے ہوئے ملت کے تمام افراد اور طبقات کے لیے یہ ضروری سمجھتا ہے کہ وہ جزوی بحثوں اور

الجنوں سے بالاتر ہو کر تعمیری جدوجہد میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں اور جمعیت علما کے تمام ارکان اور معاونین پر زور دیتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر ایسی صورتیں اختیار کریں کہ مسلمان تعمیری جدوجہد میں بھرپور حصہ لے سکیں، جس سے وطنی اور ملکی مقاصد بھی پورے ہوں اور خود مسلمان بھی ملک کی منصوبہ بندی میں معاشی اور اقتصادی ترقی سے بہرہ اندوز اور فیض یاب ہو سکیں۔“

جمعیت علماے ہند نے اپنے اسی اجلاس میں ملت کی تعمیری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی پوری جماعتی طاقت صرف کرنے کا فیصلہ کیا اور تعمیری پروگرام کا ابتدائی خاکہ پیش کیا، جو درج ذیل ہے :

الف: صنعتی اسکول یا صنعتی ادارہ قائم کیا جائے، جہاں دینی تعلیم و تربیت بھی ہوتی رہے۔

ب: ہوٹل یا ادارہ قائم کیا جائے، جہاں سرکاری اسکولوں میں تعلیم پانے والے نوجوان قیام کریں

اور کسی تجربہ کار نگران و مربی کی نگرانی میں علمی ذوق کے ساتھ دینی اور مذہبی زندگی کے عادی بھی بنتے رہیں۔

د: مسلم مسافر خانے قائم کیے جائیں۔ ہ: گھریلو صنعتوں کو عام کیا جائے۔ و: طبیہ کالج قائم کیے جائیں۔ ز: دینی حلقے بنائے جائیں۔

۳۔ جمعیت علماے ہند کا تیسواں اجلاس عام ۱۹۷۳ء میں بہ مقام دہلی مولانا عبدالوہاب آروی

صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی ایک قرارداد میں دینی، معاشی اور سماجی ترقی کے کاموں میں حصہ لینے کی مسلمانوں سے اپیل کی۔ قرارداد میں کہا گیا کہ :

۱۔ ملکی اور غیر ملکی تجارت میں زیادہ حصہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

۲۔ اپنی توجہ کو صرف ملازمتوں تک محدود نہ رکھیں بلکہ دست کاریوں، چھوٹی بڑی صنعتوں کے فروغ میں

نمایاں حصہ لیں اور کوآپریٹو اداروں کی تشکیل کر کے اپنے مسائل حل کریں۔

۳۔ سرکاری اداروں سے ملنے والی سہولتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور اگر اس

سلسلے میں امتیازی سلوک اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے تو جمہوری اور سیکولر قوتوں کے ساتھ مل کر اس فضا کو بدلنے کی کوشش کریں۔

۴۔ ایک ایسا مرکز قائم کریں جو مندرجہ بالا مقاصد کی تکمیل کے لیے معاون ہو۔

جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس عام یقین رکھتا ہے کہ اگر مسلمان اسلام کی اخلاقی قدروں کو اپنا کر اپنی

مہارت، محنت، اور دیانت داری سے صنعت و تجارت کے میدان میں اپنے ہم وطنوں کا اعتماد حاصل کر لیں گے تو

ملک و ملت کی اہم خدمات انجام دے کر اپنے درختاں مستقبل کی تعمیر کر سکیں گے۔

۵۔ ۱۹۷۶ء میں امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی کی صدارت میں جمعیت کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ

میرٹھ میں منعقد ہوا۔ اس جلسے میں مسلمانوں کی اقتصادی، تعلیمی، سماجی، دینی اور معاشرتی تعمیر و ترقی کے لیے ایک مربوط اور منظم و منصوبہ بند تعمیری پروگرام پیش کیا اور اس کو دستوراً اساسی جمعیت علمائے ہند کا باقاعدہ ایک حصہ بھی قرار دیا۔ اس تعمیری پروگرام میں ”اقتصادی حلقہ“ ایک مستقل عنوان ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ :

الف: مسلم فنڈ یا امدادی فنڈ قائم کرنا اور اسے چلانا۔ ب: کارپوریشن یا کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعے کاروبار کو فروغ دینا۔ ج: گھریلو دست کاریوں اور چھوٹی صنعتوں کو رواج دینا۔

بجاء اللہ مسلم فنڈ کا نظام توقع سے زیادہ کامیاب اور مفید ثابت ہو رہا ہے۔ اس وقت ملک بھر میں اس کی ڈھائی سو سے زیادہ شاخیں کام کر رہی ہیں اور ضرورت مند حضرات اس نظام سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

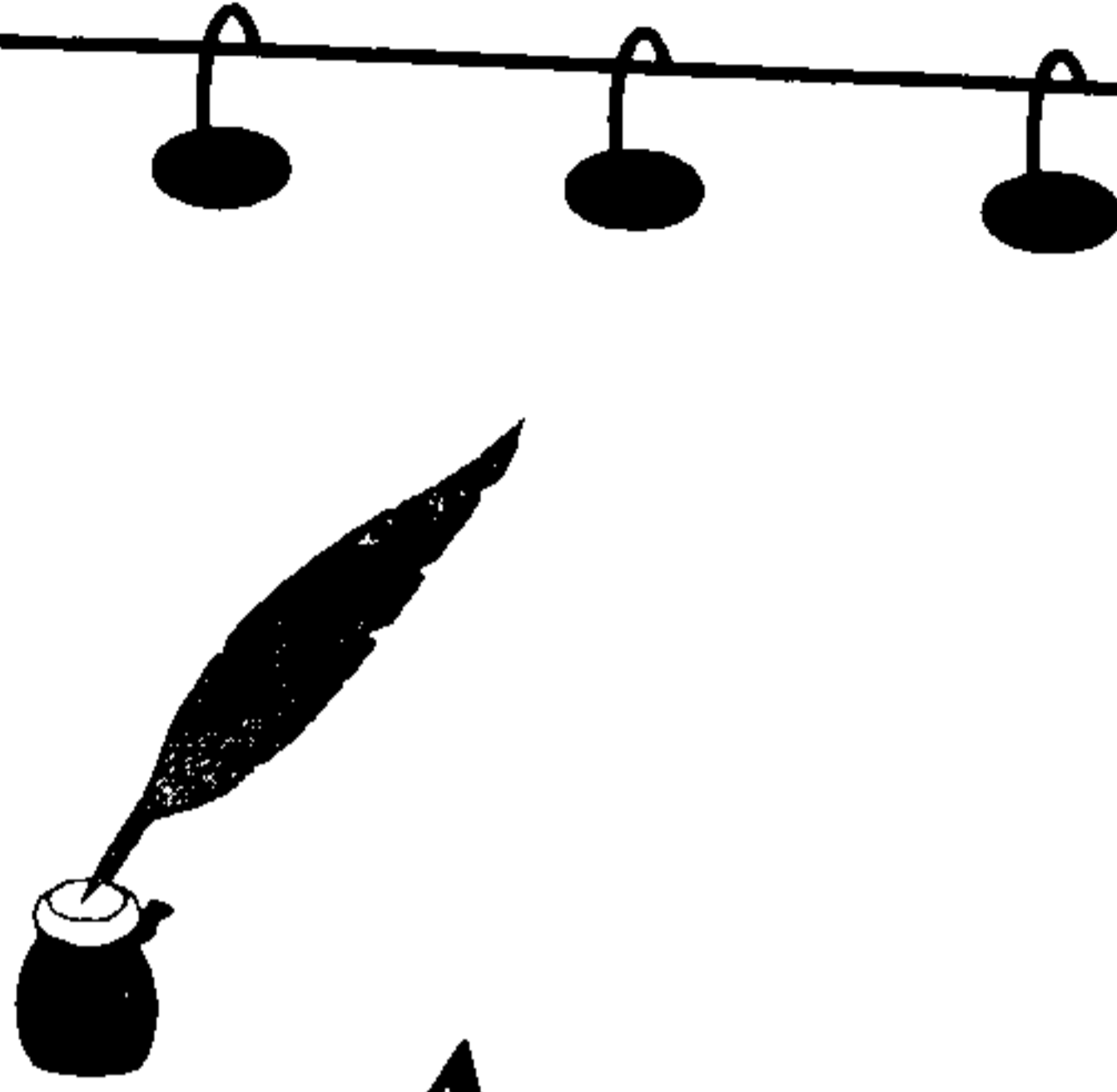
۶۔ حضرت امیر الہند کے دور میں جمعیت علمائے ہند کا ایک کل ہند اجتماع دہلی میں منعقد ہوا۔ اس ملک کی معاشی صورت حال کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور غور و فکر کے بعد ایک اہم قرارداد اس سلسلے میں منظور کی گئی، جس میں کہا گیا ہے کہ: جمعیت علمائے ہند کے زیر اہتمام منعقدہ یہ کل ہند اجتماع اس تلخ حقیقت کو شدت سے محسوس کرتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں امتیاز برتا جاتا ہے، اسی طرح اقتصادی امور میں ان کی حق تلفی کی جاتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمان خود بھی اپنے اقتصادی حالات سدھارنے اور ترقی کرنے سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ مسلمان لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ اقتصادیات کے فرسودہ طریقوں پر عمل پیرا ہیں۔ اس لیے نہ وہ بڑے صنعت کار ہوتے ہیں اور نہ بڑے تاجر ہوتے ہیں۔

حکومت عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لیے بہت سی فلاحی اسکیمیں جاری کرتی رہتی ہے، لیکن مسلمان ان اسکیموں میں کوئی دل چسپی نہیں لیتے اور نہ اس سلسلے میں ان کو اس بات کا علم ہے کہ وہ ان اسکیموں سے کس طرح فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ قومی بینکوں نے بھی عوام کو خود روزگار بنانے کے لیے بہت سے منصوبے بنائے ہیں۔ ان منصوبوں پر عمل درآمد بھی ہو رہا ہے، مگر مسلمان ان منصوبوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

یہ کل ہند اجتماع مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ اقتصادیات میں لکیر کے فقیر نہ بنیں اور حکومت کی فلاحی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کے علاوہ جدید طریقے اختیار کریں تاکہ مسلمان اقتصادی طور پر مضبوط ہوں اور ان کی فلاکت دور ہو، جسے اُمّ الجرائم کہا گیا ہے۔

مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بہت سے خوش حال مسلمان اپنی تن آسانی کی وجہ سے اپنی پس انداز قومات بینکوں میں جمع کرنے کے بجائے صنعتیں لگائیں تو خود ان کو بھی فائدہ ہوگا اور ترقی کی نئی راہیں کھلیں گی، بلکہ مسلمانوں کی بے روزگاری بھی دور ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



باب : ۸

فتنوں کا تعاقب

اور اسفار

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری

حضرت امیر الہند : فتنوں کے تعاقب میں

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو عبیدہ خولانی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے:

لَا يَزَالُ اللَّهُ يَغْرِسُ فِي هَذَا الدِّينِ غَرْسًا
يَسْتَعْمِلُهُمْ فِي طَاعَتِهِ. (سنن ابن ماجہ ۸)

اللہ تعالیٰ اس دین کے باغ میں ہمیشہ نئے نئے پودے لگاتا رہے گا، جن کو اپنی طاعت میں استعمال فرمائے گا۔

اس حدیث پاک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردست پیشین گوئی فرمائی ہے کہ دین اسلام کا گلشن ہمیشہ سدا بہار رہے گا، یہ باغ کبھی ویرانہ نہیں بنے گا۔ جب کوئی پودا سوکھ جائے گا تو دوسرا پودا اس کی جگہ لگا دیا جائے گا۔

گلشن دین کے یہ پودے کون ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد رشید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے سب سے پہلے اور اعلیٰ درجہ کے مصداق ہیں، اور پھر ہر زمانہ میں ان کے تبعین اور ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ کی صراط مستقیم پر خود چلنے والے اور دوسروں کو چلانے والے علماء ربانیین اور مشائخ عظام ہیں، ایسے نفوسِ قدسیہ سے قیامت تک دنیا کبھی خالی نہیں رہے گی، انہیں جیسی شخصیات کو باری تعالیٰ دینِ قیم اور امتِ مسلمہ کی بقاء و حفاظت کے ذریعہ کے طور پر ہر زمانہ میں پیدا کر کے مذکورہ پیشین گوئی کو پورا کرتا رہے گا۔ ویسے درحقیقت امتِ مسلمہ کی بقاء کی بنیاد تین عظیم شخصیات اور ذاتِ قدسیہ پر ہے، جس کو ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے، ان میں اول نمبر پر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالیہ ہے، آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا:

كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا فِي أَوْلِيَّهَا
وَالْمَبِيعُ فِي آخِرِهَا وَالْمَهْدِيُّ فِي وَسْطِهَا.

وہ امت کیسے ختم ہو سکتی ہے (یعنی قیامت تک ضرور باقی رہے گی) جس کے شروع میں میں ہوں، اور آخر میں مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ہیں، اور درمیان میں حضرت

(کنز العمال ۳۸۶۷۹ بحوالہ ابن عساکر) مہدی (محمد بن عبد اللہ) ہیں۔

انہیں مبارک شخصیات کے سلسلہ کی ایک زریں کڑی فدائے ملت، امیر الہند صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی صاحبِ قدس سرہ کی ذاتِ بابرکات تھی، جنہیں چند روز پیشتر باری تعالیٰ نے اپنے جوار رحمت میں بلا لیا ہے، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ۔

حضرت اقدس کی زندگی مجاہدانہ کارناموں سے پر ہے، ان سب میں جو چیز قدر مشترک کے طور پر نمایاں رہی، وہ حضرت اقدس کی دین اسلام کی حفاظت کے لئے فکر مندی اور امتِ مسلمہ کی بقاء و تحفظ کی دھن ہے، جب بھی اسلام اور اسلام کے خلاف کوئی داخلی یا خارجی فتنہ نمودار ہوا اور یہ خطرہ ہوا کہ مسلمان امت محمدیہ سے خارج ہو جائیں یا صراطِ مستقیم سے ہٹ جائیں، تو حضرت اقدس احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے لئے سینہ سپر ہو گئے، اور اس

کے مقابلہ کے لئے علماء کرام کو توجہ دلا کر ایک فوج کی فوج تیار فرمادی، چنانچہ ۱۹۸۴ء کے بعد جب مرزائی گروہ مرتدین نے ہندوستان کے مسلمانوں کے اسلام کو بگاڑنے اور ان کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے نکال کر امت مرزائیہ میں شامل کرنے کے لئے از سر نو ہندوستان کا رخ کیا، اور یہاں کی قادیانی جماعت کو حیات نو بخشنے کا پروگرام بنا کر جگہ جگہ سیرت اور دیگر دینی عنوانات پر جلسے و کانفرنسیں کرنی شروع کیں، اور اپنے نام نہاد حقیقی اسلام کا ڈھنڈورہ پیٹ کر مسلمانوں کو ورغلانے کی دجالی روش اپنائی، تو حضرت اقدس امیر الہند بے چین ہو گئے، اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے معزز اراکین کو قادیانی فتنہ کی تشویش ناک صورت حال سے آگاہ فرما کر سہ روزہ عالمی تحفظ ختم نبوت کی تجویز منظر کردائی، چنانچہ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی آخری تاریخوں میں یہ عظیم الشان اجلاس دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا، جس میں ملک بھر کے علماء و ذمہ داران کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اجلاس کا افتتاح حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا اور اختتامی تقریر رابطہ عالم اسلامی کے اس وقت کے جنرل سکرٹری ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے فرمائی۔ اس اجلاس سے ملک میں قادیانی فتنہ کے تعاقب کے لئے علماء و عوام میں زبردست بیداری آئی، اور اس کام کو دارالعلوم کی نگرانی میں مسلسل انجام دئے جانے کے لئے ”کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند“ کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے صدر حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ناظم عمومی حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند منتخب ہوئے۔ یہ مجلس بجمہ اللہ روز اول سے مجلس شوریٰ کی ہدایات کے مطابق اور حضرت اقدس امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہات سے ٹھوس انداز میں قادیانی تعاقب کا فرض ادا کر رہی ہے، اور مختلف علاقوں اور صوبوں میں اس کی خدمات جاری ہیں، جن میں افراد سازی کے لئے تربیتی کمیٹیوں کا انعقاد، عام لوگوں کے لئے اجلاس عام کرنا، چھوٹی بڑی کتابوں و پمفلٹوں کی مختلف زبانوں میں اشاعت، وقت ضرورت قادیانیوں سے مناظرہ کرنا، متاثرہ علاقوں میں مبلغین کے دوروں کا انتظام کرنا اور قادیانیوں کی طرف سے کسی جگہ مقدمہ دائر کئے جانے کے موقع پر قانونی مواد فراہم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ بہت سے تربیتی کمیٹی اور اجلاس عام میں حضرت امیر الہند نے بڑی دل چسپی کے ساتھ شرکت فرمائی، ۱۹۹۷ء-۱۹۹۸ء میں دہلی کی دو عظیم تحفظ ختم نبوت کانفرنسوں میں تحریری خطبہ صدارت پیش فرمائے۔ نیز کانپور میں تربیتی کمیٹی اور اجلاس عام کے موقع پر تحریری خطبہ صدارت پیش فرمایا، بانیکوری (آسام) میں قادیانیوں سے تاریخی مناظرہ کی مجلس میں تقریر فرمائی اور مسلسل پانچ گھنٹوں تک مجلس مناظرہ میں تشریف فرما رہے۔

ملک کے مختلف علاقوں میں عیسائی مشنریوں کی ریشہ دوانیوں سے بھی حضرت فدائے ملت بہت فکر مند تھے۔ حضرت کی توجہات کے نتیجہ میں دارالعلوم میں رد عیسائیت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا، اور حضرت کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ کی کتاب ”اظہار الحق“ سے ماخوذ متعدد رسائل کمیٹی کی طرف سے شائع کئے گئے، نیز احمد دیدات مرحوم کے رسائل کا ترجمہ کروا کر اردو میں طبع ہوئے، یعنی ان کے رسائل انگلش میں بھی طبع کرائے گئے۔ اس کمیٹی کے تحت ملک میں حسب ضرورت تربیتی کمیٹی اور اجلاس عام منعقد ہوتے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں داخلی فتنہ غیر مقلدیت نام نہاد سلفیت کو لگام دینے اور اس کی مغالطہ انگیزیوں والزام تراشیوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے حضرت امیر الہند نے ۲۰۰۱ء میں تحفظ سنت کانفرنس دہلی میں منعقد فرمائی، اس میں تحریری خطبہ صدارت دیا، اور اس موقع پر اساتذہ دارالعلوم دیوبند سے رد غیر مقلدیت پر تحقیقی رسائل مرتب کروا کر پچیس رسالوں کا سیٹ جمعیت علماء ہند کی جانب سے شائع کروایا، جس کا بڑا فائدہ ملک و بیرون ملک میں محسوس کیا گیا۔

نیز حضرت اقدس نے باطل نظریات کی علمی انداز میں تردید کے لئے دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی تربیت کے پیش نظر ہر ہفتہ محاضرات پیش کرنے کے لئے اساتذہ دارالعلوم کو مقرر کروایا۔ چنانچہ رد شیعیت، رد مودودیت، رد رضا خانیت، رد غیر مقلدیت، رد قادیانیت، رد عیسائیت اور رد ہندوازم پر محاضرات پیش کئے جاتے ہیں، جن میں فضلاء دارالعلوم شرکت کرتے ہیں جو دورہ حدیث شریف کے بعد تکمیلات کے درجات میں داخلہ لیتے ہیں جن کی تعداد دو سو سے زائد ہوتی ہے، ان طلبہ کو ہر موضوع کے محاضرات مطبوعہ شکل میں پہلے ہی تقسیم کردئے جاتے ہیں۔ ان محاضرات کو سن کر فضلاء دارالعلوم تقابلی انداز میں اسلام کی حقانیت اور صراط مستقیم کے واضح نشانات کو کفر و ضلالت سے ممتاز کر کے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے ہیں اور دین محمدی کی حفاظت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور اپنے اپنے علاقوں کو جا کر امت مسلمہ کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے سالوں سے انکار حدیث کے فتنہ کی سرگرمیاں بھی بڑھتی جا رہی ہیں، مدراس، کانپور میں بہت سے مسلمان اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ حضرت امیر الہند کو اس کے تعاقب کی بہت فکر تھی، اسی سلسلہ میں حضرت اقدس نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک استثناء مرتب کروا کر جس کا مفصل جواب مفتیان دارالافتاء دارالعلوم نے دیا، اور منکرین حدیث کو اسلام سے خارج قرار دیا، پھر اس پر تمام اساتذہ دارالعلوم نے بھی دستخط فرمائے، خود حضرت اقدس نے بھی دستخط فرمائے۔

اس طرح موجودہ علمی و نظریاتی فتنوں کے تعاقب کے سلسلہ میں جو کام ہوایا آئندہ ہوتا رہے گا اس میں حضرت اقدس کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

مَنْ مَسَّنْ سُنَّةَ حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا.

جس نے کوئی اچھا کام جاری کر دیا اس کو اس کام کو شروع کرنے کا ثواب ملے گا اور جس نے اس روش کو اپنایا اس کا بھی ثواب ملے گا۔

خداوند کریم حضرت اقدس کو دین اور امت مسلمہ کے تئیں ان کی فکر مند یوں اور مخلصانہ خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات سے نوازے، آمین۔

سفرِ پاکستان کی ایک روئیداد

اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کا دائرہ کار صرف اپنی ذات سے وابستہ امور کی نگہداشت اور اصلاح احوال تک محدود ہوتا ہے اور بعض ایسے کہ اپنی ذات کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح، خیر خواہی اور ترقی و خوشحالی کی وسعتوں کو محیط ہوتا ہے۔ چنانچہ برصغیر پاک و ہند کی چند عظیم شخصیات کی ذاتی خوبیوں، محاسن و کمالات کے ساتھ ساتھ ان کی اجتماعی مساعی حسنه اور ان کے دینی، معاشرتی اور تمدنی کارناموں کا جائزہ لینے سے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ وہ شخصیات جو اللہ کے فضل و کرم سے اسلام اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ اور ان میں خاص انقلاب و تغیر کی روح پھونکنے کو اس کارگاہ عالم میں جلوہ گر ہوئی تھیں۔ ان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ احمد سرہندیؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا عزیز گلؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے اسماء گرامی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

انہی عبقری شخصیات کے خانوادہ علم و عرفان کی نامور اور ممتاز دینی، علمی، ملی اور دیگر جلیل القدر خدمات کی وارث "حضرت مولانا سید اسعد مدنی" کی ذات گرامی تھی جنہوں نے 6 فروری 2006ء کو دہلی کے "اپالو ہسپتال" میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۱۹۲۶ء یا ۲۸ء کو مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کی دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مرشدی مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پاکباز اور زہد کدہ میں ولادت ہوئی، گھر اور مدرسے کے درو دیوار قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس صداؤں اور فرنگی سامراج کے خلاف اعلائے کلمۃ الحق سے گونج رہے تھے، ایک علم افروز، روح افروز اور انقلاب آفریں ماحول میں مولانا سید اسعد مدنیؒ کی پرورش ہوئی تھی۔ ان دنوں فرنگی سامراج کے جبر و استبداد دور دورہ تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کبھی دارالحدیث میں درس و تدریس میں، کبھی ریل اور جیل میں ہوتے۔ بایں ہمہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت سے کبھی غافل نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا سید اسعد

مدنی رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند کے لائق فائق اساتذہ کرام سے علوم القرآن، حدیث شریف اور فقہ میں درجہ کمال کی سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد کچھ عرصے تک دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے منصب پر بھی فائز رہے، اس کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ مدنی کی زیر نگرانی ہندوستانی مسلمانوں کے دینی و سیاسی معاملات خوش اسلوبی سے حل کراتے رہے۔ علاوہ ازیں جمعیت علماء ہند کے تنظیمی امور میں بھی گہری دلچسپی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ خصوصاً اپنے والد ماجد حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کے علاوہ مفتی کفایت اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد میاں اور مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے نظام کار اور ان کے جلیل القدر کارناموں کا چونکہ بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا، اس لئے ان میں امت مسلمہ کے مسائل کی بابت خاصا تجربہ حاصل ہو گیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ 5 دسمبر 1957ء کو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد مولانا سید اسعد مدنی نے ایک جانب تو جمعیت علماء ہند کے رہنماؤں اور کارکنوں کو فعال کردار ادا کرنے میں سرگرم عمل کیا اور دوسری جانب انتخابی مراحل میں حصہ لے کر کئی مرتبہ پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ نیز بھارتی مسلمانوں کے پرسنل حقوق کے تحفظ کی خاطر "مسلم پرسنل لاء" منظور کرایا۔ دینی مدارس اور مساجد کی تنظیم نو کے سلسلے میں اہم کارنامے انجام دیئے۔ ہندو مسلم فسادات اور مساجد کی ویرانی پر آپ اکثر مغموم اور دل گرفتہ رہنے کے باوجود فساد زدہ علاقے کا فوراً دورہ کر کے ناگفتنی حالات پر قابو پانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اکابر کے داغ مفارقت کے بعد ہندوستان میں مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کی ذات گرامی ایک اطمینان بخش سہارا تھی، آپ نے اسلامی تعلیم و اشاعت، تصوف و سلوک اور قومی و سیاسی امور میں حضرت شیخ مدنی کے صحیح جانشین ہونے کا حق ادا کیا۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت علامہ قاری محمد طیب قاسمی سے پاکستان میں تشریف آوری پر ایک صاحب نے قاری صاحب سے دریافت کیا کہ :

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے بعد ان کے بڑے فرزند ارجمند مولانا سید اسعد مدنی کا کیا حال ہے؟ وہ اپنے والد ماجد کی شمع علم و عرفان کی روشنی تیز تر کرنے میں کوئی کردار ادا کر رہے ہیں یا بعض سجادہ نشینوں کی طرح صورت حال مایوس کن ہے؟

اس سوال کے جواب میں حضرت علامہ قاری محمد طیب نے فرمایا تھا :

"الحمد للہ! دارالعلوم کا سرچشمہ علوم و معارف جاری و ساری ہے اور دنیا کے اسلام کا مرکز و محور ہونے کی حیثیت سے علیٰ حالہ قائم و دائم اور ترقی پذیر ہے۔"

جہاں تک مولانا سید اسعد مدنی کی ذات گرامی کا تعلق ہے، بمبئی میں ان کے والہانہ اور پر جوش استقبال کی ایک جھلک دیکھی ہے۔ وہی حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کا سا انداز، وہی عقیدت و محبت کے مظاہرے، شائقین و جاں نثاروں کا وہی بے پناہ ہجوم، صرف نام کا فرق دکھائی دیتا ہے، باقی تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ نے وہی برکات و فیوض عطا فرمائے ہیں جو حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ذات اقدس کے لئے مختص تھے، وہی مجاہدہ و ریاضت، وہی جفاکشی اور وہی معاملہ فہمی، وہی خلوص و دیانت اور وہی للہیت کے مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریبی ہے، وہ اپنے جس بندے کو عزت و عظمت عطا کرنے کا ارادہ کر لے اور جس کا نام روشن کرنے کا فیصلہ کر لے اس میں دنیا کی کوئی طاقت رخنہ انداز نہیں ہو سکتی۔ (ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء)

مولانا سید اسعد مدنیؒ کی پاکستان میں تشریف آوری :

تقسیم ہند سے قبل اگرچہ مجھے سیدی و مرشدی حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری اور شرفِ ملاقات کی کئی مرتبہ سعادت نصیب ہو چکی تھی، لیکن مولانا سید اسعد مدنیؒ کے ساتھ ملاقات کا موقع میسر نہ آ سکا تھا۔ مفکر اسلام حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحبؒ اور دیگر شخصیات کی زبانی جب ان کے ایمان افروز واقعات سماعت نواز ہوتے یا اخبارات کے جھروکے سے ان کی خدماتِ عالیہ کی معلومات فراہم ہوتیں تو شوقِ زیارت و ملاقات دو چند ہو جاتا، چنانچہ ایک روز حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ٹیلیفون کے ذریعے حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی تشریف آوری کی اطلاع ملی کہ حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ۱۶ مارچ ۱۹۷۰ء کو کراچی پہنچیں گے۔

دیوبند اور حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کا اسم گرامی سن کر مشتاقانِ زیارت کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ دیوبند اور بھارت کے دیگر شہروں سے ہمارے اکابر میں سے کوئی بھی شخصیت پاکستان میں رونق افروز ہوتی ہے تو یہاں کی علمی و روحانی کشت ویراں میں تازگی آ جاتی اور دلوں کے گلشنِ خزاں رسیدہ میں ایک مہک آفریں بہار کا سماں چھا جاتا ہے۔ علامہ قاری محمد طیب تشریف لائے تو علم و فضل کے فانوس روشن ہو گئے۔ خانقاہ حضرت رائے پوریؒ کے سجادہ نشین ”حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ“ نے شرف سے نوازا تو قلب و نظر کے ظلمت کدے منور ہو گئے۔ حضرت جی ”مولانا محمد یوسف دہلویؒ“ تشریف لائے تو ہمہ جہت دعوت و ارشاد کی صدا کیں بلند ہونے لگیں۔ شیخ الحدیث ”مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ“ رونق افروز ہوئے تو مشتاقانِ زیارت کے لئے سکون و طمانیت کا سامان فراہم ہو گیا۔ اسی طرح جب حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی پاکستان میں تشریف آوری کی مسرت افزا خبر سنی تو روحانی بالیدگی اور قلبی تطہیر کی لہر دوڑ گئی تھی۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ حسب پروگرام ۱۶ مارچ ۱۹۷۰ء کو کراچی پہنچ

گئے اور پاکستان کے عظیم دینی و علمی شخصیت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت اسعد مدنیؒ کے استقبال کے لئے ”جامعہ فرقانیہ“ راولپنڈی کے مدرس اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے تلمیذ مولانا محمد عثمان اور صادق آباد کے معروف زمیندار اور اہل حق علماء کرام کے قدردان جناب امیر عالم خان لغاری بھی کراچی پہنچ گئے تھے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ نے کراچی میں قیام کے دوران حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے رفیق اور تحریک خلافت کے ممتاز رہنما مولانا محمد صادق کے مدرسہ مظہر العلوم واقع مقام کھڈہ اور مولانا محمد زکریا کے مدرسہ انوار العلوم فیڈرل بی ایریا کا بھی معائنہ کیا۔ مولانا محمد زکریا چونکہ حضرت شیخ مدنیؒ کے عزت کدے پر گھریلو خادم خاص کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دے چکے تھے۔ اس لئے حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے ان کی دعوت معائنہ کو خاص اہمیت دی۔ علاوہ ازیں دیگر بہت سے احباب کی دعوت میں بھی شرکت کا اعزاز بخشا تھا۔

۱۸ مارچ کو بذریعہ خیبر میل ”سردار امیر عالم خان لغاری“ کی دعوت پر صادق آباد تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا سید حامد میاں آپ کے رفیق سفر تھے، وہاں سے بذریعہ کار تحریک ریشمی رومال کے تاریخی مرکز دین پور شریف کے لئے روانگی ہوئی۔ یہاں سے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے فرزند اور جانشین مولانا عبید اللہ انور بھی شریک کارواں ہو گئے تھے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ کی دین پور تشریف آوری کا سن کر جمعیت علماء اسلام کے قائدین شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواسیؒ، مفکر اسلام مولانا مفتی محمود اور ملتان بہاولپور کے گرد و نواح میں قیام پذیر علماء کرام، جمعیت علماء اسلام اور مجلس احرار کے ہزاروں کارکن خانپور پہنچ گئے تھے، ان حضرات کے استقبال کا منظر دیدنی تھا۔ مولانا سید اسعد مدنی خانپور سے دین پور پہنچے تو حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ نے جس عقیدت اور محبت بھرے انداز میں آپ کو اہلا و سہلا کہا، رقت آمیز اور کیف آور منظر ناقابل بیان ہے۔ دین پور میں حضرت شیخ المشائخ مولانا غلام محمد اور تحریک آزادی کے ممتاز رہنما مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر حضرات کی قبروں پر مسنون دعا کی۔

حضرت مولانا غلام محمد دین پوری محض شیخ تصوف و طریقت ہی نہ تھے بلکہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے معتمد خاص رفقہاء میں شمار ہوتے تھے۔ اسی لئے حضرت شیخ الہند نے تحریک آزادی کے منصوبے تحریک ریشمی رومال کے لئے جو آٹھ مراکز قائم کئے تھے، ان میں دین پور کی خاص اہمیت تھی۔ ان تحریکی مراکز کا انتظام و انصرام حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا شوکت علیؒ، ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ اور دیگر عظیم شخصیات کے سپرد تھا۔ دین پور کے امیر حضرت مولانا خلیفہ غلام محمدؒ تھے، آپ نے اس تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں تین سال قید فرنگ کی سختیاں برداشت کی تھیں۔

دین پور کی مرکزیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی

(۳۰۴)

علی تھانویؒ بھی یہاں تشریف لائے تھے۔ ان کے استقبال کے لئے مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے خانپور سٹیشن پر سواری کا انتظام کرتے ہوئے گھوڑا بھیجا۔ حضرت تھانوی سوار ہو کر جب دین پور کی حدود میں داخل ہوئے تو اچھل کر سواری سے اترتے ہی فرمایا :

عبید اللہ! یہ تو ولی اللہ کا علاقہ ہے یہاں سے ننگے پاؤں حاضر ہوں گے۔

حضرت تھانویؒ کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ بھی یہاں کئی مرتبہ تشریف فرما ہوئے تھے۔

دین پور سے ملتان، لائل پور اور ڈھڈیاں کا سفر :

بہر نوع ان جلیل القدر شخصیات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مولانا سید اسعد مدنیؒ نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو تازہ کرتے ہوئے دین پور کا سفر کیا اور بزرگوں حضرت مولانا خلیفہ غلام محمدؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور دیگر شخصیات کی قبور پر دعاؤں کے بعد خانپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواسیؒ سے ملاقات کی اور ان کے مدرسہ مخزن العلوم میں علاقے کے علماء کرام اور عقیدت مندوں کے عظیم اجتماع سے تبرکاً چند الفاظ میں فرمایا کہ میں پاکستان میں کسی خطاب کے لئے نہیں بلکہ اپنے اسلاف کی تاریخی روایات کو زندہ رکھنے اور بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہونے آیا ہوں۔ چنانچہ اس اجتماع سے حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور دیگر حضرات نے خطاب کیا تھا۔

خانپور سے مولانا سید اسعد مدنیؒ اپنے دیگر رفقاء سفر کے ہمراہ بذریعہ ریل گاڑی ملتان کے لئے روانہ ہوئے تو بہاولپور اور شجاع آباد وغیرہ سٹیشنوں پر عقیدت مندوں کے بڑے اجتماع نے آپ کا نہایت گرمجوشی اور عقیدت و احترام کے جذبات کے ساتھ استقبال کیا۔ شجاع آباد میں خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کے لئے ریل گاڑی میں ہی ایصالِ ثواب کے لئے دعا کی گئی اور ان کی بے مثال دینی، علمی اور ملی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا تھا۔

ملتان سٹیشن پر اضلاع، ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ اور بہاولپور ڈویژن کے علاوہ شہر کے تمام دینی مدارس کے طلباء علماء و مشائخ اور عقیدت مندوں کا عظیم اجتماع شوقِ زیارت کے لئے سراپا استقبال تھا۔ وہاں سے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے ہمراہ قاسم العلوم تشریف لے گئے اور ناشتے کے بعد قلعہ قاسم پر ملتان کے تاریخی اجتماع جمعہ میں تشریف لے گئے تو ایمان افروز لہجے میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ اس مثالی اور تاریخی اجتماع میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلفاء حضرت مولانا سید خورشید احمد شاہ صاحب عبدالکیم سے حضرت مولانا خدا بخش ملتان، استاد العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ بھی تشریف فرما تھے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے خطاب سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ :

یہ تاریخی شہر اولیاء اللہ، زہاد و اتقیاء کا شہر ہے۔ اس میں برصغیر کے خطیب اعظم حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ابدی آرام گاہ ہے، میں نے تو صرف بزرگوں کی زیارت اور احباب سے ملاقات کی خاطر یہ سفر کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے بعد مولانا ضیاء القاسمیؒ نے اپنے ولولہ انگیز خطاب میں حضرت مدنیؒ کی شان میں کلمات تحسین کہے۔ بعد ازاں مولانا سید اسعد مدنی نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قبر پر محویت کے عالم میں دعا کی۔ دوسرے روز خیر المدارس کا معائنہ کیا پھر بذریعہ ہوائی جہاز لائل پور کے لئے روانگی ہوئی۔ ہوائی اڈے سے شہر تک سڑک کے دورویہ مشتاقان زیارت کا بہت بڑا اجتماع تھا۔ جامعہ مسجد کچہری بازار میں حضرت مدنیؒ کے اعزاز میں استقبال کے اہتمام تھا۔ فراغت کے بعد سرگودھا اور ڈھڈیاں روانہ ہو گئے۔ سرگودھا میں حضرت رائے پوریؒ کے خلیفہ حضرت مولانا عبد العزیزؒ اور مولانا عبد السمیع نے استقبال کے شاندار انتظام کیا تھا، اس میں شرکت کے بعد حضرت شیخ المشائخ مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے مدفن ڈھڈیاں روانہ ہو گئے۔ وہاں حضرت رائے پوریؒ کے عزیز مولانا عبدالجلیل، مولانا عبدالوحید کے علاوہ مولانا سید نفیس الحسنی اور مولانا عبدالقادر جھادریاں سمیت دیگر کئی علماء کرام اور عقیدت مندوں نے استقبال کیا۔ نماز عصر کی ادائیگی کے بعد حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اپنے رفقاء کے ہمراہ حضرت شیخ المشائخ مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی قبر پر گئے۔ دیر تک سرگودھا پہنچ گئے اور علماء دیوبند کے مخلص خادم حاجی فرزند علی کے ہاں عشاء میں شرکت کے بعد بذریعہ چناب ایکسپریس جہلم روانہ ہو گئے۔ راقم الحروف کے علاوہ مولانا محمد عثمان، مولانا ضیاء القاسمی، حکیم عبدالرزاق کابلی شریک سفر تھے۔ گاڑی جب بھلوال اور ملک وال اسٹیشنوں پر پہنچی تو مولانا سید اسعد مدنیؒ کے استقبال کے لئے معتقدین و مریدین کا جم غفیر رات گزرنے پر بھی موجود تھا۔

جہلم اسٹیشن پر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ چکوال سے اپنے ہزاروں مریدوں اور علاقے کے علماء کرام کے جلو میں سراپا استقبال تھے۔ اسٹیشن سے مولانا عبداللطیف کے مدرسہ میں پہنچے تو استقبالیہ گاڑیوں کا ہجوم دیکھ کر وہاں گزرتے ہوئے آزاد کشمیر کے صدر اور ممتاز رہنما سردار عبدالقیوم خان مدرسے کے اندر تشریف لے آئے۔ میں نے حضرت اسعد مدنی سے سردار صاحب کا تعارف کرایا تو حضرت بڑی گرمجوشی سے ملے۔ بعد ازاں ایک بڑے جلوس کی شکل میں راولپنڈی کو روانگی ہوئی تو گوجر خان کے مقام پر مولانا غلام اللہ خان، مولانا عبدالحکیم، مولانا محمد رمضان علویؒ مولانا عبدالستار توحیدیؒ اور علاقے کے دیگر علماء کرام کی بڑی تعداد نے حضرت مدنیؒ کو زندہ باد کے نعروں سے والہانہ استقبال کیا۔ راولپنڈی میں

مولانا غلام اللہ خان کے مدرسہ تعلیم القرآن اور مولانا عبدالحکیم کے جامعہ فرقانیہ کے معائنے اور ان مدارس میں آپ کے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیے میں شرکت کے بعد کارواں کی شکل میں اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند و حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے رفیق..... حضرت مولانا عزیز گل کی زیارت و شرفِ ملاقات کیلئے روانگی ہوئی۔ پشاور روڈ پر جب قافلہ دریائے اٹک کا پل عبور کرنے لگا تو حضرت مولانا سید اسعد مدنی کو صوبہ سرحد کی حدود شروع ہونے کی نشاندہی کی گئی۔ مولانا مدنی نے سنتے ہی فرمایا غالباً یہی وہ مقام ہے جہاں سے مجاہدین بالاکوٹ نے دریا عبور کیا تھا۔ یہ کارواں جب پاکستان کے سب سے بڑے دینی مدرسہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پہنچا تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اور مولانا سمیع الحق کی زیرِ قیادت علماء کرام، جامعہ حقانیہ کے مدرسین اور طلباء کے فقید المثال اجتماع نے مولانا سید اسعد مدنی کا جس گرمجوشی، محبت و عقیدت اور احترام و اکرام کے ساتھ استقبال کیا اس کی صحیح نقشہ کشی الفاظ و بیان کے حدود سے باہر ہے۔ پاکستان میں دارالعلوم دیوبند ثانی کے طلباء کی آنکھوں کی چمک اور چہروں کی دمک سے اندازہ ہو رہا تھا کہ مولانا سید اسعد مدنی کی زیارت و ملاقات سے ان کی مسرت و شادمانی شکوفوں کی مانند چمک رہی ہے۔ مولانا سمیع الحق کے خیر مقدمی خطاب کے بعد مولانا سید اسعد مدنی نے مختصر الفاظ میں عظیم الشان استقبال پر حاضرین خصوصاً حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق سابق استاد دارالعلوم دیوبند اور بانی جامعہ حقانیہ کو نہایت بلوغ اور فکر انگیز کلماتِ شکر پیش کئے تھے۔ یاد رہے کہ مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے دیوبند میں شاگرد رہ چکے تھے۔

اسیر مالٹا مولانا عزیز گل کی زیارت و شرفِ ملاقات :

برصغیر پاک و ہند کی تحریکِ آزادی کے ممتاز اور منفرد رہنما جنہوں نے شیخ الہند مولانا محمود حسن سے علمی و سیاسی براہِ راست اکتسابِ فیض کر کے آپ کے ساتھ جزیرہ مالٹا میں فرنگی سامراج کی ظالمانہ قید کی ہولناک سختیاں اور جاں گسل تکلیفیں برداشت کی تھیں۔ وہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی "مولانا عزیز گل"، حکیم نصرت حسین اور مولانا وحید احمد تھے۔ ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء کو یہ حضرات مالٹا میں جلا وطنی کی اسارت کا ہدف بنا دیئے گئے تھے۔ اس دوران حضرت شیخ الہند کی خصوصی ہدایت پر ان حضرات نے انگریز مخالف دیگر ممالک کے قیدیوں سے مختلف زبانوں (انگریزی، فرانسیسی، جرمن وغیرہ) میں دسترس حاصل کی تھی۔ ان میں سے حکیم نصرت حسین تو اسارتِ مالٹا کے دوران ہی فرنگی ظالموں کے جبر و استبداد کی تاب نہ لا کر جامِ شہادت نوش کر گئے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند کی اپنے رفقاء سمیت رہائی کے بعد پہلے حضرت شیخ الہند اور پھر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی "داعی اجل کو لبیک کہہ گئے تھے، صرف مولانا عزیز گل بقیدِ حیات تھے جو صوبہ سرحد کے دور افتادہ علاقہ "مالاکنڈا بجنسی" کی حدود میں

سحا کوٹ کے نزدیک ”میاں گاؤں“ میں رہائش پذیر تھے۔

مولانا سید اسعد مدنی ”اس تاریخی شخصیت اور تحریک آزادی کے ممتاز و منفرد رہنما حضرت مولانا عزیز گل“ کی زیارت کے لئے اپنے رفقاء سفر کے ہمراہ جب بعد نماز مغرب حاضر ہوئے تو مولانا عزیز گل اور ان کے بھائی مولانا نافع گل نے بہت ہی گرمجوشی اور نہایت مشفقانہ انداز میں خیر مقدم کیا۔ خصوصاً مولانا سید اسعد مدنی کے ساتھ جس محبت اور شفقت بھرے انداز میں دونوں حضرات نے معانقہ و مصافحہ کیا وہ منظر دیدنی تھا۔ ان حضرات نے مولانا مدنی سے گھربار کے علاوہ دارالعلوم دیوبند اور ہندوستانی مسلمانوں کے احوال مختصر دریافت کرنے کے بعد شرکاء قافلہ سے فرداً فرداً مصافحہ کیا اور خیریت دریافت کی۔

مولانا سمیع الحق نے جب راقم الحروف اور مولانا ضیاء القاسمی کا تعارف کرایا تو حضرت مولانا عزیز گل نے مشفقانہ پیار کے ساتھ ماشاء اللہ کے الفاظ سے دعا دی۔ پھر مجھے اشارے کے ساتھ بلا کر حوصلہ افزائی کے انداز میں فرمایا: تمہاری تحریر سے تو کسی معمر اور بوڑھے شخص کا تاثر قائم ہوتا ہے، ماشاء اللہ جوان ہو۔ اللہ برکت دے۔

غائبانہ قلبی تاثرات کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ خود میرا بھی حضرت مولانا عزیز گل کی شخصی عظمت اور حضرت شیخ و مرشدی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی تحریروں اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی مجلس میں برصغیر کی تحریک آزادی کے رہنماؤں کے تذکرے میں مولانا عزیز گل کا اسم گرامی سن کر تاثر یہ تھا کہ بہت ہی نحیف و ضعیف اور معمر ترین بزرگوں کے انداز میں بستر پر دراز ہوں گے اور اسی حالت میں زیارت کی سعادت حاصل ہوگی۔ مگر جب بلند قامت، صحت مند، سرخ و سفید چہرے کی باوقار عظیم نورانی شخصیت نے آگے بڑھ کر سب کو اہلاً و سہلاً فرمایا تو حیرت و استعجاب کا عالم طاری ہو گیا۔ حضرت شیخ الہند کے شاگرد اور باوفا خادم اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے رفیق اسارت مالٹا اور تحریک آزادی ہند کے سلسلے کی ایک سنہری کڑی اور تاریخ کے ایک زریں باب کا مشاہدہ ہماری قسمت میں تھا۔ یہ ایک ناقابل فراموش ساعت تھی۔ چونکہ نماز عشا کا وقت ہو چکا تھا، اس لئے باجماعت نماز کی ادائیگی کے بعد دسترخوان بچھ گیا اور بعد از طعام تمام مہمان محو استراحت ہو گئے۔

مارچ کی بھیگی خنک رات، ہر طرف چاندنی، پہاڑ کا دامن، شاداب علاقہ، چشمے کا ٹھنڈا پانی، شہروں کے شور و غل سے مبرا سکون ماحول اور اللہ کے نیک بندوں اور اسلاف کے روحانی اور علمی جانشینوں کا سادہ اور روح افروز ڈیرہ دل و دماغ کے لئے عجیب کیف آور تھا۔ بعد از نماز فجر سرحدی باشندوں کے روایتی طور طریقے کے مطابق کشادہ دلی کے ساتھ دسترخوان وسیع تھا، ناشتے کے بعد پھر مجلس سچ گئی تھی۔

حضرت مولانا عزیز گل کی توجہات کا مرکز مولانا سید اسعد مدنی کی ذات گرامی تھی۔ مولانا کی گفتگو پر اعتماد اور معلومات افزا، تحریک آزادی کے رہنماؤں کی فکری پرواز، دورانہ لیشی اور معاملہ فہمی کے نادر واقعات سن کر

یوں محسوس ہو رہا تھا کہ تاریخ کے اوراق خود بخود پلٹتے جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ برصغیر کی آزادی کے لئے ہمارے اسلاف نے ۱۸۵۷ء سے ہی جدوجہد اور جہاد کا آغاز کر دیا تھا۔ بعد ازاں کی تحریک مجاہدین بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی، اگر بالاکوٹ کے مقام پر کچھ روسیہ مادی منفعت کی خاطر مخبری اور غداری نہ کرتے تو برصغیر کی آزادی کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ مولانا عزیز گل نے دوران گفتگو تحریک ریشمی رومال کے آٹھ مراکز کی تفصیل بیان کرتے ہوئے صوبہ سرحد کے دو مراکز (ترنگزئی اور اتمان زئی) کا بطور خاص ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ترنگزئی آزاد قبائل کا مرکز تھا اور اس علاقے کے مشہور پیر طریقت ”مولانا فضل واحد“ اس تحریک کے امیر تھے (یاد رہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران حضرت مولانا پیر محمد امین خلیفہ حضرت ترنگزئی نے حضرت امیر شریعت کی دعوت پر چند ختم نبوت کانفرنسوں میں شرکت کی تھی اور راقم الحروف نے ان کی زیارت کے ساتھ ساتھ ان کی ایمان افروز اور وجد آفریں تقاریر بھی قلم بند کر کے روزنامہ آزاد میں شائع کی تھیں) مولانا عزیز گل نے فرمایا کہ دوسرے مرکز اتمان زئی کے امیر ”عبدالغفار خان“ مقرر ہوئے تھے۔ نیز حضرت شیخ الہند نے صوبہ سرحد اور آزاد علاقہ (یاغستان) میں سفارت کا نظام اور پہاڑی دشوار گزار علاقوں میں رہائش پذیر ہم خیال اور ہمنواؤں کے پاس جا کر حالات سے آگاہ رکھنے کی خدمت میرے سپرد کر رکھی تھی۔ خطوط اور دیگر معلومات پہنچانے کے لئے مولانا عبید اللہ سندھی بھی رفیق کار تھے۔

مولانا عزیز گل نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند کی شروع کردہ تحریک آزادی کے اثرات صوبہ سرحد میں ہمہ گیر ہونے کے علاوہ افغانستان میں بھی اسے خوب پذیرائی ملی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد ”غازی امان اللہ خان“ برسر اقتدار آیا تو اس نے اپنے عمائدین سلطنت کے پہلے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ : ”شیخ الہند ایک کار شروع کرد! من اور اتمام میکنم“۔ (ان شاء اللہ)

حضرت شیخ الہند نے جو ایک کام شروع کیا تھا میں اس کی تکمیل کروں گا۔ (انشاء اللہ)

بہر نوع مولانا عزیز گل نے دوران گفتگو جزیرہ مالٹا میں قید کے دوران انگریزوں کے تشدد آمیز سلوک کے واقعات بھی بیان کئے تھے۔

اس اثناء میں مولانا سمیع الحق کی تجویز پر مولانا سید اسعد مدنی معہ رفقاء مولانا عزیز گل کی مرحومہ رفیقہ حیات اور دیگر مرحومین کی قبروں کی زیارت اور ایصالِ ثواب کے لئے ”میاں گاؤں“ کے قبرستان بھی گئے، واپسی پر کھانا تناول کر کے نمازِ ظہر ادا کی گئی۔ نمازِ عصر کی بعد پھر مجلس کا انعقاد ہوا۔ مختلف علمی موضوعات پر گفتگو کے بعد رات وہیں قیام ہوا۔ صبح کو مولانا سید اسعد مدنی اپنے رفقاء کے ہمراہ کاروں کے ذریعہ پشاور روانہ ہو گئے۔ وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچے تو ہوائی اڈے پر بہت بڑے جلوس کی شکل میں مولانا عبدالعزیز سرگودھا والے اور مولانا سید انور حسین نقیس (خلفاء حضرت رائے پوری) اپنے مریدوں، علماء کرام اور دینی جماعتوں کے ممتاز کارکنوں کی

رفاقت میں سراپا انتظام تھے۔ ہوائی اڈے سے جامعہ مدنیہ پہنچے، دوسرے روز مولانا عبید اللہ انور کے ہاں ”خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور“ میں رونق افروز ہوئے اور مختلف تقریبات میں شرکت کے بعد گنڈا سنگھ والا بارڈر کی جانب سے براستہ بٹھنڈہ دہلی روانہ ہو گئے۔ (اس سفر کے مفصل واقعات راقم الحروف نے ”مولانا سید اسعد مدنی“ کے ساتھ چند روز کے زیر عنوان ۱۹۷۰ء کو ہفت روزہ خدام الدین لاہور میں کئی قسطوں میں شائع کر دیئے تھے) بعد ازاں مولانا سید اسعد مدنی جب بھی پاکستان میں تشریف لائے، کبھی مروجہ سیاسی موضوع پر گفتگو نہیں کی بلکہ ہمیشہ امت مسلمہ میں اتحاد و اتفاق اور علماء کرام کے مابین اختلافی امور کے خاتمے اور عصری تقاضے کے مطابق راہ عمل استوار کرنے پر ہی زور دیتے رہے ہیں۔

حال ہی میں جب بہاولپور میں تشریف لائے (غالباً یہ ان کا پاکستان میں آخری سفر ہے) تو مجھے لاہور جامعہ مدنیہ میں شرفِ ملاقات نصیب ہوا۔ جب مہتمم مولانا رشید میاں نے میری حاضری کی اطلاع دی تو کمرے میں داخلے سے قبل ہی انتظار میں کھڑے تھے، بہت تپاک اور بہت سے معانقہ سے مشرف فرمایا، چونکہ کمرہ مشتاقانِ زیارت سے بھرا ہوا تھا، اس لئے خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد صرف یہی عرض کر سکا کہ:

حضرت! آپ حضرات نے تو کئی برس کے بعد اختلافات ختم کرنے کا اعلان کر کے وحدتِ علماء کی فضا قائم کر دی ہے۔ آپ اس سفر میں پاکستانی جمعیتوں کے سربراہوں اور ختم نبوت کے مقدس نام کی دھڑے بندیوں میں بھی اتحاد اور وحدت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش فرمائیں تو احسانِ عظیم ہوگا۔ حضرت مدنیؒ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا! اچھا بھائی اللہ اچھے اسباب پیدا فرمادے دل تو اس کے اختیار میں ہے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی سے اس شرفِ زیارت و ملاقات کے بعد اخبارات میں ان کی شدید بیماری کی خبر پڑھی اور تین ماہ بعد یہ المناک خبر سننے میں آگئی کہ ۶ فروری ۲۰۰۶ء کو علم و فضل، زہد و تقویٰ اور ملتِ اسلامیہ کا غمخوار عالم اسلام کو غمگین چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہہ گیا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے اسلاف کی رفاقت میں جنت الفردوس میں مقامِ علیین عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر و استقامت کے ساتھ ان کے نقوشِ تابندہ رکھنے کی سعادت سے نوازے۔ آمین۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی وفات سے ہندوستانی مسلمان ایک مستعد غمخوار، دینی و ملی قائد، رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ کی تنظیم، ایک مجتہد، فقیہ اور صاحبِ رائے مشیر، اور مسلمانانِ عالم کی بہت سی تنظیمیں ایک مخلص ہمدرد کی گراں قدر رہنمائی اور تعاون سے محروم ہو گئی ہیں، لیکن بفضلہ تعالیٰ مولانا سید اسعد مدنی کے اعمالِ صالحہ صدقاتِ جاریہ کے طور پر ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گے۔

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشان کبھی!



باب : ۹

اپنے استاذ شیخ الحدیث
مولانا عبدالحقؒ سے تعلقِ خاطر
مکاتبت جامعہ دارالعلوم حقانیہ
میں تشریف آوری اور خطابات

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور جامعہ حقانیہ سے تعلقِ خاطر

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کو برصغیر میں دیوبند ثانی کہا جاتا ہے، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نے اسے ”دارالعلوم دیوبند“ کا بیٹا قرار دیا ہے۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہے۔ امیر الہند فدائے ملت مولانا اسعد مدنیؒ نے آپ کے قیامِ دیوبند میں آپ سے شرفِ تلمذ بھی حاصل کیا، پاکستان کے اسفار میں وہ اپنے استاذ سے ملاقات کو ضروری سمجھتے تھے، جب بھی پاکستان میں ان کا ورودِ مسعود ہوا، اپنے استاذ کی ملاقات کے لئے جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لاتے اور اپنے استاذ کی زیارت و ملاقات سے تشفی اور روحانی فرحت و سرور حاصل کرتے۔

اپنے آخری سفرِ پاکستان بہ سلسلہ ڈیڑھ صد سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس میں شرکت کی غرض سے جب اساتذہ و مشائخ اور اکابرین دارالعلوم دیوبند کے ہمراہ پاکستان تشریف لائے تو جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں بھی حاضری ضروری سمجھی اپنے شیخ کے مزار پر حاضری دی، فاتحہ پڑھی، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے دولت کدہ پر اکابرین دیوبند کے ہمراہ ضیافت قبول فرمائی۔ اس موقع پر اساتذہ و طلبہ دارالعلوم سے مفصل خطاب فرمایا اور زنان خانہ میں اپنے شیخ کے گھر کی خواتین کو گھنٹہ بھر خصوصی نصائح اور شرفِ بیعت سے نوازا۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ”ماہنامہ الحق“ اور اس کے بانی و مدیر مولانا سمیع الحق سے بھی خصوصی تعلقِ خاطر رہا۔ جس کی نمایاں جھلک ان کے اپنے شیخ کے ہاں حاضری، جامعہ حقانیہ میں خطابات اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے نام لکھے گئے خطوط میں دیکھی جاسکتی ہے، اسی سلسلہ زرین سے متعلق خطوط، مضامین، خطابات اور مختلف مواقع پر لکھے گئے شذرات باذوق قارئین کی نذر ہیں۔ یقیناً آپ بھی حظ وافر حاصل کریں گے۔ (ع ق ح)

مولانا سید نصیب علی شاہ ایم این اے فاضل جامعہ حقانیہ

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے ملاقات کا ایک منظر

۱۴ جولائی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے فرزند و جانشین جمعیتہ العلماء ہند کے صدر ایشیاء کی اسلامی کانفرنس میں بھارت کے مندوب حضرت مدنیؒ کے خصوصی شاگرد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی عیادت اور ملاقات کی غرض سے دارالعلوم حقانیہ میں تشریف لائے۔ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ ایک بار اس سے قبل بھی دارالعلوم حقانیہ کو اپنے قدم میمنت لزوم سے نواز چکے ہیں۔ اس بار آپ کی آمد نہایت مختصر رہی، مگر شدید مصروفیات کے باوجود آپ نے اپنے استاذ گرامی حضرت شیخ الحدیثؒ کے ملاقات کا موقع سخاکوٹ سے واپسی میں نکال دیا۔ اس وقت دارالعلوم میں بوجہ تعطیلات گرما گرمی نہیں تھی، پھر بھی حضرت شیخ الاسلامؒ کے متوسلین و معتقدین فضلاء دیوبند اور دیگر مشتاقان کافی تعداد میں حضرت کی زیارت کے لئے موجود تھے، اپنے مختصر قیام میں آپ نے دارالعلوم کے نو تعمیر شدہ کتب خانہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی یاد میں تعمیر شدہ احاطہ قاسمیہ کا معائنہ کیا۔ ماہنامہ الحق کے جدید دفتر میں حضرت مولانا شیخ الحدیثؒ اور دیگر حضرات کے ساتھ چائے کی مجلس پر گھنٹہ سوا گھنٹہ گفتگورہی۔ مولانا سمیع الحق نے انہیں موتمرا لمصنفین کے مطبوعات کا سیٹ پیش کیا۔ دارالعلوم کے تفصیلات بتلائیں، پروانوں کے ہجوم میں احقر کو بھی مصافحہ کی سعادت ملی اور میری خواہش پر میری آٹو گراف میں دست مبارک میں لکھا کہ.....

جہاں اے براور نہ ماند بکس دل اندر جہاں آفرین بندوبس

اس وقت مجلس کا عجیب منظر تھا۔ آپ اپنے مشفق استاد حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے ساتھ بیٹھے فرط ادب سے بچھے جا رہے تھے، اور حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے مرشد زادہ مخدوم کے ہاتھ چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت مولانا اسعد صاحبؒ کو چونکہ نماز جمعہ پڑھانے کے لئے پشاور پہنچنا تھا، اس لئے بہت جلد معنوی مسرتوں کا یہ خوشگوار وقت بہار کے جھونکے کی طرح گذر گیا اور حضرت شیخ الحدیثؒ نے گاڑی تک جا کر اپنے مخدوم زادہ اور اسامیان ہند کے آنکھ کے تارے کو نہایت حسرت سے رخصت کیا۔ (الحق)

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم
مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ

آنکھوں دیکھا حال

مولانا سید اسعد مدنیؒ کی رسم دستار بندی

صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند کے موقع پر مولانا اسعد مدنیؒ نے
شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے پاس جا کر اپنے استاذ کے
ہاتھوں اپنی دستار بندی کرائی

آج ۲۲ مارچ اور ہفتہ کا دن ہے۔ برصغیر کی تاریخ کا یہ فقید المثال اجتماع حاضرین کے لحاظ سے
پورے عروج پر ہے اور اس لحاظ سے مجمع انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ کل بعد از جمعہ افتتاحی نشست تھی اور بعد از عشاء دوسری
نشست میں زیادہ تر حصہ عالم عرب کے مشاہیر علماء اور زعماء کی تقاریر کا تھا۔ وسیع و عریض پنڈال کی وسعتوں کو نگاہیں
سمیٹ نہیں سکتیں اور آنکھوں کے کیمرے بھی حاضرین کا احاطہ کرنے سے عاجز و در ماندہ ہیں۔ آج کی نشست میں
پہلی تقریر عالم اسلام کی متاع گرانمایہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی ہوئی جو اپنی تقریر میں ملت مسلمہ ہندیہ
کو نیا پیغام، نئی زندگی اور نیا ولولہ دے گئے اور اس پیغام نے ”حاصل اجلاس“ یا پیغام دیوبند کی حیثیت حاصل کر لی۔
کچھ حصہ ان کے خطاب کا عربی زبان میں بھی تھا کہ عالم عرب کے بے شمار سامعین و شرکاء جلسہ بھی اس انمول تحفۃ
الہند سے دل و دماغ منور کر سکیں۔

ان کے خطاب کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ کی تقریر ہوئی، جنہیں اپنی علمی اور سیاسی
بھاری بھر کم شخصیت اور خداداد وجاہت کی وجہ سے قدرتی طور پر پاکستان سے شریک ہونے والے کم و بیش ۵ ہزار
زارین و شرکاء جلسہ کی زعامت و قیادت کا شرف بھی حاصل ہے۔ ان کی تقریر بھی مختصر مگر جامع اور موثر رہی، کچھ دو
ایک مزید عربی تقاریر بھی ہوئیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار نے مانگ پر آ کر اعلان کیا کہ اس نشست کا یہ حصہ دستار بندی کے لئے تھا، مگر چونکہ وقت کم ہے، اس لئے اب بعض نہایت اہم اکابر کی دستار بندی پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ چونکہ بعض اہم شخصیتوں کی تقاریر کی وجہ سے وقت کم رہ گیا ہے جس میں خاصی تعداد میں دستار بندی مشکل ہے، جبکہ اب تک کے کل فضلاء کی تعداد ساڑھے گیارہ ہزار کے لگ بھگ ہے، جن کی دستار بندی فرداً فرداً رسم کے مطابق اگر چہ ہونی چاہئے تھی، مگر یہ ناممکن ہے، تاہم اس نشست میں دو چار اہم شخصیتوں کی دستار بندی کرنا چاہتے ہیں، جن میں سے ایک شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہیں جنہوں نے پاکستان میں ایک اہم مرکزی دینی درسگاہ جامعہ حقانیہ کے نام سے قائم کی جو پاکستان میں سب بڑا مدرسہ ہے اور جنہوں نے فراغت کے بعد تقسیم سے پہلے قیام پاکستان تک یہاں دارالعلوم دیوبند میں پڑھایا۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد اسعد مدنی صاحب مدظلہ اور دارالعلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث (جو آج کل اگرچہ درس نہیں دے سکتے، معذور ہیں مگر شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہیں) کی دستار بندی بھی ہوگی۔ باقی حضرات فضلاء کو کل یعنی ۲۳ مارچ کو جلسہ کے اختتام کے بعد دارالحدیث کے ہال میں دستار فضیلت دی جائیں گی۔

اس کے بعد دستار بندی شروع ہوئی، سب سے پہلے خود حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کی رسم دستار بندی ادا ہوئی، جن کی مسلسل طویل اور انتھک خدمات کے دور میں دارالعلوم دیوبند نے ایک مدرسہ سے عالمی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس کے بعد جانشین شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ، حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ، صدر جمعیتہ العلماء ہند کی دستار بندی کا اعلان ہوا۔ فضلاء دارالعلوم کی کل تعداد میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ کے تلامذہ اور ان سے سند حدیث لینے والوں کی تعداد دو تہائی سے کم نہ ہوگی دیے بھی لاکھوں کروڑوں مسلمان حضرت قدس سرہ کے گرویدہ اور نام لیوا ہیں۔

آج یہ لوگ اپنے شیخ، استاد اور مرشد کے جانشین اور یادگار کی اس پر مسرت اور بابرکت رسم دستار بندی کا منظر دیکھ کر بے تاب ہو رہے تھے۔ اجتماع میں ہلچل مچ گئی، لوگ فرط جذبات سے بے قابو ہو رہے تھے کہ اتنے میں مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ نے مانگ پر آ کر فرمایا کہ یہاں سب اکابر علم و فضل ہیں، مگر اس وقت میرے دو اساتذہ موجود ہیں جن میں سے ایک حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم ہیں (ایک اور بزرگ کا نام لیا جو غالباً دارالعلوم کے موجودہ شیخ الحدیث ہیں، مگر نام سنا نہیں گیا) اور میری دلی خواہش ہے کہ ان حضرات اساتذہ سے میری

دستار بندی کرائی جائے۔

اس وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ شیخ کے شمالی کونے میں پہلی صف میں صوفی پر تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں سہارا دئے ہوئے مانگ تک لے آئے۔ یہ منظر عجیب فرحت انگیز اور رقت آمیز تھا۔ مخدوم زادہ عالم اور ہندوستانی مسلمانوں کے زعمیم کی اپنے استاذ سے متواضعانہ اور مخلصانہ عقیدت قابل دید تھی۔ اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دیگر اکابر اور حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ کی دستار بندی فرمائی۔

اس کے بعد حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے مانگ پر آ کر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی دستار بندی کا اعلان فرمایا اور حضرت کے بارہ میں تحسین و محبت کے زوردار کلمات سے ان کا تعارف کیا اور فرمایا، حضرت مولانا دامت برکاتہم دارالعلوم دیوبند کے ان جید علماء میں سے ہیں، جنہوں نے فراغت کے بعد عرصہ تک دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور تقسیم ہند کے بعد ابدلی تا خواستہ حضرت مولانا کو یہ سلسلہ ترک کرنا پڑا اور تقسیم کے بعد ایک دینی ادارہ جامعہ حقانیہ کے نام سے قائم کر رکھا ہے اور حضرت مولانا وہاں خود کئی ہزار فضلاء کو دستار فضیلت عنایت کر چکے ہیں، مگر ان کی دستار بندی بھی نہیں ہوئی تھی اور اب بحیثیت فاضل دارالعلوم دیوبند ہونے کے ہم ان کی خدمت میں دستار فضیلت پیش کر رہے ہیں، حضرت مدظلہ اس وقت مانگ کے قریب تشریف فرما تھے، مانگ پر آنے کے بعد ان کی دستار بندی ہوئی، دستار بندی کے بعد حضرت مولانا عبدالحق نے دو چار منٹ تک مختصر کلمات بھی ارشاد فرمائے، فرمایا کہ :

”یہ سب ان اکابر کی برکت اور دارالعلوم کا فیض ہے، ہم میں اس کی ہرگز اہلیت نہیں، پورے برصغیر میں دین کی اشاعت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت قاری صاحب مدظلہ اور ان کے اکابر کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ ان اکابر دارالعلوم دیوبند کی کوششوں سے ملک آزاد ہوا اور دارالعلوم برصغیر میں اسلامی بقاء اور اشاعت کا ذریعہ بنا، دارالعلوم دیوبند کو رب العزت مزید ترقیوں سے نوازے۔“

(الحق، اپریل ۱۹۸۰ء)



حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ

بنام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ

(بریکٹ میں وضاحتی نوٹس میں "س" سے مراد مولانا سمیع الحق ہیں)

حضرت استاذی المکرم زید مجد کم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

والا نامہ رمضان شریف میں باعث سرفرازی ہوا تھا۔ حضرت متعنا اللہ بعموم فیوضہ وعافیت سے ہیں۔ (شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ جنہیں دارالعلوم حقانیہ میں قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی گئی تھی۔ س) والا نامہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا تھا، حضرت نے ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ "میں اب بہت ضعیف ہو گیا ہوں اتنے طویل سفر کی طاقت مجھ میں نہیں ہے، مشاغل بھی اس کی اجازت نہیں دیتے، اسی لئے حاضری سے معذور ہوں۔ آپ کے مدرسہ کے احوال سنتا رہتا ہوں اور خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق اور قبولیت سے نوازے۔ ہم سب خدام بخیریت ہیں، آپ حضرات برابر یاد آیا کرتے ہیں۔ دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔"

فقط والسلام

خادم، طالب دعا اسعد غفرلہ (۲/ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ)

حضرت الاستاذ محترم زید مجد کم وعنایا تکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

امید ہے مزاج والا بعافیت ہوگا، میں الحمد للہ بخیریت ہوں اور حج کے بعد جنوبی افریقہ اور اس کے اطراف میں سفر کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ یہاں پر مصر، شام، ترکی، حرمین شریفین، عراق، کویت ہوتے ہوئے

افغانستان ہو کر کابل سے ۴ جولائی کو پشاور اور ۱۰ کو وہاں سے لاہور اور پھر اسی وقت کراچی روانہ ہو جاؤں گا اور ۱۶ جولائی کی صبح ان شاء اللہ کراچی سے دہلی کے لئے روانہ ہو جاؤں گا لیکن یہ پروگرام تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ مجھ کو پاکستان کا ویزہ مل گیا، ورنہ پھر ۲ تا ۱۰ جولائی کو سیدھے کابل سے کراچی ان شاء اللہ ضرور برہر دو شکل اور کراچی سے ۱۶ جولائی کو دہلی کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔

حضرت مولانا (اسیر مالک، تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند۔س) عزیز گل صاحب سے ملاقات کا بہت شوق ہے، اسی لئے پشاور (مولانا صاحب پروگرام تشریف لائے، دارالعلوم حقانیہ کو بھی آمد سے نوازا۔س) اترنا چاہتا ہوں۔ براہ کرم کسی طرح ممکن ہو تو مولانا سید گل بادشاہ صاحب (فاضل دیوبند، خادم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی جمعیت العلماء اسلام کے بانی مہانی اور تاسیسی ارکان اور راہنماؤں میں سے تھے۔ المتوفی ۱۰ جولائی ۱۹۷۳ء۔س) سواڑیاں طور کو بھی مطلع فرما دیں، ممنون ہوں گا اور سلام بھی پہنچائیں۔ مولانا سمیع الحق صاحب اور پرسان احوال حضرات سے سلام مسنون فرما دیں، دعوت صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

فقط والسلام

اسعد غفرلہ (۳ جون ۱۹۶۹ء)

مخدوم و مکرم استاذی المحترم زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

والا نامہ مورخہ ۷ ربیع الاول باعث سرفرازی ہوا۔ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب (برصغیر کے عظیم قائد، مصنف و خطیب، ناظم جمعیت العلماء ہند۔س) کے وصال پر جو کچھ بھی جناب والا نے تحریر فرمایا ہے درست ہے۔ ملی و جماعتی زندگی کے کن کن پہلوؤں میں کتنے کتنے عظیم نقصان ہوئے، ناقابل بیان ہیں۔ ایسے متضاد اوصاف اور مشاغل اور ایسی ذمہ داری و ہمت سے چل سکنے والا جامع شخص بالکل نظر نہیں آتا۔ بس اللہ ہی اپنے فضل سے اب امت مرحومہ کو نعم البدل عطا فرمائے اور بلایا سے بچائے..... ابھی چند ہی دن اس ابتلاء عظیم کو گزرے تھے کہ قطب دوران حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز (دیوبندی سلسلہ طریقت کے اور ایک عظیم باہی و مرشد۔س) اللہ کو پیارے ہو گئے۔ سخت تشویش و اضطراب ہے، مشیت ایزدی کا کیا فیصلہ ہے، اللہ بہتر فرمائے۔

ہم سب بخیریت ہیں، خدا کرے جناب والا بھی مع متعلقین بعافیت ہوں۔ صاحبزادگان اور ساتھیوں اور مدرسین و کارکنان مدرسہ اور تمام پرسان احوال حضرات کو سلام مسنون فرمادیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرما دیں۔ حضرت مولانا فخر الدین صاحب مدظلہ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔س) حضرت مولانا اصغر علی صاحب (مولانا

مدنی مرحوم کے پرائیویٹ سیکرٹری ہیں) حضرت مولانا دامانی صاحب اور ارشد اور اسجد سلمہما کی طرف سے سلام مسنون قبول فرمائیں۔ تعزیت مسنونہ اور ایصالِ ثواب کے لئے اللہ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، ہم سب شکر گزار ہیں۔

فقط والسلام

اسعد غفرلہ، از مدنی منزل دیوبند

ذوالحجہ والکرم مخدوم و مکرم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والا نامہ مورخہ ۱۲ جمادی الاخری باعث سرفرازی و عزت افزائی ہوا۔ الحمد للہ احقر اور دونوں چھوٹے بھائی عزیز ارشد و اسجد سلمہما اور سب گھر والے بعافیت ہیں۔ آپ نے اس روسیہ کو یاد فرمایا، اس کے لئے تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً۔ حضرت مولانا عزیز گل صاحب کو خطوط لکھے، مگر جواب نہ ملے (اس لئے کہ موصوف غالباً اب خود نہیں لکھ سکتے) بالواسطہ مجمل خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔

مولانا سمیع الحق صاحب سے سلام مسنون کے بعد فرمادیں کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کی تحریک پر لکھی ہوئی کتاب (جو کہ کسی عبدالرحمن ہزاروی) یہ ایک پراگندہ حال قسم کا شخص تھا جس نے تحریک ریشمی رومال کے نام سے ادھر ادھر سے مواد جمع کیا اور کتاب کی نسبت مولانا سید حسین احمد مدنی کی طرف کی، دیگر قابل اعتراض امور کے علاوہ اس کتاب میں مولانا عزیز گل کا کاخیل اسیر مالٹا اور بعض دوسرے جان نثار اور مخلص کارکنان تحریک کو ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا، جس کی تردید احقر کے نام مولانا محمد میاں وغیرہ کے قلم سے آئی۔ تفصیل جلد ثانی میں آرہی ہے۔ س) کے دو نسخے جلد مطلوب ہیں۔ احقر مولانا سید حامد میاں کو بھی لکھ چکا ہے۔ بد قسمتی سے اس کا اقتباس یہاں ”شبستان ڈائجسٹ“ میں اور پھر علی گڑھ سے حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کی تحریک پر پی ایچ ڈی کرنے والے کے مقابلے میں بھی۔ اس لئے اب اس کو ناقابل توجہ قرار نہیں دیا جاسکتا اور اس کے اجزاء کی تردید ضروری ہے، اگر یہ کتابیں مولانا حامد میاں صاحب کے پاس لاہور یا حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کے پاس کراچی پہنچانے کے لئے بھیج دی جائیں تو کسی آنے جانے والے کے بدست باسانی آجائیں گی۔ ان شاء اللہ۔

احقر نے دہلی کا قیام یکسر ترک کر کے دیوبند اختیار کر لیا ہے، اگر بسہولت ممکن ہو تو مفتی محمود صاحب (مشہور قائد، زعیم جمعیت علماء اسلام شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان التونی ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۰ء۔ س) اور پرسان احوال حضرات سے سلام مسنون فرمادیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمادیں۔

فقط والسلام

اسعد غفرلہ (مدنی منزل دیوبند) ۷ رجب ۱۳۹۴ھ

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج شریف۔

والا نامہ مع عطیہ سامیہ باعث سرفرازی ہوا۔ کرم فرمائی کے لئے شکر گزار ہوں۔ امانتیں پہنچادیں، سب کی طرف سے شکریہ قبول فرمائیں۔ ہم کو تو آپ حضرات اکابر کی دعواتِ صالحہ کی احتیاج ہے کہ ضعیف ہوتا جا رہا ہوں، اللہ آپ کے درجات کو ترقیات عطا فرمائے۔ مولانا سمیع الحق صاحب اور پرسان احوال حضرات سے سلام فرمادیں، عزیزم مولوی ارشد و رشید الدین سلمہما بخیریت ہیں۔ عزیزم امجد سلمہ کی علالت ہلا کرتی ہے۔ علاج جاری ہے والدہ صاحبہ بھی بخیریت ہیں۔ دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

(مولانا اسعد) صاحب مدظلہ

بقلم محمود احمد مدنی منزل دیوبند

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مودودی جماعت کے افکار و عقائد آپ سے پوشیدہ نہ ہوں گے۔ حضرت اور دوسرے اکابر حضرات کو ان سے جن وجوہ کی بناء پر اختلاف رہا ہے، ان سے بھی آپ ناواقف نہ ہوں گے، لیکن مجھے یہ معلوم ہو کر تعجب ہو کہ آپ کے مدرسہ میں کوئی مدرس (مولانا محمد یوسف مفتی و مدرس دارالعلوم حقانیہ بعد میں الگ کر دیئے گئے۔ س) مودودی جماعت کے فرد ہیں جن کے بارے میں مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اور مولانا گل بادشاہ صاحب صدر جمعیت علماء سرحد آپ کو توجہ دلا چکے ہیں۔ کیا اچھا ہوگا کہ آپ ان کو علیحدہ کر کے اپنے سادہ دل طلبہ کو اس فتنہ سے محفوظ کر لیں، اچھے مدرسین کی کچھ کمی نہیں ہے، آپ توجہ کریں گے تو ان سے بہتر استعداد اور قابلیت کے علماء آپ کو مل جائیں گے۔ میں آج کل بہت مصروف ہوں، اس لئے ان سطور پر اکتفاء کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں، جواب باصواب سے محروم نہ فرمایا جائے گا۔ زیادہ احترامات! دعواتِ صالحہ اور خدمات لائقہ سے فراموش نہ فرمایا جائے۔

فقط والسلام

اسعد غفرلہ (مدنی منزل یکم رجب ۱۳۸۳ھ)

مکاتیب بنام مولانا سمیع الحق مدظلہ

تحریک ریشمی رومال کے بارے میں ایک شرمناک جھوٹ کی تردید

جہادِ حریت و استخلاص کے بارے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی عالمگیر اور بے مثال تحریک ”ریشمی رومال“ سے مشہور ہے۔ لائل پور کے کسی ماؤف دماغ شخص نے کچھ عرصہ قبل اس تحریک کے بارے میں تحریک ریشمی رومال کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں تاریخی واقعات کو ادھر ادھر سے جمع کر کے اپنی کتاب کی نسبت حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ کی طرف کردی اور تحریک کی ناکامی کے اسباب کے ضمن میں تحریک کے بعض ممتاز اور بنیادی کارکنوں کے جذبہٴ اخلاص اور وفاداری پر حقیقت انداز میں دست درازی کی۔ اس بارہ میں حضرت مولانا محمد اسعد مدنی صاحبزادہ حضرت شیخ الاسلام نے اپنی تشریف آوری کے موقع پر مدیر الحق مولانا سمیع الحق کے استفسار کے جواب میں جو تحریری وضاحت فرمائی اسے سوال سمیت من و عن یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔

حضرت محترم مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

جناب عبدالرحمن ہزاروی نامی ایک شخص نے ”تحریک ریشمی رومال“ کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس کی نسبت تصنیف حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی طرف کی گئی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں حضرت شیخ الہند مرحوم کے ایک نہایت ممتاز جان نثار معتمد علیہ اور صاحبِ سر تلمیذ اور تحریک کے سرگرم کارکن اسیر مالٹا مولانا عزیز گل صاحب مدظلہ اور شیخ الہند کے بعض دیگر مخلص رفقاء کے متعلق نہایت بھونڈے طریق سے ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جن سے ان حضرات کے بے لوث قربانی اور بے مثال کردار و شخصیت کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہے اور تاریخی حقائق سے لاعلمی رکھنے والے حضرات غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ یہ کتاب آنجناب کے مطالعہ سے گذری ہے یا نہیں؟ اس قسم کی بے سرو پا باتوں کے بارے میں آپ کا کیا تاثر ہے؟

والسلام

سمیع الحق مدیر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ۱۷ جولائی ۱۹۶۹ء

جواب محترم المقام مدیر ماہنامہ ”الحق“ دام مجد کم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

”تحریک ریشمی رومال“ مرتبہ مولوی عبدالرحمان ہزاروی کی تصنیف کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ کی طرف منسوب کرنا بدترین افترا ہے۔ یہ تصنیف مولوی عبدالرحمان صاحب ہزاروی کی طبع زاد ہے جس میں تاریخی واقعات کو مسخ کر کے انتہائی مکروہ صورت میں پیش کیا گیا ہے اور حضرت شیخ الاسلام کی تصنیفات سے بعض اقتباسات پیش کر کے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ کتاب حضرت قدس سرہ کی تصنیف ہے۔ اس میں خاص طور پر حصہ انتہائی مکروہ افترا ہے جس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے مخلص خادم و جان نثار اور رفیق اسارت اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے مخلص ترین رفیق حضرت مولانا عزیز گل اسیر مالٹا کو ریشمی خطوط کی تحریک میں انگریزوں کا آلہ کار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں مولوی عبدالرحمن ہزاروی کی اس قسم کی تمام افترا پر دازیوں کی پُر زور تردید کرتا ہوں جو انہوں نے حضرت مولانا عزیز گل صاحب کے متعلق اس کتاب میں کی ہیں اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے تعلقات حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہ سے انتہائی یگانگت اور اخلاص کے ساتھ قائم رہے ہیں اور والد محترم کے انہیں تعلقات کے احترام میں انتہائی عدیم الفرستی کے باوجود میں نے ان کی زیارت کی بیس سالہ تمنا کے حصول کے لئے ان کے دیہاتی خام مکان پر حاضر ہونے کی آج ہی سعادت حاصل کی ہے، جہاں وہ اسی درویشانہ اور تہتل کی زندگی گزار رہے ہیں، جو حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے مخلصین کا طرہ امتیاز اور حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہ کی طویل تاریخی زندگی کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت رہی ہے۔

اسعد غفرلہ

۱۷ جولائی ۱۹۶۹ء پشاور

مخدوم و محترم زید مجد کم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

والا نامہ مورخہ ۵ ستمبر کل باعث سرفرازی ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ۔ سفر مدراس میں حضرت (متعنا اللہ بطول حیاتہ وعموم فیوضہ و بصحتہ) کو ضیق النفس (شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کا یہی مرض بلا آخر مرض وفات ثابت ہوا۔ اس) کی سی شکایت ہوگئی، یہاں پہنچ کر ڈاکٹروں کو دکھایا تو انہوں نے

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی

﴿ ۳۲۳ ﴾

ایکسرے وغیرہ کر کے اس کو عارضہ قلب قرار دیا، چنانچہ علاج سے فائدہ بھی ہوا، مگر کئی مرتبہ مرض نے عود کیا، اسی لئے حکیم مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب کو لکھواتے اور پھر ڈاکٹر عبد العلی (لکھنؤ کے معروف حکیم، ڈاکٹر، عالم اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے برادر بزرگ۔ س) کو لکھنؤ سے بلانا پڑا۔ علاج بحمد اللہ و توفیقہ پوری توجہ سے ہو رہا ہے، اب افاقہ بھی بہت ہے۔ ڈاکٹروں نے چلنے پھرنے اور تمام مشاغل سے احتیاطاً اب تک منع کر رکھا ہے، ملاقات وغیرہ کی بھی عام اجازت نہیں ہے، مگر امید ہے کہ دو ایک ہفتے میں پابندیاں نرم ہو جائیں گی۔ دورے جواب بحمد اللہ ہفتہ عشرہ سے نہیں ہوتے پہلے بہت سخت ہوتے تھے، تمام بدن پسینہ ہو جاتا، تنفس بہت ہوتا تھا، قلب میں درد اور سخت بے چینی ہوتی تھی۔ بہر حال دعا کی ضرورت ہے۔ پُرساں حال حضرات سے سلام مسنون فرمادیں۔ دعوات صالحہ سے اس نابکار ناکارہ کو بھی فراموش نہ فرمائیں گے جو حضرات بھی حضرت مد اللہ ظہم کے احوال معلوم کرنا چاہیں، ان کو اطمینان دلائیں کہ اب بحمد اللہ حضرت مد اللہ ظہم بعافیت ہیں۔

فقط والسلام

اسعد غفرلہ (۲۱/صفر ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۷/ستمبر ۱۹۵۷ء)

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

والا نامہ باعث عزت افزائی ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ ویزہ مل جائے مگر نہ ملا، اس وجہ سے حاضری سے مجبور ہوں۔ آپ کا اس قدر فرمانے کا بہت شکر گزار ہوں۔

والسلام

مولانا اسعد بقلم اصغر علی غفرلہ

از دیوبند، ۱۹/ربیع الاول ۱۳۷۸ھ

مخدوم و محترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

مزانج شریف! تعزیت (غالباً مولانا حمید الدین رشیدی صاحب مراد ہیں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند میں شرکت کے لئے آرہے تھے کہ ایک سڈنٹ کے المناک حادثہ میں شہید ہوئے اور کچھ ساتھی زخمی ہوئے۔ مرحوم کی تدفین دیوبند میں ہوئی، صاحب مکتوب کے نہایت قریبی اعزہ میں سے تھے۔ س) اور دعاؤں کے لئے بہت شکر گزار ہوں جزاکم اللہ فی الدین خیراً

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی ----- ﴿ ۳۲۵ ﴾

اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہے کہ صبر فکر کی ہم سب کو توفیق بخشی۔ واقفین پرسان احوال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون فرمادیں، دعوتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ مجروحین (اس حادثہ میں مولانا اسعد مدنی کے فرزند صاحبزادہ محمد کا بھی انتقال ہوا تھا اور ان کی اہلیہ اور خوش دامن بھی زخمی ہوئی تھیں۔ س) کی حالت بہتر ہے، ہسپتال سے ڈسچارج کر دیئے گئے ہیں۔ ابھی علاج جاری رہے گا۔

فقط والسلام

اسعد غفرلہ دیوبند (سہارنپور) ۲۰ دسمبر ۱۹۶۸ء

مخدوم و محترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! مزاج شریف!

عنایت و اظہار ہمدردی و ایصالِ ثواب کے لئے شکر گزار ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ صاحبزادی صاحبہ (میری ہمشیرہ عزیزہ زینب، جن کا بحالتِ زچگی ۲۲، ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۸ء کی درمیانی شب انتقال ہوا، بچی ثمینہ بی بی زندہ رہ گئی۔ س) کے انتقال کی خبر سے افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ درجاتِ عالیہ سے نوازیں اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہم لوگ دعاؤں کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واقفین پرسان احوال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون فرمادیں۔ دعوتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں

فقط والسلام

اسعد غفرلہ، مدنی منزل دیوبند

(سہارنپور) ۲۰ دسمبر ۱۹۶۸ء

مکرمی گرامی قدر زید مجدکم

سلام مسنون ! مزاج گرامی !

میں بجز اللہ بخیریت دہلی پہنچ گیا ہوں۔ آپ حضرات (مولانا مدظلہ نے یہاں سے واپسی کے بعد یہ مکتوب تشکر لکھا۔ س) نے جس اخلاص و محبت کے ساتھ کرم فرمائی کی اس کے لئے انتہائی ممنون و مشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے آپ حضرات سے نیاز حاصل کرنے اور روابط کی تجدید کا موقع مرحمت فرمادیا۔ فالحمد لله علی ذالک۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس ملاقات کو طرفین کے لئے باعث خیر و فلاح دارین فرمائے اور اپنی مرضیات

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی" ----- ﴿ ۳۲۶ ﴾

سے نوازے۔ تمام پرسان احوال حضرات سے سلام مسنون فرمادیں۔ دعوات صالحہ سے اس نابکار کو فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

اسعد غفرلہ (۲۳ مارچ ۱۹۶۹ء)

مخدومی و محترمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

مزاج گرامی ! والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، اور یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں۔ ان شاء اللہ آئندہ پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ مدرسہ دارالعلوم میں مولانا معراج الحق صاحب (بعد میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ س) نائب مہتمم کی بے جا سختیاں اور ذمہ داران کی جانب داری سے لوگوں میں بے چینی پہلے سے ہی تھی جس کے نتیجے میں یہ صورتحال پیش آئی، پولیس کے ذریعے سے خالی کرایا گیا، ۳۵ طلباء کا اخراج عمل میں آیا، مشتبہین کی ایک طویل فہرست مرتب ہو چکی ہے۔ اللہ فضل فرمائے، مدرسہ کھل گیا ہے، تعلیم شروع ہو چکی ہے۔ دعا فرمائیں، دامانی صاحب (مولانا عبدالحق دامانی خادم خاص حضرت مدنی خانقاہ مدنی دیوبند کے لئے اپنی زندگی وقف کی۔ س) ارشد (مولانا محمد ارشد، مولانا محمد اسجد، حضرت مدنی کے صاحبزادگان۔ س) اسجد وغیرہ سلام عرض کرتے ہیں اور دعا کی درخواست۔ واقفین پرسان احوال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون فرمائیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

فقط والسلام

اسعد (مدنی منزل دیوبند، ۴ ستمبر ۱۹۶۹ء)

۵/۱۳۹۲ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۹۷۳ء

محترم مولانا زاد اللہ لطفکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

مزاج گرامی، ریشمی رومال کی تحریک کے سلسلے میں یہ حاصل شدہ مضامین وغیرہ کا ایک حصہ ہے، جس کا عنوان ہے کون کیا ہے؟ اس میں غالباً ایک سو بیس حضرات کے اسماء گرامی ہیں ہر ایک کے متعلق سی آئی ڈی کا نوٹ ہے۔ حضرت مولانا عزیز گل صاحب کے متعلق جو نوٹ ہے اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس حصہ کی کتابت ہو رہی ہے۔ باقی حصہ کی کتابت ایک اور صاحب فرما رہے ہیں۔ خدا جلد کتاب کی تصحیح کے مراحل طے کرادے تو طباعت کی نوبت آئے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق بخشے۔ مزاج گرامی بعافیت ہوں۔

والسلام محمد اسعد

برادر م مولانا سمیع الحق صاحب زید مجد کم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں۔ رمضان کے بعد الحق کا کوئی پرچہ نہیں ملا۔ اغلب خیال یہ ہے کہ میری سرد مہری سے تنگ آ کر آپ نے پرچہ نہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ واقعی بات یہ ہے کہ اپنی اس کوتاہی پر نادم ہوں۔ خط لکھنے میں یقیناً کوتاہی ہی ہوں، جواب میں اس سے زیادہ کوتاہ اور کاہل واقع ہوا ہوں۔ اس پرچہ کو دیکھ کر آپ حضرات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ میرے خیال میں آپ کی مخلصانہ محبت اور بے غرض تعلق کی راہ میں میری نااہلی حائل نہ ہوئی ہوگی، مجھے توقع ہے کہ آپ ضرور راقم الحروف کے نام برابر ”الحق“ روانہ فرماتے رہیں گے۔

اب تو ہندوستان کے سفر کی کافی سہولتیں ہیں۔ خدا جانے کیوں ہو گیا ہے دیوبند میں اکابر نہ سہی مگر قبرستان قاسمی تو ان کی پر انوار قبروں سے تو آباد ہے سکون دل اور تازگی روح کیلئے کسی عاشق مسکین کے بھیس میں آئے اور پھر یہاں کے ذرہ ذرہ کے انوار و تجلیات کا مطالعہ فرمائیے۔ والد محترم کی خدمت بابرکت میں اس فقیر کا سلام نیاز پیش فرمادیں اور دعا کی درخواست بھی۔ آپ سے بھی یہی درخواست ہے۔

امید ہے کہ فراموش نہ فرمائیں گے۔ احباب سے بھی سلام فرمادیں۔ آپ کے ایک ساتھی امر وہبہ (عزیزم شفیق الدین فاروقی مراد ہیں جن کے بزرگوں کا تعلق شہر امر وہبہ سے تھا) کے آج کل بانڈہ میں اگر ہوں تو سلام فرما دیں۔

والسلام

اسعد غفرلہ مراد آباد

فتنہ انکارِ حدیث

تعارف و تعاقب مذموم مقاصد و اردات
اور اعتراضات کے مکمل جوابات

تصنیف ! حضرت مولانا محمد زمان صاحب کلاچوی پیش لفظ ! مولانا عبدالقیوم حقانی

صفحات : 68 قیمت : 35 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، نوشہرہ سرحد پاکستان

تحریر! مولانا سید اسعد مدنی

تحریک ریشمی رومال اور اس میں کون کیا تھا؟ مولانا عزیز گل اسیر مالٹا کا مثالی کردار

دستاویزی ریکارڈ کا پیش لفظ

حضرت شیخ الہند کی عالمگیر تحریک آزادی کے بارہ میں انڈیا آفس لائبریری لندن میں حکومت ہند اور سی آئی ڈی کی کارگزاریوں پر مشتمل محفوظ ریکارڈ کو پچھلے دنوں برصغیر کے مشہور مؤرخ مولانا سید محمد میاں دہلوی مرحوم کی تنقیح و ترتیب اور مبسوط مقدمہ کے ساتھ ”تحریک شیخ الہند“ میں کون کیا تھا؟ کے نام سے بھارت میں شائع کیا گیا، کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس وقت کے انڈین صدر جناب فخر الدین علی احمد نے ایوان صدارت میں سینکڑوں منتخب مدعوین (جس میں وزیر اعظم اور دیگر عمائدین بھی شامل تھے) کے ساتھ اس عظیم الشان دستاویزی کتاب کا افتتاح کیا اور ملک بھر کے ذرائع ابلاغ نے اس تقریب کے ضمن میں علمائے دیوبند کے جہاد آزادی کے اس سنہرے باب ”ریشمی رومال“ کی تشہیر کی اس کتاب کا پیش لفظ تحریک شیخ الہند کے اولوالعزم مجاہد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مرحوم کے فرزند رشید مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلماء ہند نے لکھا ہے اور بڑی مسرت کی بات ہے کہ یہ پوری کتاب نہایت آب و تاب سے چھپ گئی ہے۔ امیر الہند مولانا محمد اسعد مدنی کا پیش لفظ ہدیہ قارئین ہے (سبح الحق ایڈیٹر الحق)

سیدنا مولانا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز جن کی تحریک پیش نظر کتاب کا موضوع ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کے وہ تلمیذ رشید تھے جو صرف حلقہ درس میں شریک نہیں رہے، بلکہ ایک فرزند رشید کی طرح عنفوان شباب ہی سے آپ کے جذبات و رجحانات کی تربیت بھی حضرت حجۃ الاسلام کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔ ابھی عمر عزیز کے ۱۷ یا ۱۸ مرحلے طے ہوئے ہوں گے۔ ابھی حضرت نانوتوی نے دیوبند کو اپنا مستقر بھی نہیں بنایا تھا۔ آپ کا قیام میرٹھ یا دہلی میں رہتا تھا کہ ”شیخ الہند“ خطاب پانے والا نو نہال، حجۃ الاسلام کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ اس وابستگی نے گرویدگی کی صورت اختیار کر لی،

یہی گرویدگی تھی کہ آپ نہ صرف حضر میں بلکہ سفر میں بھی حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ رہتے، اور جانفشانہ خدمت سے جذبہٴ راحت رسائی کے اضطراب کو تسکین بخشتے۔

یہ حجۃ الاسلام وہی مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے جو چند سال پہلے ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء میں یورپ کے خوانچہ فروش دغا بازوں سے نبرد آزما تھے، جو اب اپنے مکر و فریب اور عہد شکنیوں سے جابر حکمران اور ستمگر فرمانروا بن گئے تھے۔ نبرد آزمائی کا نتیجہ شکست ہوا، مگر اس شکست نے صرف اسلحہ کو کند کر دیا تھا۔ جذبات کو افسردہ نہیں کر سکی تھی بلکہ زیرِ خاکستر چنگاریوں کی طرح ان کی تپش تیز ہو گئی تھی اور طوفانی انقلاب کے لئے ان کی حرارت اور بڑھ گئی تھی۔ تلمیذ رشید و سعید مولانا محمود حسن کا سینہ حضرت استاد کے فیوض و افادات کا گنجینہ تھا۔ ان جذبات کا پرتو اس پر پڑا تو وہ آتشیں شیشہ بن گیا، جو ہر اس آگینہ کو سوزش و تپش کا تحفہ دینے لگا، جس میں عزتِ نفس، خودداری، خود اعتمادی اور استقلال و حریت کی جھلک ہوتی۔ غیرت ملی اور حمایتِ وطن کی حرارت اس کے گوشہٴ جگر میں ہوتی، گویا اس کی صدا یہ ہو گئی تھی ع "من قاش فروش دل صد پارہ خویش ام"

یہ قاش فروش کب شروع ہوئی اور اپنے نصب العین کی شمع سے دلوں کے چراغ دانوں کو منور کرنے کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی۔ اس کا کوئی سن و سال بتانا مشکل ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ شیخ الہند کے آتشیں شیشہ نے جب حجۃ الاسلام کے آفتاب سے شعاعیں یعنی شروع کیں، تب ہی سے ان کی کرنوں کی تقسیم کا سلسلہ شروع کر دیا، یہ کرنیں کہاں کہاں پہنچیں اور کن کن حلقوں نے ان کرنوں کو سمیٹا اور کون کون سے حلقے ان کی تپش سے آتشدان بن گئے، ان کی نشاندہی مشکل ہے۔ صرف ایک حلقہ نمایاں ہوا یہ یاغستان کا حلقہ تھا۔

یاغستان یعنی آزاد قبائل میں کام کب سے ہو رہا تھا، ہمارے پاس اس کا بھی صحیح جواب نہیں ہے۔ البتہ مولانا عبید اللہ سندھی جب ۱۹۱۵ء میں وہاں پہنچے تو پچاس سالہ کوششوں کا منتشر ثمرہ ان کے سامنے تھا جس کو منظم کرنے کے لئے مولانا سندھی کو وہاں بھیجا گیا تھا۔

اگر ان کوششوں کی عمر پچاس سال تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام کے آخری دور اور حضرت شیخ الہند کے عہد شباب سے وہاں کام ہو رہا تھا۔

اس علاقہ میں حضرت سید احمد شہید کی تحریک کو جو حادثہٴ عظیم پیش آیا تھا، جس نے گویا تحریک کو بے جان کر دیا تھا، وہ یاغستان کے متعلق اچھی رائے قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا، مگر بقول حضرت شیخ الاسلام یہاں کے نوجوانوں میں فوجی صلاحیت تھی۔ جذبہٴ جہاد بھی تھا۔ (نقشِ حیات ص ۲۰۹) یہ مقابلہ و مقاتلہ کے عادی تھے اور ان میں حبِ وطن، خودداری اور خود اعتمادی کا وہ جوہر تھا جس نے ان کو ہمیشہ انگریز کے مقابلہ میں صف بستہ رکھا، یہی جذبہ

تھا جس کی بناء پر یہ ہمیشہ انگریز کی غلامی کے لئے گردن جھکانے کے بجائے گردنیں کٹوانے کو پسند کرتے رہے۔
تحریک شیخ الہند کے سلسلہ میں ان کی یہ خوبیاں نمایاں ہوئیں، اگر انگریزی فوجیں ان کی حدود میں داخل ہو گئیں تو ان کا مقابلہ اس شدت و قوت سے کیا کہ ان کی پلٹنیں کی پلٹنیں صاف کر دیں اور یہاں تک پسپا کیا کہ ان کو اپنی چھاؤنیوں میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ (ایضاً ص ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲) پھر ایک دفعہ ہی یہ صورت نہیں ہوئی بلکہ مسلسل یہ ہوتا رہا کہ مقابلہ کرتے اور جب رسد ختم ہو جاتی تو اپنے گاؤں میں جا کر رسد لاتے پھر جہاد کرتے۔ (ایضاً ص ۲۱۲، ۲۱۳) بے شک کامیابی میسر نہیں آئی مگر ان کی پہلو تہی یا بے وفائی کی بناء پر نہیں بلکہ بین الاقوامی حالات نے جس طرح جرمنی اور ترکوں کو لاچار کر دیا، حتیٰ کہ ان کی سلطنتیں ختم ہو گئیں اور ان کے ممالک کے حصے بخرے ہو گئے۔ ان ہی حالات نے ان مجاہدوں کو بھی کامیابی سے محروم کر دیا جو ایسی حالت میں میدان میں آ گئے تھے کہ ان کو پوری طرح تیار ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔

بہر حال اس علاقہ میں ایک عرصہ سے کام ہو رہا تھا، مگر کام کی نوعیت کیا تھی اور کس جگہ کس کی سرکردگی میں کام ہو رہا تھا، اس کی تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا۔ مولانا غلام رسول صاحب مہر کی تحقیق یہ ہے کہ کام کی ابتداء مکاتب سے ہوتی تھی۔ (سرگذشت مجاہدین ص ۵۵۳) لیکن مکتب کو کس طرح تحریک کا مرکز بنایا جاتا تھا اور یہ مکتب کہاں کہاں تھے یہ سب پردہ خفا میں ہیں۔

والد محترم حضرت شیخ الاسلام کی تمنا تھی کہ وہ اس علاقہ کا دورہ فرمائیں اور تمام تفصیلات فراہم کریں اور ان سے رابطہ قائم کریں مگر افسوس اس کا موقعہ نہیں مل سکا۔

ہم شکر گزار ہیں جناب مولانا موسیٰ بھائی کرناڈی، طارق جلال صاحب اور ان کے مخلص احباب کے کہ ان کے ذریعہ اس تحریک کے متعلق حکومت ہند اور سی آئی ڈی کی کارگزاریوں کے اس ریکارڈ کا فلم میسر آ گیا جو انڈیا آفس لندن میں محفوظ تھا۔

اس ریکارڈ سے ریشمی خطوط سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں، کچھ افراد کی جدوجہد کا بھی علم ہوتا ہے مگر حضرت شیخ الہند کی پوری تحریک کے متعلق پوری معلومات میسر نہیں آتیں۔ بنیادی غلطی یہ ہے کہ سی آئی ڈی نے بانی تحریک مولانا عبید اللہ سندھی کو اور مولانا ابوالکلام آزاد کو قرار دیا ہے۔ سی آئی ڈی کی نظر میں حضرت شیخ الہند بانی تحریک نہیں تھے بلکہ مولانا سندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کو متاثر کیا تھا اور آلہ کار بنا لیا تھا۔ سی آئی ڈی نے اپنے اس یقین کی بنیاد پر جو کچھ فراہم کیا، وہ ان بزرگوں کے متعلق تو کافی قرار دیا جاسکتا ہے، مگر اس کو حضرت شیخ الہند کی پوری تحریک کا مرقع نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ جب حضرت شیخ الہند کے حریم تقدس تک اس کے نظر و فکر کی رسائی

ہی نہیں ہوئی تو تحریک کے اصل کارپردازوں اور ان کی کارگزاری کا صحیح علم تو کیا ہوتا، ان کا وہم بھی نہیں ہو سکا۔ دس بارہ سال کا عرصہ ہوا، دہلی میں جامع مسجد کے علاقہ میں بم پھینکنے کا سلسلہ چلا، غالباً ایک سال تک چلتا رہا۔ دو تین مہینے کے بعد بم پھینک دیا جاتا تھا، یہ کیا سازش تھی اور اس کے سرغنہ کون تھے؟ سی آئی ڈی اس کا سراغ لگانے میں ناکام رہی۔ بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے دماغ پر پاکستان کا ہوا مسلط رہا اور وہ اس کو پاکستانیوں کی حرکت سمجھتی رہی اور جو اس کے دائیں بائیں اسی دہلی کے باشندے ہوں گے۔ ممکن ہے وہ پاکستان کے دشمن اور اکھنڈ بھارت کے حامی ہوں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے ہم مشرب اور ہم پیشہ ہوں، ان کی طرف وہم و گمان بھی نہیں کیا گیا۔ اسی طرح کی صورت حضرت شیخ الہند کی تحریک کے سلسلہ میں بھی ہے، جس کو سی آئی ڈی ریشمی خطوط سازش کیس کہتی ہے۔

بہر حال اس ریکارڈ سے یہ حقیقت تو واضح اور ناقابل تردید ہو گئی کہ موجودہ آزادی کو جس جدوجہد کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے، ایک جماعت ایسی تھی جو اس سے پہلے سے یہ جدوجہد کر رہی تھی اور اس نے جہادِ حریت کے لئے، اپنے آپ کو اس وقت وقف کر دیا تھا، جبکہ ”انڈین نیشنل کانگریس“ نے مکمل آزادی تو درکنار ”ہوم رول“ اور ”ڈومین ایشیئنس“ کا نام بھی نہیں لیا تھا بلکہ حکومتِ وقت کی رضا جوئی میں مشغول تھی اور عام فضا یہ تھی کہ سروں اور خان بہادروں کا موسم بہا رہا تھا، اس وقت اس جماعت نے مکمل آزادی کے لئے جان کی بازی لگادی تھی۔ ”اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے“۔ (آمین)

اس جماعت کے ارکان کی مدح و ستائش کی سفارش کرنا ان سطور کا موضوع نہیں ہے جو پیش لفظ کے طور پر لکھی جا رہی ہیں، نہ ان میں اس کی گنجائش ہے، البتہ اس جماعت کے ایک رکن مولانا عزیز گل صاحب کے متعلق چند کلمات لکھنے ضروری ہیں :

پاکستان میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے، بنام ”تحریک ریشمی رومال مولانا حسین احمد“ کتاب کے مصنف ہیں مولانا عبدالرحمن، اس کتاب میں مولانا عبدالرحمن نے یہ گل افشانی کی ہے کہ مولانا عزیز گل صاحب جاسوسی کیا کرتے تھے۔

اس نفرت انگیز الزام کے ثبوت کے لئے صرف ایک غیر مستند بیان پیش کیا ہے۔ باقی خود ساختہ قرائن درج فرمائے ہیں۔ کتاب کی تحریر کا ایسا انداز ہے کہ گویا حضرت والد صاحب (حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب) نے خاص مجلسوں میں سربستہ راز ظاہر فرمائے تھے اور عبدالرحمن صاحب نے ان کو قلمبند فرمایا تھا۔

میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں جو تحریر کے انداز سے پیدا ہوئی ہے۔ واقعہ یہ

ہے کہ حضرت والد صاحب کو نہ اتنی فرصت ملتی تھی اور نہ یہ عادت تھی کہ طلباء کے ساتھ خاص مجالس کریں، وہ چشمہ رفیع اور علم کے دریا تھے، حلقہ درس میں یہ دریا موجزن ہوتا تھا، تشنگانِ علوم وہیں سیراب ہوتے تھے، طلبہ کو دعوت دینے مجلس جمانا یہ ان کا طریقہ نہیں تھا۔ عبدالرحمن صاحب کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ باوزن تو کیا ہوتے ایسے نہیں ہیں کہ کسی سنجیدہ مجلس میں ان کا تذکرہ کیا جائے، ان کا نام بھی ”رسوائے زمانہ“ جیسے توہین آمیز خطاب کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

طلبہ کے حلقہ میں بہت سی باتیں پھیلتی ہیں جو اکثر خود ساختہ ہوتی ہیں جن سے گرمی مجلس کا کام لیا جاتا ہے۔ عبدالرحمن صاحب نے انہی ہفتوات کو جمع کر کے جاذب توجہ نام رکھ دیا ہے۔ ”تحریک ریشمی رومال“۔ بہر حال نہ مولوی عبدالرحمن صاحب کی شخصیت قابلِ اعتنا ہے، نہ وہ قرآنِ قابلِ التفات ہیں، جن مولوی عبدالرحمن نے اس الزام کی بنیاد رکھی ہے مگر تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ ایک صاحب جنہوں نے حضرت الہند پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے، جس پر ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی ہے، انہوں نے تقریباً دو صفحے اس ہفتوات کو نقل کرنے میں رنگے ہیں اور ان قرآن کے متعلق فرمایا ہے، ”محلِ غور“ ہیں۔

غالباً مقالہ نگار صاحب کے نزدیک تحقیق کے معنی یہی ہیں کہ متضاد قسم کے رطب دیا بس جمع کر کے طرف سے محققانہ فیصلہ کرنے کے بجائے بار تحقیق پڑھنے والوں پر ڈال دیں اور فریضہ غور و فکر اپنے بجائے ناظرین کے ذمہ کر دیں۔

مولوی عبدالرحمن صاحب کے پیش کردہ قرآن میں سب سے قوی قرینہ یہ ہے کہ مولانا عزیز گل صاحب نے اخیر میں ایک میم سے شادی کر لی تھی۔ آپ فرماتے ہیں ”کیا حضرت شیخ الہند کے مسلک کا فدائی انگریز رشتہ کر سکتا ہے“۔

اس قرینہ کا ایک جزو یہ ہے کہ کیا ایک مولوی کی مولویانہ آمدنی سے ایک میم کا تمدن پورا ہو سکتا ہے مولوی عبدالرحمن یہ قرینہ پیش کر رہے ہیں اور مقالہ نگار صاحب اس کو نقل کر رہے ہیں اور محقق مقالہ نگار صاحب کو یاد نہیں رہا کہ انہوں نے خود اس محققانہ مقالہ میں درج کر دیا ہے کہ یہ نکاح مولانا عزیز گل صاحب کی خواہش پر نہیں بلکہ خود میم صاحبہ کی خواہش پر ہوا تھا۔ (شیخ الہند مولانا محمود حسن از اقبال حسن خان ص ۴۰۳)

یہ میم صاحبہ نکاح کے بعد رڑکی، پھر دیوبند میں بھی کئی سال تک رہیں، کہا جاتا تھا کہ ان کا تعلق لندن۔ معزز خاندان سے تھا۔ ذی علم اور صاحب مطالعہ تھیں، بیوہ تھیں، ان کے پہلے شوہر ہندوستان میں اونچے عہدوں پر رہے تھے لیکن جب اسلام سے مشرف ہوئیں تو زہدانہ زندگی اختیار کر لی۔ یورپین تمدن کے بجائے دیوبند اور رڑکی

تصباتی تمدن اپنایا۔ شدت سے پردہ کی پابند ہو گئیں، صوم و صلوة، اوراد و وظائف اور تلاوت قرآن کریم ان کا اقلہ تھا۔ تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ قرآن پاک کا ترجمہ بھی انگریزی میں لکھا، مگر افسوس طباعت کا انتظام نہیں ہو سکا۔ ایسی خاتون کے متعلق بدظنی گناہِ عظیم اور کسی خود ساختہ قرینہ کے لئے ایسی واجب الاحترام خاتون کا نام "لا تنابزوا باللقاب" کے تحت حرام ہے۔

مولوی عبدالرحمن کے سامنے کوئی خیالی عزیز گل ہیں جن کی زندگی بلند پایہ دولت مند کی سی رہی، کیونکہ شیخ رُکے رفیق اسیر مالٹا عزیز گل جن کا تعلق والد صاحب سے برادرانہ تھا اور بڑے بھائی کی طرح حضرت بھی ان پر انت فرماتے اور ضرورت کے وقت تکفل بھی فرماتے تھے۔ ان کی زندگی تو ہمیشہ مولویانہ بلکہ طالب علمانہ رہی۔ بہت سادہ بے تکلف حضرت شیخ الہند کی نشست گاہ میں رہا کرتے تھے، پھر مسجد یا مدرسہ کے حجرہ یا کرایہ کے مکان زندگی بسر کی، کوٹھی یا پختہ مکان تو کیا اپنے لئے جھونپڑی بھی نہیں بنائی۔

مالٹا سے پہلے حضرت شیخ الہند کے خادم خاص تھے۔ واپس ہوئے تو زمانہ تحریک میں خلافت کمیٹی دیوبند صدر رہے، کچھ معمولی سی تجارت بھی کرتے رہے، تنہا تھے، کسی کا خرچ ان کے ذمہ نہیں تھا، ایک دفعہ لکڑیوں کی بھی کرلی، اسی میں اپنا اثاثہ ختم کر دیا تو حضرت والد صاحب نے رڑکی کے مدرسہ رحمانیہ میں تقرر کرادیا۔ عرصہ اسی مدرسہ کے صدر مدرس رہے، اسی زمانہ میں میم صاحبہ کی مجتہسانہ نظر نے آپ کو زوجیت کے لئے منتخب کر لیا، سال بعد آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ نکاح کا زمانہ ۱۹۴۰ء کے قریب کا ہے جبکہ حضرت شیخ الہند کی تحریک کا زمانہ جس میں ہوسکتی تھی، اس سے تقریباً پچیس سال پہلے یعنی ۱۹۱۴-۱۵ء کا تھا۔

قرائن کے سلسلہ میں مولوی عبدالرحمن صاحب نے دو مجلسوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کی گفتگو کی خبر حکومت کوئی اور آپ کا خیال یہ ہے کہ شرکاء مجلس میں صرف مولانا عزیز گل صاحب ہی ایسے تھے جن کے ذریعہ خبر پہنچ سکتی تھی۔ اس لیے یہ ہے کہ جن کاروائیوں میں مولانا عزیز گل صاحب نہیں تھے اور حکومت کے پاس ان کا بھی ریکارڈ تھا، ان کی کس نے پہنچائی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی عبدالرحمن کو کسی وجہ سے ذاتی طور پر حضرت مولانا عزیز گل صاحب سے پر خاش ہے، اسی لئے وہ توہمات کو قرائن دے رہے ہیں اور اس میں خود اپنی ناتجربہ کاری اور ناواقفیت کی دلیل بھی پیش کر رہے ہیں، خبر پہنچانے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مجلس کا کوئی شریک ہی خبر پہنچائے۔ شرکاء مجلس کے دوسرے لوگوں سے بھی ذاتی تعلقات اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ وہ ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ قابل اعتماد

نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے کوئی جملہ بے احتیاطی اور بے خیالی میں نکل گیا تو وہ اسی کی خبر بنا کر جہاں چاہتے ہیں، پہنچا دیتے ہیں، ہر بڑے شخص کے ساتھ ایسے لوگ لگے رہتے ہیں۔ مولانا عزیز گل صاحب کا ماحول بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوگا۔ اس الزام کو مولانا عزیز گل صاحب کے سر تھوپنا عناد اور کینہ پروری کی دلیل ہے۔

جن صاحب کے بیان کو مولوی عبدالرحمن صاحب نے شہادت میں پیش کیا ہے، اول تو خود ان کی شخصیت غیر معروف ہے، پھر وہ ایسے شخص کی روایت پیش فرما رہے ہیں جو مولانا عزیز گل صاحب کو پہچانتا نہیں تھا۔ صرف اس بناء پر وہ ایک شخص کو عزیز گل قرار دے رہا ہے کہ وہ پشتو بولتا تھا، گویا ہر پشتو بولنے والا عزیز گل، بہر حال عبدالرحمن کوئی سنجیدہ اور قابلِ اعتنا شخص نہیں ہے کہ ان کی باتوں کا خیال کیا جائے، تعجب ہے کہ مقالہ نگار صاحب نے ان ہفتوات کو اہمیت دی اور حضرت والد صاحب نے جس طرح مولانا عزیز گل صاحب کی توثیق کی ہے اور ان کی فداکارانہ خدمات بیان کی ہیں، ان کو اپنے مقالہ میں دو جگہ ص ۳۵۲، اور ص ۴۰۲ پر نقل کیا مگر ان پر اعتماد نہیں کیا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس تحریک کے متعلق سی آئی ڈی کاریکارڈ سامنے آیا تو اس میں بھی وہی ہے حضرت والد صاحب نے نقشِ حیات میں تحریر فرمایا ہے۔ پورے ریکارڈ کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ اسی کے پیش لفظ کے طور پر یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ اس کے دوسرے حصہ میں ”کون کیا ہے؟“ کے تحت میں نمبر ۶۹ ملاحظہ فرمائیے۔ بقول مولانا عبدالرحمن صاحب، حضرت مولانا عزیز گل صاحب جن کے لئے جاسوسی کیا کرتے تھے لکھ رہے ہیں :

”جب سے وہ دیوبند میں تھا تب سے مولانا محمود حسن کا پکا مرید ہو گیا تھا۔ بڑا اہم سازشی ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا، جنہوں نے ہمیشہ مولانا کو اُکسایا کہ جہاد کے لئے ہجرت کر جائیں۔“

پورا بیان تقریباً ایک صفحہ میں ہے۔ اوراق پلٹیے اور پورا بیان ملاحظہ فرمائیے، کہیں کسی فقرہ سے بھی اشارہ اس الزام کا ملتا ہے جو اس ناخدا ترس عبدالرحمن نے مولانا عزیز گل صاحب پر لگایا ہے اور جس کو محقق مقالہ نے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر اپنے مقالہ میں سجایا ہے۔

پیش لفظ طویل ہو گیا، مگر حضرت مولانا عزیز گل صاحب کے تقدس اور ان کے اس احترام نے جو حضرت شیخ الہند کے متوسلین کے دلوں میں ہے، اس ناکارہ کو اس طوالت پر مجبور کیا تا کہ ایک پاکباز کے دامن سے یہ ناپاک دھبہ دور ہو۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا سلیم بہادر ملک انوی
رکن القاسم اکیڈمی

حضرت امیر الہند اور دارالعلوم حقانیہ

آخری مغل بادشاہ ظفر مرحوم کی سلطنت کا ٹھنڈا چراغ جب گل ہو گیا اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بھی مسلمانوں کی شوکت و قوت کی آخری بجلی ثابت ہوئی اور شکست و ریخت سے دوچار ہوئی تو ملت کے پاسبانوں اور محافظوں (بانیانِ دارالعلوم دیوبند) نے اب بھی ہمت نہ ہاری۔ ملتِ اسلامیہ کے بقا اور تحفظ کا ایک اور کامیاب راستہ اختیار کیا اور الحمد للہ ثم الحمد للہ متحدہ برصغیر کو دوسرا اسپین و اندلس ہونے سے بچالیا، جہاں بقول مفکر مشرق اقبال مرحوم سوائے جامع قرطبہ کے مسلمانوں کی عظمت و شوکت کا کوئی اور نشان باقی نہیں ہے۔

لیکن برصغیر کا معاملہ بالکل جدا اور ممتاز ہے۔ باستثناء حرم مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفاً تمام عالمِ اسلام کے مقابلہ میں یہاں اسلام حیات تازہ رکھتا ہے۔ یہ سب انہیں چند نفوسِ قدسیہ کی سعی مشکور ہے، جنہوں نے دیوبند میں انار کے درخت کے سایہ تلے شجر اسلام کا بیج بویا تھا جو آج تناور ہی نہیں بلکہ اس کی بادِ بہاری سے تمام عالمِ اسلام مہک رہا ہے۔ اس چمنستانِ علم و ادب سے جو پہلا شجرہ طوبی تیار ہوا، اسے شیخ الہند محمود حسن دیوبندی کہا جاتا ہے، پھر تو ایک تسلسل ہے بلکہ ایک سلسلۃ الذہب ہے جس کی سنہری کڑیوں میں مفسرِ حقانوی، حکمتِ قاسمی کے شارح شبیر احمد عثمانی، عنوانِ شرح حدیث الشاہ انور لکشمیری اور تواضع، عاجزی اور انکساری کے مجسم پیکر اور جہدِ مسلسل کی لائانی مثال حسین احمد مدنی ہیں، تو ان کی خاکِ پا کے آس پاس جنت کے مزے لوٹنے والی ایک شخصیت امیر الہند سید اسعد مدنی بھی ہیں، جنہوں نے نصف صدی تک ملتِ اسلامیہ ہند کی ڈوبتی اور ڈولتی ناؤ کو سنبھالے رکھا اور طالع آزماؤں سے بچے آزماتا رہا اور کامیابی سے ہمکنار ہوتا رہا۔

حضرت موصوف کے پاکستان میں اسلامی علوم کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور اس کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے گہرے روابط و مراسم تھے، اور ایسا کیوں نہ ہوتا! حضرت امیر الہند سید اسعد مدنی کو حضرت شیخ الحدیث سے رشتہ تلمذ حاصل تھا۔ حضرت امیر الہند حضرت شیخ کے اپنے استاذ ہونے کے ناطے غایت درجہ احترام فرماتے اور حضرت شیخ الحدیث کو حضرت امیر الہند مدنی کو استاذ زادہ

ہونے کے ناطے پورا اعزاز دیتے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو کہ اپنے استاذ زادہ کے آگے دوزانو ہو کر بیٹھتے.....

یہ بھی کیا منظر ہے بڑھتے ہیں نہ ہٹتے ہیں قدم

تک رہا ہوں دور سے منزل کو میں منزل مجھے

حضرت امیر الہند پاکستان تشریف آوری پر دارالعلوم حقانیہ ضرور تشریف لاتے اور قدوم میمنت لزوم

سے نوازتے اور اہل دارالعلوم حضرت امیر الہند کے استقبال و اعزاز کے لئے دیدہ و دل فرس راہ کرتے۔

مولانا سید نصیب علی شاہ صاحب ایم این اے ایک مجلس کا نقشہ یوں پیش کرتے ہیں :

مجلس کا عجیب منظر تھا، آپ (امیر الہند) اپنے مشفق استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے ساتھ

بیٹھے فرط ادب سے بچھے جارہے تھے اور شیخ الحدیث نے مرشد زادہ مخدوم کے ہاتھ چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کی

کوشش کر رہے تھے۔ (الحق)

شاید لقمان فارس شیخ سعدی ایسے موقع کے لئے کہہ گئے.....

کہ نہ تنہا منم ربودہ عشق ہر گلے بلبلے غزل خواں داشت

دارالعلوم حقانیہ کے درو دیوار اور اس کی عطر بیز فضا گواہ ہے کہ ایسی مختصر و طویل کئی مجالس قائم ہوئیں اور

استاذ و شاگرد اور خادم و مخدوم زادہ مل بیٹھے تو ہر محفل و مجلس کو مختصر ترین گردانا گیا۔ امیر مینائی مرحوم کی زبان میں.....

شب وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو

کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا

حضرت امیر الہند جب رخصت ہونے لگتے تو یہ منظر بھی دیدنی ہوتا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق

صاحب اپنی نمناک آنکھوں سے اپنے مخدوم زادہ گرامی کو رخصت کرتے اور بزبان حال یوں گویا ہوتے.....

دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست

تانہ پنداری کہ تنہا می روی !

اس تعلق و باہمی محبت در و دل اور علمی و روحانی دولت کے باہمی اشتراک و تقسیم اور حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم کی میراث علم کو اپنے شیخ کے چمنستان کے بلبلوں اور ارضیاف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنوں کو بھرنے کے

لئے آئندہ صفحات میں حضرت اسعد مدنی کے دارالعلوم حقانیہ میں دو خطابات (مرتب کردہ مولانا حافظ محمد ابراہیم

فانی و حافظ حبیب اللہ) کی ایک جھلک آپ بھی دیکھ لیں اور اپنے دامن کو نور علم سے بھر لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دین اور حاملین دین کا مقام

دارالعلوم حقانیہ میں مولانا محمد اسعد مدنی کا خطاب

مورخہ ۷ دسمبر بروز بدھ شیخ الاسلام و المسلمین مجلہ حریت "اسیر مالٹا مولانا سید حسین احمد مدنی" کے خلف الصدق، جمعیت علماء ہند کے صدر اور رابطہ عالم اسلامی کے ممتاز رکن مولانا سید اسعد مدنی دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ رات کو انہوں نے بعد نمازِ عشاء دارالعلوم کی وسیع جامع مسجد میں طلباء دارالعلوم سے ایمان پرور خطاب فرمایا جو کہ انہیں کے الفاظ میں نذرِ قارئین ہے..... (فانی)

خطبہ مسنونہ و من احسن قولاً ممن دعا الی اللہ و عمل صالحاً و قال اننی من المسلمین۔
حضرات گرامی قدر ! مولانا مجاہد صاحب نے پشتو میں جسے میں نہیں سمجھتا، تقریر فرمائی ہے اور اس نے خدا ہی جانتا ہے کیا کہا ہوگا، مجھ جیسے نا اہل کو والد صاحب اور حضرات اسلاف کے ساتھ جوڑا، کوئی مجھے اچھا کہے یا بُرا کہے لیکن مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں میری تعریف ان حضرات اسلاف کی تنقیص تو نہیں، مولانا کی تقریر کو مبالغہ آمیز، شاعری سمجھو آپ دھوکہ میں نہ پڑیں..... ع چون ا کذب اوست احسن اوست
مجھ پر کسی کو قیاس نہ کریں، میں تو بالکل ہی نا اہل ہوں، دوسری بات ہندوستان کے مسلمان ہوں یا ان کی خدمت اور ان کی اگر خدمت کرتا ہوں تو یہ میرا کمال نہیں بلکہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے۔ اللہ ہماری بھول چوک اور غلطیوں کو معاف فرمادے۔ اس میں تعریف کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ (درمیان میں کسی نے رقعہ دیا کہ عربی میں تقریر فرمائیں، اس کے جواب میں آپ نے عربی میں فرمایا) کہ فارسی عربی پڑھی ہے لیکن مشق نہیں کی، اگر چہ عربی سبب اختصار کلام ہے، باوجود عربی پر قادر ہونے کے ان کی دل داری کے لئے معذرت کرتا ہوں۔
محترم بزرگو ! میرے لئے یہ بات شرف کی ہے کہ میں مولانا (شیخ الحدیث مولانا عبدالحق) صاحب کی ملاقات کے لئے مدرسے حاضر ہوا اور آپ کے ساتھ بھی ملاقات ہوئی۔ طلباء کرام اللہ کا دین حاصل کرنے کے لئے

جمع ہوئے ہیں۔ پورے عالم کا مالک اللہ ہے اور یہ دنیا چند روزہ زندگی کا نام ہے۔ یہاں آج تک نہ کوئی ہمیشہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔ جو بھی یہاں آیا، جانے کے لئے آیا، ہر قسم کے لوگ یہاں آئے اور جو آتا ہے اس کی یہی خواہش ہے کہ اب اسے نہ چھوڑا جائے، لیکن کسی کی تدبیر نہیں چلتی، جو بھی آیا گیا، ہم کو بھی ایک دن جانا ہے، یہ دنیا مزدعہ الآخرة ہے۔ انسان کو یہاں اس لئے بھیجا گیا کہ وہ اللہ کے ابتلاء اور امتحان سے کامیاب گزرتا ہے یا ناکام۔ اگر ہم آخرت کی زندگی کو سامنے رکھ کر اس کی تیاری کریں اور دنیا میں کھونہ جائیں تو اس امتحان میں کامیاب اور فائز ہوں گے لیکن اگر دنیا ہی کو مقصد بنالیں اور آخرت کو بھول جائیں تو پھر ناکام ہو جائیں گے، فیل ہو جائیں گے، اس کا درجہ گرا جائے گا، جو راستہ اس دنیا کی زندگی کو کامیاب کرنے کے لئے ہے، اسے شریعت کہا جاتا ہے۔ اللہ نے وہ راستہ تجویز کیا اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے وہ راستہ بتایا۔ بس ڈیوٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا جو آپ کا فرض منصبی تھا، اس کی تیاری ترین مشق اور اس کے علم حاصل کرنے کے لئے آپ یہاں اپنے گھر بار چھوڑ کر جمع ہوئے ہو۔

آپ کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض منصبی کو ادا کرنے کے لئے تیاری کرنا ہے۔ صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ استعداد پیدا کرنا ہے۔ اس لئے آپ کو اس مقصد کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہئے، اور اس کی ذمہ داریوں کے قابل بننے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر آپ اس تیاری سے غافل ہو جائیں اور اس مقام کے اہل بننے کی کوشش نہ کریں اور اپنا مقصد اس فرض منصبی کے بجائے خس و خاشاک بنالیں، گندگی کے ڈھیر بنالیں، مال و دولت کو بنالیں تو پھر یہ اس مقام کی اہانت ہوگی، توہین ہوگی، اس کو گرانا ہوگا۔

جہاں تک رزق کا تعلق ہے، اللہ نے اس کا وعدہ کیا ہے، ہم میں سے ہر ایک کو ماں کے پیٹ میں رزق دیا اور جب تک کمانے کے قابل نہیں ہوئے وہ دیتا ہے، تو ہم جیسے ایسے حیوانات کو جو کچھ نہیں کر سکتے، پتھروں کے اندر جنگلوں میں، پانی میں، سمندر میں اور دریاؤں میں اللہ رزق دیتا ہے۔ ربو بیت ہے، اس کی شان ہر ایک کی شان کے مطابق، ضرورت کے مطابق دیتا ہے، جب تک ہم غافل تھے، بے خبر تھے اور خدا جانے کیسے کیسے حال میں تھے، تب تک وہ دیتا رہا اور جب ہم اس کی ڈیوٹی، اس کا کام، اس کا حکم بجالائیں گے اور زندگی کو اس کے کام میں لگائیں گے، تو وہ بند کر دے گا، اور رزق نہیں دے گا اور اگر ہم اس کے کام سے غافل ہو کر دنیا کو مقصد بنالیں تو وہ رزق دے گا، یہ شیطانی غلبہ اور وسوسہ ہے، تنہا وہ سب کچھ دینے، دلوانے والا ہے۔ سارے عالم کو دیتا ہے، اس کے دین کے خادم جو ہوں گے، ان کو وہ نہیں دے گا، یہ شیطان کا وسوسہ اور خیال ہے، رہی یہ بات کہ کتنا دے گا، کیسے دے گا، اور مشکل کوئی پڑے گی یا نہیں پڑے گی تو یہ ہر لائن میں ہوتی ہے اور جس سے تعلق ہوتا ہے، پاس خاطر ہوتا ہے، توجہ

ہوتی ہے، اسی کو چھیڑا جاتا ہے، اسی کو تکلیف دی جاتی ہے، اسی کے ساتھ کبھی کوئی کام ایسا کام، ایسی چیز پیش آتی ہے جو بظاہر تعلق کے مقتضی کے خلاف ہو اور جس سے مغائرت ہوتی ہے۔ اس سے آدمی کبھی کوئی بات نہیں کرتا ہے، اگر کسی کے پاس کپڑے ہوں، پانچ جوڑے، ایک ان میں سے زیادہ عمدہ اور پسندیدہ ہو تو وہ ان پانچ میں سے اسی ایک جوڑے کو بار بار پہنے گا، جو اسے زیادہ پسندیدہ ہے، وہ زیادہ استعمال ہوگا، تو میلا بھی زیادہ ہوگا، اور جو میلا زیادہ ہوگا، اس کو دھلوا یا بھی زیادہ جائے گا اور جب وہ دھلنے کے لئے جائے گا تو وہ اٹھایا جائے گا، رکھا جائے، پڑکا جائے گا رگڑا جائے گا اور اس پر لوہے کی استری کی جائے گی، اس کو تہہ لگائے جائے گی اور بار بار پہنا جائے گا۔ (نعرہ ہائے تکبیر و تحسین)

جس سے تعلق ہوتا ہے، اسی کو تکلیف دی جاتی ہے اور جو غیر ہے اس سے توقع نہیں۔ اس سے مناسبت نہیں جس سے قرب نہیں اس کو کوئی کیا کہے گا اور جس سے کوئی مناسبت ہوگی اس کو تکلیف دی جائے گی، اسی کو اس کی دلیل آقائے نامدار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اشد الناس بلاء الانبياء ثم الامثل فالامثل فالامثل او كما قال عليه السلام۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ مصیبتیں اللہ کے نبیوں کو آتی ہیں۔ سب سے زیادہ اشد الناس بلاء تو انبیاء کرام کو اس عالم میں مخلوقات میں سب سے زیادہ بلائیں اور مصیبتیں پیش آئیں، افتاد پڑی اور جو بتنا ان جیسا ہوگا، امثل ہوگا، زیادہ مثلیت پائی جائے تو انہیں بھی زیادہ مصیبتیں پیش آئیں گی۔

تو بھائی یہ اصول ہے، یہ قاعدہ ہے، یہ جو اشد الناس بلاء ہے کیا اللہ تعالیٰ ان کو ناز و نعمت، عیش و عشرت نہیں دے سکتا، یہ تو کفار مکہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اگر اللہ کے رسول ہیں تو چھت سونے کی اور دیواریں اور پہاڑ سونے کی کیوں نہیں بنا دیتے اور حضور ﷺ کے آگے پیچھے فرشتے کیوں نہیں اترتے، اور آپ بھوکے کیوں ہیں، ہم اولادوں والے، مال والے اور حضور ﷺ کے پاس کچھ نہیں، فاتے ہیں، ان کی عقل سے یہ بات باہر تھی کہ جس سے محبت ہوتی ہے، اسے ستایا جاتا ہے اور جس سے محبت نہیں ہوتی اسے کوئی کیا ستائے۔

تو بھائی ! اگر تکلیف کوئی دنیا میں آتی ہے تو دینداروں کو، خادمین دین کو، تو یہ عدم قبولیت کی علامت نہیں بلکہ قبولیت کی علامت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

لقد اخفت في الله ولا يخاف احدٌ لقد اذيت في الله ولا يوذى احدٌ او كما قال عليه السلام۔

بھائی یہ ایذا اور تکلیف یہ کبھی محبت کی علامت ہوتی ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر استقامت ہو صبر و شکر ہو تو یہ خیر ہی خیر ہے اور ناشکری، ناپاہی، رونادھونا اور تمام خرافات اور بے صبری ہو تو یہ مصیبت ہے۔ اللہ سے

تعلق رکھنے والوں کو اللہ کے عشاق اور محبوب لوگوں کو اس میں لطف آتا ہے، مزہ آتا ہے، انہیں راحت سے اتنا مزہ نہیں آتا، جتنا مصیبت میں آتا ہے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کو جس دن کوئی فاقہ یا پریشانی یا مصیبت نہ آتی تو رویا کرتے کہ میرا محبوب آج مجھے بھول گیا۔

تو میں بات کہہ رہا تھا کہ وہ رازق ہے سارے عالم کا تو اسے اپنے دین سے دشمنی نہیں ہے کہ دین کے حادموں کو بھوکا رکھے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ مصیبت اور مشکل پیش آئے اور یہ ہوتا ہی ہے۔ تعلق کی بھی علامت ہو سکتی ہے، بے تکلفی کی علامت ہو، ایسی بات غلط ہے تو اس لئے اور دنیا میں کوئی ڈھونڈ کر نکالا نہیں جاسکتا ہے، جسے پریشانی اور مشکل نہ ہو، مختلف احوال، مختلف صورتیں، مختلف درجے، سب کا غم الگ لگ ہے، کسی کا کچھ، کسی کا کچھ اور کسی کا کچھ۔ ہر آدمی کو سامنے رکھو۔ اگر آپ جا رہے ہیں، سفر کر رہے ہیں، وقت پر پہنچنا ہے اور راستے میں کوئی آپ کو گالی دے رہا ہے، تو آپ گالی کی وجہ سے جانا نہیں چھوڑتے، اگر آپ کو سواری میں بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تو آپ سفر نہیں چھوڑتے، اگر آپ کو کوئی اور قسم کی دقت پیش آئی تو کام کی عظمت اور ضرورت جو ہے وہ آپ برداشت کر کے اگلی طرف دیکھنے دیتا ہے۔ اسی طریقے سے یہ جو احوال زندگی میں پیش آتے ہیں ان کی وجہ سے اصلی کام کو بھول جانا، یہ انسان کی بہت بڑی غلطی اور حماقت ہے۔ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لئے کام سے کام ہونا چاہئے۔

سو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بڑا شرف عطا فرمایا ہے۔ آپ یقین جانیں کہ جس طرح اللہ نے آپ کو انسان بنایا، آپ کے اختیار میں نہیں، خدا نے بنایا، مکھی نہیں بنایا، پتھر نہیں بنایا، درخت نہیں بنایا، جانور نہیں بنایا، گدھا، کتا، سانپ، بلی، بچھو نہیں، انسان بنایا، اپنی مہربانی سے، پھر انسان بنا کر آنکھیں دیں، اندھا نہیں بنایا، کان دئے، بہرہ نہیں بنایا، زبان دی گونگا نہیں بنایا، ہاتھ دئے لندا نہیں بنایا، پاؤں دئے لنگڑا نہیں بنایا اور یہ سب کچھ دینے کے بعد اپنی مہربانی سے مسلمان کے گھر پیدا کیا، ایمان دلایا، اگر کسی کافر کے گھر پیدا کر دیتا تو ایمان حاصل کرنے کی توفیق ضروری ہو جاتی، سمجھ لیتے، اختیار کر لیتے، یہ کوئی ضروری نہیں اور آج بھی اس کی مہربانی ہے کہ اس نے دل و دماغ کو ایمان پر قانع اور راضی کر رکھا ہے۔ اس کی شان بے نیازی بڑوں بڑوں کو اس نے دھتکارا ہے، بڑے بڑے مسند والے، بڑے بڑے علم و فضل والے، اس کی شان بے نیازی کے سامنے ٹھوکر کھا کر ایمان سے محروم ہوئے ہیں۔

ایک بزرگ کا قصہ مشہور ہے، میں نے تو حضرتؒ سے سنا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں مطاف میں دیکھے تھے۔ ایک آدمی نماز پڑھتے، دعائیں مانگتے، طواف کرتے، ہر حالت میں روتے، اور جب ایمان پر خاتمہ کے لفظ پر آتے تو بلک بلک کر تڑپ تڑپ کر بے صبر ہو جاتے۔ ایک دن، دو دن، تین دن، ہمیشہ یہی حالت آخراً کوشش کر کے اسے

ایک دن پکڑا، بھائی! ایمان پر خاتمہ تو ہر ایک کے لئے ضروری ہے اور سبھی مانگتے ہیں اور خدا کے فضل کے علاوہ کوئی صورت اس کے حاصل کرنے کی نہیں، لیکن تیرا یہ حال کیوں ہے، بس زبان پر ایمان کے خاتمہ کا لفظ آیا، اور تو بالکل بے قابو ہو جاتا ہے، بات کیا ہے۔

اس نے کہا جاؤ جاؤ اپنا کام کرو، میں کسی کو نہیں بتاتا، نہیں بھائی! بتاؤ تو سہی۔

ارے بھائی جاؤ، تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو، وہ لپٹ گئے نہیں مانتے، جب بہت گھیرا تو کہنے لگے کہ ہمارا خاندان اس مسجد حرام کا مؤذن ہے، پہلے سے ہم لوگ مؤذن ہیں، اور میں بھی مؤذن ہوں اور میرا بڑا بھائی جو اس مسجد کے مؤذن تھا، جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے کہا قرآن لاؤ۔ اس کے لئے قرآن لایا گیا اور العیاذ باللہ، العیاذ باللہ اس نے قرآن اٹھا کر پھینکا اور مر گیا۔

یہ منظر ہم لوگوں نے دیکھا اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا تو اس دن سے مجھے یاد آ کر کہ حرم پاک کا مؤذن، اور یہ کیا مرتے وقت پڑھتا ہوں، مجھے سکون نہیں ہے، کیا ہوگا میرا۔ میرے بھائی کا یہ حشر ہوا، میرا کیا ہوگا، بڑی مصیبت اور پریشانی ہے، اس لئے روتا ہوں کہ یا اللہ مہربانی کر۔

وہ بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر فکر ہوگئی کہ دیکھوں اس کا رونا آتا ہے یا نہیں، کہتے ہیں کچھ دن گزرے کہ اس میں نے دیکھا نہیں، تو میں نے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے، معلوم ہوا کہ بیمار ہے۔ میں جانے لگا اس کی مزاج پرسی کے لئے اور کئی دن جاتے جاتے ایک دن معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ خراب ہے، یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت آیا۔ اس کے اعزہ جمع ہیں، میں بھی ہوں، اس نے کہا قرآن لاؤ، تو آدھے آدمی انا للہ پڑھ کر اٹھے بیٹھے، اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصہ خراب ہے۔

پھر اس نے کہا نہیں گھبراؤ مت لاؤ، لاؤ، جب لائے تو اس نے ہاتھ میں لیا اور سر پر رکھا اور چوما، سینے پر رکھا اور کہا گواہ رہو، اللہ ایک ہے، یہ اللہ کا کلام ہے اور کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے چلے گئے۔

بھائی! اس کے یہاں کچھ نہیں چلتا، اس کے یہاں چلتی ہے عاجزی، اس کے یہاں چلتی ہے انکساری، وہ شخص بچ نہیں سکتا جو اپنے آپ کو بڑا کہے، بڑا بتائے اور بڑا دکھائے، کس کی بڑائی ہے جو خدا کے سامنے بڑا شمار ہو، حدیث قدسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کہتا ہے :

الکبریاء ردای فمن ناز عنی فی ردای کبته فی النار او کما قال علیہ السلام۔

جو تکبر اختیار کرے، چاہے وہ علم کا ہو، چاہے وہ بزرگی کا ہو، چاہے وہ پیری کا ہو، چاہے وہ سیادت کا ہو، کسی قسم کا بھی ہو، اس سے اللہ نے جنگ مول لی اور اسے کہیں پناہ نہیں ملتی۔ بھائی اس کے ہاں کوئی کسی کا کچھ نہیں

چلتا۔ عاجزی ایسی چیز ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتے ہیں :

انا عند المنكسرة قلوبهم جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، جن کا کوئی سہارا نہیں، اللہ ان کے ساتھ ہے۔
بھائی ! میں بھٹک بھٹک کے چلا جاتا ہوں، میرا کوئی موضوع نہیں، میں تو عرض صرف اتنا کر رہا تھا کہ وہ
بہت بے نیاز ہے، صرف اس کی مہربانی ہے، جو کچھ ہم کرتے ہیں، کچھ اللہ کو نہیں چاہئے، یہ تو اپنے لئے تیار کرتے
ہیں۔ اس کے دربار کے جب قابل ہو تب اس میں شرکت ہو اور جب ریا ہو جائے اور جب صنع ہو جائے اور جب
تکبر ہو جائے تو پھر اس میں شیطان خبیث شریک ہو گیا۔ نفس شریک ہو گیا، اللہ کو وہ عمل بالکل منظور نہیں۔

دنیا میں جو چاہے، اس لئے بھائی اللہ تعالیٰ تو عاجزی پسند کرتا ہے، انکساری عاجزی اپنے فضل و کرم سے
وہ عطا کرتے ہیں، کسی بندے کو، اس سے بڑی دولت، اس سے بڑی کامیابی اور کام کرنے والی چیز کوئی نہیں، تمام
جتنی برائیاں ہیں، جتنے تکبر کے سامان ہیں، سب شیطانی دولت ہے۔ سب نفسانی خواہش ہے، سب جہنم کا سامان
ہے اس میں کوئی چیز حقیقت نہیں۔

بھائی کیا ہے، جن چیزوں پر شیطان غرور کرتا ہے، ان میں سے کوئی چیز اپنی نہیں، اگر ہے بھی کچھ تو سب
اللہ کا ہے، پرانی دی ہوئی چیز پر انسان تکبر کرے، اس سے بڑی حماقت کیا ہے، تو خیر میں بہت دور چلا گیا، میں تو
صرف اتنا عرض کر رہا تھا، آپ حضرات پر اللہ کا کرم ہے کہ اس نے آپ کو یہاں اپنے فضل و کرم سے منتخب کیا ہے،
دین کے لئے، اگر اس کی مہربانی نہ ہو تو یہ دل دین پر کھل نہیں سکتا۔ ایمان قبول کرنا یہ بھی اللہ کے کرم کی بات ہے۔
افمن شرح اللہ صدره للسلام فهو علی نور من ربه۔ یہ اللہ کا کرم ہے، بہت بڑا کرم ہے، اسی طریقے
سے جس طرح وہ ایمان کے لئے شرح صدر فرماتا ہے، مہربانی کرتا ہے، دولت نوازتا ہے، اسی طرح اس کی مہربانی
کی بات ہے کہ وہ دین کی خدمت کے لئے دل و دماغ کو تیار کرتا ہے، قلب میں بیج ڈالتا ہے، دین کا اور دین کی
خدمت کا، ہم پر اور آپ پر سب پر اس کا شکر واجب ہے، اور اس کے حق کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، تو بھائی
اتنی بڑی مہربانی، کرم عنایت اور اجتناب کے بعد پھر اس سے گر کر دنیا کو مقصود بنا لینا جب کہ دنیا کسی کی نہیں، ہمیشہ اپنے
صاحب کو دھوکہ دیا، برباد کیا، اسے اپنا مقصود بنا لینا اس سے بڑی ناکامی نہیں۔

اس لئے بھائی ! اللہ نے جس مقام پر پہنچایا اس کا حق ادا کر، دین کی خدمت کرو، تو پھر اللہ کا وعدہ ضرور

پورا ہوگا اور تمہیں ان شاء اللہ عزت ملے گی اور اجر و ثواب ملے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زندگی اور اس کے تمام مشاغل کا مقصد رضائے الہی ہونا چاہئے

دارالعلوم حقانیہ کے طلباء سے صاحبزادہ شیخ الاسلام مولانا اسعد مدنی کا خطاب

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد اسعد مدنی "سفر حجاز سے واپسی پر مختصر دورہ پر احباب اور متوسلین شیخ" کی خواہش اور تقاضوں پر چند دن کے لئے پاکستان تشریف لائے، کراچی سے دین پور، ملتان، سرگودھا، راولپنڈی ہوتے ہوئے ۲۲ مارچ اتوار کی شام کو دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، تمام طلباء و اساتذہ دارالعلوم چشمِ براہ تھے۔ یہاں سے آپ مولانا عزیز گل صاحب "اسیر مالٹا کی زیارت کے لئے سخاکوٹ چلے گئے، دوسرے دن بروز پیر حسب پروگرام واپسی پر بعد از نماز عصر دوبارہ دارالعلوم تشریف لائے، مشتاقان دید کا ایک جم غفیر جو طلباء و اساتذہ دارالعلوم کے علاوہ دور دراز سے آئے ہوئے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی "کے تلامذہ علماء معتقدین پر مشتمل تھا، دارالعلوم سے باہر دیدہ و دل فرس راہ کئے کھڑا تھا، حضرت صاحبزادہ گرامی قدر نے تمام طلباء اور حاضرین سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد دارالعلوم کے مختلف شعبوں کو سرسری دیکھا۔ شام کی نماز معزز مہمان کی اقتداء میں پڑھی گئی۔ نماز مغرب کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق "نے مختصر تقریر میں حضرت مولانا کی تشریف آوری پر خداوند کریم کا شکر ادا کرتے ہوئے مولانا کا نہایت مؤثر الفاظ میں خیر مقدم کیا۔ اور اس ضمن میں حضرت مدنی مرحوم کے کمالات ظاہری و معنوی کو بیان کرتے ہوئے مولانا اسعد مدنی کی بلند ہمتی، جذبہ عمل اور علمی و عملی کمالات پر خوشی ظاہر کی جس کے جواب میں قابل احترام مہمان نے حسب ذیل مختصر بصیرت افروز خطاب سے حاضرین کو نوازا (ادارہ)

نحمدہ و نصلی الخ۔ معزز حضرات علماء کرام و طلباء عزیز ! میں ایک غیر ملکی ہوں، اس لئے

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی

﴿ ۳۳۳ ﴾

مجھ جیسے آدمی کو کسی بھی تقریر وغیرہ سے بہت احتیاط مناسب ہے۔ میں نے پچھلے سفر میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ ایسا کوئی موقع نہ آئے، مثلاً ملتان میں جلسہ کا اعلان ہوا، میری بے خبری میں پوسٹر میں میرا نام بھی چھاپ دیا گیا، بڑے پارک میں ہزاروں کا مجمع تھا، مگر میں نے جمعہ کی نماز پڑھ کر بظاہر بہت نامناسب طریقہ سے وہاں چلا آیا۔ اس لئے میرے لئے مناسب ہے کہ کسی بھی اجتماع سے تقریر یا خطاب نہ کروں یہاں سب مجمع اہل علم اور طالب العلم بھائیوں کا ہے اور ان سے خطاب کرنا تو مجھ جیسے طالب العلم کے لئے اور بھی نامناسب ہے۔

حضرت مولانا (شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب) نے مجھ جیسے ناکارہ کے بارہ میں نہ معلوم کن وجوہ سے حسن ظن کا اظہار فرمایا، آپ طلبہ حضرات کی طرح مجھے بھی حضرت مولانا مظلہم سے (دیوبند میں) شرف تلمذ حاصل ہے اور حوصلہ افزائی اور ذرہ نوازی ہوتی ہے۔ مجھ جیسے ناکارہ کے بارہ میں بھی غلو کرتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے۔ بہر حال یہ ان حضرات کا حسن ظن ہے، ورنہ مجھ جیسے شخص کو حضرت مدنی سے کچھ بھی نسبت نہیں ہو سکتی، اس لئے حضرت مدنی مرحوم کو مجھ پر قیاس نہ کریں، دنیا سے سب کو جانا ہے دنیا کا کام چلتا رہے گا، جیسے جیسے خیر اٹھتا جاتا ہے، شر بڑھتا جاتا ہے، لوگ غلو بھی کرتے ہیں، محبت میں اور شہرتیں بھی ہو جاتی ہیں، ورنہ کسی کے بس میں نہ لینا ہے اور نہ دینا ہے۔ سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح چاہتا ہے کرتا اور کرواتا ہے، دیتا اور دلاتا ہے، سب اس کے قبضہ کی چیز ہے، وہ جس چیز کو چاہے بڑھا دیتا ہے، حسن ظن کروا دیتا ہے اور اگر ان کی پردہ پوشی نہ ہوتی تو ہم جیسوں کو تو شاید کتے سے بھی برا سمجھ لیا جاتا۔

بہر حال ایک ہی بات عرض کرنی ہے، جو میرے لائق تو نہیں کہ عرض کروں کہ آپ حضرات خود طلباء علم ہیں، علوم الہیہ سے اپنے آپ کو وابستہ کیا ہے اور اس کا یہی مطلب سمجھنا چاہئے کہ آپ اس مقصد میں اپنی زندگی بھی صرف کریں، قیاس کا یہی تقاضا ہے، اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے تو سب سے اہم چیز یہ ہے کہ زندگی کا مقصد صرف رضائے الہی ہو، اگر اس کے علاوہ کوئی بھی چیز ہو تو سب ماسوی اللہ ہے اور کوئی بھی ایسی چیز مقصد بن جائے تو وہ ساری جدوجہد تمنا اور کوشش سب غیر اللہ کے لئے ہوگی اللہ کے لئے نہیں اور اس عالم میں سب مشاغل اور مصروفیات غیر اللہ کے لئے ہو جائیں گی اور جو بھی اللہ کے علاوہ مقصود بنے وہ کسی قابل نہیں آخر میں پچھتا نا ہوگا۔

مجھے ایک واقعہ یاد آیا، اور حضرت سے بھی سنا، درس میں بھی سنایا کرتے تھے کہ ایک بہت ہی بڑے ترکی محدث تھے، کبھی کبھی درد بھرے لہجے میں کہتے تھے کہ ”چوہانغ دُردی چالدی“ ترکی جملہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ چرواہا بانسری بجا کر چلا گیا۔ بہت حسرت کرتے اور روتے تھے، لوگوں نے بے تکلفی میں پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں اور یہ کہہ کر گریہ کیوں طاری ہو جاتا ہے؟ تو کہا کہ ایک شب میں جا رہا تھا، کسی ساتھی نے کہا آٹار سے ایسا محسوس

ہوتا ہے کہ آج رات شاید شب قدر ہے اور کہا کہ کوئی حسرت ہو تو آج رات دعا مانگ لی جائے، میں نے بھی آثار محسوس کئے تو میرے ساتھی نے اور میں نے اپنے لئے دعا مانگیں۔ صبح ایک دوسرے سے پوچھا کہ کیا مانگا تو ساتھی نے جو چاہا تھا کہا کہ میں نے تو اللہ سے ایک ہی سوال کیا کہ الہ العالمین میرا خاتمہ ایمان پر فرما اور خود اسی بزرگ نے کہا کہ میں نے دعا کی کہ میرے حلقہ درس سے کسی کا حلقہ بڑا نہ ہو۔ تو فرمایا کہ میں نے چاہا ہے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ کا نام لے کر دنیا سے رخصت ہو اور مجھے بھی علم کا ایک بہت بڑا حلقہ ملا کہ کسی کا حلقہ بھی مجھ سے بڑا نہیں، مگر مجھے معلوم نہیں کہ آخرت کا کیا بنے گا، اور اس شہرت سے مجھے کیا ملا۔ اس لئے مجھے حسرت ہے کہ وہ جاہل چڑھا کا میاب ہو گیا اور مجھے اپنے حالات کا علم نہیں۔ اس بات کا صدمہ ہے اور دل میں ہو کہ اٹھتی ہے کہ دنیا سے کیسے اٹھوں گا۔

تو میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ کوئی عمل کسی درجہ کا بھی ہو، اگر اس میں رضائے الہی نہ ہو تو سب بیکار ہے اور اگر مقصد رضائے الہی بن جائے تو اس عمل کا بدلہ بھی کوئی عمل نہیں بن سکتا، اور یہ چیز خدا کے فضل سے ملتی ہے، اللہ کا فضل کسی پر ہوتا ہے، تب وہ پہنچتا ہے، لیکن کوشش سے اللہ کا فضل ہوتا ہے۔ ہمارا آپ کا کام اتنا ہے کہ ہم سے جتنی کوشش ہو سکے کریں وہ کسی کو محروم نہیں کرتا۔

محترم بھائیو! آپ حضرات تو علماء کرام ہیں، میں ایک پردیسی ہوں، نہ تقریر کر سکتا ہوں نہ مجھے کچھ آتا ہے، اتنا عرض ہے کہ اپنی زندگی کو خدا سے لگانے اور بنانے میں خرچ کرو، اگر ایسا کرو گے تو دنیا بھی دین بن جائے گی، ورنہ خدا نخواستہ خطرہ ہوگا کہ کہیں دین میں بھی دنیا نہ بن جائے۔

میں پھر ایک بار عرض کرتا ہوں کہ میں ایک طالب علم ہوں نہ علم ہے نہ صلاح و تقویٰ ہے.....

ع دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

تو اس لئے میں آپ حضرات سے معذرت خواہ ہوں اور اس خلوص و محبت پر آپ سب کا شکر گزار بھی، اللہ تعالیٰ مجھے آپ سب کو اپنی مرضیات چلنے کی توفیق دے اور ہمارے عیوب اور خرابیوں کو دور فرمادے۔ آمین۔

ماہنامہ القاسم کا علامہ سید سلیمان ندویؒ نمبر

ترتیب ! مولانا عبدالقیوم حقانی

صفحات : 451 قیمت : 150 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہؓ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ

مولانا عرفان الحق حقانی

مدرس جامعہ حقانیہ

حقیقت اتباع سنت کا قابلِ فخر طریقہ ہے

دارالعلوم حقانیہ میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کا طلبہ سے خطاب

۱۱ اپریل ۲۰۰۱ء دارالعلوم حقانیہ کے لئے انتہائی مسرت اور سعادت کا دن تھا کہ اس کی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر وفد جس میں دارالعلوم کے شیوخ حدیث اور اساتذہ اور مہتممین حضرات شامل تھے کی تشریف آوری ہوئی۔ اس طرح یہ خوشی اور بھی دو بالا ہو گئی جب فدائے ملت، جانشین شیخ العرب والعجم مولانا سید اسعد مدنیؒ امیر جمعیتہ العلماء ہند نے بھی دارالعلوم حقانیہ کو اپنے قدمِ مہینت لزوم سے نوازا اور آپ نے مفصل خطاب فرمایا۔ اس موقع پر آپ کے ہمراہ مولانا فضل الرحمن مدظلہ بھی موجود تھے۔ مدیر الحق مولانا راشد الحق سمیع ”خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس“ کے اختتام پر پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت اس قافلے کو نماز مغرب کے بعد دارالعلوم حقانیہ لے آئے۔ دارالعلوم حقانیہ کے خدام، مشائخ، اساتذہ اور ہزاروں طلبہ نے سربکف سر بلند دیوبند، دیوبند کے فلک شکاف نعروں سے ان کا جی ٹی روڈ پر پُر جوش خیر مقدم کیا۔ ایوان شریعت (دارالحدیث) کے پُر شکوہ اور وسیع و عریض ہال میں معزز مہمانوں کو لایا گیا۔ تمام ہال حاضرین اور عنقید تمندوں سے کھچا کچھ بھرا ہوا تھا۔ دارالعلوم کے مہتمم و استاذ حدیث مولانا سمیع الحق نے پُر جوش استقبالیہ کلمات سے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور دیوبند اور اکوڑہ خٹک کے تاریخی نسبتوں، سید احمد شہید کے اکوڑہ خٹک، سے جہاد کے آغاز اور پھر جہاد افغانستان میں دارالعلوم اور فضلاء کے موثر کردار پر روشنی ڈالی اور اکوڑہ دارالعلوم دیوبند کی حقانیہ آمد کو اللہ کا عظیم احسان قرار دیا۔ اس موقع پر ان مشائخ نے تقریریں کیں اور دارالعلوم دیوبند کے حضرت شیخ الحدیث دام ظلہ نے حدیث پڑھ کر طلبہ کو خصوصی اجازت سے نوازا۔ ذیل میں جانشین شیخ الاسلام امیر ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا مفصل خطاب نذر قارئین کر رہے ہیں۔

خطبہ مسنونہ کے بعد !

اطاعت الہی جس طرح اللہ کے حکم سے فرض ہے، بعینہ اسی طرح اطاعت رسول ﷺ بھی فرض ہے۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا جگہ جگہ حکم دیا ہے، :

أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ، حَكْمَ مَا نَوَى اللَّهُ كَمَا أَرَادَ اسَ الرَّسُولِ كَمَا - أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ، حَكْمَ مَا نَوَى اللَّهُ كَمَا أَرَادَ اسَ الرَّسُولِ كَمَا - وَ مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا - اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد۔ مَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوا وَمَا نَهَكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا - اور رسول تم کو جو کچھ دیں، وہ لے لیا کرو اور جس سے تم کو روک دیں تو تم اس سے رُک جایا کرو قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ، تو کہہ اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری راہ چلو تا کہ محبت کریں تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی آیتوں سے یہ حکم ثابت ہے۔

منکرین حدیث :

منکر حدیث منکر قرآن ہے اور منکر قرآن و منکر حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں حکم الہی کو ماننا فرض قرار دیا گیا ہے، بعینہ اسی طرح قرآن میں نبی ﷺ کی اطاعت بھی فرض عین قرار دی گئی ہے۔ اب جو لوگ حدیث کے منکر ہیں، وہ اللہ اور قرآن کے بھی منکر ہیں، اور وہ ایمان سے خارج ہیں۔ گمراہ لوگ آج دنیا میں گمراہی پھیلا کر اسلام سے دور کرنے کی سازشیں کرتے پھرتے ہیں اور پیسے کے ذریعے ایمان خرید کر بے ایمان بنانے کی سازش اور گمراہی دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔

اہل قرآن فرقہ :

اتفاق سے ہمارے ہاں اہل قرآن فرقے کا ایک نوجوان گورنمنٹ نے پکڑا وہ پانچ کروڑ لے کر باہر سے آرہا تھا۔ بے خبر سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے نوجوانوں کو پیسوں سے خریداجاتا ہے، اور اسلام میں قسم قسم کے فرقے پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اہل قرآن نامی فرقہ دراصل ایمان کے خلاف ایک بڑا فتنہ منکر قرآن ہے۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ ہر مسلمان کو اللہ اور رسول ﷺ کی اتباع کرنی چاہئے۔ اس اتباع کے لئے لوگوں نے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں اور ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کی اتباع کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے فتوے، رائے اور طریقے کو زیادہ نسب اور مناسب سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔

فضائل ابی حنیفہؒ :

اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں اور جس طرح امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور دیگر محدثین حافظ حدیث ہیں۔ اسی طرح امام صاحبؒ بھی حافظ حدیث ہیں، جبکہ دنیا کا کوئی محدث اور کوئی فقیہ امام صاحب کی طرح حافظ حدیث نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے ان کو جرح و تعدیل کا امام بنایا ہر ایک حافظ حدیث اور محدث نہیں ہوتا۔ تیسری

بات یہ ہے کہ اللہ نے امام ابوحنیفہؒ کو یہ مرکزیت دی ہے کہ آپ جہاں پر رہتے تھے، وہاں حرین سے زیادہ اجل صحابہ تھے۔ آپ صحابہ کرامؓ کی گودوں میں پلے بڑھے اور حضور ﷺ کی پوری حیات مبارکہ کو سمجھا، جانا اور پورے عالم میں سب سے زیادہ فقیہ (امام اعظمؒ) نے اپنے تفقہ کو عالم میں پھیلا کر دین کی ہدایت کی۔

تابعیت امام اعظم :

امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اگر ۸۰ھ میں بھی مانا جائے جو کہ متفق علیہ قول ہے تو امام صاحبؒ حضور ﷺ کے وصال کے ۷۰ سال بعد دنیا میں پیدا ہوئے اور صحابہ کرامؓ ۱۱۰ھ تک دنیا میں زندہ رہے تو اس طرح امام صاحبؒ کو ۳۰ برس صحابہ کرامؓ کے وجود دنیا میں ملے اور ان کا شہر اجل صحابہؓ کا حرین سے بڑا مرکز تھا۔ امام صاحبؒ کو متعین طور پر اصحاب رسول ﷺ کے ساتھ شرف تلمذ حاصل رہا ہے اور ان سے احادیث حاصل کیں۔ کم از کم حضرت انس بن مالکؓ کا نام واضح طور پر متعین ہے اور ان کے علاوہ اپنے تفقہ، دلچسپی، محنت، ورع و تقویٰ، توجہ اور انہماک کے ساتھ حدیث کو دنیا میں پھیلا یا۔

نبوی ﷺ پیشن گوئی :

نبی کریم ﷺ کی پیشن گوئی ہے کہ فارس کے نوجوانوں میں ایک شخص ایسا ہوگا کہ اگر دین ثریا میں بھی ہو تو وہ اسے حاصل کرے گا۔

پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کا مصداق امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں۔ ایک واسطہ یاد دو واسطوں سے نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ الصحابة کلہم عدول، اہل السنۃ والجماعت کا متفقہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی تعریف قرآن میں کر دی، جس کی تعریف قرآن میں آگئی، وہ نص قطعی سے ثابت ہو گیا، پھر اس میں کوئی بحث اور غور نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی کرتا ہے تو ایمان سے خارج ہونے اور گمراہی کو دعوت دیتا ہے۔ قرآن کے بعد دنیا میں کوئی چیز نہیں آئی۔ لہذا قرآن کے نص قطعی کو کوئی عبور کر کے نہیں جاسکتا۔ اس کو ماننے پڑے گا، اللہ نے قرآن میں صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا کہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ صحابہ اللہ سے راضی۔ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضَّلْنَا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَتِهِ، وہ لوگ وہی ہیں، نیک راہ پر اللہ کے فضل اور احسان سے۔ اور فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا۔ سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح تم ایمان لائے ہدایت پائی انہوں نے بھی۔ اس طرح ایمان کے لئے حضور ﷺ کے صحابہ کو معیار قرار دیا گیا۔ جو ایمان کے لئے معیار ہیں عمل کے لئے کیوں نہیں ہوں گے۔

صحابہ کرامؓ کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوہم من بعد غرضاً

﴿ ۳۰۹ ﴾

لَمَنْ أَحْبَبَهُمْ لِحُبِّهِمْ وَ مِنْ ابْغَضَهُمْ فَبِإِبْغَاضِهِمْ كَمَا مَرَّ عَلَى صَحَابِهِ كَمَا بَرَّ فِي اللَّهِ مِنْ ذُرْوِ
مِرَّةٍ بَعْدَ أَنْ كُودِفَ مَلَامَتِمْ وَأُتْقِدَ وَتَبْرَهُمْ مَتَّ بِنَاؤِ لِعَيْنِ أَيْسَى حَرَكَتِ كُوحْرَامِ قَرَارِ دِيَاغِيَا أَوْرِيَا بَتَايَاغِيَا جَسَّ نِي مِرَّةٍ
صَحَابَةٍ سِي مَحَبَّتِ كِي مِرِّي مَحَبَّتِ سِي جَسَّ نِي مِرَّةٍ صَحَابَةٍ سِي دَشْمَنِي كِي مِرِّي دَشْمَنِي سِي تُو صَحَابَةٍ سِي دَشْمَنِي حَضُورِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سِي دَشْمَنِي هُوَ كِي صَحَابَةٍ سِي مَحَبَّتِ حَضُورِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِي مَحَبَّتِ هُوَ كِي لِهَذَا وَتَقْدِيدِ وَتَبْرَهُمْ سِي بَالَا تَرِي هِي سِي قُرْآنِ وَحَدِيثِ مَا نِي
وَالَا يِي أَيْمَانِ كُودِينِي وَآلِي حَرَكَتِ نِي هِي كَرَسَلَتَا، تُو عِينِ صَحَابَةٍ كَرَامِ رِضْوَانِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ سِي بَرَاهِ رَاسْتِ إِمَامِ صَحَابَةٍ نِي
حَضُورِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي حَيَاتِ، أَعْمَالِ، أَقْوَالِ أَوْرِيَا حَوَالِ كُو حَاصِلِ كِيَا أَوْرِيَا پُھَرَا پِنِي تَفْقَهُ سِي اس سِي دِينِ كَا اسْتِنْبَاطِ كَرِي كُو لُو كُو
كُو اس كِي رَهْنَمَائِي كِي، جُو لُو كُو دُو ذَهَائِي سُو بَرَسِ يَا پَانِجِ سُو بَرَسِ كِي بَعْدَ آئِي هِي، اِن كَا قَوْلِ رُوَايَتِ تَقْدِيدِ وَتَبْرَهُمْ أَخْذِ
تُرِكِ إِمَامِ صَحَابَةٍ كِي لِي حِجَّتِ نِي هِي أَوْرِيَا إِمَامِ صَحَابَةٍ كَا عِلْمِ تَمَامِ عَالَمِ كِي لِي حِجَّتِ هِي، اس لِي كِي زِيَادِي سِي زِيَادِي
دُو وَاسْطُو سِي اِي كِي تَابِعِي أَوْرِيَا اِي كِي صَحَابِي كِي وَاسْطِي سِي إِمَامِ صَحَابَةٍ حَضُورِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِي أَخْذِ كَرْتِي هِي سِي چَارِ هِزَارِ
سِي زِيَادِي سِي زِيَادِي اِي سِي تَابِعِينَ سِي إِمَامِ صَحَابَةٍ نِي عِلْمِ حَاصِلِ كِيَا جَنِبُو نِي صَحَابَةٍ سِي حَضُورِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي نَمَازِ،
رُو زِي، اِحْوَالِ وَاقْوَالِ خُو دِنِي تَحِي سِي إِمَامِ صَحَابَةٍ اِن كِي تَدِينِ، تَفْقَهُ، عِلْمِ وَوَرَعِ سِي پُورِي طَرَحِ وَاقْفِ أَوْرِيَا خُو
مَطْمَئِنِ هُو كَرِي رُوَايَتِ حَاصِلِ كَرْتِي هِي سِي يَا خُو صَحَابِي سِي يَا تَابِعِي سِي رُوَايَتِ نَقْلِ كَرْتِي هِي سِي اِن لِي إِمَامِ صَحَابَةٍ
كِي عِلْمِ مِي كِي قِسْمِ كِي بَحْثِ نِي كِي جَا سَكْتِي هِي، جَبَكِي سُو ذِي هُو دُو سُو بَرَسِ بَعْدِ شِيْعِيَّتِ، خَارِجِيَّتِ، اِعْتِرَازِ أَوْرِيَا دُوسَرِي بِي
شَارِقِ كِي فِتْنِ عَقِيدُو اَوْرِيَا اَعْمَالِ مِي پِيَا هُو سِي لِهَذَا اِن تَمَامِ فِتْنِ مِي مَلُوثِ لُو كُو كَا كِي هِي نَامِ آئِي تُو اِي سِي
اِحَادِيثِ كُو ائِمَّةِ حَدِيثِ تُرِكِ كَر دِي تِي هِي، جَسَّ كِي وَجِي سِي بَرِي بَرِي مَضْبُوطِ قَوْلِي وَفَعْلِي حَدِيثِي جِن كُو اِمَامِ صَحَابَةٍ نِي
بَالِكِ مَشْهُورِ وَتَوَاتُرِ كِي طَرَحِ يَقِينِي هُو نِي كِي بِنَا پَرِ اِخْتِيَارِ كِيَا تَحَا، بَعْدِ كِي ائِمَّةِ حَدِيثِ كِي لِي وَهُ ضَعِيفِ هُو كِي هِي سِي جِن كُو
اِن هُو نِي پُھَرِ چُھُو زِيَا تُو اس لِي اِمَامِ صَحَابَةٍ كَا مَسْلِكِ أَوْرِيَا عِلْمِ حِجَّتِ هِي، اَوْرِيَا كِي دُوسَرِي شَخْصِ كِي حِجَّتِ نِي هِي سِي۔

حضرت امام ابوحنيفهؒ کی عبادت، زہد و تقویٰ :

امام صاحب زہد و تقویٰ مِي اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ ۱۶ برس کی عمر سے حج شروع کیا اور مسلسل ۴۰ حج کئے۔
امام صاحب نے عشاء کے وضوء سے چالیس برس تک فجر کی نماز پڑھی۔ امام صاحب علم و تقویٰ مِي اپنی مثال آپ
تھے۔ امام صاحب کے صاحبزادے نقل کرتے ہیں کہ جب عشاء کے بعد وہ گھر تشریف لاتے تو نوافل شروع کر دیتے
اس دوران شدت بکاء کی یہ حالت ہوتی کہ پڑوسیوں کو ان کی حالت پر ترس آتا تھا۔ ہر رات سارا قرآن مجید ختم کیا
کرتے تھے اور اس دوران اللہ کے دربار میں بے اختیار تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے اللہ سے رحم طلب کرتے تھے اور یہ
معمول امام صاحب کا رمضان میں ڈبل ہو جاتا تھا یعنی ایک قرآن ہمیشہ رات بھر میں ختم کرتے اور رمضان میں
ایک قرآن دن میں بھی ختم فرماتے تھے۔ اس طرح پورے مہینے میں ۶۰ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

امام صاحبؒ کوستانے کے لئے ایک شخص آیا اور ان کی بوڑھی ماں کے بارے میں کہا کہ میں آپ کی والدہ کے ساتھ نکاح کرنے آیا ہوں، سو آپ اس کا خطبہ دینے کے لئے آجائیں، امام صاحبؒ نے کہا کہ شرعاً جائز ہے، میں جا کر اپنی ماں سے پوچھ آتا ہوں، اگر وہ تیار ہو جائے۔ تو گھر گئے اور اپنی ماں سے پوچھا کہ والدہ صاحبہ ایک شخص آیا ہے، فلاں فلاں نام کا، ساری تفصیل بتادی اور وہ کہتا ہے کہ میں آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، امام صاحبؒ کی والدہ نے جواب میں کہا کہ میں بوڑھی عورت ہوں، میں کہاں نکاح کروں گی۔ بہر حال امام صاحبؒ نے شرعی صورت ہونے کی بنا پر کسی قسم کی ناگواری ظاہر نہ کی۔

آج اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو ڈنڈے اٹھا کر خوب مارتے۔ امام صاحبؒ کو ایک دفعہ بتایا گیا کہ ان کے شہر میں کچھ لوگوں نے بکریاں چرائی ہیں اور وہ شہر کی بکریوں میں مل گئیں ہیں، جیسے ہی معلوم ہوا کہ چرائی ہوئی اور خریدی ہوئی بکریوں میں تمیز نہیں ہوتی تو چرواہوں سے معلوم کیا کہ عادتاً بکری کتنے دنوں تک زندہ رہتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ عموماً ۷ برس، تو امام صاحبؒ نے اپنے شہر میں اس دن سے ۷ برس تک بکری کا گوشت استعمال نہیں کیا، حالانکہ فتویٰ یہ نہیں ہے لیکن انہوں نے اپنے اعتبار سے یہ احتیاط کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی نوالہ چوری کے سالن کا میری پیٹ میں چلا جائے۔ اللہ نے امام صاحبؒ کو بڑے فضائل سے نوازا اور تابعیت جیسی بڑی نسبت عطا فرمائی تھی۔ حقیقت میں اتباع سنت کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے احنافؒ کو عطا فرمائی ہے۔

حنفیت کا مقام :

حنفیت کے تمام مسائل سنت رسول ﷺ پر مبنی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو اکثر اختیار کیا جاتا ہے۔ آپ حضرات کو مطمئن ہو کر جرأت و ہمت کے ساتھ اس موضوع پر بات کرنی چاہئے ان شاء اللہ آئندہ دو مہینوں میں ایسا لٹریچر اور کتابیں آجائیں گی جس میں حنفیت کا ہر مسئلہ سنت سے ثابت کیا جائے گا اور وہ لٹریچر ہم یہاں پہنچانے کی کوشش کریں گے اور اگر اس سلسلہ میں کچھ حضرات ۲، ۳ مئی کو دہلی آسکیں تو وہ خود لے کر یہاں آجائیں گے افسوس کہ آج امام ابوحنیفہؒ کے ذریعے سے اتباع سنت کو شرک کہا جا رہا ہے۔ مثلاً وابتغوا الیہ الوسیلہ یعنی تو سل قرآن سے ثابت ہے، اس کی غلط غلط تفسیریں بے شمار قیودات اپنی طرف سے بڑھا کر کئے جاتے ہیں اور قرآن کے مطلق حکم کو توڑ مروڑ کر اور تو سل کو حرام قرار دے کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ کتنی بڑی جہالت ہے کہ قرآن کا مطلق حکم قیودات سے مقید کر کے حرام بتایا جائے۔ اس لئے آپ حضرات کو اتباع سنت کے لئے حنفیت کو قابل فخر اور صحیح طریقہ مان کر عمل کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم و عمل اور اخلاص و لہبیت کی توفیق عطا فرمائیں اور تمام شرور و فتن سے بچا کر صحیح راستے پر چلائے۔ (آمین)

امیر الہند مولانا سید اسعد مدنیؒ کا عظیم سانحہ ارتحال

مورخہ کو جانشین شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے فرزند اکبر اور لائق و فائق جانشین حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی طویل علالت کے بعد رحلت کا المناک واقعہ پیش آیا۔
 انا لله وانا اليه راجعون۔

حضرت مولانا مرحوم بذات خود بڑے باکمال و باوصف انسان تھے اور عمر بھران کی مسلمانوں کے لئے مساعی اور شبانہ روز کوششیں تو اظہر من الشمس ہیں اور آپ کی وفات سے جو خلاء عالم اسلام بالخصوص ہندوستان میں پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا کسی بھی صورت ممکن نہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے آپ کی ہر دلعزیز شخصیت کی ضرورت پہلے سے زیادہ تھی، لیکن دستِ قضاء کا لکھا ٹل نہیں سکتا۔ مولانا مرحوم کی شخصیت کا احترام تو ہر لحاظ سے مسلمانانِ برصغیر پر اس اعتبار سے بھی لازم تھا کہ آپ کی نسبت فخرِ عرب و عجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ تھی۔ حضرت مدنیؒ کا فیضان آج کرۂ ارض اور خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے چپے چپے پر نمایاں ہے۔ حضرت مدنیؒ کے خانوادے نے مسلمانوں کے لئے جو علمی اور سیاسی خدمات سرانجام دی ہیں۔ آج اس کی ایک دنیا معترف ہے۔ تقسیمِ ہند سے پہلے تحریکِ آزادی کے روحِ رواں حضرت مدنیؒ ہی کی سحر انگیز شخصیت تھی۔ آپ کی شبانہ روز کوششوں سے انگریزی استعمار سے برصغیر پاک و ہند کی گلو خلاصی ہوئی، اگر تحریکِ آزادی میں علماء دیوبند اور خصوصاً حضرت مدنیؒ کی دلولہ انگیز قیادت نہ ہوتی تو گاندھی اور کانگریس اور دیگر مسلم جماعتوں کی کوشش میں وہ دمِ خم نہ ہوتا اور نہ آزادی کی منزل اتنی قریب ہوتی۔ حضرت مولانا مدنیؒ کی روحانی و علمی شخصیت نے دارالعلوم دیوبند کی عظمت و رفعت میں بھی چار چاند لگائے۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے اپنے عظیم والد کے سیاسی و علمی ورثے کو سنبھالا اور اسے بامِ عروج تک پہنچایا۔ مولانا ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی بہت زیادہ مقبول اور قابلِ احترام تھے۔ مولانا مرحوم جب بھی پاکستان اور خصوصاً صوبہ سرحد تشریف لاتے تو ضرور یہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ

کی زیارت کے لئے آتے۔ حضرت دادا جان کو حضرت مدنی کے ساتھ اس قدر عشق و محبت اور عقیدت تھی کہ وہ بیان سے باہر ہے۔ جب بھی آپ کی آمد کی اطلاع ہوتی تو آپ ان کے استقبال کے لئے باہر سڑک پر ان کا انتظار کرتے (اگرچہ حضرت مولانا اسعد مدنی حضرت مولانا عبدالحق کے دیوبند میں شاگرد رہے ہیں) لیکن حضرت شیخ الحدیث اپنے استاذ زادے کا احترام بڑے شایان شان طریقے سے ہمیشہ کرتے اور ان کے لئے خصوصی چغہ اور دیگر تحفے تحائف کا انتظام فرماتے اور وہ دن حضرت دادا جان کے لئے عید کا دن ہوتا۔ جب آپ کی دارالعلوم حقانیہ تشریف آوری ہوتی، حضرت مولانا اسعد مدنی نے اس تعلق کو حضرت کی وفات کے بعد بھی نبھایا اور ہمیشہ شفقت فرماتے ہوئے دارالعلوم اور ہمارے غریب خانے پر تشریف لاتے رہے۔ آپ آخری مرتبہ دارالعلوم دیوبند کانفرنس کے موقع پر اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔ اس موقع پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور تمام اساتذہ کرام بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے ایوان شریعت ہال میں طلبہ سے اصلاحی خطاب فرمایا اور آخر میں والد صاحب مدظلہ کے پرزور اصرار اور درخواست پر ہمارے گھر کے تمام مرد و خواتین کو بیعت کی خصوصی اجازت بھی فرمائی۔ جو ہمارے لئے خوش قسمتی اور سعادت کی علامت ہے۔

خانوادہ مدنی کے ساتھ ہمارے خاندان کا جو تعلق اور عقیدت و احترام کا سلسلہ ہے وہ اس بات کا متقاضی تھا کہ مولانا مدنی کی نماز جنازہ میں بھرپور شرکت کی جاتی لیکن بد قسمتی سے آپ کی وفات کی اطلاع مغرب کے بعد ہمیں موصول ہوئی اور اسلام آباد میں والد صاحب مدظلہ کے پاسپورٹ کی عدم موجودگی کے باعث ہندوستان جانے والے خصوصی وفد میں حضرت والد صاحب مدظلہ تشریف نہ لے جاسکے اور نہ راقم کو چند وجوہ کی بناء پر جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ وفد ارکان پارلیمنٹ کے علماء حضرات پر مشتمل تھا۔ دارالعلوم حقانیہ اور حضرت والد صاحب مدظلہ کی نمائندگی کے طور پر برادر محترم مولانا حامد الحق، حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کے ہمراہ ہندوستان تشریف لے گئے اور وہاں پر حضرت مولانا ارشد مدنی، حضرت مولانا محمود مدنی اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اساتذہ و مشائخ سے تعزیت کی۔ آج حضرت مولانا مدنی کی وفات پر برصغیر کے تمام اسلامی مراکز و مدارس حزن و یاس میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ہر مدرسہ اور ہر عالم و فاضل اس کو اپنا خاندانی سانحہ سمجھتا ہے۔ دارالعلوم میں حضرت مولانا مدنی کے لئے خصوصی ختمات قرآن اور دعاؤں کا اہتمام کیا گیا۔ پاکستان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں بھی خصوصی دعائیں کی گئیں۔ دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا اسعد مدنی کو ان کی قومی، ملی اور دینی خدمات پر بھرپور خراج تحسین پیش کرتا ہے اور خانوادہ مدنی دارالعلوم دیوبند کے ساتھ اس جائزہ سانحہ میں ادارے کے تمام افراد کے ساتھ دل و جان سے شریک ہیں۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

حافظ محمد ابراہیم فانی

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جامع کمالات و اوصاف شخصیت

حضرت امیر الہند و فدائے ملتؒ

چند یادیں چند نقوش

آہستہ ایم بر سر خارے بخونِ دل قانونِ باغبانی صحرا نوشتہ ایم
اسلافِ کرام اکابرین دیوبند اور بالخصوص حضرت شیخ الاسلام و المسلمین العارف باللہ المجاہد الکبیر مولانا
سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی نسبتوں، ان کے اوصافِ کمال اور ان کی عظمتوں کے امین امیر الہند فدائے ملت
حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کی وفاتِ حسرتِ آیات سے تمام اہل اسلام کو بالعموم اور مسلمانانِ برصغیر کو بالخصوص
جو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے، اس خلا کا پُر ہونا بظاہر محال معلوم ہو رہا ہے

رتم و از رتم یک عالمے تاریک شد من مگر شمع چوں رتم بزم برہم ساختم
لیکن کل من علیہا فان، کل شیء ہالک الا وجہہ اور کل نفس ذائقة الموت کے
اصول کے تحت ہر انسان کو ایک نہ ایک دن اس جہانِ رنگ و بو اور دنیائے آب و گل سے رخصت ہونا ہے اور مرگ و
زیست اور زندگی و موت کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری و ساری رہے گا

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گی
یہاں پر کسی کے لئے ثبات نہیں، کسی کے لئے دوام و خلود نہیں

لو كانت الدنيا تدوم الواحد لكان رسول الله فيها مخلدا

حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ مختلف النوع اور گونا گوں صفات سے متصف تھے۔ ان کی شخصیت
جامع الکمالات تھی، وہ بیک وقت بحر ذخائر علم، رہبر دیدہ و رقد آور سیاسی رہنما، شیخ طریقت اور مسلمانوں کے رفاہی

کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے عظیم انسان ہونے کے ساتھ ساتھ فرقِ باطلہ کے خلاف ایک تیغِ بے نیام اور سیفِ بَرّال تھے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
 رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن
 انہی جامع الکمالات ہستی کی زندگی کا ہر پہلو انتہائی تابناک، جاندار اور توانا ہے اور یہ کمال آپ ہی کا
 حصہ اور آپ ہی کا نصیب ہے۔

درکھے جامِ شریعت در کھے سندانِ عشق
 ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختم
 اپنے انہی اوصافِ حمیدہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو محبوبیت کے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز کیا تھا، جس
 میں آپ کے والد محترم شیخ الاسلام، امام المسلمین مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی تربیت اور دعائے سحری کا
 بڑا دخل ہے۔ ایسی آغوش میں تربیت اور نشوونما پانا اور ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولنا جو کہ رشکِ آفتاب و
 ماہتاب اور نازشِ خورشید و قمر ہو اس کی تجلیات اور اثرات ضرور آپ کی شخصیت میں نمایاں ہوں گے۔ چنانچہ حضرت
 شیخ الاسلام کی وفات کے بعد آپ کو اپنے عظیم والد کا جانشین مقرر کیا گیا اور الحمد للہ آپ نے اپنی سیرت و کردار اور
 اپنے قول و عمل سے ان کی جانشینی کا صحیح حق ادا کر دیا۔

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
 پھر پسر لائق میراثِ پدر کیونکر ہو
 آپ کی ذات والا صفات میں وہ تمام خصوصیات و امتیازات بدرجہ اتم موجود تھیں جو کہ میر کارواں کے
 لئے زاویہ کا کام دیتی ہیں۔ بقولِ حکیم الامت علامہ اقبال

نگہ بلند سخن دلنواز جان پُرسوز
 یہی ہے زحمتِ سفر میر کارواں کے لئے
 اپنی حیاتِ مستعار کا لمحہ لمحہ ملتِ اسلامیہ کی خدمت میں صرف کرنا اور برصغیر کے چپہ چپہ پر اپنے
 کارہائے نمایاں کے انمٹ نقوش چھوڑنا اور پھر ہندوستان میں متعصب ہندوؤں کے درمیان مسلمانانِ ہند کی کامیاب
 اور مدلل وکالت کرنا یہ ایسی خصوصیات ہیں جو کہ آپ کے رفع درجات کے لئے کافی ہیں۔

ان اوصاف اور کمالات کی طرف راقم نے ڈیڑھ صد سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس منعقدہ ۱۰، ۹، ۱۰،

۱۱ اپریل ۲۰۰۱ء کے موقع پر جب آپ پشاور تشریف لائے تھے، درج ذیل نظم میں اشارہ کیا ہے۔

مسندِ رشد و بُدئی پر جلوہ آرا آپ ہیں
 جانشینِ حضرتِ مدنی امام المسلمین
 بہر جسمِ قوم و ملت چشمِ بینا آپ ہیں
 بالیقین و بے گماں جانِ تمنا آپ ہیں
 اے امیر الہند زعمیم چارہ فرما آپ ہیں
 باعثِ صد خیر و برکت آپ کی آمد یہاں

تیرے دم سے ضو، فشاں ہے شمع بزم دین و قوم
 حاملِ شرع و طریق و علم و فن میں بے مثل
 تیری ہیبت سے ہے لرزاں کفر و استعمار سب
 قوتِ بازوئے ملت مرکزِ محبوبیت
 کر رہے ہیں اہلِ ایماں تیری عظمت کو سلام
 چار سو شہرہ ہے جس کی جرأت و ایثار کا
 شیخِ تفسیر و حدیث و ماہرِ فقہ و کلام
 سرزمینِ ہند کو تھا باعثِ صد افتخار
 واقفِ روحِ تصوف آشنائے رمزِ دین
 یادگارِ شیخِ اسلام و رئیسِ اولیاء
 کیسی کیسی نسبتیں وابستہ تیری ذات سے
 اس لئے فائی مری آنکھوں کا تارا آپ ہیں

اسی کانفرنس میں زعماءِ دیوبند اور اکابرِ سنِ ملت کے ساتھ حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی صاحبؒ بھی
 وسیع و عریض سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ وہ ایک عجیب روح پرور سماں اور پُر کیف منظر تھا۔ چنانچہ میں نے اس دلکش منظر کا
 نظارہ ان اشعار میں پیش کیا ہے۔

یہ انسانوں کا اک طوفاں سمندر دیکھتے جاؤ
 رسول اللہ ﷺ کے وارث یہاں تشریف فرما ہیں
 سریر آرائے مند ہیں یہاں مرغوبِ ملت بھی
 اُٹ آتے ہیں یوں آفاق سے توحید کے فرزند
 جدھر دیکھو نظر آتے ہیں گویا نور کے پتلے
 سجدی ہے محفلِ رنداں چلا ہے دورِ میخانہ
 ارے تشنہ لبو پیرِ مغاں کا فیض ہے جاری
 یہی زندہ کرامت ہے ہمارے ان اکابر کی

عجیب پُر کیف منظر ہے یہ منظر دیکھتے جاؤ
 شہِ لولاک ﷺ کے عاشق بہ منبر دیکھتے جاؤ
 امیر الہند کا چہرہ منور دیکھتے جاؤ
 بہر سو نعرۃ اللہ اکبر دیکھتے جاؤ
 یہ بزمِ قدس ہے نور سراسر دیکھتے جاؤ
 مئے عرفان و وحدت کے یہ ساغر دیکھتے جاؤ
 یہ تسنیمِ روان آب کوثر دیکھتے جاؤ
 مسلمانو! یہاں جلوے برابر دیکھتے جاؤ

یہ موقعہ مل گیا ہم کو بفیضِ فضلِ رحمانی
نگاہِ لطف کے جلوؤں کے مظہر دیکھتے جاؤ
شانے کی نہ باتیں ہیں یہ وجد و کیف کا عالم
ذرا فانی فضا یہ روح پرور دیکھتے جاؤ

کانفرنس کے اختتام پر آپ اپنے رفقاء سمیت (یعنی مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند و اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مہمانانِ گرامی قدر) دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ یہاں پر ان کا والہانہ فقید المثال استقبال کیا گیا۔ پھر ایوانِ شریعت میں ایک علمی اور تاریخی خطاب فرمایا۔ بعد ازاں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے دئے گئے عشائیہ میں شرکت کی۔ راقم کی خوش بختی ہے کہ ان قدسی صفات ہستیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

یہ فخر کیا کم ہے بڑے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی ترے ساتھ چلے ہیں
۱۹۸۰ء میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں آپ کی تشریف آوری کی خبر آئی بندہ کے والد محترم معتمد عصر، صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم قدس سرہ کو جب معلوم ہوا کہ آپ کے استاذ زادے تشریف لارہے ہیں تو آپ کے چہرے پر خوشی اور سرور و انبساط کے آثار نمایاں ہوئے اور فرمایا کہ آج ہم اپنے شیخ کے عکس جمیل کے دیدار سے شرفیاب ہوں گے اور ان سے ملاقات کا زریں موقعہ ملے گا۔ چنانچہ آپ دارالعلوم حقانیہ کے دفتر اہتمام میں تشریف لے گئے، وہاں حضرت الشیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ پہلے سے تشریف فرما تھے حضرت الشیخ نے حضرت صدر صاحب کو فرمایا کہ آج ہمارے مخدوم زادے ہمیں اپنے قدوم میہنت لزوم سے نوازرہے ہیں اور پھر دیر تک وقت کے یہ دونوں مسلم شیوخ ان کے متعلق اور حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین احمد مدنی کے بارے میں اپنی یادوں کے جھروکوں جھانکتے رہے، تا آنکہ اطلاع آئی کہ حضرت مولانا محمد اسعد مدنی پندرہ منٹ بعد پہنچنے والے ہیں۔

چنانچہ دونوں شیوخ بمع دارالعلوم کے دیگر اساتذہ و طلبہ کے آپ کے استقبال کے لئے دارالعلوم کے صحن میں کھڑے رہے۔ جب آپ تشریف لائے تو حضرت الشیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ اور متکلم عصر مولانا عبدالحلیم صاحب صدر المدرسین قدس سرہ نے آپ کے ساتھ معانقہ اور مصافحہ کیا اور دارالعلوم کے دیگر اساتذہ کرام و طلبہ آپ کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے، پھر آپ دونوں شیخین اور اساتذہ و طلبہ کی جلو میں دفتر اہتمام تشریف لے گئے۔ قیران السعداء کا یہ عجیب پر کیف منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

ع نازم پشم خود کہ جمال تو دیدہ است

میں نے دیکھا کہ جب حضرت والد صاحب قدس سرہ آپ کے ساتھ معانقہ کر رہے تھے، تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، بعد میں فرمایا کہ اپنے استاذ زادے کو دیکھ کر مجھے اپنے محبوب شیخ یاد آ گئے۔ اب وہ کہاں اور ہم کہاں ع دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

وہ کیا زمانہ تھا، جب ہم حضرت شیخ الاسلام کی آغوش تربیت میں پڑھا کرتے تھے اور ان کا سایہ عاطفت ہم جیسے مسافر طلبہ کے لئے وجہ تسکین و نشاط رہا۔ اس کے بعد آپ دفتر اہتمام تشریف لے گئے، وہاں پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ باوجود یہ کہ وہ حضرت مولانا اسعد مدنی کے شیخ ہیں اور دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے دوران آپ کے شاگرد رہ چکے ہیں، لیکن حضرت شیخ اپنے استاذ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی عقیدت و محبت میں اتنے فنا ہو چکے تھے کہ اپنے شاگرد کے سامنے اس طرح باادب بیٹھے ہیں جیسا کہ کوئی شاگرد اپنے استاذ کے سامنے بیٹھا ہو

قسم خدا کی محبت نہیں عقیدت ہے دیار دل میں بہت احترام ہے تیرا
پھر جب ۱۹۸۴ء میں آپ دارالعلوم تشریف لائے، مہمان خانہ میں جب آپ چلے گئے، تو برادر محترم مولانا قاری عبداللہ صاحب سابق سینیٹر و نائب امیر جمعیتہ العلماء اسلام صوبہ سرحد نے راقم کو کہا کہ آؤ! حضرت مدنی سے ملاقات کے لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان سے مصافحہ اور ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ایک پُر وقار شخصیت انسان کی روپ میں ایک فرشتہ، پُر رعب و با جلال، مگر اِذَا رُوُوا ذُكِرَ اللّٰهُ کے مصداق اتم۔ ان کی ہر ادا سے سادگی ٹپکتی تھی۔ وہ عالم اسلام کے لاکھوں فرزندانِ توحید کے دلوں کی دھڑکن اور ان کی روح کی آواز، ان کے ساتھ مختصر ترین ملاقات میں ہم نے جو سکون اور طمانیت محسوس کی، اس کی تصویر کشی الفاظ کی تعبیر سے ممکن نہیں۔ واقعی مولانا روم نے کیا خوب فرمایا ہے

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
رات کی رانی کا جھونکا تھا کسی کی یاد میں دیر تک آنگن مرے احساس کا مہکا رہا
اسی طرح آپ جب تبھی پاکستان تشریف لاتے، تو حضرت شیخ الہند کے رفیق خاص، یادگار اسلاف، اسیر مالنا حضرت مولانا عزیز گل صاحب قدس سرہ کے ساتھ ملاقات کے لئے ضرور سخاکوٹ مالاکنڈا یجنسی تشریف لے جاتے۔ اسی دوران اپنے قدم میں سنت لزوم سے دارالعلوم حقانیہ کو نوازتے۔

۱۹۸۵ء میں جب آپ کی زیر سرپرستی دہلی میں حضرت شیخ الہند سیمینار کا انعقاد کیا گیا اور پاکستان میں

برادر محترم مولانا فضل الرحمن صاحب زید مجددہ کے ذریعہ اس کے لئے دعوت نامے تقسیم کئے گئے اور اس عظیم الشان تاریخی سیمینار میں شرکت کے لئے برصغیر کے چیدہ چیدہ حضرات کو دعوت دی گئی تھی، مولانا سید محمد اسعد مدنی نے اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیز گل صاحب قدس سرہ اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان مرحوم کو اس سیمینار میں مہمانانِ خصوصی کے طور پر مدعو کئے تھے، اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیز گل صاحب قدس سرہ نے تو اپنی خلوت پسند طبیعت کی وجہ سے اس میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی۔ جبکہ باچا خان (خان عبدالغفار خان صاحب) نے شرکت پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ وزیر اعظم ہند کی حیثیت سے راجیو گاندھی کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی انہی دنوں مدراس میں کانگریس کی صد سالہ تقریبات کی تیاریاں بھی عروج پر تھیں، خان صاحب مرحوم اس میں بھی مدعو تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ شیخ الہند سیمینار کی تاریخیں کانگریس کی صد سالہ تقریبات کے ساتھ متصل ہونی چاہئیں، کیونکہ اپنی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے زیادہ وقت وہاں نہیں گزار سکتا اور ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی کہ میں مہمانِ جمعیتہ العلماء ہند کار ہوں گا۔

چنانچہ آپ کی تجویز کے مطابق تاریخیں مقرر کی گئیں۔ راقم ان دنوں مدرسہ کے کوارٹر کی بیٹھک میں بیٹھا تھا کہ سامنے بڑی شاہراہ پر ایک کارر کی اور اس کے ڈرائیور نے میری طرف اشارہ کیا، میں نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا، شاید کسی اور کو بلا رہے ہوں، مگر انہوں نے مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا، میں جب گیا تو کار میں مولانا فضل الرحمان صاحب تشریف فرما تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ، میں نے انہیں کہا کہاں جانا ہے، انہوں نے کہا کہ زیادہ باتیں کرنا چھوڑ دو، بس بیٹھ جاؤ (ہم دونوں زمانہ طالب علمی کے بے تکلف ساتھی اور ایک ساتھ دورہ حدیث میں شریک رہے ہیں) چنانچہ میں چارو ناچار ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا، آخر کہاں جانا ہے، انہوں نے کہا، کہ آپ کو پتہ چل جائے گا۔ چنانچہ میں نے ازراہ مزاح کہا، یہ تو سیدھا سادہ اغوا کا کیس ہے۔

بہر حال جب ہم نوشہرہ کے قریب پہنچے، تو ڈرائیور نے گاڑی بدرشی گاؤں کی طرف موڑ دی۔ وہاں خان شیر افضل خان مرحوم کے ڈیرے پر پہنچ گئے، تو آپ کے برخورداران جناب عثمان خان وغیرہ مولانا کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ مولانا نے انہیں کہا کہ یہ (بندہ) میرا ساتھی ہے اور ان کے لئے ایک کمرہ خالی کر دیں تاکہ یہ اطمینان سے وہاں پر کام میں مصروف ہو جائے۔ چنانچہ مولانا نے چند کاغذات میرے حوالے کئے اور کہا کہ یہ ایک غیر مرتب مقالہ ہے جو کہ شیخ الہند سیمینار میں خان عبدالغفار خان کی طرف سے پیش کیا جائے گا۔ یہ غیر مرتب بھی ہے اور اس میں کمی و بیشی اور حک و اضافہ کی بھی گنجائش ہے، تو آپ اس کو مرتب بھی کریں اور اس میں آپ کو موقع اور محل کی مناسبت سے ترمیم وغیرہ کا بھی مکمل اختیار ہے۔ چنانچہ بندہ کمرے میں اس کام کی تکمیل اور حکم کی تعمیل کے لئے

بیٹھ گیا۔ چائے وغیرہ بھی سامنے رکھی اور خادم دروازہ بند کر کے چلے گئے۔

چنانچہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد بندہ نے وہ مقالہ مرتب کیا اور اس میں جا بجا مقالہ کی روح کے مطابق ترمیم و ترمیم بھی کر لی۔ بندہ نے وہ مقالہ مولانا کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اب میں پشاور جاؤں گا، اور وہاں پر اے این پی کے مرکزی رہنما حاجی غلام احمد بلور کو ساتھ لے کر چار سدہ ولی باغ جاؤں گا اور باچا خان صاحب کو یہ مقالہ دکھاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے پہلے مجھے اپنے گھر پہنچایا اور پھر عازم پشاور ہوئے۔ مقررہ تاریخوں پر پاکستان سے مختلف وفد اس سیمینار میں شرکت کے لئے دہلی پہنچے۔ خان عبدالغفار خان کے لے راجیو گاندھی نے ہندوستان سے خصوصی طیارہ پشاور بھیجا تھا۔ چنانچہ وہ اور ان کے ساتھ وفد کے ارکان جن میں مرحوم خان عبدالولی خان بھی شامل تھے، اس خصوصی طیارہ کے ذریعہ دہلی پہنچے۔

سیمینار کا پروگرام دہلی کے مشہور لال کٹورا ہوٹل میں منعقد کیا گیا تھا۔ سیمینار کے منتظمین نے بہت زبردست انتظام کیا تھا۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے سینکڑوں کارکن وہاں پر اس سیمینار کی رپورٹنگ کے لئے آئے تھے۔ ہندوستان کے وزیراعظم راجیو گاندھی اور دیگر سرکردہ سیاستدان بھی وہاں پر موجود تھے۔ خان عبدالغفار خان مرحوم کی طرف سے مقالہ جو کہ ہم نے یہاں مرتب کیا تھا، ان کے صاحبزادے خان عبدالولی خان نے پڑھ کر سنایا، دوسرے دن اخبارات میں اس سیمینار کی کاروائی جلی سرخیوں کے ساتھ آئی اور تمام اخبارات نے خان صاحب کا مقالہ اور اس کے چیدہ چیدہ نکات نمایاں طور پر شائع کئے۔ تمام قومی و بین الاقوامی اخبارات نے یہ سرخی لگائی کہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک ایک قومی تحریک تھی اور اس میں تمام ہندوستانی قوم نے بلا امتیاز مذہب و ملت حصہ لیا تھا۔

آدم برسر مطلب ! اس عظیم الشان شیخ الہند سیمینار کے انعقاد کا پس منظر یوں تھا کہ اس وقت ہندوستانی حکومت کی طرف سے ایک تجویز آئی کہ تحریک آزادی برصغیر کی تاریخ لکھی جائے۔ جو کہ سرکاری طور پر ایک مستند دستاویز ہو۔ چنانچہ یہ بات طے پائی گئی کہ ایسی تاریخ مرتب کی جائے گی اور اس میں بنیادی نکتہ یہ طے پایا گیا کہ تحریک آزادی برصغیر میں غیر مسلموں مثلاً ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور انہیں لوگوں کی قربانیوں اور جدوجہد کے نتیجے میں ہندوستان آزاد ہوا تھا، باقی رہے مسلمان تو وہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی ”کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے بروقت اقدام کرتے ہوئے شیخ الہند سیمینار کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ کیونکہ حضرت شیخ الہند نے جو تحریک ریشمی رومال چلائی تھی اور مالٹا میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں، کیا وہ ہندوستان کو فرنگی سامراج سے آزادی کیلئے نہیں تھیں اور آج بھی اس کے اہم

کردار مولانا عزیز گل اسیر مالٹا اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان زندہ ہیں۔ اسی وجہ سے اسی سیمینار میں راجیو گاندھی وغیرہ کو شرکت کی دعوت گئی تھی اور خان صاحب کے مقالے میں اس نکتہ پر توجہ مرکوز کی گئی تھی کہ آزادی برصغیر کی تحریک ایک قومی تحریک تھی۔ اس میں کسی خاص مذہب و ملت کے پیروکاروں کا دخل نہیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ آج تک ہندوستان میں سرکاری سطح پر ایسی تاریخ مرتب نہیں کی گئی۔

تو بات اس پر چل رہی تھی کہ آپ نے ہندوستان میں رہ کر مسلمانانِ برصغیر کی بھرپور وکالت کی اور جب کبھی ایسا موقعہ آیا جس میں مسلمانوں کا ملی خسارہ ہوتا تھا تو آپ نے مسلمانانِ برصغیر کی بھرپور رہنمائی فرمائی۔ تاریخی بابری مسجد کا معاملہ ہو یا گجرات میں فرقہ وارانہ فسادات، مسلمانوں کے تاریخی ورثے مساجد و اوقاف پر ہندوؤں کے دعوے کی بات ہو یا مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ آپ نے ان تمام میدانوں میں قائدانہ کردار ادا کیا۔

ہندوستان میں جب عاقبت نااندیش غیر مقلدوں نے اپنی افتاد طبع کے بموجب وہاں ریشہ دو انیاں شروع کیں اور ملت اسلامیہ کے پیٹھ میں خنجر پیوست کرنے کی شیطانی کوشش کیں، تو سب سے پہلے اس فتنہ و فساد کے خلاف اٹھنے والی توانا آواز وہ حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی کی تھی۔ اس طرح جب بھارت میں شیعہ سنی فسادات برپا کرنے کی سازش کی گئی، تو اس کے روکنے کے لئے بھی آپ سینہ سپر ہوئے اور مسلمانانِ ہند پر واضح کیا کہ ایک ایسے ملک میں جس میں ہم اقلیت میں ہیں اور ہندوؤں کی کئی منظم تحریکیں مسلمانوں کی خلاف چل رہی ہیں، ہم مسلمان اس قسم کے اختلافات اور دنگ و فساد کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

آپ کے دل میں تمام نوع انسانی کے لئے خیر و صلاح کا جذبہ تھا اور خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں، ہم امیر کے مصداق جہاں بھی انسانیت تڑپ اٹھتی، آپ کا دل درد مند بھی اس کے ساتھ دھڑک اٹھتا تھا، گذشتہ سال جب رمضان شریف میں ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو پاکستان میں قیامت خیز زلزلہ آیا تھا جو کہ پاکستان کی تاریخ کا بدترین زلزلہ تھا جس میں ایک لاکھ کے قریب لوگ شہید ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ بے گھر ہوئے جبکہ مالی نقصان کا تو تخمینہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ آپ نے جمعیتہ العلماء ہند کی طرف اپنی سرپرستی میں کروڑوں روپے کے ٹینٹ خیمے ادویات اور دیگر ضروری اشیاء لے کر ٹرکوں کا ایک بڑا قافلہ لے کر پاکستان روانہ کیا اور مسلمانانِ پاکستان کے ساتھ آپ نے اس مشکل گھڑی میں تعاون کا ہاتھ بڑھایا۔

آپ کی دوراندیشی اور فراست کے بارے میں عرض یہ ہے کہ جب ریحانۃ الہند، برکتہ العصرین شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ آخری بار ہندوستان تشریف لائے، تو یہاں پر آپ کی طبیعت انتہائی خراب ہو گئی۔ معتقدین و متوسلین اور خدام نے مشورہ کے بعد طے کیا کہ آپ کو یہاں ہندوستان میں کسی اعلیٰ ہسپتال

میں داخل کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس کے لئے انتظامات بھی مکمل کر لیئے گئے تھے، جب آپ کو اس کا علم ہوا، تو فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدام و متوسلین کو اس پر سرزنش کی اور ان کے لئے واپس حجاز مقدس لے جانے کا پروگرام بنایا، اور فرمایا کہ جس ہستی نے زندگی کا اکثر حصہ حجاز میں مہاجریت کے طور پر گزارا، اس لئے کہ دیار حبیب اور مدینہ منورہ میں، حضور ﷺ کے جوار میں اس کو آرام گاہ نصیب ہو جائے۔ اب جب وقت آیا، تو آپ لوگوں نے اس کو ہندوستان میں علاج کے لئے ٹھہرایا، چنانچہ جب آپ حجاز مقدس مدینہ منورہ لے جائے گئے، تو چند دنوں بعد ہی آپ کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں امیر المؤمنین خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله۔ آپ کی فراست مؤمنانہ کی کی بہتر مثال اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے، راقم اپنے ان پراگندہ سطور کو اپنے ان اشعار پر سمیٹ رہا ہے۔ جس میں امیر الہند کی امتیازی شان کا تذکرہ ہے۔ آج اگرچہ وہ اس دنیا میں نہیں لیکن صفحات عالم پر آپ کا نام زندہ جاوید ہے۔

تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی تاریخ کے اوراق میں آئندہ رہوں گا

ظلمت الحاد میں نورِ سحر پائندہ باد
جن کی شوکت ساری دنیا میں مسلم مرحبا
جانشین شیخ اسلام و امام ذی وقار
ملت اسلامیان ہند کے ہیں تکیہ گاہ
جرات و ایثار و تقویٰ و تدبیر علم و فن
عظمتِ اسلاف کی زندہ نشانی آخر میں
تیری عز و شان کو تیری شہامت کو سلام
ملتِ بیضاء کے غم میں روز و شب مغموم آپ
تو سیاست میں بھی یکتا حاملِ شرع و طریق

چارہ ساز قوم فانی دینِ قیم پر فدا
صاحبِ فکر رسا اہلِ نظر پائندہ باد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



باب : ۱۰

سلوک و ارشاد

اور مدنی نسبتیں

سلوک و ارشاد کے امام

تنظیم القراء والحفاظ ٹرسٹ کراچی پاکستان کے تعزیتی اجتماع سے حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہم کا مختصر خطاب فرمایا۔

مجھے یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ سب حضرات حضرت (مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کی تعزیت کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ تعزیت کے معنی ہیں کسی حادثے پر متاخرین کو تسلی دینا، بلاشبہ ہم سب جو ان سے رشتے داری رکھتے ہیں اور جو روحانی تعلق ان سے رکھتے ہیں، ہم سب تعزیت کے مستحق ہیں، موت العالم موت العالم کا مصداق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال ہے۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ سے سلسلہ سلوک کا جو طریقہ چلا ہے، اس کے اور ہندوستان و پاکستان میں جتنے مشائخ ہیں، ان سب میں سب سے زیادہ سلوک و ارشاد کے میدان میں حضرت آگے نظر آتے ہیں۔ سب سے زیادہ سلوک و ارشاد اس زمانے میں حضرت سے پھیلا حضرت مسلک دیوبند کے محافظ تھے، کہیں سے بھی کوئی فتنہ دار العلوم دیوبند اور اکابر علمائے دیوبند کے خلاف اٹھتا، اس کا تعاقب فرماتے تھے، حکومت سعودیہ نے علمائے احناف اور بالخصوص علمائے دیوبند کے خلاف جو آواز اٹھائی تھی، حضرت کی کوششوں سے وہ ختم ہوئی۔ حضرت نے بڑی سختی کے ساتھ سعودی حکام کے خلاف آواز اٹھائی اور ان سے کہا کہ آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ آپ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالیں، آپ کو چاہیے کہ اتحاد بین المسلمین کو مضبوط کریں اور آپ اتحاد بین المسلمین کے داعی کہلاتے ہیں۔

حضرت کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ کوئی فتنہ دیکھتے تو اس کی سرکوبی کے لئے اس کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، اس فتنے کی سرکوبی تک اپنی جدوجہد جاری رکھتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کے لئے رفاہی ادارے قائم فرمائے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے مسلمانوں کی بھرپور قیادت فرمائی۔ درحقیقت آج ہم سب ان کی کمی کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ دنیا میں زندگی کے بعد موت بھی ہے۔ اس لئے ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنی ہے اور اس کے لئے حضرت نے اپنی زندگی، تن من دھن سے صرف کر دی۔ ہم جو حضرت کے متوسلین ہیں، حضرت سے عقیدت رکھتے ہیں، حضرت کے مشن کو اپنا مقصد زندگی بنائیں، اللہ رب العزت کے ذکر کا اہتمام رکھیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، حسنات کو قبول فرمائے، اپنی مرضیات پر چلائے، شرور و فتن سے محفوظ فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

قاری تنویر احمد صاحب شریفی

حضرت امیر الہند اور مدنی نسبتیں

حضرت امیر الہند کا مقام :

فدائے ملت امیر الہند حضرت اقدس سیدی و مولائی مولانا السید اسعد المدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی فضیلت کے لیے بہت سے شواہد موجود ہیں، جن میں سے دو یہاں درج کیے جاتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ آپ کا درجہ کیا تھا۔

حضرت میاں صاحب مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”مولانا حسین احمد کی سوانح حیات کو حضرت شیخ الہند کی سوانح حیات سے وہی تعلق ہے جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سوانح حیات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات سے ہے۔“ (۱)

امیر امان اللہ خان مرحوم کی رائے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) نقل فرماتے ہیں :

”شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ایک نور تھے تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اس

نور کی ضیا اور چمک تھے۔“ (۲)

حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہ، حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہما کے فکر، مسلک و مشرب اور طریق کار کے امین تھے، بلکہ فکر قاسمی کے بھی داعی تھے۔ ان اکابر کے بعد ان کے مشن کو آگے بڑھانے میں سب سے بڑا حصہ حضرت امیر الہند کا ہے۔ ان اکابر کے کئی مشن تھے۔ مثلاً :

✽ اللہ کی مخلوق کو اللہ کے نظام سے آگاہ کرنا، حقوق اللہ کی فکر ان کے اندر پیدا کرنا۔

✽ اللہ کی مخلوق کے حقوق کا خیال کرنا، چاہے اس کے لیے حاکم وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات

کرنی پڑے۔

✽ اللہ کی مخلوق کی اصلاح کی فکر کرنا اور اپنے اکابر سے وابستہ افراد کے تعلق کا خیال رکھنا۔

اول الذکر دونوں امور ایسے ہیں جن کے لیے کئی دفتر چاہئیں، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ اس موضوع پر کوئی متوسل تفصیلات جمع کر دے گا اور اس سے ہم جیسا طالب العلم بھی فائدہ اٹھالے گا۔

مؤخر الذکر بھی موضوع کے اعتبار سے کافی وسیع ہے، لیکن راقم تو صرف اپنے گھرانے کے ساتھ حضرت امیر الہندؒ جو تعلق تھا اس کا ذکر کرے گا۔ اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر الہندؒ کو تعلق نبھانے کا کیسا ملکہ عطا فرمایا تھا۔

بیعت کے لیے شیخ کا انتخاب :

میرے جد امجد حضرت الاستاذ مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۹ء میں جامعہ

اسلامیہ تعلیم الدین - ڈابھیل، ضلع سورت سے دورہ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے، اس کے بعد تحفیظ قرآن کریم کا مدرسہ اپنے استاد ان مکرم حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمن کاندھلویؒ اور حضرت مولانا قاری عبدالملک علی گڑھیؒ کے حکم سے دہلی میں قائم کیا۔ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۷ء میں سلوک و تصوف کے مراحل طے کرنے کا ارادہ ہوا تو تین اکابر کے نام ذہن میں آئے۔

پہلا نام امیر التبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس دہلویؒ کا.....

دوسرا نام حضرت مولانا پیر خواجہ عبدالملک صاحبؒ کا..... اور

تیسرا نام شیخ الاسلام و المسلمین حضرت الامام مولانا السید حسین احمد مدنیؒ کا تھا۔

حضرت امیر التبلیغؒ مسجد حوض والی، نئی سڑک - دہلی میں تشریف لاتے تھے اور نمازیں حضرت قاری صاحب

مدظلہم کی اقتدا میں ادا فرماتے تھے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ حضرت مولانا محمد

الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے شاید مجھے فائدہ نہ پہنچے، اس لیے کہ حضرتؒ تو خود ہی تشریف لے آتے ہیں اور ایسی ملاقاتوں کی

وجہ سے قدرے بے تکلفی بھی ہو جاتی ہے، اس لیے ان کا نام تو پہلی ہی سوچ بچار کے بعد ذہن سے نکال دیا۔

حضرت پیر خواجہ عبدالملک صاحبؒ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے

ہیں کہ میں ان کی خدمت میں بیعت ہونے کی نیت سے حاضر ہوا۔ پیر صاحبؒ نے مغرب کی نماز کی امامت فرمائی،

پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی دوسری میں اس کے بعد ایک چھوٹی سورت چھوڑ کر اس سے آگے کی پڑھی۔ حضرت

قاری صاحب مدظلہم بغیر ملاقات کیے واپس تشریف لے آئے۔ مدعا بیان کرنا تو دور کی بات تھی، یہ سوچا کہ نماز میں ایک چھوٹی سورت چھوڑ کر اس کے بعد والی پڑھنے سے تو نماز ہی مکروہ ہوگئی، اس لیے ان سے بھی بیعت کا فائدہ نہیں پہنچے گا۔

حضرت شیخ الاسلام کی خدمت عالیہ میں :

اب تیسرا نام حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کا تھا۔ جمعیت علمائے ہند میں آپ کی سربراہی میں بہ حیثیت ایک کارکن حضرت قاری صاحب مدظلہم بھی شریک تھے۔ بس یہی ایک جان پہچان تھی۔ ایک دن حضرت قاری صاحب مدظلہم اپنے دو ساتھیوں (۳) کے ساتھ دیوبند تشریف لے گئے۔ سامان اپنے استاذ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب کے یہاں رکھا اور حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آنے کا مقصد بھی بتلا دیا۔ حضرت شیخ الاسلام نے کچھ سوالات فرمائے اور حضرت قاری صاحب مدظلہم نے ان کے جوابات دیئے۔ وہ یہاں تبرکاً نقل کر رہا ہوں :

سوال: دہلی میں بڑے بڑے بزرگ ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ہیں، ان سے کیوں بیعت نہیں ہوتے؟
جواب: ہم آپ ہی کے پاس حاضر ہوئے ہیں، آپ ہی سے بیعت ہوں گے۔

سوال: استخارہ کر لیجیے۔

جواب: استخارہ تو وہاں ہوتا ہے جہاں تردد ہو، اور جہاں تردد ہی نہ ہو وہاں استخارے کی کیا ضرورت؟

سوال: اچھا! سامان کہاں ہے؟

جواب: سامان حضرت مولانا فخر الحسن صاحب کے مکان پر ہے۔

سوال: مہمان میرے اور سامان وہاں؟

جواب: وہ میرے استاذ ہیں اور وہاں سامان رکھنے میں آسانی بھی ہے۔

ہدایت: اچھا! جب تک یہاں ہیں کھانے پر میرے ساتھ ہی ہوں گے، کہیں اور نہ کھائیں (۴)۔

حضرت شیخ الاسلام نے بیعت فرمالیا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ساتھ جا کر دارالعلوم دکھایا اور ارشاد فرماتے جاتے تھے:

”یہ یہاں علامہ بننے آئے ہیں، مہمانانِ رسول ہیں۔“ (۵)

حضرت شیخ الاسلام کی خواہش :

تقسیم ہند کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہم نے پاکستان منتقل ہونے کا فیصلہ کیا، اور وجہ اس کی یہ تھی

کہ اکثر رشتے دار اور والدہ محترمہ اور بھائی صاحبان کراچی آگئے تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ قاری صاحب کو مدرسہ عالیہ فتح پوری۔ دہلی میں بہ طور مدرس عربی مقرر کر لیا جائے، یہ قاری صاحب کا مادر علمی بھی ہے، لکن کے ساتھ کام کریں گے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے اس کے لیے درخواست بھی انتظامیہ کو دی، لیکن حضرت قاری صاحب مدظلہم کے استاذ محترم حضرت مولانا قاضی سجاد حسین کرت پوری (رحمۃ اللہ علیہ)، حضرت مولانا قاری محمد میاں دہلویؒ کا تقرر کراچکے تھے۔

پاکستان آنے کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہم ریلوے سٹی اسٹیشن۔ کراچی کی مسجد میں پیش امام ہو گئے۔ اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر نیا نیا چلا تھا، اکثر جگہ نماز میں اس کا استعمال نہیں ہوتا تھا اور جو کرتے بھی تھے تو اس میں اختلاف ہوتا تھا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم کو بھی ایسی ہی صورت پیش آئی تو آپ نے اپنے مرشد حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ کو رہنمائی کے لیے خط لکھا، وہ درج ذیل ہے۔ اس سے حضرت شیخ الاسلامؒ سے بیعت کی تاریخ بھی معلوم ہو رہی ہے۔

قاری محمد شریف کا حضرت شیخ الاسلامؒ کے نام خط :

بہ گرامی خدمت شیخ الاسلام و المسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

میں حضرت والا کا ایک گم نام خادم ہوں، ۱۹۴۷ء میں حضرت والا سے بیعت ہوا تھا، اس کے بعد کا دور ایسا افراتفری کا گذرا کہ حضرت کے آستانہ عالیہ پر دیوبند حاضری نہ دے سکا۔ مجھے اپنے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، اللہ کے لیے میری رہنمائی فرمائیں :

۱۔ جناب نے جو اوراد اور تسبیحات سہ تعلقین فرمائے تھے ان پر مداومت نہ کر سکا، لہذا اب کیسے کروں؟

۲۔ نماز میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہوتا، اس کا کیا علاج کیا جائے؟

۳۔ میں ایک مسجد میں یہاں امام ہوں۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے ایک مرتبہ عید کی نماز لاؤڈ

اسپیکر پر پڑھادی تھی، مولانا کا وہ فعل لوگوں کے لیے حجت سا بن گیا ہے، جس کی وجہ سے امسال مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو بھی نماز عید لاؤڈ اسپیکر پر پڑھانی پڑی اور اس جماعت میں سید سلیمان ندوی اور مفتی محمد شفیع صاحب بھی شریک تھے اور مفتی محمد شفیع صاحب نے مشروط طور پر لاؤڈ اسپیکر پر جواز کا فتویٰ بھی دیدیا۔

ان حضرات کے عمل کے بعد ہماری مسجد کے منتظمین بھی یہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز لاؤڈ اسپیکر پر پڑھاؤ۔

اب تک تو خدا کے فضل و کرم سے بچا ہوا ہوں، لیکن اب بچنا مشکل اور محال ہے۔ اس لیے حضرت کا میرے لیے کیا مشورہ ہے؟ یعنی یہ کہ امامت چھوڑ دوں یا لاؤ ڈاؤ اسپیکر پر نماز پڑھانی پڑے تو پڑھا دوں؟

مولانا محمد صادق صاحب کھڑے والے، جو اپنی جماعت کے بزرگ ہیں، ان کا مشورہ یہ ہے کہ امامت نہ چھوڑی جائے۔ والسلام

(نوٹ) یہ خط ذاتی ہے، کوئی فتویٰ نہیں، اس لیے حضرت میرے لیے جو مناسب راہ عمل تجویز فرمائیں اس پر عمل کیا جائے۔ دعائے خیر کا محتاج

(قاری) شریف احمد غفرلہ..... کراچی ۲۰ ستمبر ۱۹۵۰ء / ۷ رزی الحجہ ۱۳۶۹ھ

حضرت شیخ الاسلامؒ کا جواب :

مورخہ ۱۳ رزی الحجہ ۱۳۶۹ھ (۲۶ ستمبر ۱۹۵۰ء)

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

مزاج مبارک! والا نامہ مورخہ ۷ رزی الحجہ باعث سرفرازی ہوا۔ یاد آوری کا شکر گزار ہوں، خیریت سے خوشی ہوئی۔ امور مسئولہ عنہا کا جواب حسب ذیل ہے :

۱۔ وظائف، تسبیحات اگر چھوٹ گئے تھے تو تدارک فرمائیے اور ان کو صبح بعد از فجر اور شام بعد از مغرب ادا فرماتے رہیے، اور اگر کبھی ایسے موانع پیش آجائیں کہ وقت مقررہ پر ادا نہ کر سکیں تو بوقت فراغ ادا کر لیا کریں۔ یعنی بعد از مغرب ادا نہ کر سکیں تو بعد از عشاء ادا کر لیں، اور اگر بعد از فجر نہ کر سکیں تو بوقت اشراق یا چاشت ادا کر لیا کریں۔

۲۔ نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں ان کے معانی کا استحضار کرتے ہوئے یہ تصور کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ سامنے موجود ہے اور میں اس سے عرض معروض کر رہا ہوں۔ اس دھیان پر زور دیں۔ جب بھی خطرہ دوسرا آئے اس کو چھوڑ کر اسی دھیان پر لوٹیں۔ اس کی عادت ڈالیں اور کوشش کریں، ان شاء اللہ آہستہ آہستہ کامیابی ہوگی۔

اور اگر جلدی چاہیں تو صورت یہ ہے کہ جس نماز میں ایسی صورت پیش آئے کہ اغیار کے خیالات نے توجہ الی اللہ کو اس نماز میں روکا ہے، اس نماز کو تنہائی میں دھرائیں۔ اگر اس میں بھی ایسے خیالات اور خطرات آئیں تو اس کو بھی دھرائیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ان شاء اللہ جلد کامیابی ہوگی۔

۳۔ لاؤ ڈاؤ اسپیکر کی نماز کے لیے جب علمائے فتویٰ دیا ہے اور عمل بھی کیا ہے تو کیوں تردید فرماتے ہیں؟ اگر نماز فاسد ہوگی تو ان مفتیوں کی گردن پر وبال ہوگا، آپ کو اس میں تردید نہ ہونا چاہیے (۶)۔ مَنْ قَلَّدَ عَالِمًا لَقِيَ اللَّهَ سَالِمًا

اب جب کہ حرمین میں بھی (یہی) عمل جاری کر دیا گیا ہے اور باوجود صد ہا احتجاجات حکام حجاز نے اسی کو جاری رکھا ہے، ہزاروں بلکہ لاکھوں کی عبادت کو اسی کے تابع کیا گیا، اب کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سب کی نماز فاسد ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ کوئی قطعی مسئلہ نہیں ہے کہ جس کی بنا پر کوئی قطعی فیصلہ کیا جاسکے، بلکہ قابل غور یہ امر ہے کہ آیا لاؤڈ اسپیکر کی آواز وہی آواز ہے جو کہ امام کی ہے یا دوسری آواز اس آلہ اور بجلی سے پیدا ہوئی ہے؟ اگر وہی آواز ہے جو کہ آلہ مکبرۃ الصوت میں گزرنے سے قوی ہوگئی ہے تو نماز کی صحت میں شبہ نہیں، اور اگر یہ دوسری آواز ہے تو عدم صحت میں شبہ نہیں۔ ماہرین فن اس میں مختلف ہیں۔ اسی بنا پر جمعیت علمائے ہند اس مسئلے کی تحقیق کر رہی ہے اور ماہرین فن سے دریافت کرنے کی جدوجہد میں مشغول ہے (۷)۔ بناء بریں آپ تامل نہ فرمائیں اور اپنی ملازمت سے علیحدگی کا خیال نہ کریں، بالخصوص جب کہ آپ کو مجبور کیا جا رہا ہے اور آپ کے لیے بجز اس آمدنی کے اور کوئی صورت نہیں ہے، ایسی صورت میں آپ کا دامن ہر طرح پاک ہے۔

دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ واقفین پرسانِ حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ میں نے دو خط ضروری مولانا صادق صاحب کے پاس ہوائی ڈاک سے بھیجے، ایک کا بھی جواب نہیں دیا، تعجب ہے۔ واقفین پر حال سے سلام مسنون کہہ دیں۔

نگہِ اسلاف حسین احمد غفرلہ

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کی وفات ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ / ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء بہ روز جمعرات ہوئی۔ حضرت کے متوسلین کو اس سے فطری طور پر دھچکا لگا۔ اور پھر جو پاکستان میں تھے ان کے لیے رنج و افسوس زیادہ تھا، اس لیے کہ تقسیم کی اہنی مصیبت کی وجہ سے ہندوستان جانا فوری طور پر ناممکن تھا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے جانشین حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا السید اسعد مدنی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو تعزیتی خط لکھا، جواب میں حضرت امیر الہند کا یہ خط آیا۔ (۸)

حضرت سے انتساب کا تقاضا :

مکتوب اسعد (۱) :

محترم المقام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا تعزیت نامہ موصول ہوا، جس کا شکریہ یہ اندوہ گین کسی طرح ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل

و کرم سے آپ کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔

بلاشبہ حضرت قدس سرہ کی رحلت کا سانحہ نہ صرف ہم لوگوں کے لیے بلکہ پوری ملت کے لیے ایک سانحہ ہے۔ حضرت قدس سرہ سے تعلق اور اس کے ثبات و قیام کے پیش نظر خدام کے لیے یہ ضروری ہے کہ حضرت کے لیے دو امانت ایصالِ ثواب خود کرتے رہیں اور دوسرے متعلقین کو اس طرف توجہ دلاتے رہیں۔ نیز جناب باری عز اسمہ سے حضرت اقدس کے علوم مرتبت اور رفع درجات اور مقبولیتِ تامہ کے لیے نہایت الحاح و زاری سے دعائیں کرتے رہیں۔ کیوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم مراتب اور بلندی درجات سے تمام ہی خدام کو فضل خداوندی سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی نہ صرف توقع بلکہ یقین ہونا چاہیے۔

حضرت قدس سرہ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم حضرت کے اسوہ کو اپنی زندگی کا راہِ عمل اور آپ کی تعلیمات کو اپنا اسوہ بنالیں۔ ہمیں یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ اتباع سنت پر پابندی اور اپنی، اپنے گھر والوں اور خاندان والوں کی صورتیں اور سیرتیں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق بنائے رکھنے کی کوشش، نیز خوشی و غمی کی فضول خرچیوں اور خلاف منشاء شریعت رسومات کے استیصال میں حضرت کو زیادہ سے زیادہ شغف تھا، اس لیے ہمیں خود عامل بن کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہنا چاہیے۔ حضرت قدس سرہ سے انتساب کا یہ تقاضا ہے کہ ذکر اللہ میں پوری پوری جدوجہد اور پابندی اوقات کی جائے کہ یہی مقصد زندگی اور یہی اصلی زندگی ہے۔ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ میں اس کی بے حد تاکید ہے۔

نہایت عاجزی سے یہ بھی درخواست ہے کہ دعواتِ صالحہ اور بالخصوص اوقاتِ مخصوصہ کی دعاؤں میں مجھے فراموش نہ فرمائیں کہ میں اس باب میں بہت زیادہ محتاج ہوں۔

فقط والسلام اسعد غفرلہ..... ۶/۸/۱۳۷۷ھ (۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء)

حضرت شیخ الاسلامؒ کی جانشینی :

شیخ مدنی کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی (مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت مولانا سید اسعد مدنی کو خلافت دی اور حضرت شیخ الاسلام کے تمام خلفائے مل کر حضرت شیخ الاسلام کی طرف سے خلافت عطا فرمائی اور حضرت شیخ کا جانشین مقرر کیا۔

جناب اثر انصاری نے جانشینی کی تاریخ اس طرح رقم کی

بہ ظاہر اجل کی بدولت جہاں میں جہاں آفتاب طریقت کی ضو ہے

بہ باطن حرم خانہ شمع دیں میں اسعداب چراغ محمد کی لو ہے

۱۳۵۷۷

غالباً حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے بھی اجازت اور خلافت حاصل تھی۔ ”مکتوبات شیخ الحدیث“ میں حضرت شاہ صاحب کا ایک خط ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

نسبت مدنی کے احترام کے معلم، متوسلین کو ہدایت :

حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی (جانشین حضرت شیخ) نے متوسلین حضرت شیخ الاسلام کو یہ ہدایت فرمائی :

”تربیت پانے والے صاحبان اور جو حضرت شیخ الاسلام کے سلسلے میں بیعت ہونا چاہیں وہ مذکورہ بالا (جو خلفا کی فہرست (۹) ہے) خلفائے کرام میں سے جن کی طرف قلب کارحمان پائیں ان سے تعلق قائم کریں۔ وَفَقْنَا اللَّهَ يُجِبُّهُ وَيَرْضَاهُ (۱۰)۔“

فقط اسعد غفرلہ۔“

اسی ہدایت کی بنا پر حضرت قاری صاحب مدظلہم نے حضرت مولانا سید حامد میاں ابن مورخ ملت حضرت العلام مولانا السید محمد میاں دیوبندی رحمہ اللہ سے تعلق قائم کیا۔ یہاں تک نسبت مدنی ہے۔ اس نسبت کا احترام حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے اخص صفات میں سے ایک تھا۔ جس کے ساتھ ایسا تعلق ہو اس سے ساری عمر نبھایا۔ ذیل کی سطور میں اسی احترام کی ایک جھلک نظر آئے گی۔ حضرت مولانا سید حامد میاں قدس سرہ سے تعلق کی اطلاع حضرت قاری صاحب مدظلہم نے حضرت کو دی، اس پر یہ جواب آیا۔

مکتوب اسعد (۲) :

مخدوم و مکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والا نامہ ۲۲ صفر ابھی ابھی ملا، یاد فرمائی کے لیے تہ دل سے شکر گزار ہوں۔

بہت اچھا ہوا کہ جناب نے بسلسلہ سلوک مولانا حامد میاں صاحب سے تعلق اصلاح قائم کر لیا۔ وَفَقْنَا

اللَّهُ وَإِيَّاكُمْ لِمَا يُجِبُّهُ وَيَرْضَاهُ.

ان شاء اللہ کتب مطلوبہ کل تک روانہ کر دی جائیں گی اور مکتبہ سے منگانے والوں کو آئندہ اس قسم کی

شکایات نہ ہوں گی۔

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی" ----- ﴿ ۳۷۴ ﴾

دراصل میری کاہلی، ناکارگی، روسیاء ہی نے اس کا موقع نہ دیا۔ آپ کا جوابی لفافہ واپس ہے، بھلا اس رسم کی کیا ضرورت ہے؟ بس اس روسیاء کو دعواتِ صالحہ سے سرفراز فرماتے رہیں۔ یہاں بحمد اللہ سب چھوٹے بڑے بہ خیریت ہیں۔
فقط والسلام اسعد غفرلہ ۲۴ صفر ۱۳۸۰ھ ۱۸ اگست ۱۹۶۰ء

نسبتِ مدنی کا احترام۔ حج کے سفر کا ایک واقعہ :

۱۹۶۳ء میں حضرت قاری صاحب مدظلہم حج کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت قاری صاحب کے مرشد ثانی شیخ طریقت حضرت مولانا سید حامد میاں نور اللہ مرقدہ (خلیفہ حضرت شیخ الاسلامؒ۔ بانی جامعہ مدنیہ۔ لاہور) پہلے ہی حج کو تشریف لے گئے تھے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ میں تھے کہ حضرت مولانا اسعد صاحب کا پیغام ملا کہ میں آیا ہوا ہوں اور ملاقات کرنی ہے۔ منیٰ سے مکہ مکرمہ آتے ہی حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب کے ساتھ ملنے کے لیے گئے تو مولانا مدینہ منورہ روانہ ہو رہے تھے، کھڑے کھڑے ملاقات ہوئی۔ ایک دن کے بعد ہم بھی مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہاں تفصیلی ملاقات ہوئی۔

حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ جب میں حج پر جانے لگا تو اہلیہ (راقم کی دادی صاحبہ) کی حالت اچھی نہیں تھی۔ میں نے جاتے وقت اپنے ایک دوست حاجی محمد لیسین (۱۱) پر اچھ مرحوم سے کہا کہ میرے پیچھے اگر ان کا انتقال ہو جائے تو تجھیز و تدفین کا انتظام کر دینا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد کیفیت یہ ہو گئی کہ ہر وقت جنازہ سامنے نظر آتا تھا۔ میں نے حضرت مولانا اسعد صاحب سے عرض کیا، حضرت نے کچھ پڑھنے کو بتایا، وہ میں نے پڑھا تو تیسرے دن کراچی سے خبر آ گئی کہ بحمد اللہ خیریت سے ہیں (۱۲)۔

پاکستان کے ذرائع ابلاغ :

حضرت امیر الہند قدس اللہ سرہ العزیز کئی مرتبہ پاکستان تشریف لائے۔ ان اسفار کے دوران پاکستانی اخبارات کے صحافی حضرت کے گرد جمع ہو جاتے اور ایسے سوالات کرتے جن کے جوابات سے ان کے اخباروں میں شہ سرخیاں لگیں اور انھیں ایک محاذ ہاتھ لگ جانے کا اندیشہ ہوتا۔ لیکن حضرت نے کبھی ایسا کوئی جواب نہیں دیا جس سے ان کی خواہشات پوری ہو سکیں۔ ہاں! از خود صحافی حضرات ان کے بیان پر مرچ مصالحے لگا کر پیش کرتے تھے۔ (۱۳)

حضرت امیر الہندؒ، ۸، ۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو رابطہ عالم اسلامی کی پہلی ایشیائی کانفرنس میں شرکت کے لیے کراچی تشریف لائے۔ یہ کانفرنس حبیب بینک پلازا، بالمقابل مسجد شیشی اسٹیشن میں ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید

ابوالحسن علی ندویؒ بھی انڈیا سے تشریف لائے تھے۔ راقم الحروف کو وہ وقت اچھی طرح یاد ہے کہ اس کانفرنس کے دوران آئی آئی چند ریگروڈ پر انتہائی سخت پہرہ تھا۔ اسی دن اس کانفرنس میں اس وقت کے صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق مرحوم بھی شرکت کر رہے تھے۔ اسی دوران حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ عصر کی نماز کے لیے کانفرنس ہال سے مسجد شی اسٹیشن تشریف لائے۔ حضرت رحمہ اللہ نے نماز کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہم سے ملاقات کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ سے فرمایا :

”مفتی صاحب! آپ قاری صاحب کو جانتے ہیں؟“

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ ”میں پہچانا نہیں۔“ حضرت نے فرمایا کہ :

”بھائی! بڑی عجیب بات ہے، یہ پاکستان بننے سے پہلے دہلی ہی میں تھے، جمعیت میں کام کر چکے ہیں۔“

اس وقت جامعہ دارالعلوم - کراچی کے ایک ”عالم ربانی“ نے ایک صاحب سے فرمایا تھا :

”کیا عجیب بات ہے، لوگ مولانا اسعد صاحب سے ملنے کے لیے ان کی قیام گاہ پر جا رہے

ہیں اور مولانا اسعد صاحب قاری صاحب سے ملنے کے لیے مسجد شی اسٹیشن آ رہے ہیں۔“

اس موقع پر شیخ طریقت حضرت مولانا السید حامد میاں نور اللہ مرقدہ نے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے

اور پاکستان کے ذرائع ابلاغ کی نحوست کو محسوس کرتے ہوئے ایک خط حضرت قاری صاحب مدظلہم کو لکھا اور یہ تحریر فرمایا :

”اس وقت عریضہ صرف اس لیے لکھ رہا ہوں کہ مولانا (اسعد مدنی) کی خدمت میں آپ

یہاں کے کچھ حالات کا خاکہ پیش فرمادیں، ممکن ہے کہ یہ مفید ہو۔

مجھے خیال آیا کہ انٹرویو لینے کے لیے پورے پاکستان کے اخبارات و رسائل کے نمائندے

پہنچے ہوئے ہیں اور پنجاب کے نمائندے شاید کچھ شرارت بھی کریں۔

نوائے وقت اس وقت یہاں سب سے زیادہ مقبول روزنامہ ہے، اس کی اشاعت دو لاکھ سے

کم نہیں، لیکن ذہنی طور پر یہ تاریخی گندہ اور مفسد ہے۔ سب سے پہلے اس نے فروری میں

حضرت اقدس (مولانا حسین احمد مدنی) رحمہ اللہ کے خلاف متحدہ قومیت کے موضوع پر نہایت

گم راہ کن مضمون اپنی طرف سے تیز تیز سرخیاں لگا کر شائع کیا۔ یہ ص ۳ کے نصف پر روزانہ

بالاقساط پورے کا پورا شائع کیا اور ہمارا جواب نہیں شائع کیا۔

ع نہ انکاری کم نہ ایں کاری کم

کی پالیسی اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح اب مٹھائی کی کتاب کے اقتباسات مولانا آزاد رحمہ اللہ کے خلاف بڑی سرخیوں سے اور دوسرے ہفتے رفیع احمد قدوائی کے خلاف کہ وہ ایک سو فیصد لادین تھے، شائع کرنے شروع کیے۔

مولانا آزاد کے بارے میں جو مضمون تھا اس کے بارے میں ایک نوخیز ہفت روزہ نے تیز مضمون لکھا ہے، یہ میں دیکھنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ نوائے وقت اس کا اثر لے گا۔ کیوں کہ اس کی سمجھ میں معقول بات نہیں آتی، بلکہ جتنی زیادہ معقول و مدلل بات ہوتی ہے اتنا ہی ایسے لوگ اسے چھپاتے ہیں۔ میرا مضمون انہوں نے چھپا کر ہی رکھ دیا۔ البتہ مولانا (اسعد مدنی) سے انٹرویو میں جو معقول و مفید جملے ہوں گے وہ شائع ضرور ہو جائیں گے۔ مولانا یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اس مناسبت سے کہ وہ اسلامی نظام کی اور اس کے نفاذ در پاکستان کی سعی کے لیے تشریف لائے ہیں۔ صرف اسی موضوع پر زور دیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سوالات کے جوابات میں ایسے جملے ارشاد فرمائیں جیسے ہندوستان کے لیڈر کہتے رہتے ہیں کہ پاکستان کو ہم زیادہ مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان کے لیڈر کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے لیے کم زور پاکستان کی بہ نسبت مضبوط پاکستان زیادہ مفید ہے۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے نظریے کے بارے میں سوال ہو تو یہی کہا جائے جو شیخ الاسلام نمبر وغیرہ میں ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ ان کا اختلاف نفسانیت سے بالاتر اور پاکستان بننے کے بعد انہوں نے اسے ایسی مقدس زمین قرار دیا ہے جس کی حفاظت و تقویت ضروری ہو۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آزاد ریاست کے لیے مسٹر جناح کے ایک بیان کی فوٹو کاپی اور اس کا حوالہ بھیج رہا ہوں، اس کتاب میں ان کی ایک اور تقریر کا حوالہ بھی ملا، جو مفید ہو سکتا ہے۔ اور پاکستان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ اس نے اس سلسلے میں اپنے قائد کی بات کہاں تک پوری کی؟ اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بھی منسلک ہے۔“ (۱۴)

حضرت شیخ طریقت کا یہ گرامی نامہ اور اس میں اتنی ہدایات شاید اسی لیے تھیں کہ حضرت امیر الہندہ ۱۹۷۰ء (آٹھ سال) کے بعد پاکستان تشریف لائے تھے۔ اس موقع پر عارف باللہ حضرت محمود احمد عارف خلیفہ مجاز شیخ طریقت حضرت مولانا السید حامد میاں نے یہ نظم لکھی تھی :

وہ آئے حضرت اسعد بہ فضل ربانی وہ جانشین حسین زمان لاثانی
ریس اہل وفا، جان بزم اہل تقا مثال نیرے تاباں ہیں شمس عرفانی

عمل میں جہدِ مسلسل ہے آپ کا حصہ
متاع اہل جہاں ہیج ہے نگاہوں میں
عروج پر ہے ستارہ تری سعادت کا
رضائے ذاتِ مقدس نصیب ہو دائم
دعائے عارفِ مہجور ہے دل و جاں سے

سراپا عشق و محبت و نور ایقانی
محیط دل پہ ہوا عشق ذاتِ ربانی
سعید ہی نہیں اسعد ہیں مرد حقانی
یہی تو غایتِ اولیٰ ہے روح ایمانی
کریں یہ امتِ مرحومہ کی نگہبانی

تقاریر اور بیانات میں احتیاط :

حضرت امیر الہند قدس اللہ سرہ العزیز پاکستان تشریف آوری میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔
۱۳۸۹ھ کے حج سے واپسی پر پاکستان تشریف لائے، اس سفر میں آپ اپنے استاذِ محترم حضرت مولانا
عبدالحق (رحمۃ اللہ علیہ) سے ملاقات کے لیے دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک تشریف لے گئے۔ دارالعلوم میں استاذ
محترم نے اپنے لائق و فائق تلمیذ کے خطاب کا اعلان کر دیا، وہاں انتہائی مختصر خطاب میں آپ نے اس طرف بھی
روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا :

”میں ایک غیر ملکی ہوں، اس لیے مجھ جیسے آدمی کو کسی بھی تقریر وغیرہ سے بہت احتیاط مناسب
ہے۔ میں نے پچھلے سفر میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ ایسا کوئی موقع نہ آئے۔ مثلاً ملتان میں
جلسے کا اعلان ہوا، میری بے خبری میں پوسٹر میں میرا نام بھی چھاپ دیا گیا۔ بڑے پارک میں
ہزاروں کا مجمع تھا، مگر میں جمعہ کی نماز پڑھ کر بہ ظاہر بہت نامناسب طریقے سے وہاں سے چلا
آیا۔ اس لیے میرے لیے مناسب ہے کہ کسی بھی اجتماع سے خطاب کرنا تو مجھ جیسے طالب العلم
کے لیے اور بھی نامناسب ہے۔“ (۱۵)

مکتوب اسعد (۳) :

محترم المقام زید مجدکم

مزانج شریف!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والا نامہ اور چادر حافظ محمد احمد صاحب سہارن پوری (۱۶) کے ذریعے موصول ہوئی، تکلیف فرمائی کا بہت

بہت شکریہ۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔

واقفین پرسان احوال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون فرمادیں۔ دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ

فرمائیں۔ فقط والسلام (مولانا) اسعد (صاحب مدظلہ)

رجوع الی اللہ کی ایک علامت :

۹/۱۳۹۹ھ / ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۹ء بہ روز منگل کا حج۔۔۔ جس میں بعض بلوائیوں نے حرم محترم مکہ معظمہ پر قبضہ کیا تھا، اس حج میں راقم الحروف حضرت قاری صاحب مدظلہم کے ساتھ گیا تھا۔ جس وقت یہ حادثہ عظیمہ پیش آیا۔ ہم مدینہ منورہ میں تھے اور اسی دن مکہ معظمہ واپسی ہونی تھی، لیکن اس حادثے کی وجہ سے ہم مکہ معظمہ نہیں جاسکے۔ مزید چند دن مدینہ شریف میں قیام کیا اور اس کے بعد جدہ شریف کئی دن رہے، لیکن ہماری وطن واپسی تک حرم محترم نہیں کھلا تھا۔ یہ میرا پہلا سفر حج تھا اور میری عمر گیارہ سال تھی۔ اس سفر میں ہم میں سے کسی کو حجر اسود کے بوسے کا موقع نہیں ملا تھا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم کو اس کا بڑا قلق تھا۔ اس کا اظہار کسی خط میں حضرت قاری صاحب مدظلہم نے اپنے مرشد حضرت مولانا سید حامد میاں (نور اللہ مرقدہ) سے کیا۔ حضرت نے حضرت امیر الہند سے کسی خط میں اس کا اظہار کیا۔ حضرت امیر الہند نے جواباً حضرت میاں صاحب کو لکھا کہ حجر اسود کا بوسہ کوئی فرض و واجب نہیں۔ لیکن اس پر بھی قاری صاحب کا افسوس رجوع الی اللہ کی ایک علامت ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا اجلاس صد سالہ اور حضرت امیر الہند :

۱۵، ۱۴، ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء بہ روز جمعہ، ہفتہ اور اتوار دیوبند میں دارالعلوم کا صد سالہ عظیم الشان اجلاس ہوا، حضرت امیر الہند نے تن من دھن سے اس اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے محنت کی۔

حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں :

”ہم جب دیوبند اسٹیشن پہنچے تو حضرت مولانا اسعد صاحب اپنے رفقا کے ساتھ استقبال کے لیے موجود تھے۔ گاڑیوں اور تانگوں میں مہمانوں کو دارالعلوم بھیج رہے تھے۔ مدنی منزل (رہائش گاہ حضرت شیخ الاسلام) کھلی ہوئی تھی۔ جس کا جی چاہے مدرسے میں قیام کرے یا مدنی منزل میں۔ حضرت مولانا کھانے کے وقت ہر مہمان سے پوچھتے اور ہر شخص یہ سمجھتا کہ مجھ سے سب سے زیادہ تعلق ہے۔“

پریس کے بارے میں سوال :

حضرت قاری صاحب مدظلہم کا ایک قدیم اشاعتی ادارہ کراچی میں ”مکتبہ رشیدیہ“ کے نام سے قائم ہے۔ اس ادارے کے لیے پریس کا قیام شوال المکرم ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء اگست میں عمل میں آیا اور اس کا افتتاح حضرت امیر

الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے برادر نسبتی اور بہنوئی حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد و خلیفہ عجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے دست مبارک سے ہوا۔ حضرت مولانا نے ہندوستان جا کر حضرت امیر الہندؒ کو بتایا ہوگا کہ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے پریس لگایا ہے۔ اس کے بعد جب حضرت امیر الہندؒ پاکستان تشریف لائے اور جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن میں قیام فرمایا تو حضرت قاری صاحب مدظلہم طے کے لیے تشریف لے گئے۔ فرمانے لگے:

”قاری صاحب! آپ کیوں آگئے، میں تو مغرب کی نماز میں آپ کے پاس آرہا ہوں۔“ (یہی نسبت

مدنی کا احترام ہے)۔

حضرت سفر کراچی میں اکثر مغرب کی نماز میں سٹی اسٹیشن کی مسجد میں تشریف لاتے تھے اور پھر مغرب کی نماز کی امامت آپ کے ذمے ہوتی تھی۔

اسی دوران جامعہ علوم اسلامیہ کے مہمان خانے سے حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی قبر پر فاتحہ کے

لیے تشریف لاتے ہوئے راستے میں میرے والد محترم حافظ رشید احمد صاحب مدظلہ سے فرمایا:

”آپ کے پریس کا کام کیسا ہے؟ کیا چھاپ رہے ہیں؟“

یہ منظر آج تک میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ حضرت امیر الہندؒ نے کس شفقت کے ساتھ سوال فرمایا

تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک صفت خانوادہ مدنی میں ایسی رکھی کہ ہمارے لیے شفقت کا سبب ہوتی ہے کہ یا اللہ! ہم سے

اتنا تعلق؟ اللہ تعالیٰ خوب خوب اس خانوادے کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۹۸۲ء میں حضرت امیر الہندؒ کی پاکستان تشریف

اور دارالعلوم دیوبند کے لیے کمیٹی کا قیام :

۱۹۸۲ء میں حضرت امیر الہندؒ پاکستان تشریف لائے۔ اس وقت کے صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق

مرحوم نے جناب افضل چیمہ کے ذریعے حضرت امیر الہندؒ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت امیر الہندؒ نے

اسلام آباد میں صدر صاحب سے ملاقات فرمائی۔ اس موقع پر بھی دارالعلوم دیوبند کا مفاد پیش نظر تھا۔ حضرت امیر

الہندؒ نے صدر صاحب سے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کے بھی خواہوں کی تعداد پاکستان میں بہت ہے اور وہ چاہتے

ہیں کہ دارالعلوم کی مالی طور پر مدد کریں۔ اس کے لیے قانونی طور پر کوئی صورت نکلے جیسا کہ اس سے پہلے تھی۔ رقم

یہاں سے ہندوستان منتقل ہو سکے اور حکومت پاکستان اس سلسلے میں تعاون کرے۔ صدر صاحب نے تعاون کا وعدہ

کر لیا۔ حضرت امیر الہندؒ نے ایک پانچ رکنی کمیٹی بنائی اور ان کے نام صدر صاحب کو دیئے، جس کے ارکان مندرجہ

ذیل تھے :

صدر کمیٹی	حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم
(مہتمم جامعہ رشیدیہ - ساہیوال) رکن	حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی (رحمۃ اللہ)
(مہتمم مجلس علمی - کراچی) رکن	حضرت مولانا محمد طاسین (رحمۃ اللہ)
(بانی و مہتمم جامعہ فاروقیہ - کراچی) رکن	حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ
(جامعہ علوم اسلامیہ - کراچی) رکن	جناب سید محمد بنوری (مرحوم)

لیکن افسوس! جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے جیسے اور وعدے تھے یہ بھی ویسا ہی وعدہ ثابت ہوا اور کوئی تعاون حکومت سے نہ مل سکا۔ (۱۸)

مکتوبات شیخ الاسلام -- طباعت کی اجازت :

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب گرامی میں علم اور سلوک و تصوف کے ساتھ ساتھ تحریک آزادی کی تاریخ کا ایک بیش بہا اور گراں قدر خزانہ ہے۔ حضرت مولانا نجم الدین اصلاحی نے حضرت شیخ الاسلام کی زندگی میں اس کی جمع و ترتیب شروع کی تھی اور دو جلدیں حضرت کی زندگی میں مکتبہ دیدیہ - دیوبند سے حضرت مولانا سید اسعد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) نے شائع فرمائی تھیں۔ متوسلین حضرت شیخ الاسلام کے لیے پاکستان میں اس کی اشاعت کی بیڑا حضرت قاری صاحب مدظلہم نے اٹھایا۔ شیخ طریقت حضرت مولانا سید حامد میاں نور اللہ مرقدہ کی سرپرستی اور نگرانی میں حضرت الاستاذ سید انور حسین نفیس رقم مدظلہم کے تلامذہ نے کتابت کی اور جامعہ مدنیہ لاہور کے اساتذہ نے اس کی تصحیح کی۔ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ / جون ۱۹۹۴ء میں مجلس یادگار شیخ الاسلام - پاکستان، کراچی سے شائع ہوئی۔

حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہ نے اس کی اشاعت کی اجازت حضرت شیخ طریقت کو ایک خط میں تحریر فرمائی۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں :

”قاری شریف صاحب مکتوبات چھاپ سکتے ہیں، اگر اس کی کتابت اچھی ہوئی تو ہم اس کا فونٹولے کر یہاں بھی پھاپ دیں گے۔“

حضرت امیر الہند کی غیر متوقع آمد :

۱۱ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ / ۲۰ مارچ ۱۹۸۹ء بہ روز پیر، اچانک حضرت امیر الہند کراچی تشریف لائے۔ اس وقت چلنے پھرنے سے معذور تھے اور جب اس کی یہ تھی کہ ایک ٹریفک حادثے کی وجہ سے ٹانگوں میں چوٹ لگی تھی اور وہیل چیئر پر تشریف لائے تھے۔ اس سفر میں حضرت شیخ الاسلام کے چھوٹے صاحب زادے حضرت مولانا سید

اسجد مدنی مدظلہ بھی ہم راہ تھے، یہ آپ کا پہلا پاکستانی سفر تھا۔

حضرت قاری صاحب مدظلہم نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے مدرسے کے پانچ طلبا کا قرآن پاک حضرت سے ختم کرایا اور حضرت کا ایک اصلاحی بیان مسجد شیشی اسٹیشن میں اس موقع پر ہوا۔

اس سفر سے واپسی پر حضرت امیر الہند نے یہ خط تحریر کرایا۔

مکتوب اسعد (۴) :

محترم المقام جناب قاری صاحب دامت برکاتہم سلام مسنون !

امید ہے کہ مزاج گرامی بہ خیر ہوگا۔ آپ سے رخصت ہو کر ۲۱ مارچ کی شام میں الحمد للہ بہ خیر دہلی

پہنچا۔ آپ حضرات کی عزت افزائی، کرم اور مہمان نوازی کا شکر گزار ہوں۔ جزاکم اللہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات سے نوازے اور حفاظت فرمائے۔ آمین

پرساں احوال سے سلام فرمادیں اور دعا کی درخواست۔ دعواتِ صالحہ کا خواست گوار ہوں، فراموش نہ

فرمائیں۔ والسلام (حضرت مولانا اسعد مدنی (مدظلہ) ۲۵/۳/۱۹۸۹ء)

میں تو پاکستان جا رہا ہوں :

راقم الحروف ۱۹۸۹ء میں حضرت قاری صاحب مدظلہم کے ساتھ ہندوستان گیا۔ اس سفر میں جناب محمد

اقبال ہمد والے بھی ساتھ تھے۔ یہ سفر ایک تاریخی سفر تھا۔ اس سفر میں ۲۳ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ / ۲۹ مئی ۱۹۸۹ء کو

جمعیت علمائے ہند کے دفتر، مسجد عبدالنبی (نئی دہلی) سے مغرب کی نماز پڑھ کر حضرت مولانا سید اسجد مدنی مدظلہم

حضرت قاری صاحب مدظلہم اور راقم الحروف کو لے کر حضرت امیر الہند کی سرکاری رہائش گاہ پہنچے (حضرت امیر الہند

کو یہ رہائش گاہ پارلیمنٹ کے ممبر کی حیثیت سے ملی ہوئی تھی)۔ حضرت امیر الہند اسی وقت بمبئی کا دورہ کر کے واپس

ہوئے تھے اور سامان اگلے سفر کے لیے درست فرما رہے تھے۔ صرف ڈیڑھ دو گھنٹے کا وقت تھا۔ اسی میں نماز عشاء

ہیں جماعت کے ساتھ ادا کی۔ حضرت سے ملاقات ہوئی، دیکھ کر فرمانے لگے: قاری صاحب! آپ ہمارے ایس

میں اور ہم آپ کے دیس کی تیاری کر رہے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ٹرین سے روانگی ہے۔ حضرت قاری صاحب

مدظلہم نے کہا کہ آپ سے ملاقات ہوگئی یہی غنیمت ہے۔ ورنہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ محرومی رہتی۔ حضرت نے

فرمایا کہ خیر! میں تو لاہور اور کوئٹہ کے سفر پر رہوں گا۔ کراچی کا تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سلوک و طریقت

حضرت امیر الہند سے تعلق اصلاح :

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۹۰ء میں جب پاکستان تشریف لائے تو جامعہ علوم اسلامیہ - کراچی کے مہمان خانے میں حضرت قاری صاحب مدظلہم نے حضرت سے درخواست کی کہ ان چند حضرات کو بیعت کر لیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ نماز ظہر کے بعد ان شاء اللہ بیعت ہوگی۔ اس دوران بیعت کرنے والے کافی لوگ جمع ہو گئے۔ نماز کے بعد مہمان خانے میں حضرت نے بلایا اور دروازہ بند کر دیا۔ ہم سب حلقہ بنا کر بٹھا دیئے گئے۔ تقریباً پچیس تیس کے قریب افراد تھے۔ حضرت امیر الہند نے فرداً فرداً سب سے احوال پوچھے۔ کسی سے بیعت ہیں؟ کوئی طالب العلم تو نہیں؟

کسی نے کہا کہ فلاں بزرگ سے بیعت ہوں۔ اگر گروہ بزرگ انتقال کر گئے تھے تو انھیں بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمادی گئی یا جو کسی سے بیعت نہیں تھے انھیں اجازت دی گئی۔ اس مجلس بیعت میں ایک صاحب نے کہا کہ میں حضرت مولانا سید حامد میاں سے بیعت تھا، حضرت نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، بیٹھے رہیے۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا عبداللہ درخوآستی سے بیعت ہوں۔ حضرت درخوآستی حیات تھے، حضرت نے فرمایا کہ باہر چلے جائیے۔ شیخ حیات ہیں، دوسری بیعت کی ضرورت نہیں۔ ان صاحب نے بہتیرا کہا کہ حضرت! میں نے شیخ درخوآستی سے اجازت لے لی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں بیعت نہیں کرتا۔ آپ باہر چلے جائیے۔ وہ اصرار کرتے رہے، حضرت نے غصے میں فرمایا اور انھیں کمرے سے باہر جانے کا حکم سختی سے فرمایا۔ اس طرح صرف دس افراد باقی بچے، جنہوں نے بیعت کی۔

حضرت نے مجھ سے بھی پوچھا کہ کسی سے بیعت تو نہیں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ میری خوش قسمتی کہ حضرت نے یہ سوال نہیں فرمایا کہ طالب العلم تو نہیں ہو؟ ورنہ شاید میں بھی اٹھا دیا جاتا۔ اس لیے کہ حضرت شیخ

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنی" ----- ﴿ ۳۸۳ ﴾

الاسلام نور اللہ مرقدہ کا طریقہ یہی تھا کہ طالب العلم کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔ حضرت امیر الہند نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا اور یہی طریقہ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کا بھی تھا۔ میں اس وقت جامعہ یوسفیہ بنوریہ میں زیر تعلیم تھا۔

حضرت نے بیعت کی اہمیت پر روشنی ڈالی، بیس پچیس منٹ تقریر فرمائی۔ اس کے بعد ایک رومال کا سرا اپنے ہاتھ میں لیا اور رومال کے باقی حصے بیعت کرنے والوں نے پکڑ لیے۔ حضرت الفاظ کہلواتے رہے اور ہم ان الفاظ کو دھراتے رہے۔ تسبیحات تلقین فرمائیں اور دعا ہوگئی۔

بیعت کرنے والوں میں جناب عبدالوہاب (مکہ بیکری والے) اور جناب اکبر حسین بھی تھے۔ ہم تینوں کو بیعت کے بعد حضرت امیر الہند نے حضرت قاری صاحب مدظلہم کے سپرد کیا اور ارشاد فرمایا کہ ہفتہ واری مجلس ذکر میں شریک ہوا کریں۔ شجرہ مبارکہ دیدیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا۔ شروع شروع میں تو تسبیحات بہت پابندی کے ساتھ ہوتیں۔ سفر کی حالت میں پابندی ہو جاتی ہے لیکن حضر میں جیسا اس کا حق ادا ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتا۔ لیکن الحمد للہ! ہفتہ واری مجلس ذکر میں پابندی سے شرکت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے کہ اصلی زندگی ہی یہی ہے۔

مکتوب اسعد (۵) :

۱۴ اکتوبر ۱۹۹۲ء (۱۶ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ)

محترم المقام جناب قاری صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ مزاج گرامی بہ خیر ہوگا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مکتوبات کی طباعت کے ساتھ ساتھ کتابت بہت خراب ہے۔ نیز تصحیح بھی نہیں ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ کمپیوٹر کے ذریعے کتابت ہو جائے۔ آج کل پاکستان میں بہت اچھی کتابت ہو رہی ہے۔ ہندوستان میں اردو کمپیوٹر آ گیا ہے، لیکن وہ صفائی نہیں ہے۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ تصحیح شدہ جلدیں آپ کے پاس بھیج دی جائیں اور آپ اپنی نگرانی میں کمپیوٹر کے ذریعے دوبارہ کتابت کرا دیں؟ جیسی صورت ہو سکے مطلع فرمائیں، منتظر ہوں۔

الحمد للہ! یہاں سب بخیر ہیں۔ ارشد و اسجد سلمہما سلام عرض کرتے ہیں۔ پرسان احوال سے سلام فرمادیں اور دعا کی درخواست، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

(حضرت مولانا اسعد مدظلہ) بہ قلم اسجد غفرلہ

کراچی میں مجلس یادگار شیخ الاسلامؒ - پاکستان سے حضرت قاری صاحب مدظلہم نے جو مکتوبات چھاپی تھیں وہ بہت اعلیٰ کتابت کی ہیں۔ اس کا ایک سیٹ فوری طور پر ہندوستان بھیجا گیا، تاکہ اگر یہ بہتر ہو تو وہاں مکتبہ دیدیہ دیوبند سے چھپ جائیں۔ یا جیسا حضرت کا حکم ہوگا یہاں کمپیوٹر کرایا جائے گا۔ لیکن اس دوران ہندوستان میں کمپیوٹر کا اچھا پروگرام آگیا اور حضرت نے وہیں کمپیوٹر کرایا۔ اس کے بعد مکتبہ دیدیہ دیوبند نے کمپیوٹر انڈیا میں شایع کیا۔ (۱۹)

قرآن منزل کا معاینہ اور قاری صاحب کے فیصلے کی تائید :

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ / ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء بہ روز پیر حضرت امیر الہند لاہور سے کراچی تشریف لائے۔ محترم مولانا سید محمود میاں مدظلہ شریک سفر تھے۔ ترجمان علمائے دیوبند مولانا مفتی محمد جمیل خان (شہید) نے اقراروضۃ الاطفال نسری برانچ میں دو بچوں کا قرآن مجید حضرت سے ختم کرایا۔ حضرت امیر الہند نے بڑا مصروف دن کراچی میں گزارا۔ مجلس علمی، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں علما، صلحا اور اتقیا کا اجتماع رہا۔ بہت سے حضرات نے حضرت سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ رات عشاء کے بعد قاری شریف احمد صاحب کے یہاں مسجد شٹی اسٹیشن میں بیعت کروں گا۔ اس کا اعلان مسجد باب الرحمت، پرانی نمائش میں متوسلین میں کر دیا گیا۔

عشاء کے بعد مسجد شٹی اسٹیشن میں حضرت قاری صاحب مدظلہم نے اپنے مدرسے کے ایک طالب العلم کا قرآن پاک ختم کرایا۔ حضرت نے اس پر ایک گھنٹہ بیان فرمایا اور ذکر اللہ کی فضیلت و عظمت اور اہمیت پر جامع بیان ہوا۔ بیان کے اختتام پر اعلان کرایا گیا کہ بیعت کے خواہش مند حضرات وضو کر لیں، تھوڑی دیر کے بعد قاری صاحب کے کمرے میں بیعت کے لیے جمع ہو جائیں۔

کمرہ بند کرایا گیا، تقریباً پینتیس افراد نے حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ ان حضرات میں تنظیم القراء والحفاظ ٹرسٹ کے سرپرست جناب حاجی محمد اسحاق غوری (۲۰) مرحوم، حافظ اخلاق احمد پراچہ، حافظ عبید الرحمن شریفی، حافظ محمد یونس ربڑی والے اور حافظ محمد شفیع ربڑی والے بھی تھے۔ یہ حضرت قاری صاحب مدظلہم کے تلامذہ میں ہیں۔ حضرت نے انھیں اور دیگر بیعت ہونے والوں سے ارشاد فرمایا کہ قاری صاحب سے رابطہ رکھیں اور اصلاح احوال کراتے رہیں۔

بیعت کے بعد شجرہ شریف جب مریدین میں تقسیم کرنے کا وقت آیا تو وہ اس وقت دو چار تھے۔ حضرت امیر الہند نے

میرے متعلق ارشاد فرمایا کہ کل ظہر کے بعد اس سے وصول کر لیں، میں صبح اس کو دیدوں گا۔ حضرت نے جب شجرہ دیا تو شاید پینتیس میں سے دس بارہ افراد نے ہی وہ شجرہ وصول کیا، جن میں محترم قاری ضیاء الحق زید مجدہ (ابن حضرت قاری عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ) بھی شامل تھے۔

بیعت کے بعد عشاء یہ تھا۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہم نے جو جگہ مدرسے کے لیے خریدی تھی اور اس کا نام (اگرچہ جگہ تعمیر نہیں ہوئی تھی) ”قرآن منزل“ راقم نے تجویز کیا تھا، معائنہ فرمایا اور دعا فرمائی۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے کہا دعا فرمائیے کہ حالات اچھے ہو جائیں تو تعمیر کیا جائے۔ مفتی محمد جمیل خان نے کہا کہ قاری صاحب! آپ بنائیے ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔ حضرت امیر الہند نے فرمایا کہ نہیں، قاری صاحب صحیح کہتے ہیں۔

زمانہ بے نظیر کی حکومت کا تھا اور مدارس کے خلاف یہود و نصاریٰ کی بولیاں بولی جا رہی تھیں (۲۱)۔ اس سے اندازہ ہوا کہ حضرت امیر الہند کی نظر عالم اسلام کے حالات پر بہت گہری ہے۔ بس اتنی سی بات پر کہ ”دعا فرمائیے کہ حالات اچھے ہو جائیں تو تعمیر کیا جائے۔“ حالات کا اندازہ کر لیا۔

قرآن منزل کا معائنہ فرمانے کے بعد حضرت سے درخواست کی کہ میری اہلیہ اور ہمشیرہ کو بیعت فرما لیجیے، حضرت نے فرمایا کہ کہاں ہیں؟ سامنے ہی مدرسہ تھا، حضرت تشریف لے گئے، پردے کے پیچھے سے بیعت فرمالیا، میں بھی اس دوران وہیں حضرت کے سامنے بیٹھا رہا۔

یہ خود دیوبند پہنچائیں :

جامعہ مدنیہ جدید، رائے ونڈ روڈ - لاہور کے سنگ بنیاد کے موقع پر حضرت امیر الہند لاہور تشریف لائے۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ / ۱۲ جون ۲۰۰۰ء کو جب واپس دہلی تشریف لے جانے لگے تو مکرمی حافظ فہیم الدین پراچہ نے کچھ کھجوریں مدینہ منورہ سے منگائیں اور کچھ عربی حلوہ منگایا۔ ان کی خواہش تھی حضرت مولانا کو بھی پیش کریں اور حضرت اقدس مولانا سید ارشد مدنی مدظلہم کو بھی دیوبند بھیجیں۔ اس کے لیے میں ان کے ہم راہ صبح ۱۰ بجے کے قریب جامعہ مدنیہ کریم پارک (لاہور) گیا، حضرت سے ملاقات ہوئی، یہ سوغات دی اور عرض کیا کہ یہ آپ کی اور یہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدظلہ کی ہے، تو فرمایا کہ بھائی! دیوبند پہنچاؤ۔ یہاں میں نہیں لیتا۔ اتنا شوق ہے، دیوبند آؤ۔ کون لے کر جائے گا؟ سامان میرے پاس پورا ہے۔ مولانا سید رشید میاں مدظلہ نے عرض کیا کہ حضرت! میں پیک کر کے پہنچاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ انہیں دیدو، یہ دیوبند پہنچانے کی ذمہ داری لے رہے ہیں۔ مولانا نے عرض کیا کہ حضرت! ایئر پورٹ تک نہ کہ دیوبند تک۔ حضرت نے فرمایا کہ سامان زیادہ ہے، وزن

کون دے گا؟ مولانا رشید میاں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میری ذمے داری ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں، جس کو شوق ہو ہدیہ دینے کا، وہ دیو بند آئے۔ مولانا فضل الرحمن زاد مجدہ بھی بیٹھے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم بھی تو بھائی ارشد کے بھائی ہیں، ہمیں دیدیں، ہم کھالیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی چیز میں نے ابھی لی نہیں، اس لیے مالک نہیں بنا تو دینے کا سوال ہی نہیں۔ ہاں یہ دیدیں تو اور بات ہے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا رکھ دو۔ جب ہم دعا کی درخواست کے ساتھ رخصت ہونے لگے تو ارشاد فرمایا :

”بھائی! برا تو نہیں مانے۔“ اللہ اکبر! ہم تو پانی پانی ہو گئے۔

حضرت امیر الہند کی اہلیہ محترمہ کی وفات :

حضرت اقدس علیہ الرحمہ نے صحیح معنی میں ملک و ملت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ اہلیہ محترمہ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت بھی حضرت امیر الہند غیر ملکی تبلیغی و اصلاحی سفر پر تھے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے تعزیتی خط لکھا تو اس کے جواب میں صاحب زادہ محترم مولانا سید محمود اسعد مدنی اطلال اللہ عمرہ نے یہ جوابی خط تحریر فرمایا :

۲۱ / رجب المرجب ۱۴۲۱ھ / ۱۹ / اکتوبر ۲۰۰۰ء السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محترمہ والدہ صاحبہ رحمہما اللہ تیئس روز کی بیماری کے بعد ۲۳ / اگست کی صبح خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ
وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

ایسے شدید صدمے پر آپ کی توجہ اور تعزیت سے جو قلبی تقویت حاصل ہوئی ہے اس کے لیے میں مشکور و ممنون ہوں اور امید کرتا ہوں کہ والدہ مرحومہ کے لیے برابر دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کریں گے۔ نیز حضرت والد صاحب مدظلہ العالی کی صحت کے لیے دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت مدظلہ العالی کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے۔ آمین دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، کرم ہوگا۔

والسلام محمود اسعد مدنی

الوداع

پاکستان کا آخری سفر :

خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس میں شرکت کے لیے حضرت امیر الہند قدس اللہ سرہ العزیز ۱۴ / محرم

الحرام ۱۴۲۲ھ / ۹ اپریل ۲۰۰۱ء کو پاکستان کے سفر پر لاہور تشریف لائے اور وہاں سے پشاور تشریف لے گئے۔ ۱۱ اپریل کا آخری اجلاس حضرت کی صدارت میں منعقد ہوا۔ لیکن حضرت کا بیان بہ مشکل ڈیڑھ منٹ کا تھا۔ اس سے متوسلین کو محرومی کا احساس ہوا، اصل میں اس میں ایک اہم سبق ہم سب کے لیے تھا۔ (بہت معذرت کے ساتھ) ہمارے علماء وقت کی پابندی کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ حضرت پابندی وقت کے معلم تھے۔ حضرت کے بیان کا جو وقت تھا وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے ختم ہو گیا تھا اور اسی کا اظہار حضرت نے فرمایا۔

۱۲ اپریل کی صبح حضرت پشاور سے کراچی کے لیے روانہ ہو گئے۔ جانے سے پہلے فون کر دیا کہ میں کراچی پہنچ رہا ہوں۔ دوپہر کا کھانا آپ (قاری صاحب) کے یہاں کھاؤں گا۔ مجھے یہ بات لاہور میں فون کے ذریعے معلوم ہوئی۔ مجھے افسردگی محسوس ہوئی کہ اس مرتبہ حضرت کی زیارت سے بھی محرومی رہی۔ میں جامعہ مدنیہ کریم پارک (لاہور) پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت کل دوپہر تک لاہور واپس تشریف لے آئیں گے۔ اس سفر کی روئیداد محترم مولانا مفتی محمد مظہر اسعدی زید مجدہ (خلیفہ مجاز حضرت امیر الہند) کے قلم سے اس طرح ہے :

”۱۲ اپریل ۲۰۰۱ء بروز جمعرات صبح سات بجے کراچی کے لیے پشاور ایئر پورٹ پہنچے۔ اس موقع پر جے یو آئی کے امیر مرکز یہ مولانا فضل الرحمن بھی دارالعلوم سرحد آ گئے۔ پشاور ایئر پورٹ پر مولانا فضل الرحمن نے الوداع کہا۔ یہ بات یہاں ملحوظ رہے حضرت امیر الہند کے ہم راہ لاہور سے پشاور مولانا سید رشید میاں، مولانا سید محمود میاں، مولانا سید مسعود میاں سمیت حضرت سید حامد میاں کے قریبی عزیز حضرت مولانا محمد انور مہتمم دارالعلوم کبیر والہ اور قاری محمد اسحاق مدرس خیر المدارس ملتان اور راقم الحروف بھی تھا۔ جب کہ پشاور سے کراچی کے لیے حضرت امیر الہند کے ہم راہ صرف مولانا سید رشید میاں اور بندہ راقم الحروف تھا۔

پرواز کی تاخیر کے باعث ہم کراچی تقریباً گیارہ بجے پہنچے۔ ایئر پورٹ پر مولانا قاری شریف احمد (خطیب جامع مسجد، سٹی اسٹیشن - کراچی) دیگر معززین کے ہم راہ موجود تھے۔ اس موقع پر حضرت اقدس ایئر پورٹ سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ناؤن پہنچے۔ قاری شریف احمد نے اپنے ہاں قیام کی دعوت دی۔ حضرت امیر الہند نے ارشاد فرمایا کہ میری روایت ہے کہ میں کراچی میں قیام کے دوران بنوری ناؤن کے علاوہ کہیں نہیں ٹھہرتا، کیوں کہ میں مولانا بنوری کی شفقتوں اور وہاںانہ محبت کی لذت کو آج تک محسوس کرتا ہوں۔ جامعہ بنوری ناؤن میں پہنچتے ہی جب دارالافتاء میں اطلاع پہنچی تو رئیس دارالافتاء مفتی عبدالسلام صاحب نے اپنے

دیگر رفق کے ہم راہ حضرت امیر الہند کا پر جوش استقبال کیا اور آپ سے کراچی میں قیام کے معمول کی تفصیلات معلوم کیں۔ آپ نے فرمایا کہ دوپہر کا کھانا قاری شریف صاحب کے ہاں ہے۔ باقی وقت بنوری ٹاؤن میں گزارا جائے گا۔

رکس دارالافتاء نے حضرت امیر الہند کا سفری سامان اپنی تحویل میں لے کر مہمان خانہ تک پہنچایا۔ حضرت امیر ہند قاری شریف کے ہم راہ ان کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں نماز ظہر ادا کی اور دوپہر کا کھانا ایک وسیع دسترخوان پر معتقدین کے ہم راہ تناول فرمایا۔

اس کے بعد واپس بنوری ٹاؤن تشریف لے آئے۔ عصر تک آرام فرمایا۔ عصر سے مغرب تک جامعہ کے اساتذہ سے عمومی ملاقات فرمائی۔ مغرب کے نماز کے بعد حیدرآباد کے لیے روانہ ہوئے۔

یاد رہے کہ روانگی سے قبل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی رہائش گاہ پر ان کے بیٹے حافظ محمد یحییٰ سے تعزیت کی۔ مولانا لدھیانویؒ کے بیٹے نے تاثرات کی تحریر کے لیے رجسٹر پیش کیا۔ حضرت امیر الہند نے فرمایا: ”میں صرف تعزیت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔“

تعزیتی کلمات کے بعد حضرت امیر الہند نے اجازت چاہی۔ مولانا لدھیانویؒ کے بیٹے نے مولانا مرحوم کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے جواباً فرمایا:

”شہید کے لیے کیا دعا کروں؟“

اس پر مولانا لدھیانویؒ کے بیٹے نے عرض کیا کہ مدرسے کی خیر و برکت کے لیے دعا کر دیجیے۔ اس پر حضرت نے دعا فرمائی اور حیدرآباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ (۲۲)

۱۵ اپریل کو صفہ ٹرسٹ کی سالانہ تقریب تھی۔ مولانا نعیم الدین مدظلہ نے حضرت امیر الہند کو تقریب میں چند منٹ کی شرکت کی دعوت دی تھی۔ حضرت ایک گاڑی میں تشریف لائے، مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی مدظلہ کی تقریر ہو رہی تھی کہ مولانا نعیم الدین نے اعلان کیا کہ حضرت تشریف لائے ہیں، لیکن گاڑی میں بیٹھے رہیں گے، اس لیے آپ حضرات باہر چلے تاکہ حضرت کی زیارت بھی ہو جائے اور دعا بھی ہو جائے۔ اس سفر میں میرے لیے یہ پہلی زیارت تھی۔

حضرت کی صحبت اور میری نمازوں کی کیفیت :

دوپہر میں ظہر سے پہلے جامعہ مدنیہ جدید، رائے ونڈ روڈ میں حضرت کی تقریر تھی۔ میں صفہ ٹرسٹ سے

سیدھارائے ونڈ چلا گیا۔ حضرت رحمہ اللہ تشریف لائے، جامعہ کے مہمان خانے میں تشریف رکھتے تھے کہ مولانا مفتی محمد جمیل خان (شہید) بھی آگئے۔

سلام و دعا کے بعد مفتی صاحب نے پہلا سوال کیا کہ حضرت! آپ لاہور سے بغیر گاڑ اور محافظ کے رائے ونڈ، اتنی دور آگئے؟ حفاظتی نقطہ نظر سے محافظ ضروری تھا۔

حضرت امیر الہند نے ارشاد فرمایا کہ :

”جی ہاں! تاکہ مجھے سب دیکھتے کہ کون جا رہا ہے؟ مجھے کوئی نہیں جانتا، گاڑ لے کر چلوں تو سب پہچانیں اور مفتی صاحب! آپ نے کتنے مولویوں کو گاڑ رکھ کر بچا لیا؟ موت تو اپنے وقت پر آئے گی۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ گاڑ بھی نہیں بچا سکتا۔ ہم نے ہندوستان میں کبھی محافظ نہیں رکھے، یہاں کیسے اجازت دوں؟ اور اگر اسی طرح لکھی ہے تو آکر رہے گی اور شہادت مل جائے گی۔ ہماری کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔“

یہ مجلس صحبت تقریباً آدھا گھنٹہ رہی۔ اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھی اور حضرت کا بیان ہوا۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمن دامت برکاتہم سے حضرت نے عرض کیا کہ دعا کر دیجیے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ ہی کرائیے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ :

”میاں! روٹی تو حلال کرلو۔ ابھی کھانا بھی تو کھانا ہے۔“

اس صحبت کا اثر میں نے ایک عشرے تک محسوس کیا۔ میں نماز میں ایسی کیفیت محسوس کرتا تھا کہ اس کا بیان تحریر میں نہیں آسکتا۔ بس مختصر یہ کہ دل میں سکون و اطمینان اور عبادت میں عجیب لطف تھا۔ میں نے آج تک اپنی زندگی میں ایسی نمازیں نہیں پڑھیں، حتیٰ کہ حرمین شریفین میں بھی نہیں پڑھیں۔ اللہ اس حلاوت کو قبول فرما کر ہماری تمام عبادات کو محض اپنے فضل و کرم سے قبولیت عطا فرمائے۔ آمین!

مجھے ویسے ہی کندھے پر اٹھالو :

جامعہ جدید کی مسجد زیر تعمیر تھی، فرش ناہم وار تھا، بیان کے بعد حضرت جب جامعہ کے ہاسٹل کی طرف جانے لگے اور مسجد سے باہر تشریف لائے تو ایک طالب العلم جو تاسیدھا کرنے لگا۔ حضرت نے فرمایا اور غصے میں فرمایا کہ کیا گرانا ہے؟ مارنا ہے؟ میں لیٹ جاتا ہوں، ویسے ہی کندھے پر اٹھالو۔

مصافحے کی بدعت تو نہ کرو :

مغرب کی نماز کے بعد مدینہ مسجد کریم پارک سے اٹھے اور جامعہ مدنیہ کے مہمان خانے کی طرف جا رہے

تھے کہ مصافحوں والوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ نماز کے بعد تو مصافحہ بدعت ہے۔ پھر تھوڑی دیر میں فرمایا کہ اچھا جنھوں نے اب تک نہیں کیا وہ کر لیں۔ میں نے پھر بھی مصافحہ نہیں کیا۔ میں نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ زیارت ہو گئی، یہی بہت ہے۔ مصافحے سے اگر میرے حضرتؒ کو تکلیف پہنچ گئی تو مجھے کون سی راحت ہوگی؟ (۲۳)

یہ حضرت کا پاکستان کا آخری سفر تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرتؒ کے مزاج میں عمر اور ضعیفی کی وجہ سے سختی آ گئی۔ جیسے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی سختیاں کتابوں میں پڑھی ہیں۔ لیکن حضرت امیر الہند کی سرزنش کے بعد دل داری فرما دیا کرتے تھے۔

حضرت امیر الہند کا آخری حج :

یہ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء کے حج میں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے حاضری نصیب فرمائی۔ ۲۱ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ/۲ جنوری ۲۰۰۵ء کو مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے نواسہ محترم مولانا سید اخلد رشیدی زاد اللہ مجدہ سے عشا کی نماز میں ملاقات ہوئی۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت مولانا تشریف لائے ہوئے ہیں، ملاقات ہوئی؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ باب عبدالعزیز قدیم (شاہ سعود کی تعمیر میں) کے قریب تشریف رکھتے ہیں، میں وہاں حاضر ہوا۔ حضرتؒ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرتؒ کافی کم زور ہو چکے تھے۔ فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے، اٹھتے وقت کافی دقت ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، لیکن فرض کھڑے ہو کر ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ البتہ سنن و نوافل بیٹھ کر پڑھتے دیکھا اور اس میں سجدہ کامل اعضا کے ساتھ کرتے دیکھا۔ مصافحہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم اور ڈاکٹر ابوسلمان صاحب کا سلام پہنچایا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جب واپس جاؤ یا فون پر بات ہو تو میرا سلام بھی ان حضرات کو پہنچا دینا۔

صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے وقت کیفیت :

حضرت وہیل چیئر پر بیٹھ گئے، مولانا سید مودود مدنی (صاحب زادہ محترم) اور مولانا سید محسن مدنی زید مجدہما (ابن حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ) وہیل چیئر چلاتے ہوئے باب السلام سے مواجہہ شریف لے گئے۔ میں بھی پیچھے چلا گیا۔ مواجہہ شریف میں دیوار کے ساتھ مقام ملائکہ پر اطمینان کے ساتھ حضور پر نور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کیا۔ کیا اطمینان، تضرع و زاری کی کیا کیفیت تھی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت مدنیؒ کی شبیہ حضرت اسعد کی صورت میں :

میں نے حضرت قاری صاحب مدظلہم سے کئی بار سنا ہے کہ اگر کسی نے حضرت مدنیؒ کو دیکھا ہے تو مولانا

سید اسعد صاحب کو دیکھے۔ پوری شبیہ حضرت مدنیؒ کی ہے۔ اور حقیقتاً اب جو حضرت کی زیارت ہوتی تھی تو آپ کے چہرہ مبارک اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی جو تصویر دیکھی ہے اس میں کچھ فرق محسوس نہیں ہوا۔ فوراً میرے ذہن میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا تصور آ گیا کہ حضرت مدنیؒ کی کیفیت بھی ایسی ہی ہوتی ہوگی اور جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کے جواب کی آواز حاضرینِ روضہ مطہرہ نے سنی تھی۔

حضرت مدنیؒ کے سلام کا جواب :

پیر کرم شاہ الازہری مرحوم، سابق چیف جسٹس شرعی عدالت (حکومت پاکستان) ایک رسالہ ندائے حرم

نکالتے تھے، ۱۹۴۸ء کے کسی شمارے میں پیر جماعت علی شاہ لکھتے ہیں کہ

”میں مدینہ منورہ روضہ اقدس پر بیٹھا تھا، میرے ساتھ پانچ چھ ساتھی بھی بیٹھے تھے، اتنے میں ایک شخص آیا جس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا، اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا تو اندر (روضہ مطہرہ) سے ”وعلیکم السلام“ کا جواب آیا۔ میں بہت حیران ہوا کہ یہ کون شخص ہے؟ میرے پاؤں میں زخم تھا اس لیے میں نے اپنے ایک ساتھی کو اس شخص کے پیچھے بھیجا کہ وہ کون شخص ہے؟ وہ نوجوان جنت البقیع کے ملحقہ باغ میں داخل ہوا اور اوپر والا کپڑا اتار کر ذکر کرنے لگ گیا۔ تو اس نے چہرہ مبارک دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں۔ واپس آ کر اس نے سب کچھ بتا دیا۔ پیر جماعت علی شاہ مرحوم نے یہ سن کر توبہ کی، کیوں کہ وہ حضرت مدنیؒ کو اچھا نہیں سمجھتے تھے“۔ (۲۴)

تجدید بیعت کی درخواست :

میں جب حج کے لیے جانے لگا تو حضرت قاری صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ اگر حضرت مولانا اسعد صاحب سے ملاقات ہو جائے تو بتانا کہ میں جناب سے طالبِ علمی کے زمانے میں بیعت ہوا تھا، اور بعد میں معلوم ہوا کہ آپ طالبِ علم کو بیعت نہیں فرماتے۔ اب میں تجدید بیعت چاہتا ہوں۔ میں نے محترم مولانا سید اخلد رشیدی مدظلہ کے گوش گزار کیا اور درخواست کی کہ اس کا واسطہ آپ بنیں۔ موصوف نے کرم فرمایا اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی عشاء کے بعد حضرت سے یہ درخواست کی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بیعت کی تجدید کی ضرورت نہیں۔ بس جب تک یہاں ہیں فجر اور مغرب کے بعد میرے پاس آ جایا کریں اور یہاں بیٹھ کر ذکر کریں۔ الحمد للہ! اس حکم پر میں نے اگلے دن فجر سے عمل شروع کر دیا۔ اگلے دن حضرت کی طرف سے مولانا اخلد صاحب

نے حکم دیا کہ آج رات کا کھانا حضرت کے ساتھ کھانا ہے۔ حضرت کے ساتھ روضہ اقدس پر اسی کیفیت کے ساتھ سلام پیش کیا اور باب البقیع سے نکل کر تہ خانہ میں کار پارکنگ کی طرف چلے گئے۔ گاڑی میں مدنی منزل پہنچے۔ حضرت جب اخبار کا مطالعہ فرما رہے تھے تو میں چہرے کی طرف دیکھتا ہی رہا۔ حضرت شیخ الاسلام کے آخری زمانے کی تصاویر میں حضرت مدنی کو جیسا دیکھا بالکل ویسی ہی شبیہ حضرت امیر الہند میں معلوم ہو رہی تھی۔ اس کا اظہار میں نے اس وقت برادر مولانا سید محسن مدنی زید مجدہ (ابن حضرت اقدس مولانا السید ارشد مدنی دامت برکاتہم) سے بھی کیا۔ (۲۵)

تھوڑی دیر کے بعد دسترخوان لگ گیا، مختلف الانواع نعمتیں مدینہ منورہ کی سرزمین پر چنی گئیں۔ حضرت نے حکم دیا کہ کھاؤ۔ اور بھی کئی مہمان تھے۔ حضرت نے صرف ایک ہی چیز تناول فرمائی اور ہمارے متعلق مولانا اخلد صاحب مدظلہ کو فرماتے رہے کہ انھیں بریانی نکال دو۔ انھیں فلاں چیز دو۔ یہ کیسے جوان ہے؟ کھاتے نہیں؟ جیسے شفیقانہ الفاظ فرمائے اور مولانا موصوف حکم کی تعمیل کرتے رہے۔ اسی موقع پر حضرت کے بڑے صاحب زادے مولانا السید احمد مدنی زاد اللہ مجدہ سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ موصوف مدینہ منورہ کے پیدائشی ہیں، حضرت مولانا سید احمد مدنی نور اللہ مرقدہ (بانی مدرسۃ الیتامی للعلوم الشرعیہ۔ مدینہ منورہ) کے نواسہ محترم ہیں، مدینہ منورہ کے مقامی ہیں، شاید دو ایک مرتبہ ہی ہندوستان کا سفر کیا ہے، اردو بالکل نہیں آتی، حضرت کو ان سے عربی میں ہی بات کرتے دیکھا۔ مدرسہ علوم شرعیہ کے فاضل اور آج کل اس کے مہتمم ہیں۔ یہ مدرسہ علوم شرعیہ آج کل الحمد للہ خود کفیل ہے۔ ڈھائی کروڑ ریال سالانہ اس کا خرچ ہے اور پانچ کروڑ ریال سالانہ اس کی جائیدادوں کی آمدنی ہے، اس لیے اس کی انتظامیہ نے عام چندہ بالکل بند کر دیا۔

حضرت سے جب اجازت چاہی تو ارشاد فرمایا کہ ذکر پر مداومت کرو، ان شاء اللہ بہت جلد اس کے فوائد نظر آئیں گے۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ کہاں قیام ہے؟ میں نے عرض کیا مسجد بلال کے پاس۔ ارشاد فرمایا کہ گاڑی میں انھیں ان کی منزل پر پہنچاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں چلا جاؤں گا۔ فرمایا کہ مجھے بھی معلوم ہے کہ آپ چلے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اس وقت تو میں حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جاؤں گا اور وہ تو قریب ہے، میں پیدل چلا جاؤں گا۔ ارشاد فرمایا کہ ان کو حرم شریف چھوڑ آؤ۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور مولانا اخلد صاحب نے ڈرائیور سے حرم شریف تک پہنچوا دیا۔ میں نے جا کر دو رکعت نفل شکرانے کے ادا کیے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے شیخ کی صحبت نصیب فرمائی اور صلوة و سلام مواجہ شریف میں اپنی اور حضرت امیر الہند کی طرف سے بھی پیش کیا اور پھر قیام گاہ چلا گیا۔

میں تو انتہائی بے کار آدمی ہوں، لیکن ساتھیوں میں تبلیغی جماعت کے ایک صاحب جناب فیض الرحمن

(تلہ گنگ) نے چہرہ دیکھ کر کہا کہ شیخ کی مجلس و صحبت کے اثرات چہرے سے ظاہر ہیں۔ میرے لیے یہ دوسرا موقع تھا کہ عبادات میں عجیب لطف محسوس ہوا۔ میں آٹھ دن مدینہ منورہ میں رہا، روزانہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت شیخ کی زیارت اور صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہا۔

حضرت امیر الہند کی آخری زیارت :

۱۱/۱۲/۱۳۲۵ھ / ۲۱ فروری ۲۰۰۵ء بہ روز جمعہ المبارک منیٰ سے طواف زیارت کے لیے مکہ مکرمہ آیا، صبح فجر کی نماز میں حرم محترم گیا تو باب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیڑھیوں پر حضرت محترم مولانا سید اخلد مدظلہم سے ملاقات ہوئی، تکبیر ہو رہی تھی اس لیے کسی بات کا موقع نہ ملا، سنتیں پڑھ کر جس صف میں جماعت کے لیے شامل ہوا یہ صف خانوادہ مدنی کی تھی۔ نماز کے بعد حضرت سے ملاقات ہوئی، اپنے چھوٹے بھائی توفیق احمد سلمہ کو بھی ملایا۔ حضرت اور ہم سب احرام کی حالت میں تھے۔ حضرت سے عرض کیا کہ حضرت شیخ الاسلام کی سیاسی ڈائری کے سلسلے میں مقالات شیخ الاسلام کی جلد آگئی ہے، لیکن قیام گاہ پر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مفتی سلمان صاحب آئے ہوئے ہیں۔ ان کو دے دینا، میں تو کل مدینہ شریف چلا جاؤں گا اور وہاں سے پرسوں دہلی کے لیے روانگی ہے۔ حضرت نے دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔ یہ آخری ملاقات تھی۔ اب تو آنکھیں ایسی شخصیت کے دیدار کو ترستی ہی رہیں گی۔

یہ عظیم شخصیت اپنی پوری اتنی سالہ زندگی میں مجموعی طور پر پچاس سال صرف اسفار میں مخلوق کی خدمات میں گزار گئی۔ آرام نام کی چیز ان کے یہاں تھی ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت درس و تدریس، سلوک و ارشاد اور سیادت و قیادت میں اپنے عظیم والد کے عکس جمیل تھے۔

اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور جسمانی و روحانی اولاد کو حضرت کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم!

حواشی :

(۱) حیات شیخ الہند: ص ۱۷، مطبوعہ کتب خانہ اصغریہ۔ دیوبند

(۲) چراغ محمد، مرتبہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسنی: ص ۲۱، طبع اول، مطبوعہ دارالارشاد، انک۔

(۳) اپنے ایمان کی خیر منانا۔

ان دو ساتھیوں میں ایک ان پڑھ بزرگ جناب حاجی محمد عثمان خان پراچہ مرحوم تھے۔ بڑے باوضع بزرگ اور اکابر کی صحبتوں سے مستفید تھے۔ راقم الحروف نے انہیں دیکھا ہے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم کے

دوستوں میں تھے۔ ہفتہ واری مجلس ذکر میں بھی تشریف لاتے تھے۔

دوسرے ساتھی حضرت قاری صاحب مدظلہم کے شاگرد جناب حافظ محمد یونس خان پراچہ (مرحوم) تھے۔

(۴) تذکرۃ الشریف، مرتبہ حافظ تنویر احمد شریفی: ص ۵۰، ۵۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ۔ کراچی

(۵) حضرت مدنیؒ والی صفات کے مالک :

اپنے جدا مجد مدظلہم کے ساتھ راقم الحروف ۱۹۸۹ء میں ہندوستان گیا۔ دیوبند بھی حاضری ہوئی۔ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کے مکان میں قیام ہوا۔ صاحب زادہ محترم حضرت اقدس مولانا السید ارشد مدنی دامت برکاتہم نے خود ساتھ جا کر دارالعلوم دکھایا۔ حضرت کے خانوادے میں وہی صفات ہیں جو حضرت میں تھیں۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

(۶) متفقہ مسئلہ سے اختلاف کرنے والے کا عمل کس پر ہو؟

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ نے کیسے پتے کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ اسی طرح کی ایک بات حضرت اقدس مولانا سید ارشد مدنی مدظلہم نے ۶ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ / ۲ جنوری ۲۰۰۱ء کو مجلس یادگار شیخ الاسلام۔ پاکستان کا ایک اجلاس (جو حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہم کے حکم سے قاری منزل پاکستان چوک کراچی میں منعقد ہوا تھا اور اس میں ”حضرت مدنی“ کی سیاسی ڈائری“ کے متعلق امور زیر غور آئے تھے۔ اس کے بعد) دوپہر کے کھانے پر پاکستان کے مشہور عالم مولانا رشید احمد لدھیانوی مرحوم کا ذکر آیا کہ وہ صبح صادق کے متفقہ وقت سے بعد میں صبح صادق بتلاتے ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے اور علاقے کے جمہور ایک مسئلہ بیان کریں تو اختلاف کرنے والے کو بھی جمہور کے مسئلے اور مسلک پر عمل کرنا چاہیے۔ اس محفل میں حضرت مولانا سید صالح الحسینی مدظلہ، حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم، جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری مدظلہ اور مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید بھی موجود تھے۔

(۷) جمعیت علماء ہند کالابو ڈا سپیکر کے متعلق فیصلہ:

جمعیت علماء ہند نے جب تحقیق مکمل کر لی تو حضرت، شیخ الاسلام نے اپنے ایک شاگرد مولانا سید

عبدالشکور ترمذی (رحمہ اللہ) کو تحریر فرمایا :

”..... مگر بعد میں دفتر جمعیت میں اس کے متعلق اجتماع کیا گیا اور کئی گھنٹے بحث و تمحیص کے

بعد قرار پایا کہ ماہرین فن آلہ مبکرۃ الصوت سے تحقیق کی جائے کہ یہ آواز وہی ہے کہ جس کو

متکلم بولتا ہے؟ آلہ اسی آواز کو قوی اور منتشر کر دیتا ہے، جس طرح عینک نورعین کو دور بین یا

خورد بین بناتی ہے یا کوئی جدید آواز پیدا کرتا ہے؟ چنانچہ ماہرین فن سے ہندوستان اور

یورپ میں تحقیقات کی گئی اور معلوم ہوا کہ آواز وہی ہے، آلے کی وجہ سے اس میں صرف وسعت اور قوت پیدا ہوگی۔“

(آلات جدیدہ کے شرعی احکام: مصنفہ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، ص ۱۲۰، مطبوعہ ادارۃ المعارف - کراچی)

(۸) حضرت حکیم الاسلام کا خط :

دارالعلوم دیوبند کو جو تعزیتی خط حضرت قاری صاحب مدظلہم نے ارسال کیا تھا اس کا جواب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے یہ دیا تھا:

حضرت المحترم زید مجدکم

سلام مسنون نیاز مقرون! تعزیت نامہ باعث تسلی ہوا۔ آپ نے اس ہمہ گیر غم میں ہم لوگوں کو یاد رکھا اور ہمارے شریک غم ہوئے، اس کا دلی شکر یہ قبول فرمائیے۔

آپ کے پیغام تعزیت سے مجروح دلوں کو بہت تسلی اور تسکین حاصل ہوئی۔ حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت مدنیؒ کو اعلیٰ علیین میں مقام کریم بخشے۔ پسماندوں کو صبر جمیل دے اور دارالعلوم اور ملک کو حضرت کا بدل نصیب فرمائے۔ آمین! امید ہے کہ مزاج گرامی بہ عافیت ہوگا۔ والسلام

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند

ملاحظہ: حضرت شیخ الاسلام کا بدل ملک کو مولانا سید اسعد مدنیؒ اور دارالعلوم کو مولانا سید ارشد مدنیؒ اطال

اللہ عمرہ کی شکل میں اللہ نے عطا فرمایا۔

(۹) خلفا کی فہرست مکتوبات شیخ الاسلام (سلوک طریقت) مرتبہ: مولانا محمود احمد مدنی، مطبوعہ مجلس یادگار شیخ الاسلام۔ پاکستان، کراچی کے ص ۲۶۲ سے ۲۷۰ تک ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۰) تذکرہ شیخ مدنی، مرتبہ مولانا ارشد حسن عثمانی، ص ۲۳۸، مطبوعہ ارشد بک ڈپو۔ دیوبند

(۱۱) حضرت مدنیؒ کے انتقال پر مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے دعائے مغفرت کی۔

(۱۲) میرے والد محترم جناب حافظ رشید احمد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں لفافہ بند خط سعودی عرب میں چیک ہوتے تھے، اس لیے اس کی ترسیل میں وقت لگتا تھا۔ میں نے پوسٹ کارڈ لکھ کر ڈال دیا تھا اور تیسرے دن مدینہ طیبہ میں وہ مل گیا۔

(۱۳) مولانا اسعد مدنیؒ سے مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے بے جا گلہ کیا تھا:

(تفصیل کے لیے ”مرد مجاہد“ کا انتظار فرمائیے۔)

(۱۴) (تذکرۃ الشریف: ص ۱۴۲-۱۴۵)

بھارتی مسلمانوں کے بارے میں ایم اے جناح کے ارشادات :

قائد پاکستان مسٹر ایم اے جناح کا ارشاد ہے کہ

”ہندوستان میں رہنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کو میں یہی مشورہ دوں گا کہ وہ جس مملکت میں رہیں اس کے ساتھ پوری پوری وفاداری کا ثبوت دیں اور ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ بھی چاہیے کہ اپنی تنظیم کریں اور صحیح قسم کی قیادت پیدا کریں، جو اس پر آشوب زمانے میں ان کی ٹھیک رہنمائی کر سکے“۔ (۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

دوسرا ارشاد گرامی :

”ہمارے وہ مسلمان بھائی جو ہندوستان میں اقلیت میں ہیں، اطمینان رکھیں، ہم نہ ان کو فراموش کر سکتے ہیں، نہ ان کی طرف سے لاپرواہ ہو سکتے ہیں۔ ہماری دلی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ ان کی اعانت اور بہتری کے لیے ہم بڑی سے بڑی کوشش کو بھی زیادہ نہیں سمجھیں گے۔ کیوں کہ مجھے اس کا احساس ہے کہ اس برصغیر میں مسلم اقلیتی صوبے ہی تھے جنہوں نے ہمارے نصب العین پاکستان کے لیے سب سے پہلے پیش قدمی کی اور اس کے جھنڈے کو سر بلند کیا۔“

(پیغام عید: ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء) (خطبات قائد اعظم: ج ۵۸۷، مرتبہ: رئیس احمد جعفری)

ص ۶۱، ۶۲

(۱۵) ماہ نامہ الحق۔ اکوڑہ خٹک، صفر المظفر ۱۳۹۰ھ

(۱۶) بیٹھ کر تکبیر پڑھنا :

جناب حافظ محمد احمد سہارن پوری مرحوم حضرت امیر الہند سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے، بڑے بڑے اکابر کو دیکھے ہوئے تھے، مسجد سٹی اسٹیشن کراچی میں مؤذن بھی رہے۔ قرآن کریم کے عاشق تھے، جو اچھا پڑھنے والا ہوتا اس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، حاضر جوابی میں بڑے ماہر تھے، بڑے سے بڑے عالم کو ٹوک دیا کرتے تھے، اذان اور تکبیر پڑھنے کا بڑا شوق رکھتے تھے، اللہ نے آواز بھی سریلی دی تھی۔ ایک مرتبہ بریلوی مسلک کی کسی مسجد میں چلے گئے اور مؤذن سے تکبیر پڑھنے کی اجازت لے لی، اُس نے اجازت دیدی۔ امام صاحب آئے اور مصلے پر بیٹھ گئے۔ حافظ صاحب موصوف نے بیٹھے بیٹھے ہی تکبیر پڑھ دی۔ سارے ان کے سر ہو گئے کہ بیٹھ کر تکبیر کیوں پڑھی؟ کہنے لگے کہ امام تو بیٹھ گیا، کیا میں پاگل ہوں کہ کھڑا رہوں؟ موصوف کا انتقال کراچی میں ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ/۲ نومبر ۲۰۰۳ء کو ہوا۔

(۱۷) حضرت مولانا محمود احمد دامانی "حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ دیوبند میں مدنی منزل ہی میں قیام تھا، وہیں انتقال ہوا۔

(۱۸) دارالعلوم دیوبند کے لیے حضرت قاری صاحب کی خدمات:

قیام پاکستان کے بعد دارالعلوم دیوبند کی ایک کمیٹی پاکستان میں قائم ہو گئی تھی اور اس وقت اس کو قانونی حیثیت بھی حاصل تھی۔ اس کمیٹی میں شروع ہی سے حضرت قاری صاحب مدظلہم خزانچی کے عہدے پر تھے۔ اس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام حیات تھے۔ پاکستان کی موجودہ سینٹ کے چیئرمین جناب محمد میاں سومرو کے دادا جان حاجی مولانا بخش سومرو مرحوم حضرت شیخ الاسلام سے نہایت عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ حضرت جب علیل ہوئے اور دارالحدیث میں چڑھنا اترنا مشکل ہو گیا تو حاجی صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ میں نے دارالحدیث میں لفٹ کے لیے رقم رکھی ہے، آپ لفٹ کی اجازت دیدیجیے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ ہمارے بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہے۔ جب تک اوپر چڑھ سکتا ہوں ٹھیک ہے ورنہ نیچے ہی پڑھاؤں گا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میں تو نیت کر چکا ہوں کہ اتنی رقم اس مد میں دوں گا؟ حضرت نے فرمایا کہ کراچی میں قاری شریف احمد صاحب دارالعلوم کے نمائندے ہیں، یہ رقم آپ ان کے پاس جمع کرا دیں۔ حاجی صاحب نے وہ رقم دارالعلوم کے لیے حضرت قاری صاحب مدظلہم کے پاس جمع کرا دی۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی سے ایک مرتبہ حضرت بزرگ نے فرمایا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے سفیر اور نمائندے کے لیے آپ نے غیر قاسمی کی خدمت لے رکھی ہے۔ آپ نے قاری صاحب کو نمائندہ بنا رکھا ہے؟ حضرت حکیم الاسلام حضرت مفتی صاحب کے ہم عصر اور ہم مشرب تھے، انہوں نے بڑا پیارا جواب دیا کہ:

”آپ قاسمی ہیں، آپ کو خود آگے بڑھ کر کام کرنا چاہیے تھا۔ قاری صاحب تو قاسمی نہیں ہیں،

لیکن دارالعلوم کے لیے پُر خلوص کام کرتے ہیں، آپ کو کیوں اعتراض ہے؟“

(۱۹) ایک ضروری اپیل:

مکتوبات شیخ الاسلام کے پاکستانی ایڈیشن میں جلد چہارم کے آخر میں دس مکاتیب کا اضافہ ہے۔ راقم الحروف نے اس پر نیا کام شروع کیا ہے، ان مکتوبات کو حروف تہجی سے مرتب کیا جا رہا ہے۔ مکتوب الیہ کا تعارف بھی مختصر مرتب کیا گیا ہے۔ ایسے خطوط جو مکتوبات کے مجموعے میں شامل ہونے سے رہ گئے ان کو بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ قارئین کرام سے دو درخواستیں ہیں:

ایک یہ کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کی تکمیل کرا کر قبول فرمائے۔

دوسرے یہ کہ کسی بزرگ کے پاس حضرت شیخ الاسلام کا کوئی خط ہو تو اعلیٰ قسم کی فوٹو اسٹیٹ بنا کر اس پتے پر بھیج دیجیے۔ تمام خرچہ میرے ذمے ہوگا۔

پتا: تنویر احمد شریفی

مجلس یادگار شیخ الاسلام۔ جی پی او بکس نمبر 1498۔ کراچی 74200۔ پاکستان

جزاکم اللہ

(۲۰) ایک پاکستانی گویا :

حاجی صاحب موصوف کی دکان پر ایک پاکستانی گویا آئے اور کہنے لگے تم مجھے اپنی گدی پر بٹھا دو، پھر دیکھو برکت کی بہار۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ تم اس گدی پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہو، اس لیے کہ اس گدی پر مولانا اسعد مدنی بیٹھے ہیں۔ اس نے بڑا تعجب کیا، کہنے لگا وہ تمہارے پاس کیسے آئے؟ حاجی صاحب نے کہا یہ میرے اللہ کا کرم ہے۔ یہ ان کے بیعت ہونے سے کئی سال پہلے کا واقعہ ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت قاری صاحب مدظلہم سے فرمایا کہ مجھے اسٹیل کے برتن لینے ہیں۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے فرمایا جس وقت چاہیں تشریف لائیے، میں ساتھ چلوں گا۔ حضرت ظہر کی نماز میں سٹی اسٹیشن کی مسجد تشریف لائے، نماز کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہم نے بھگی منگائی، بارش ہو رہی تھی، اسی میں دونوں ہستیاں جوڑیا بازار تشریف لے گئیں۔ حاجی صاحب کا چوں کہ قاری صاحب سے تقسیم ہند سے پہلے دہلی کی پہاڑ گنج سے تعلق تھا، سیدھا ان کی دکان پر تشریف لے گئے اور حضرت کو انھوں نے اپنی مسند پر بٹھایا تھا۔ یہ واقعہ موصوف نے مجھ سے خود بیان کیا تھا۔

(۲۱) قرآن منزل کا سنگ بنیاد حضرت اقدس مولانا سید ارشد مدنی مدظلہم نے ۸ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ / ۶ فروری ۱۹۹۸ء بروز جمعۃ المبارک اپنے دست مبارک سے رکھا۔

(۲۲) ماہ نامہ الاسعد۔ بھاول پور، مئی ۲۰۰۱ء۔ ص ۹، ۱۰

(۲۳) میں نے اپنی عادت بنالی ہے کہ بڑے سے بڑا عالم اور ولی اللہ سے اس وقت تک مصافحہ نہیں کرتا جب تک ان کو راحت نہ ہو۔ بس زیارت کر لیتا ہوں۔ میں نے حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی کے ملفوظات سے یہی سبق سیکھا ہے۔

(۲۴) محترم مولانا واحد بخش فیصل آبادی کا مکتوب حضرت قاری صاحب مدظلہم کے نام: ۱۹ فروری ۱۹۸۶ء





باب : ۱۱

مواعظ، خطبات

اور افادات

اکابرین دیوبند کا مشن اور اہداف

صد سالہ اجلاس دیوبند (۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء میں مولانا محمد اسعد مدنی کا خطاب

خداوند قدوس کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس تاریخی اجلاس میں شرکت کی توفیق بخشی۔ یہ دارالعلوم کی عمارت جسے آپ دیکھ رہے ہیں، یہ وہی جگہ ہے جہاں سے سید احمد شہیدؒ نے علم نبوت کی بوسونگھی تھی اور اس جگہ پیشاب کرنا بھی پسند نہیں کیا تھا۔ یہ کنواں جو آج بھی احاطہ دارالعلوم مولسری میں آپ دیکھ رہے ہیں، یہ وہی کنواں ہے جس پر حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ مہتمم اول دارالعلوم نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو دودھ تقسیم کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

حریم الشریفین میں ۷۰ سال سے دارالعلوم کے فیض یافتہ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، کوئی جماعت، کوئی تنظیم، کوئی تحریک جو دین کی خدمت میں لگی ہوئی ہے، یہ دارالعلوم ہی کا فیض ہے۔ خدا کا فضل ہے کہ اس سرزمین کو کتاب و سنت کی تعلیم کے واسطے منتخب فرمایا۔ اس کی بدولت ہزاروں خاندان اسلام میں داخل ہوئے۔ جب بھی کوئی تحریک کسی بھی نام پر نمودار ہوئی کہ جس سے اسلام کو خطرہ ہوا، دارالعلوم کے سپوتوں نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اکابرین دیوبند نے ہمیشہ سچ کہا کبھی دین میں خیانت نہیں کی، نہ ان شاء اللہ کی جائے گی، کبھی یہ نہیں سوچا کہ فلاں ناراض ہو جائے گا، کبھی کوئی رعایت نہیں کی، جان مال عزت آبرو کی کوئی پروا نہ کی، اسلام کا حق ادا کیا اور اسی طرح کرتے رہیں گے۔

۱۹۴۷ء میں یہ فیصلہ کیا کہ یہی ملک ہمارا ہے ہم اسی ملک میں رہیں گے اور مسلمان بن کر زندہ رہیں گے، جمعیتہ العلماء کے پلیٹ فارم سے دارالعلوم کے فیض یافتہ حضرات شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا حفیظ الرحمن صاحبؒ مجاہد اور ان کے ساتھی سر پر کفن باندھ کر نکلے اور فیصلہ کیا کہ مسلمان بچہ بچہ کو مسلمان بنا کر اس ہندوستان میں زندہ و سلامت رکھیں گے اور عزت و آبرو جان و مال کی آخری لمحہ تک حفاظت کریں گے۔

حضرت مجاہد ملت سے کہا گیا کہ آپ اپنی اور بچوں کی حفاظت کریں ہر طرف خطرہ ہی خطرہ ہے، مولانا

نے فرمایا کہ میں اس بات کو بہتر سمجھتا ہوں کہ میری لاش دوسرے مسلمانوں کے ساتھ خاک و خون میں پڑی ہو، اس سے کہ میں اپنے بچوں اور جان کو لے کر کسی پناہ گاہ میں چلا جاؤں جو کچھ ہوگا ایک ساتھ ہوگا۔ حاجی رشید صاحب دارالعلوم کی شوریٰ کے زکن اور مفتی عتیق الرحمن صاحب اور میں مدینہ منورہ کے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہا کب تک ہندوستان میں پڑے رہو گے۔ ایک نہ ایک دن تو آنا ہی پڑے گا، آج دیکھ لو، یہ دارالعلوم کا فیض ہے کہ ساری دنیا سے زیادہ اسلام ہندوستان میں زندہ ہے، مسلمان زندہ ہے، اور ان شاء اللہ کسی کی طاقت نہیں ہے کہ ہم سے ہمارا دین چھین لے، ہم مرئیں گے، مگر دین کو نہ چھوڑیں گے، ہماری جان کی کوئی قیمت نہیں، دین کی قیمت ہے، دنیا کا کوئی ملک ہمارے مقابلہ میں دیندار نہیں۔

۱۹۴۷ء کے بنگامہ میں ہزاروں جانیں ضائع ہو چکی تھیں، کروڑوں کا مال تباہ ہو چکا تھا، جمعیتہ العلماء ہند کے اکابر جو دارالعلوم کے فیض یافتہ تھے، مولانا ابوالکلام آزاد سے لے کر نیچے تک کے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اگر آئندہ نسل کو مسلمان باقی رکھنا ہے تو گاؤں گاؤں اور گلی گلی میں مدارس کا جال پھیلا دو، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ تحریک مقبول ہوئی اور پورے ملک میں پچاسی ہزار مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے۔ جن میں گیارہ گیارہ بارہ بارہ مدرس دینی تعلیم کی خدمت انجام دیتے نظر آتے ہیں اور ہندوستان کے غریب مسلمان اس بوجھ کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد عزت و آبرو جان و مال ہزاروں امتحانوں میں مبتلا ہوئے، مگر دین الحمد للہ اسی طرح باقی ہے اور باقی رہے گا۔ اللہ کا فضل ہے کہ دین کی خدمت کے واسطے ہمارے قدم آگے رہے ہیں اور آگے رہیں گے۔ تحریک قادیانیت میں حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کی آواز نے تہلکہ مچا دیا، ہزاروں وہ بستیاں جو قادیانی ہو چکی تھیں۔ اس فیض یافتہ دارالعلوم کے طفیل میں اسلام میں واپس آ گئیں۔

دارالعلوم کے فیض یافتہ جمعیتہ العلماء کے پلیٹ فارم سے اٹھے اور ۱۶، ۱۶ لاکھ ان افراد کو جو مرتد ہو چکے تھے، اسلام میں واپس لائے، پیدل چل کر گئے، صعوبتوں کو برداشت کیا، مگر قدم پیچھے نہ ہٹا، اللہ کا فضل ہے، ہمارا سرمایہ خلوص ہے، لٹہیت ہے، انابت الی اللہ ہے، ہمارا یہ اجلاس ترقی کا ذریعہ دنیا کے اعتبار سے نہیں، انہیں خصوصیات کا حامل ہے جن خصوصیات کو لے کر اس ادارہ کا قیام عمل میں آیا، وہ انابت الی اللہ۔

یہ دارالعلوم خالی ایک دینی درس گاہ ہی نہیں بلکہ یہ ایک تحریک بھی ہے۔ (ماہنامہ الحق مئی ۱۹۸۰ء)

قارئین حضرات متوجہ ہوں !

خط و کتابت کرتے وقت اپنا پتہ صاف اور خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

انتخاب ! حافظ محمد قاسم

تحفظِ سنت اور علماءِ دیوبند

جمعیتہ علماء اسلام کے زیر اہتمام تحفظِ سنت کانفرنس
میں مولانا سید اسعد مدنی کا خطبہٴ صدارت

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ با
الله من شرورِ انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من
يضلله فلا هادي له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و نشهد ان
محمدا عبده و رسوله و صلى الله تعالى على خير خلقه سيد المرسلين و
خاتم النبيين سيدنا و مولانا محمد و على آله و اصحابه و اتباعه اجمعين .
اما بعد :

قال الله تعالى فبشر عبادي الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه
اولئك الذين هداهم الله و اولئك هم اولوالالباب۔

سو آپ میرے ان بندوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو کلامِ الہی کو پوری توجہ سے سنتے ہیں پھر اس کی اچھی
اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی اہل عقل ہیں۔

علمائے اعلیٰ و معزز حاضرین :

”تحفظِ سنت کانفرنس“ کی صدارت کا امتیاز دے کر آپ حضرات کی جانب سے اعتماد و خلوص کا جو اعزاز
مجھ جیسے بے بضاعت کو عطا کیا گیا ہے، اس کو میں اپنے واسطے شرفِ دنیا و آخرت سمجھتا ہوں اور اپنی اس خوش بختی پر
نمازاں ہوں کہ علمائے اعلیٰ کی نظرِ انتخاب مجھ جیسے ناتواں پر پڑی۔ بلاشبہ یہ میرے لئے ایک نیک فال ہے اور
میں شہداء اللہ فی الارض کی اس انتخابی شہادت کو اپنے لئے ذریعہٴ نجات باور کرتا ہوں اور ربِّ ذوالمہنن

کے فضل و کرم سے توقع رکھتا ہوں کہ جماعت علماء کے ساتھ اس ارتباط و پیوستگی کے بدولت میرا حشر بھی اسی جماعت حقہ کے ساتھ ہوگا۔ ”ہم قوم لایشقی جلیسہم“۔

اساطین اسلام :

برصغیر (متحدہ ہندوستان) کی علمی و ثقافتی تاریخ سے معمولی واقفیت رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ ۹۲ھ میں عراق کے گورنر کے حکم پر اسلامی فوج محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ پہنچی اور تین سالہ جدوجہد کے نتیجہ میں ۹۵ھ میں سندھ کا پورا علاقہ اسلام کے زیر نگیں آ گیا، چونکہ ان حضرات کا تعلق عراق سے تھا، اس لئے عراقی فقہ ہی کے پابند تھے۔ اس وقت سے آج تک ہمیشہ سندھ عراقی مدرسہ فکر اور فقہ حنفی کا گہوارہ رہا ہے، اس کے بعد چوتھی صدی ہجری یعنی ۳۹۲ھ میں محمود غزنوی نے لاہور اور اس کے مضافات کو اپنی قلم رو میں داخل کر کے اسلامی حکومت کو سندھ سے لاہور تک وسیع کر دی، سلطان محمود غزنوی بھی فقہ حنفی ہی سے وابستہ تھے، بعد ازاں ۵۸۹ھ میں سلطان غوری کے زمانہ میں اسلامی سلطنت دہلی تک وسیع ہو گئی اور اس وقت سے ۱۲۷۳ھ تک پورے برصغیر میں مسلمانوں ہی کی حکومت رہی۔ اس طویل مدت کی تاریخ پڑھ جائیے، حنفی حکمرانوں کے علاوہ کوئی اور حکمران آپ کو نہیں ملے گا، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب بھی اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے، وہ اپنے رسالہ ”ترجمان وہابیہ“ ص ۱۱ میں لکھتے ہیں :

”خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں، اس وقت سے لے کر آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم، فاضل، قاضی، مفتی اور حاکم ہوتے رہے، یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتاویٰ ہندیہ یعنی فتاویٰ عالمگیری جمع کیا اور اس میں شیخ عبد الرحیم دہلوی والد بزرگوار شاہ ولی اللہ مرحوم بھی شریک تھے“.....

ع حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

حاضرین ذوالاحترام :

یہ ہے برصغیر ہندوپاک اور بنگلہ دیش میں مذہب حنفی کی اجمالی تاریخ جس سے روز روشن کی طرح نمایاں ہے کہ متحدہ ہندوستان میں اسلام کے داخلہ کے وقت سے انگریزوں کے تسلط تک بغیر کسی اختلاف و نزاع کے یہاں عالم، فاضل، قاضی، مفتی، حاکم اور عام مسلمان تو اتر کے ساتھ اجتماعی طور پر فقہ حنفی ہی کی روشنی میں اسلامی مسائل اور

دینی احکام پر عمل پیرا رہے ہیں۔

محافظان سنت :

مسلمانوں کے عہد زوال میں جب سامراجی سازشوں کے تحت جماعت مسلمین میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی غرض سے مذہبی فرقہ بندیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تو فتنہ اسلامی، فقہائے اسلام بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین و مقلدین کے خلاف عدم تقلید کا نعرہ لے کر ایک نئے فرقہ نے سر اٹھایا، چنانچہ خود اسی فرقہ

کے جماعتی مؤرخ مولانا محمد شاہ جہان پوری اپنی کتاب..... ”الارشاد الی سبیل الرشاد“ میں لکھتے ہیں :

”کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آ رہے ہیں

جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں بلکہ ان کا نام بھی ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے، اپنے

آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا مؤحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد، وہابی،

یا لامذہب لیا جاتا ہے۔

چونکہ یہ لوگ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں یعنی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر

اٹھاتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں جیسا کہ تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں، بنگالہ کے لوگ

ان کو رفع یدین بھی کہتے ہیں۔“ (ص ۱۳ مع حاشیہ)

اس نو پیدا اور غیر مانوس فرقہ کا تعارف اس کے محسن اعظم نواب صدیق حسن خان صاحب جن کے مالی

تعاون نے اس کی نشوونما میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، ان الفاظ میں کرتے ہیں :

”فرق درمیان مقلدین اور فرقہ مؤحدین کے فقط اتنا ہے کہ مؤحدین قرآن و حدیث کو

مانتے ہیں اور باقی اہل مذاہب اہل الرائے ہیں جو مخالف سنت اور طریقہ شریعت ہے۔“

(ترجمان وہابیہ ص: ۶۲)

جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ بزعم خود کتاب و سنت پر عامل اور طریقہ شریعت کے متبع بس یہی مدعیان

ترک تقلید شرمزہ قلیلہ ہیں، ان کے علاوہ دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان جو ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کی تقلید کے

پابند ہیں، کتاب و سنت کے مخالف اور اسلامی شریعت سے دور ہیں۔ یہی دعویٰ آج اس فرقہ کے بچہ بچہ کی زبان پر

ہے اور ان کے نزدیک ہر وہ مسلمان جو ائمہ اربعہ کا مقلد ہے نعوذ باللہ صحیح راستہ سے ہٹا ہوا اور گمراہ ہے، جبکہ ان کا یہ

دعویٰ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد :

”علیکم بالجماعة و العامة“ اور ”اتبوا السواد الاعظم“ کے یکسر معارض اور منافی ہے

اور خود ان کے گھر کی شہادت بھی یہی بتا رہی ہے، ان کا یہ دعویٰ سراسر باطل اور واقعہ حال کے بالکل خلاف ہے، چنانچہ اس فرقہ کے نامور اور مشہور عالم مولانا عبدالجبار غزنوی جو اپنے حلقہ میں امام کہے جاتے ہیں اور مولانا عبدالنواب جو اس فرقہ کے مایہ ناز مناظر تھے دونوں کا بیان ہے کہ :

”ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے، مگر یہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے پر ہیں جو حدیثیں سلف اور خلف کے ہاں معمول بہا ہیں، ان کو ادنیٰ سی قوت اور کمزوری جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہؓ کے اقوال اور افعال کو ایک بے طاقت قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں اور ان (احادیث نبویہ اور فرمودات صحابہؓ) پر اپنے بیہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں”

حاشا وکلا“ اللہ کی قسم یہی لوگ جو شریعت محمدی کی حد بندی کے نشان گراتے ہیں اور ملت حنفیہ (اسلام) کی بنیادوں کو کہنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں اور احادیث مرفوعہ (نبویہ) کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الایمان آثار (صحابہ) کو پھینک دیا ہے اور ان (فرمودات رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشادات صحابہؓ) کو دفع کرنے کے لئے وہ حیلے بناتے ہیں کہ جن کے لئے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی مؤمن کا سر اٹھتا ہے۔“ (فتاویٰ علماء حدیث ج ۷ ص ۷۹-۸۰)

تنبیہ ! یہ فتاویٰ علمائے حدیث اس فرقہ غیر مقلدین کی اہم ترین اور نہایت عظیم کتاب ہے جس پر علامہ احسان الہی ظہیر جیسے بڑے بڑے علماء کی تصدیقات ہیں۔

یہ ہے فرقہ غیر مقلدین کا صحیح تعارف جو خود ان کے امام اور مناظر علام نے بیان کیا ہے، جس سے بغیر کسی خفا اور پوشیدگی کے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے فکر و خیال کے مقابلہ میں معمول بہا احادیث کو رد کر دیتے ہیں، آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ان کے نزدیک ادنیٰ وقعت بھی نہیں، خدائے علیم وخبیر کے فرستادہ انسانیت کے سب سے عظیم معلم ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے آراستہ ان تلامذہ رسول کے آثار و ارشادات کو قانونی قوت سے عاری اور بے نور کہہ کر پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اپنے مختار مذہب و مسلک میں حق کو منحصر بنا کر دیگر تمام مسلمانوں کو بے راہ بلکہ گم راہ اور کافر و مشرک قرار دینا اس فرقہ کا عام شیوہ ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے عالم کبیر اور بہت ساری کتابوں کے مصنف نواب وحید الزمان لکھتے ہیں :

”غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی

ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے، اس کو بھی نہیں سنتے، بعضے عوام اہل حدیث کا یہ حال ہے کہ انہوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہل حدیث ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے باقی اور آداب اور سنن اور اخلاق نبوی سے کچھ مطلب نہیں، غیبت، جھوٹ، افتراء سے باک نہیں کرتے، ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں، اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک و کافر سمجھتے ہیں، بات بات میں ہر ایک کو مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں۔ (لغات الحدیث ج ۲ ص ۹۱ کتاب ش)

نواب صدیق حسن خان اپنی مشہور ”کتاب الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ“ میں اپنے عہد کے غیر مقلدین کے بارے میں لکھتے ہیں، ہم بغرض اختصار صرف ترجمہ لکھ رہے ہیں۔

”بخدا یہ امر انتہائی تعجب و تحیر کا باعث ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو خالص مؤحد گردانتے ہیں اور اپنے علاوہ سارے مسلمانوں کو مشرک بدعتی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ خود انتہائی متعصب اور دین میں غلو کرنے والے ہیں الخ“۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے خود اپنی پروردہ جماعت کے کردار سے تنگ آ کر انتہائی کرب و اضطراب کے عالم میں تقریباً ”الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ“ دو صفحات ۱۵۴-۱۵۵ میں ان کا کچا چٹھا کھول دیا ہے۔

غیر مقلدین کے ان نواب صاحبان کی یہ شکایت بالکل بجا اور درست ہے، واقعہ یہی ہے کہ غیر مقلدین نے ”حق“ کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے اور اپنے ماسوائے کسی کو صحیح مسلمان ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، اس فرقہ کے مشہور و مقتدر عالم ابوشکور عبدالقادر حصاروی کی کتاب ”سیاحۃ الجنان“ ص ۴ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ کیجئے :

”یہ امر روشن ہو چکا ہے کہ حق مذہب اہل حدیث ہے اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں تو اہل حدیثوں پر واجب ہے کہ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں اور ان سے خلا ملا اختلاط میل جول دینی تعلقات نہ رکھیں الخ“۔

غیر مقلدین کے اس ناروا اور بے جا رویہ سے جماعت مسلمین میں اختلاف و نزاع کا ایک نیا دروازہ کھل گیا اور برصغیر میں آباد اہل سنت والجماعت کی صدیوں سے قائم مذہبی وحدت انتشار کی شکار ہو گئی پھر بھی اس

جماعت کے سنجیدہ اتحاد پسند علماء نے اپنے فکر و عمل پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے عام مسلمانوں سے اپنا قرب بنائے رکھا اور مذہبی اختلاف کی بناء پر ان کی تفسیق و تھلیل کرنے کے بجائے نہ صرف یہ کہ مقلدین مسلمانوں کے ساتھ رواداری اور مدارات کا مظاہر کرتے رہے بلکہ دینی و سیاسی معاملات و مسائل میں اپنا بھرپور مخلصانہ تعاون بھی دیتے رہے جن میں مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا عبدالوہاب آروی وغیرہ کا نام نامی سرفہرست ہے۔

ان حضرات کے اس مصالحانہ رویہ کی بناء پر مقلدین وغیر مقلدین کا باہمی اختلاف بڑی حد تک ”وکانوا شیعا“ کی حد میں داخل ہونے سے محفوظ رہا مگر آزاد روی اور انتشار پسندی بلکہ نواب صدیق حسن صاحب کے الفاظ میں انتہائی متعصب (اور حکم الہی ”لا تغلوا فی دینکم“ کے برخلاف) دین میں غلو کرنے والا یہ فرقہ اپنے پیشروان بزرگوں کے اس اتحاد پسند رویہ کو ہضم نہ کر سکا اور خود اپنے ان بزرگوں ہی کے درپے آزار ہو گیا اور اپنی جماعت کے صفِ اول کے عالم اور مایہ ناز شخصیت مولانا ثناء اللہ امرتسری (جنہوں نے جماعت اہل حدیث کی وقع خدمات میں اپنی پوری زندگی صرف کردی) کے خلاف ایسا طوفان برپا کر دیا کہ الحفیظ والامان، انہیں اہل السنۃ والجماعت سے خارج کر کے فرقہ ضالہ مثلاً جہمیہ، معتزلہ، قدریہ وغیرہ کی صف میں کھڑا کر دیا گیا اور جب اس پر بھی ان کے غلو پسند، تکفیر نواز ذوق کو تسکین نہ ملی انہیں اسلام ہی سے خارج ٹھہرانے کے لئے اجتماعی فتویٰ حاصل کرنے کی نامسعود سعی کی گئی۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے خلاف اس زمانہ میں شائع رسائل الاربعین (جس میں چالیس دلائل سے انہیں گمراہ اور دین میں تحریف کرنے والوں کا ہم زبان ثابت کیا گیا ہے) الفیصلۃ الحجازیۃ السلطانیۃ بین اہل السنۃ و بین الجہمیۃ الثانیۃ، فیصلہ مکہ فتنہ ثنائیہ وغیرہ میں اس سلسلے کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔ اور دوسرے بزرگ مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی کے ساتھ خود ان کی جماعت نے کیا برتاؤ کیا اس کی کچھ مبہم سی تفصیل خود مولانا سیالکوٹی کے قلم سے ان کی کتاب تاریخ اہل حدیث کے دیباچہ میں۔ نیز کتاب کے آغاز میں ناشر نے مصنف کے حالات زندگی کے عنوان سے جو تحریر شائع کی ہے، اس میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، اس مختصر خطبہ میں ان تفصیلات کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرات علمائے ذی شان :

اب تک کی مذکورہ تفصیلات سے جو خود فرقہ غیر مقلدین کے اکابر علماء کی تحریروں کے حوالہ سے پیش کی گئی

ہیں، درج ذیل امور ثابت ہوئے ہیں :

- ۱- یہ ایک نوپید، غیر مانوس فرقہ شاذہ ہے۔
- ۲- یہ فرقہ اپنے آپ کو اہل حدیث بتاتا ہے جبکہ تمام مسلمان اسے غیر مقلد، وہابی اور لاندہب کہتے ہیں۔
- ۳- یہ فرقہ اپنے ماسویٰ سارے مسلمانوں کو مخالف سنت و شریعت سمجھتا ہے۔
- ۴- یہ فرقہ اتباع سنت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیونکہ سلف و خلف کے بیان کردہ معمول بہا حدیثوں کو بھی بلاوجہ رد کر دیتا ہے۔
- ۵- آثار صحابہؓ اس فرقہ کے نزدیک قانون کی طاقت سے عاری بے نورا قوال ہیں۔
- ۶- یہ فرقہ اجماعی مسائل کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔
- ۷- یہ فرقہ سلف صالحین اور احادیث مرفوعہ سے ثابت قرآنی تفسیروں کے مقابلہ میں اپنی من مانی تفسیروں کو ترجیح دیتا ہے۔
- ۸- بس رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ مختلف فیہ حدیثوں پر عمل تک اہل حدیث ہے، آداب و سنن اور اخلاق نبوی ﷺ سے متعلق احادیث سے اسے کوئی سروکار نہیں۔
- ۹- یہ فرقہ ائمہ مجتہدین اور اولیاء اللہ کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرتا ہے۔
- ۱۰- یہ فرقہ اپنے علاوہ دیگر تمام طبقات مسلمہ کو بدعتی اور مشرک و کافر سمجھتا ہے۔

اوپر مذکور یہ سب باتیں اس فرقہ کے لوگوں کے بارے میں خود انہیں کے اکابر علماء کی بیان کردہ ہیں، جن کا ان لوگوں سے روز کا سابقہ تھا، ان لوگوں کے اعمال و کردار جن کی نگاہوں کے سامنے تھے، جنہوں نے ان کے اہل حدیث ہونے کے دعویٰ کو ان کی سیرت و عادت کے آئینہ میں اچھی طرح پرکھ لیا تھا، ائمہ مجتہدین اور اکابر صوفیاء کی شان میں ان لوگوں کے گستاخانہ کلمات جو خود اپنے کانوں سے سنتے رہتے تھے، ان لوگوں کے ناروا تعصب اور دینی غلو کا انہیں پوری طرح تجربہ تھا، اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان چشم دید معتبر گواہوں کی شہادت قبول نہ کی جائے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ شہادتیں اس قدر پختہ اور محکم ہیں کہ دنیا کی کوئی عدالت انہیں رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

غیر مقلدین کا صحابہ کرامؓ کے بارے میں عقیدہ و فکر بڑی حد تک شیعیت اور رافضیت کا ترجمان ہے، ان کے اکابر کی کتابوں میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو فاسق تک کہا گیا ہے اور اب جو نئی نئی کتابیں سلفیت کے مراکز سے چھپ کر آرہی ہیں، ان میں صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین کے بارے میں نہایت گستاخانہ انداز گفتگو اختیار کیا گیا ہے، مثلاً جامعہ سلفیہ سے شائع ہونے والی کتابیں ”اللحمات“ ”تنویر الآفاق“ اور ”ضمیر کا بحران“ وغیرہ میں

اسلام کی اس مقدس جماعت (صحابہ کرامؓ) کے بارے میں جو کچھ تحقیق، ریسرچ کے نام پر لکھا گیا ہے، وہ ایک سنی العقیدہ مسلمان کے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہے۔ تنویر الآفاق کی ان عبارتوں کو ذرا سینہ پر ہاتھ رکھ کر آپ حضرات بھی سن لیں، مصنف لکھتا ہے :

”اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی ذاتی مصلحت ہی کی بنیاد پر بعض خلفائے راشدین بعض احکام شرعیہ کے خلاف بخیاں خویش اصلاح امت کی غرض سے دوسرے احکام صادر کر چکے تھے، ان احکام کے سلسلہ میں ان خلفاء کی باتوں کو عام امت نے رد کر دیا۔“ (ص: ۱۰۷)

اس سلسلہ میں مزید ارشاد ہوتا ہے :

”ہم آگے چل کر کئی ایسی مثالیں پیش کرنے والے ہیں جن میں احکام شرعیہ و نصوص کے خلاف خلفائے راشدین کے طرز عمل کو پوری امت نے اجتماعی طور پر غلط قرار دے کر نصوص و احکام شرعیہ پر عمل کیا ہے۔“ (ایضاً)

اس بد بخت مصنف کے بعض صحابہ و خلفائے راشدین کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو لکھتا ہے :

”مگر ایک سے زیادہ واضح مثالیں ایسی موجود ہیں جن میں حضرت عمرؓ یا کسی بھی خلیفہ راشد نے نصوص کتاب و سنت کے خلاف اپنے اختیار کردہ موقوف کو بطور قانون جاری کر دیا تھا، لیکن پوری امت نے ان معاملات میں بھی حضرت عمرؓ یا دوسرے خلیفہ راشد کے جاری کردہ قانون کے بجائے نصوص کی پیروی کی ہے۔“ (۱۰۸)

صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ کے بارے میں یہ طرز گفتگو خالص شیعہ ذہنیت کی ترجمان ہے اور دین میں اللہ نے صحابہ عظامؓ کا جو مقام رکھا ہے، ان کو اس مقام سے گرانے کی سعی نامحسوس ہے، اس طرح کی عبارتوں سے یہ پوری کتاب بھری ہوئی ہے۔

یہ ہے۔ اس جماعت نوپید کا فکری و عملی خاکہ جو روز روشن کی طرح آپ کے سامنے ہے کہ اس کی چیرہ دستیوں سے نہ تو کتاب الہی کے مفہیم و مدلولات محفوظ ہیں اور نہ ہی رسول خدا ﷺ کی احادیث مقدسہ۔ اس جماعت کی غلو پسندی سے نہ تو حضرات صحابہؓ کا وہ مقام و مرتبہ محفوظ ہے جو انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عطا کیا ہے اور نہ ہی فقہائے مجتہدین کا شرعی و عرفی احترام و کرام جن کے وہ مستحق ہیں اور اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ اگر خدا نخواستہ امت کے دلوں سے ان مقدس اور بابرکت ہستیوں کی وقعت و اہمیت نکل گئی اور ملت کی وابستگی ان سے قائم نہ رہی تو پھر دین و مذہب کا خدا ہی حافظ، کیونکہ انہی سلف صالحین اور ائمہ دین کی سعی

مشکور اور مساعی جیلہ کی بدولت دین اسلام بغیر کسی تحریف و تبدیلی کے اپنی اصلی حالت میں ہم تک پہنچا ہے، لہذا دین اسلام کے ان محافظین کے خلاف بدگمانی پیدا کر کے ان کی خدمات سے انکار کر دیا گیا تو کیا دین کی صحت قابل اعتماد رہ سکے گی؟ سلف صالحین اور ائمہ دین کے اس مقام و مرتبہ اور اہمیت کو امام بیہقی نے اپنی مشہور کتاب ”دلائل النبوة و معرفة احوال صاحب الشریعة“ کے مدخل میں بڑے اچھے انداز سے بیان کیا ہے، بغرض اختصار یہاں اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے، امام بیہقی لکھتے ہیں :

”اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی مقدس کتاب نازل فرمائی اور خود اس کتاب عظیم کی حفاظت کی ضمانت لی، جیسا کہ (سورۃ الحجر کی آیت ۹ میں) ارشاد ہے: ”انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون“۔ ہمیں نے قرآن عظیم کو نازل کیا ہے اور ہمیں اس کے محافظ ہیں۔

اور اپنے رسول ﷺ کو کتاب مقدس کی تفسیر و تشریح کے منصب سے سرفراز فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا: ”و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزلنا لیہم و لعلہم یتفکرون“ اور ہم نے آپ پر کتاب عظیم اتاری تاکہ آپ اس کتاب کے مضامین کو لوگوں پر اچھی طرح واضح کر دیں اور تاکہ لوگ اس واضح مضامین میں غور کریں اور نبی پاک ﷺ کو اپنی کتاب کی تفسیر و بیان تک آپ کو امت میں باقی رکھا اور اس کام کے مکمل ہو جانے کے بعد آپ کو آغوشِ رحمت میں لے لیا اور (اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر نافذہ اور حکمت بالغہ سے) امت کو ایسا واضح و روشن طریق فراہم کر دیا کہ امت مسلمہ کو جب بھی کوئی نیا مسئلہ پیش آیا، اس کے بارے میں صحیح رہنمائی کتاب و سنت سے صراحتاً یا دلالتاً حاصل ہو جاتی ہے، پھر اس امت میں ہر ہر زمانہ میں ائمہ دین پیدا کرتے رہے جو شریعت کے بیان و تحفظ اور بدعت کی تردید کی خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ”یرث ہذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاہلین“ اس علم دین کو حاصل کرتے رہیں گے، بعد میں آنے والے ہر گروہ کے معتمد و ثقہ جو اس دین سے غلو پسندوں کی تحریف اہل باطل کی کذب بیانی اور جاہلوں کی تاویل کی تردید و نفی کرتے رہیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مصداق عبد صحابہ سے ہمارے زمانے تک برابر

پائے جاتے رہے ہیں۔ (۱/۲۳ طبع بیروت ۱۴۰۵ء)

حضرات ! امنائے دین و محافظانِ شریعت کی شان میں بدزبانی اور مذہبِ اسلام کے ان بچے وفاداروں کے خلاف بدگمانی پھیلاتا اس فرقہ کا خاص شیوہ ہے۔ ان کی تقریریں ”اذا خصم فجر“ کی تصویر اور تحریریں ”لعن آخر هذه الامة اولها“ کی نمونہ ہوتی ہیں، امام الائمہ سراج الائمہ سیدنا امام ابوحنیفہؒ کو امامِ اعظم کہنا ان کے یہاں شرک ہے، مگر ملکہ و کٹوریہ کو ملکہ، معظمہ کہنا عین توحید ہے۔ امام صاحب کی شان میں اس فرقہ کی بدزبانیوں کے لئے خاص ”اللمحات“ مصنفہ محمد رئیس ندوی مطبوعہ ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوة والافتاء الجامعہ السلفیہ بنارس، ”اصلی اسلام کیا ہے“۔ مصنفہ ابوالاقبال سلفی مطبوعہ ادارہ دعوت اسلام بمبئی ”مذہب حنفی کا اسلام سے اختلاف“ شائع کردہ شہر جمعیتہ اہل حدیث بریلی، ”اختلافِ امت کا المیہ“ از فیض عالم مطبوعہ پاکستان، ”امام ابوحنیفہؒ کا تعارف محدثین کی نظر میں“ از محمد بن عبداللہ ظاہری وغیرہ کتابیں دیکھی جائیں جن میں امام صاحب کی شان میں ایسی بدزبانیاں کی گئی ہیں، ایسی ایسی جھوٹی من گھڑت باتیں کہی گئی ہیں کہ شریف اور بامروت لوگ اس قسم کی باتیں زبان و قلم پر لانے سے شرم و عار محسوس کرتے ہیں۔

ادھر چند سالوں سے اس فرقہ نے علمائے دیوبند بالخصوص ان کے اکابر رحمہم اللہ کے خلاف ہمہ گیر پیمانے پر مہم چلا رکھی ہے اور انہیں نہ صرف یہ کہ دائرۃ اہل السنۃ والجماعت سے خارج بتا رہے ہیں بلکہ دائرۃ اسلام ہی سے خارج کر دینے کی ناپاک و نامراد کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

پاسبانِ ملت :

کون نہیں جانتا ہے کہ علمائے دیوبند، محدثین دہلی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادہ کے علمی و فکری منہاج کے وارث و امین ہیں اور مسند ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے توسط سے سلف صالحین سے پوری طرح مربوط ہیں، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر محدثین دہلی تک اسنادِ اسلام کی ہر کڑی کے پورے وفادار ہیں اور سلف صالحین کی اتباع و پیروی کے اس حد تک پابند ہیں کہ اپنے مخلصانہ جہد و عمل سے چھوٹی سی چھوٹی بدعت کو بھی دین نہ بننے دیا۔

برصغیر میں ۱۸۵۷ء کے سیاسی انقلاب کے بعد انگریزوں کی بدنام زمانہ پالیسی لڑاؤ اور حکومت کرو کے تحت اسلام کے عظیم عقیدہ ختم نبوت پر یلغار کی گئی اور انگریز کی خانہ ساز نبوت کے داعی، مسلمانوں کو ارتداد کی علانیہ دعوت دینے لگے، اس ارتدادی فتنہ سے مسلمانوں کو سب سے پہلے انہی علمائے دیوبند نے مسلمانوں کو خبردار کیا اور اپنی گراں قدر علمی تصانیف مؤثر تقاریر اور بے پناہ مناظروں سے انگریزی نبوت کے دجل و فریب کا اس طرح پردہ چاک کیا اور ہر محاذ پر ایسا کامیاب مقابلہ کیا کہ اسے اپنے مولد و منشالندن میں محصور ہو جانا پڑا۔

اور جب وقت کی سیاسی آندھیوں نے قافلہ اسلام کی صفت اول یعنی صحابہ کرامؓ کی ناموس اور دین میں ان کی معیاری حیثیت پر حملہ کیا تو دفاع صحابہؓ میں علمائے دیوبند نے نہایت وقیع اور گرانقدر خدمات انجام دیں، جس کے آثار ہدیۃ الشیعہ، اجوبہ اربعین، ہدایۃ الشیعہ، ہدایات الرشید نیز امام اہل السنۃ والجماعت مولانا عبدالشکور فاروقی کی اس موضوع پر تصنیفات و مضامین اور صحابہ کرامؓ کے مقام و مرتبہ اور ان کے معیار حق ہونے سے متعلق شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے علمی مقالات کی شکل میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

اسی عہد فتنہ ساز میں اتباع سنت اور حجیۃ حدیث کا انکار کرنے والا ایک گروہ نمودار ہوا، جس نے ”مرکز ملت“ کے نام سے ایک نئی اصطلاح وضع کر کے قرآن حکیم کی تشریح و تعبیر کا مکمل اختیار اس مفروضہ مرکز ملت کو سونپ دیا کہ یہ نام نہاد مرکز ملت زمانے کی اُمنگوں کے مطابق پیغمبر اسلام کے ارشادات صحابہ کرامؓ کے فیصلوں اور اجماع اُمت سے قطع نظر کر کے جو چاہے فیصلہ کر دے۔

اس کے بالمقابل ایک دوسرے گروہ نے زبانی عشق رسول ﷺ کے نام سے سر اٹھایا جس نے اپنے علاوہ تمام طبقات اسلام کو قابل گردن زدنی قرار دیا جبکہ عملاً اس کا حال یہ ہے کہ شریعت کے روشن چہرے کو مسخ کر کے دین میں نت نئے اضافے کرتا رہتا ہے اور من گھڑت افکار کو شریعت بتاتا ہے۔

اکابر دیوبند مثلاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری وغیرہ نے ان فرقوں کا کامیاب مقابلہ کیا اور ماضی قریب میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ وغیرہ نے بھی اس محاذ پر نہایت کامیاب خدمات انجام دیں۔

ہندوستان کی دینی و ثقافتی تاریخ سے واقف جانتے ہیں کہ علمائے دیوبند اسلام کی سنت قائمہ کے حامی اور بدعت سے بہت دور ہیں اور ایسے کسی عمل کو جو شاہراہِ مسلسل سے نہ آئے اسے وہ اسلام کا نام دینے کے لئے تیار نہیں کیونکہ ان کا موقف اسلام کی سنت قائمہ سے مکمل وفاداری کا ہے ان کے نزدیک اہل السنۃ والجماعت وہ لوگ ہیں جو اسلام کی سنت قائمہ سے وابستہ اور جماعت صحابہؓ کے آثار و نقوش سے دین کی راہیں تلاش کرنے والے ہوں ان حضرات کا یقین ہے کہ بدعات کا دوازہ کھلا رکھنے سے تفریق بین المسلمین لازمی ہوگی کیونکہ بدعات ہر طبقہ کی اپنی اپنی ہوں گی، یہ فقط سنت ہے جو تمام طبقات مسلمہ کو ایک لڑی میں پروں سکتی ہے اور ملت واحدہ بنا کر رکھ سکتی ہے۔ اسی عہد شکست و ریخت میں حکمران انگریزوں کی خفیہ سرپرستی آریہ سماج کے ذریعہ فرزند ان اسلام کو اسلام سے جدا کر دینے کے لئے ارتداد کی تحریک پوری قوت سے شروع کی گئی۔

اسلام کے خلاف اس فکری محاذ پر حالات سے ادنیٰ مرعوبیت کے بغیر اکابر دیوبند نے اسلام کا کامیاب دفاع کیا، تقریر و تحریر، بحث و مناظرہ اور علمی و دینی اثر و نفوذ سے اس ارتدادی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک دیا، بالخصوص علمائے دیوبند کے سرخیل اور قائد و امام حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اس سلسلے میں نہایت اہم اور مؤثر خدمات انجام دیں۔

نیز تقسیم ہند کے قیامت خیز حالات میں جبکہ برصغیر کا اکثر حصہ خون کے دریا میں ڈوب گیا تھا، اس قیامت خیز دور میں شدھی و سنگٹھن کے نام سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی ایمان سوز تحریک برپا کی گئی، اس موقع پر بھی علمائے دیوبند وقت کے خونی منظر سے بے پروا ہو کر میدانِ عمل میں کود پڑے اور خدائے عزیز و قدیر کی مدد و نصرت سے ارتداد کے اس طوفان سے مسلمانوں کو بحفاظت نکال لائے۔

مسلمانوں کے اسی دورِ زوال میں عیسائی مشینری حکومتِ وقت کی بھرپور حمایت کے ساتھ برصغیر میں اس زعم کے ساتھ داخل ہوئی کہ وہ فاتح قوم ہیں، مفتوح قوم میں فاتح کی تہذیب کو آسانی سے قبول کر لیتی ہیں، انہوں نے بھرپور کوشش کی مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کے تہذیبی و ثقافتی نقوش مٹادیں یا کم از کم انہیں ہلکا کر دیں تاکہ بعد میں انہیں اپنے اندر ضم کیا جاسکے۔

اس محاذ پر بھی اکابر دیوبند نے عیسائی مشینری اور مسیحی مبلغین سے پوری علمی قوت سے ٹکر لی اور نہ صرف علم و استدلال سے ان کے حملے پسپا کر دئے بلکہ عیسائی تہذیب اور ان کے مآخذ پر کھلی تنقید کی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تصانیف اظہار الحق ازالۃ الشکوک، ازالۃ الاوہام، اعجاز عیسوی، اصح الاحادیث اور معدن المواجز المیزان، اس کی شاہدِ عدل ہیں۔ نیز حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، ان کے تلمیذ خاص حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوری، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی اور بعد میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری علیہم الرحمۃ وغیرہ نے اس محاذ پر گرانقدر خدمات انجام دیں۔

پھر جب ایک مرتب اسکیم کے تحت پورے ملک میں انگریزی اسکولوں کا جال بچھا دیا گیا اور اسلامی مدارس کو ختم کر دینے کی غرض سے ان کے لئے دنیوی ترقی کی تمام راہیں مسدود کر دی گئیں، اس وقت ضروری تھا کہ قرآن و حدیث کی صحیح تعلیم اور اسلام کے آبرو مندانه ماحول کے لئے عربی دینی مدارس کو ہر طرح کی قربانی دے کر باقی رکھا جائے، نیز جدید دینی عربی مدارس قائم کئے جائیں اور اس کی امکانی سعی کی جائے کہ کوئی اجنبی چیز اسلام کے نام پر اسلام میں گھسنے نہ پائے۔

اس محاذ پر بھی اکابر دیوبند نے پوری ذمہ داری اور اسلام کے ساتھ مکمل وفاداری کا ثبوت دیا اور برصغیر کے چپے چپے پر اپنی درس گاہوں کے ذریعہ علم و دین کے چراغ روشن کر دئے، اس سلسلے میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا

محمد قاسم نانوتوی، ان کے رفیق خاص محدث کبیر مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور آزادی کے بعد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے کامیاب جدوجہد کی۔

برصغیر میں تحفظ اسلام کے سلسلے میں علمائے دیوبند کی خدمات کا یہ اجمالی تعارف بتا رہا ہے کہ پچھلی صدی مادی ترقیات کے ساتھ فکر و نظر کا جو انقلاب اپنے جلو میں لائی تھی اس کے دفاع میں علمائے دیوبند کی یہ تعلیمی، تبلیغی جدوجہد نہ ہوتی تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا انجام کیا ہوتا اور کچھ بعید نہیں کہ متحدہ ہندوستان میں اسپین کی تاریخ دہرا دی گئی ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور تدبیر نافذہ سے علمائے دیوبند کو کھڑا کر دیا جن کی بدولت اسلاف کی یہ امانت ہر نوع کے زلیغ و ضلالت کی دست و برد سے محفوظ رہی۔ فالحمد لله علی ذلک و شکر الله سعيهم۔

فرزندان اسلام! حیف صد حیف کہ فرقہ غیر مقلدین اور خارجیت جدیدہ کے علم برداروں نے نصوص فقہی کے سلسلہ میں سلف صالحین کے مسلمہ علمی منہاج و دستور کو پس پشت ڈال کر اپنے علم و فہم کو حق کا معیار قرار دے کر اجتہادی مختلف فیہ مسائل کو حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کے درجہ میں پہنچا دیا ہے اور ہر وہ فرد اور طبقہ جو ان کے اس غلط فکر سے ہم آہنگ نہیں وہ ہدایت سے عاری، مبتدع، ضال و مضل اور فرقہ ناجیہ بلکہ دین اسلام ہی سے خارج ہے۔ کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ جو چیز امت کے لئے باعث رحمت اور علماء کے حق میں موجب کرامت تھی، آج اسی رحمت و کرامت کو یہ خارجیت جدیدہ کے علم بردار، علم و فہم سے کھلواڑ کرتے ہوئے شقاوت و ضلالت باور کرانے پر تلے ہیں اور برصغیر ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں چونکہ اہل سنت والجماعت کے مرکز علمائے دیوبند ہی ہیں، اس لئے ایک خاص ذہنیت کے تحت قادیانیوں، رافضیوں وغیرہ فرقہ مکفرہ و ضالہ کے بجائے بطور خاص علمائے دیوبند اور اکابر دیوبند کو اپنی تصلیبی و تکفیری مشن کا ہدف بنا رکھا ہے۔ چنانچہ ماضی قریب میں ”الذیوبندیہ“ کے نام سے طالب الرحمن سلفی نامی غیر مقلد نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا عربی ترجمہ ابو حسان نامی کسی گمنام غیر مقلد نے کیا ہے جو دارالکتب والنسۃ کراچی سے شائع ہوئی ہے، یہ عرب ممالک بالخصوص سعودی عرب میں بغیر کسی رد و قدح کے فروخت کی جا رہی ہے اور ایک مہم بنا کر شیوخ حجاز و نجد اور سرکاری دفتروں تک پہنچائی گئی ہے۔

اس فتنہ انگیز کتاب میں دیوبندی مکتبہ فکر کے مرکز دارالعلوم دیوبند کے بارے میں لکھا گیا ہے، دارالعلوم دیوبند سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والا ادارہ ہے اور آپ ﷺ کے طریقہ کو پھینک دینے والا ہے، اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر رکھی گئی ہے۔ (ص: ۹۸)

دیوبندی علماء کے بارے میں تحریر ہے :

”دیوبندیوں کے اقوال و اعمال اور واقعات واضح علامت ہیں کہ ان میں شعوری یا غیر شعوری

طور پر شرک سرایت کر گیا ہے اور وہ مشرکین سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔“ (ص: ۷۲)

اس کتاب کے صفحہ ۱۹ میں ہے :

”علماء دیوبند عقیدہ توحید سے بالکل خالی ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ توحید کے علم بردار ہیں۔“

حضرت شیخ الہند قدس سرہ پر محرف قرآن، کفر صریح کا مرتکب اور اللہ پر صریح جھوٹ بولنے والے جیسے الزامات چسپاں کئے گئے ہیں۔ (ص: ۲۶۶)

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ کو ”ویلک یا مشرک“ (اے مشرک تیرے لئے بربادی ہو) سے خطاب کیا گیا ہے، پھر آپ کی شان میں ایسی باتیں کہیں گئی ہیں جسے قلم لکھنے پر آمادہ نہیں، کتاب مذکور کے صفحات ۱۲۳، ۱۷۱، ۱۹۰، ۲۵۳ وغیرہ خود دیکھئے۔

محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری پر بدعت کی تہمت عائد کی گئی ہے، محمد انور بدعت کی طرف مائل تھا۔ (ص: ۱۵)

اکثر لوگ انور شاہ کی رائے پر ہنستے ہیں، خدا تجھ پر رحم کرے تم نے بدبودار تعصب کے ماحول میں پرورش پائی ہے تجھے توحید و سنت کے داعیوں سے شدید بغض ہے۔ (ص: ۱۸)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں ہے :

”اگر اشرف علی کو اس بات کا خطرہ تھا کہ شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے پاس بیٹھنے سے وہ احوال پر مطلع ہو جائیں گے تو یہ کشف نہیں بلکہ شیطانی احوال ہیں۔“ (ص: ۱۵۲)

محدث جلیل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے متعلق ہے :

محمد یوسف بنوری کا ابن عربی کی تعریف کرنا بنوری کے زندیق ہونے کی علامت ہے۔ (ص: ۳۰)

دل پر جبر کر کے صرف یہ چند حوالے درج کئے گئے ہیں ورنہ پوری کتاب علمائے حق پر کذب و افتراء اور دشنام طرازی ہی پر مشتمل ہے۔ ابھی زمانہ قریب میں ایک کتاب ”کیا علمائے دیوبند اہل سنت ہیں“ کے نام سے عربی واردو میں ”المکتب التعاونی للدعوة والارشاد وتوعية الجالیات بالسلی ص ۱۱۴۱۹ الریاض“ سے شائع ہوئی ہے اور حج کے موقع پر بڑے پیمانے میں حجاج کرام میں تقسیم ہوئی ہے۔ اس کتاب میں علم و تحقیق کے اصولوں کو یکسر نظر انداز کر کے علمائے دیوبند کو فرقہ ناجیہ جماعت اہل سنت سے خارج بتایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک فاضل شمس الدین سلفی کی ایک کتاب ”جہود علماء الحنفیة فی ابطال عقائد القبوریة“ تین ضخیم جلدوں میں شائع کی گئی ہے۔ یہ کتاب دراصل شمس الدین کا وہ مقالہ ہے جس پر اسے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مکتبہ الدعوة سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی ہے۔

دو ٹکڑے ہو گئی، آخری سانس تک احد احد اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے، کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جان دے دی تو یہ حال تھا اسلام کا اور مظلومیت کا، ظلم برداشت کرتے رہے اور آج کل لوگوں کا یہ حال ہے دنیا کا اس قدر غلبہ ہے۔

بنگلہ دیش، مشرقی بنگال، پاکستان بنا، مشرقی پاکستان جو مردم شماری ہوئی تو وہاں پورے مشرقی بنگال میں چھ ہزار عیسائی تھے اور جب پینتیس سال بعد بنگلہ دیش بنا جو مردم شماری ہوئی تو عیسائیوں کی تعداد چھ ہزار سے بچاس لاکھ ہو چکی تھی۔ پینتیس سال کے اندر، آٹھ دس جماعتیں اسلام کو ختم کرنے کے لئے بن چکی ہیں اور قلب ڈھاکہ میں بہت بڑا کالج کرچوں کا اور اسی طرح پورے بنگال میں دو دو میل تین تین میل پر کالج یونیورسٹیاں اور این جی اوز کے بائیس ہزار سکول ہیں، جو **SLOW POISON** کے ذریعے مسلمان بچوں کو کرچین بنا رہے ہیں اور نوے ہزار عورتوں ہیں جو این جی اوز کی صرف نوکر ہیں، اسلام کو ایک ایک گھر سے ختم کر رہی ہیں، عیسائیت کے لئے اس طریقہ سے، پیسہ سے، ہسپتالوں میں تعلیم دیتے ہیں اور علاج کرتے ہیں اور فری ہوتا ہے اور یہ ہوتا ہے بنگلہ دیش میں یہ ہوتا کہ عورتیں اور مردان پڑھ قسم کے جاتے ہیں، بچارے اور وہ جا کر کے اپنے آپ کو دکھاتے ہیں تو عیسائی ڈاکٹر ان کو دیکھ کر کے یہ کہتا ہے کہ دیکھو دوالے جاؤ، الٹی دوا دیتا ہے وہ اور کہتا ہے دیکھ سات بار بسم اللہ پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ اے اللہ شفا دیدے اور یہ کرنا اور وہ کرنا، سب سکھائی پڑھائی باتیں اور وہ الٹی دوا دیتا ہے، دو تین دن کے بعد مریض پھر آتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب بیماری بڑھ گئی، یہ ہوا یہ ہوا تو ڈاکٹر کہتا ہے تو نے بسم اللہ نہیں پڑھی ہوگی، دعا نہیں مانگی ہوگی یہ بھی کیا یہ بھی کیا پھر بھی اللہ نے شفا نہیں دی، اچھا لاؤ دوسری دوائی دیتا ہوں اور دیکھو تین مرتبہ یہ دعا مانگو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، کھانے سے پہلے تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ کہو کہ اے عیسیٰ ہمیں صحت دینا، اب ٹھیک دوا دی ہے اور اس نے ان پڑھ جاہل نے وہ دعا مانگ لی اور دوا کھالی، اس سے فائدہ ہو گیا وہ دوا تھی ہی ٹھیک، اس طرح وہ ایسے **SLOW POSION** ہر ہسپتال میں ہر سکول میں۔

ڈھاکہ میں ایک بڑا افسر ہفتہ وار چھٹی پر گھر آیا، بچہ اس کا انگلش میڈیم کرچین سکول میں پڑھتا تھا وہ بھی چھٹی کر کے آیا، باپ بیٹھا ہوا تھا منہ سے نکلا ایک اللہ ہی سب کچھ کرتا ہے، بیٹے نے فوراً لقمہ دیا ٹوکا **NO** ہے ماں باپ کو پتہ ہی نہیں چلتا، وہ کبھی اس کی فکر نہیں کرتے اور اس طرح **SLOW POSION** کے ذریعہ ہر لڑکے لڑکی کا مزاج مرتد اور عیسائیت میں رنگا ہوا بنایا جا رہا ہے اور یہی مقصد ہے ان جی اوز کی کوششوں کا کہ عیسائی بنو اور تمام اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہوں، شرابی ہوں، جواری ہوں، زانی ہوں، ناجائز تعلقات ہوں اور اسلام سے متنفر ہوں، اس طرح کی نسل ہر جگہ بن رہی ہے، آپ کے ہاں بھی این جی اوز کام کر رہے ہیں اور دیہاتوں میں

جوان جوان لڑکیوں کو لے جاتے ہیں اور نو جوان دین، اسلام، نماز، روزہ، حرام، حلال، آخرت دنیا کچھ نہیں جانتے، ان نو جوانوں کو وہ لڑکیاں جو ہیں آپ کے ہاں بہت سے گانے ہیں، ناچ ہے، پنجابی مختلف زبانوں کے وہ کرتی ہیں اور سناتی ہیں اور وہ نو جوان جو بالکل بے خبر ہیں پاگل ہیں وہ ان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں اور خیمے لگے ہوئے ہوتے ہیں، ان میں رات گزارتے ہیں، زنا شراب ہوتی ہے اور اسی طرح عیسائیت پھیلائی جاتی ہے۔ مسلمان کی نسل کو بالکل پتہ نہیں۔

ہماری بد قسمتی ہے کہ یہاں علماء عیش کے عادی ہیں، علماء کو چاہئے وہ باسی روٹی سوکھی روٹی کھائیں پیدل چل کر دین کے لئے مصیبت اٹھائیں۔ پاکستان کے علماء اس کے لئے تیار نہیں ہیں، کوئی فکر نہیں، نماز نہیں، جماعت نہیں، مسجد نہیں، دینداری نہیں، علم نہیں اور اس طریقہ سے لوگ مرتد ہو رہے ہیں۔ علماء اپنی نزاکت اور مخملی فرش سے نیچے اتر کر جائیں اور مسجد میں نماز جماعت اور دین سکھائیں، اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔

معاف کیجئے گا بڑی بڑی تنخواہ دس دس ہزار روپے کی مدرسے میں ملے تو مدرسے میں پڑھائیں گے، حضرت مدنی ”آخری وقت تک پانچ سو روپے تنخواہ لیتے تھے جبکہ اخراجات تو ہزاروں کے تھے، حضرت شیخ الہند کی تنخواہ شوریٰ نے بڑھانی چاہی، پچاس روپے سے کچھ زیادہ کرنی چاہی، حضرت شیخ الہند نے کہا کہ نہیں بھائی میرے سے تو پچاس روپے کا حساب بھی نہیں دیا جائے گا۔ میں تنخواہ بڑھوا کر کیا کروں گا۔ مجھے نہیں چاہئے، بس یہی بہت ہے، آپ جو یہ دیوبند دیوبند پکار رہے ہیں، کیا یہ ٹیلی ویژن سے ہوا، ویڈیو سے ہوا؟ خون پسینہ اللہ کے لئے ایک کیا ہے، تب ہوا ہے کوئی آدمی نہیں ہوتا تیار، ٹی وی سے اور وی سی آر سے اللہ کے راستے میں سب کچھ قربان کریں اللہ مدد کرتا ہے اور سب کچھ کرتا ہے۔

آج تم دیوبند کے نقلی نعرے لگاتے ہو اور کہیں دیوبند نہیں، ان کے اکابر کا کوئی نمونہ نہیں، کوئی خون پسینہ ایک نہیں کرتا، کوئی دیہات میں دھکے نہیں کھاتا، کوئی فاقہ نہیں جھیلتا، کوئی اسلام کی فکر نہیں کرتا، مرتد ہو رہی ہے نسل اور تیاریاں ہو رہی ہیں کہ کئی کئی ضلعوں کو عیسائی ریاست آپ کے پنجاب میں بنالیں، سازشیں ہو رہی ہیں اور آپ کو فرصت نہیں ہے، اے سی سے نکلنے کی، گرمی میں کہاں نکلیں گے، آپ اور آپ کو کوئی فکر نہیں کہ مسجد ہے نہیں ہے، چھپر کی ہو، کوئی امام ہو، کوئی مؤذن ہو، سمجھائیں جماعت کے بارے میں ایمان کی فکر کریں، کوئی توجہ نہیں، کوئی کام نہیں، یہ اللہ کے ہاں گرفتار ہوں گے، پکڑے جائیں گے، چھوٹ نہیں سکیں گے، صرف تنخواہ لے کر مدرسوں میں پڑھاؤ، یہ کام بہت ضروری ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے، اسلام رہے گا تو مدرسے رہیں گے، اسلام ہی مٹ جائے گا، خدا نخواستہ تو مدرسے کہاں سے آئیں گے، کون طالب علم ہوگا، کس کو پڑھاؤ گے، اس لئے پہلے دین کی خدمت کرو، اس کے لئے محنت کرو، قربانیاں دو۔

حیرت انگیز، جس چیز کو خرید لیں ختم نہ ہونے پائے، جس معاملہ میں ہاتھ ڈال دیں برکت ہی برکت ظاہر ہو۔

یہ ساری باتیں سن کر حضرت خدیجہ کے لگے لگیں، سچ کہا کہ دنیا میں ان جیسا آدمی نہیں، جب تم آ رہے تھے دونوں، تو میں اوپر بالا خانے میں تھی، کھڑکی سے میں نے دیکھا دور حضور ﷺ کے اوپر دو فرشتے مایہ لے ہوئے ہیں۔ یقیناً اللہ نے ان کو ایسی ہی شان دی تھی، پچیس سال کی عمر میں حضور ﷺ کا رشتہ ان کے ساتھ ہوا۔ حضرت خدیجہ نے خواہش ظاہر کی، سنور ﷺ سے کہ میں چاہتی ہوں کہ تم سے شادی ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیسے ہوگا، انہوں نے کہا کہ تم چچا سے کہو، تمہارے چچا رشتہ لے لیں، میں قبول کر لوں گی۔

حضور ﷺ گئے ابو طالب کے پاس اور جا کر کہا کہ آپ میرا رشتہ حضرت خدیجہ سے کر دیں، انہوں نے کہا بیٹا! ایسی مغرور، ایسی متکبرہ دو مرتبہ بیوہ ہوئیں اور مکہ کا کوئی سردار ایسا نہیں رہا جو اپنا رشتہ لے کر نہ گیا ہو۔ اس نے ٹھوکر نہ ماری ہو، تم یتیم اور غریب، میں جاؤں تو کیا ہوگا؟ ٹھوکر مار دے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا آپ جائیے دیکھئے تو سہی وہ تیار ہو گئے اور حضور ﷺ کے مناقب میں طویل خطبہ پڑھا، وہ تو خود خواہشمند تھیں، انہوں نے فوراً قبول کر لیا اور آپ کا پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ سے ہوا، جن کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی۔ حضور ﷺ سے پندرہ برس بڑی تھیں، دو دفعہ کی بیوہ تھیں، کئی بچوں کی ماں تھیں، ان سے پہلے نکاح ہوا، پھر ساری عمر کبھی کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں، وہ اپنا سب کچھ حضور ﷺ کے قدموں پر قربان کر دیتی تھیں اور حضور ﷺ کو زندگی تو زندگی انتقال کے بعد دوسری شادیاں ہونے کے بعد بھی کسی بیوی سے حضرت خدیجہ جیسا تعلق اور محبت نہیں ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی بے حد سمجھدار اور پیاری بیوی ہیں، مگر یہ کہتی ہیں کہ مجھے کسی عورت پر غبطہ نہیں آیا، جتنا حضرت خدیجہ پر کاش حضور ﷺ کے دل میں جو مقام خدیجہ کا تھا، میرا ہو جائے، آخری وقت تک جب کبھی ذکر آتا تو ان کا خیر سے ذکر کرتے اور بھلائیوں سے اور کمالات سے ان کی تعریفیں فرماتے۔ ان کے لئے دعائیں کرتے، اگر کوئی عورت خدیجہ کی دوست سہیلی ہمارے گھر آ جاتی تو حضور ﷺ فرماتے کہ یہ خدیجہ کی سہیلی ہیں، ان کا اعزاز کرو، ان کو بٹھاؤ، ان کو کھلاؤ، ان کو پلاؤ، خاطر تواضع کرو وغیرہ، وہ کہتی ہیں کہ جتنا غبطہ حضرت خدیجہ پر آیا کسی عورت پر نہیں آیا۔ اتنا تعلق آخر وقت تک ہمیشہ حضور ﷺ کا رہا اور وہ اتنی نازنین، اتنی دولت مند ایسی حیثیت کی عورت جس نے مکہ کے ہر سردار کو ٹھوکر ماری تھی حضور ﷺ کے ساتھ جب کوئی مصیبت آئی مکہ والوں نے بائیکاٹ کیا اور حضور ﷺ اور صحابہ کرام ایک گھائی میں بند اور محصور ہو گئے۔

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ جنگل کی گھاس کھاتے کھاتے بکریوں کی مینگنیوں کی طرح پاخانہ ہوتا تھا، کوئی آدمی نہ بیچتا تھا نہ خریدتا تھا نہ معاملہ کرتا تھا اور حضرت خدیجہ کا بائیکاٹ نہیں تھا۔ حضور ﷺ کو چھوڑ کر نہیں گئیں، بائیکاٹ میں شریک ہوئیں، خدیجہ شریک رہیں، ابو طالب شریک رہے، اس کے باوجود کہ کفر تھا لیکن حضور ﷺ

کو نہیں چھوڑا، پوری وفاداری سے ساری عمر ابوطالب نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا مقدر میں اسلام نہیں تھا اور اس دنیا سے اسلام سے محروم گئے۔ حضور ﷺ نے کوشش کی اور یہ فرمایا: یا عمی قل کلمۃ، اے چچا! ایک کلمہ کہہ دو احد، مجھے قیامت کے دن لڑ جھگڑ کر چھڑانے کا موقع دے دو، اللہ سے میں کہوں گا کہ میں گواہ ہوں، میرے سامنے یہ کہا ہے اور کسی طرح آپ کو نجات مل جائے، وہ تیار ہوئے ابو جہل نے کہا ناک کٹ جائے گی، ایسا ہوگا ویسا ہوگا، نہیں ہو سکا، جب انہوں نے جواب دے دیا تو حضور ﷺ اٹھ کر آگئے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابوطالب کے بیٹے وہ آئے اور حضور ﷺ سے کہا، ان عمک الضال قدمات، تمہارا گمراہ چچا مر گیا، حضور ﷺ نے فرمایا کیا کروں، جاؤ اسے کسی گڑھے میں ڈال دو، تو مقدر میں نہ تھا اس لئے ایمان نہیں لاسکے اور حضور ﷺ کی شہرت اور معاملات اور صبر اور اخلاق حسنہ سب کے ساتھ یہ تو تھے، کمزوری کے زمانے میں جب حضور ﷺ مظلوم تھے تو مظلوم آدمی دب کر سب کے ساتھ اچھے اخلاق برتا ہی ہے، لیکن جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی، دو سال تک مدینے کے لوگ آتے رہے، حج کے زمانے میں حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لاتے رہے، اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ہوتے رہے اور عرض کرتے رہے کہ حضور بڑا ظلم ہو رہا ہے، پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، ہم لوگ سن سن کر پریشان ہیں، مدینہ موجود ہے، آجائے، ہم لوگ جان دے دیں گے، کوئی آپ کو گزند نہیں پہنچے گا۔ آپ آجائیں حضور ﷺ نے فرمایا نہیں، مصیبتوں سے گھبرا کر آرام اور آسائش کے لئے مکہ چھوڑ دوں، یہ نہیں کروں گا، اللہ سب جانتا ہے جو کچھ ہو رہا ہے، جب اللہ کہے گا کہ جاؤ تو جاؤں گا اور اللہ نہیں کہتا تو میں مکہ چھوڑ کر مدینہ نہیں جاؤں گا۔

تشریف نہیں لے گئے دوسرے سال اور حضرات آئے، سات آٹھ اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لائے اور بیعت ہوئے، اور پھر عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں، میں اپنی آسانی کے لئے چھوڑ کر چلا جاؤں، یہ نہیں کروں گا۔ اللہ خوب جانتا ہے، اس کو اختیار ہے جب کہے گا، تب جاؤں گا، مکہ والوں نے تنگ کیا جب ہر تدبیر بیکار ہو گئی اور ایمان کا ایک ماننے والا کسی قیمت پر اسلام چھوڑنے کو تیار نہیں ہوا۔ آج تو مسلمان اپنی حیثیت اتنی بگاڑ چکے ہیں کہ چند ٹکوں میں قادیانی ہو جائیں، چند روپے میں کافر مرتد ہو کر کرپین ہو جائیں، جو چاہو بنا لو، ایمان کی کچھ حیثیت ہی نہیں، آخرت پر یقین نہیں ہے، اس کی فکر نہیں، بس ہائے پیسہ ہائے پیسہ، خدا کے بجائے پیسہ، ہر بے ایمانی، ہر چار سو بیسی پیسے کے لئے کرنے پر مسلمان تیار ہے رات دن جس گلی میں جاؤ، ایمانداری کا کوئی نام نہیں اور بے ایمانی عام ہے۔

تو بھائیو! ایسی حالت میں حضور ﷺ نے فرمایا نہیں میں نہیں جاتا۔ حضرت سمیہ جوان جوان بیٹوں کی ماں ایک پاؤں ایک اونٹ میں دوسرا دوسرے اونٹ میں باندھ دیا گیا، اس اونٹ کو ادھر دوڑا دیا، اس کو ادھر،

دعوت و تبلیغ، علماء کرام کی ذمہ داریاں

اور این جی اوز کی یلغار

دیوبند کانفرنس کے بعد جامعہ مدنیہ لاہور میں خطاب

امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی کا خطاب

مکہ کی ایک دولت مند خاتون نے حضور ﷺ کو پیغام بھیجا کہ میرا مال لے جائیے تجارت کیجئے جو نفع ہو آدھا آپ کا آدھا میرا۔ حضور ﷺ نے ان کی یہ پیش کش قبول کر لی، جب حضور ﷺ نے سفر کی تیاری شروع کی تو انہوں نے اپنا غلام میسرہ بھیجا حضور ! یہ میرا غلام ہے آپ کے پاس بھیج رہی ہوں، آپ ان کو ساتھ رکھیں۔ آپ کا سامان رکھنا، کھولنا، کھانا، پکانا، برتن دھونا اور دوسری تمام ضرورتوں میں آپ کا مددگار ہوگا۔ سفر میں سہولت ہوگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اچھی بات ہے آ جاؤ وہ ساتھ ہو گیا۔

اس وقت غلاموں کا جو حشر تھا، گالی سے کم تو کوئی بات نہیں کرتا تھا اور مار پیٹ برا بھلا کہنا اور ذرا سی ناگواری ہو جائے قتل کر دینا معمولی بات تھی، ایسے حالات میں کیا توقع تھی کہ حضور ﷺ کے ساتھ وہ سفر میں شریک ہوا تو اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ اس کو کبھی نام لے کر نہیں بلاتے، کبھی غلطی پر مارتے نہیں، ڈانٹتے نہیں اور جب کوئی کام اس سے کرواتے ہیں خود بھی اس میں شریک ہوتے ہیں، لکڑیاں چنتے ہیں، آگ جلاتے ہیں سامان اتارتے ہیں، سواری میں اگر بیٹھتے ہیں تو اس کو بھی بٹھاتے ہیں، اس طریقہ سے بالکل برابر کا معاملہ غلام کے ساتھ اس نے دیکھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کا وقت ہوتا، کھانا تیار ہوتا تو غلام کو بچا کھچا الگ نہیں اس کافر غلام کو اپنے ساتھ بٹھا کر اپنے برتن میں شریک کر کے کھانا کھلاتے، کافر غلام کو اپنے ساتھ شریک کرتے، اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ جو خود کھاتے ہیں وہ اسے کھلاتے ہیں اور کھانے کے بعد عادت شریفہ کے مطابق کسی درخت کے سائے میں حضور ﷺ سو جاتے ہیں، جب حضور ﷺ سو جاتے تو تھوڑی دیر کے بعد سورج ڈھلتا تو یہ اتر کر

کہ دھوپ آجانی چاہئے تھی، لیکن وہ درخت حضور ﷺ پر دھوپ نہیں آنے دیتا، اپنا رخ پلٹ دیتا اور حضور ﷺ پر سایہ باقی رہتا۔ اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ چلے جا رہے ہیں، دوپہر میں، مشرق و مغرب، شمال جنوب کہیں بادل نہیں ہے لیکن ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس رفتار سے بالکل حضور ﷺ پر سایہ کیے جا رہا ہے۔ دھوپ نہیں آنے دیتا، اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ چلے جا رہے ہیں اور چٹانوں سے، سنگریزوں سے، پتھروں سے آواز آرہی ہے، السلام علیکم یا رسول اللہ.....

پہنچے شام کے بارڈر پر، وہاں ایک راہب مستورہ اس کا نام..... وہ اس غلام میسرہ کو ملا اور کہنے لگا دیکھو یہ جو تمہارے آقا ہیں، مخدوم ہیں، جن کے ساتھ تم سفر کر رہے ہو، یہ اللہ کے آخری نبی ہوں گے۔ ہمارے نبی عیسیٰ علیہ السلام نے اور اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے، وعدہ لیا ہے اور یہ علامتیں بتائی ہیں، وہ سب ان میں پائی جاتی ہیں، یہ اللہ کے آخری نبی ہوں گے۔

اب شام میں داخل ہوئے، بزنس اور کاروبار شروع ہوا، اس نے دیکھا ایک پیسے کی بھی گڑ بڑ نہیں دودھ الگ، پانی الگ، کسی چیز کو کسی چیز میں ایک پیسے کی کمی زیادتی نہیں۔ حساب بالکل صاف اور حضور ﷺ ضرورت کے لئے دودھ میٹھا، آٹا، گھی کوئی چیز خریدیں تو لیں تو دودھ کے لئے اور دس دن تک استعمال ہو رہی ہے، ختم نہیں ہوتی، برکت ہی برکت، جس چیز میں ہاتھ ڈال دیں نفع نہایت کامیاب۔ خریدار آئے چیز کو دیکھیں الٹ الٹ کر، بسند کرے قیمت پوچھے اور قیمت دے کر چیز لے جانا چاہے۔ حضور ﷺ اس کا ہاتھ پکڑ لیں تم نے جو چیز دیکھی اچھے طریقے سے اور پسند کی اور پیسے دے دیے ہیں اس میں یہ عیب ہے تمہیں پتہ نہ چلا پھر یہ دیکھو، اب تمہارا جی چاہے لو جی چاہے تو چھوڑ دو، تمام دنیا کے تاجروں کا یہ طریقہ ہے کہ پوئی کمانے کیلئے، اٹھنی کمانے کے لئے سہ جھوٹ بولتے ہیں، قسمیں کھاتے ہیں، عیب کو ہنرتاتے ہیں، بھلا بتلاتے ہیں، کسی طرح پک جائے پیسے مل جائیں اور حضور ﷺ اس کی بالکل پروا نہیں کرتے۔

ایک شخص نے اپنے آپ دیکھ بھال کر ایک چیز پسند کی پیسے دے کر لے جانا چاہتا ہے، کسی نے کچھ نہیں بتایا اور اس کا ہاتھ روک کر اسے عیب کھول کھول کر بتلاتے ہیں، وہ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ واپسی ہوئی میسرہ نے اپنی آقا حضرت خدیجہ سے منہ بھر کر تعریف کی، ایسے اخلاق، ایسے مجھے اپنے ساتھ کھلاتے تھے جو خود کھاتے تھے وہ مجھے بھی کھلاتے تھے، ایک برتن میں شریک ہو کر اپنے ساتھ کھلاتے اور کبھی نام نہیں لیتے تھے، کبھی برا نہیں کہتے تھے، کبھی ڈانٹتے نہیں تھے، غلطی پر بھائی کہہ کر پکارتے تھے اور بادل کو اس طرح دیکھا اور درخت رخ پلٹ کر دھوپ نہ آنے دیتے، سنگریزے ان کو سلام کرتے، میں نے خود سنا السلام علیک یا نبی اللہ السلام علیک یا رسول اللہ۔ تمام معاملات بھی صاف، ایک پیسے کا کوئی دخل نہیں، دودھ کا دودھ پانی کا پانی، اس طرح لوگوں کے ساتھ معاملات نہایت برکت

جس میں ”اشہر فرق القبوریۃ“ کے عنوان کے تحت علمائے دیوبند کو قبوری یعنی قبر پرست کہا گیا ہے۔ (ج ۱ ص ۲۹)

کتاب کے مقدمہ میں امام ابوحنیفہ اور مذہب حنفی پر نہایت رکیک اور توہین آمیز تبصرہ کیا ہے۔ اسی مقدمہ میں علماء دیوبند کو قبوری کے ساتھ مرجئی و جمعی بھی کہا گیا ہے۔ (ج ۱ ص ۳۲ حاشیہ اور ص ۵۱، ۵۲)

علاوہ ازیں حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کو قبوری، خرافی وغیرہ لکھا گیا ہے۔

علمائے دیوبند کے علاوہ ڈاکٹریٹ کے اس مقالہ میں علم کلام میں اشعری و ماتریدی مکتب فکر سے متعلق سارے علماء و فضلاء کو بالکل ارجمی لکھا گیا ہے، بالخصوص امام کرمانی شارح بخاری، حافظ بیوطی، ملامہ ابن حجر پیشمی، امام زرقانی شارح مؤطا اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ اساطین علمائے اہل سنت و الجماعت اور خادین کتاب و سنت کو نام بنام قبوری اور دشمنی کے مکروہ خطابات سے نوازا گیا ہے۔

گویا دین خالص حاصل اور سنت رسول پر عامل امت میں بس یہی فرقہ نو پیدا اور وہی شرمزہ قلیلہ ہے جو اپنے آپ کو سلفی اور اہل حدیث کہتے ہیں اور ملت کا سوادِ اعظم اور امت کے وہ سارے طبقات جو عقیدۂ اشعری یا ماتریدی ہیں اور حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ہیں، اور مشائخ طریقت سے عقیدت و ارادت رکھتے ہیں وہ سب اہل سنت و الجماعت سے خارج، بدعتی، قبوری، دشمنی، جمعی، مرجئی وغیرہ ہیں فالی اللہ المشتکی و هو المستعان۔

پوری کتاب میں گنتی کے چند لوگوں کو چھوڑ کر پوری ملت اسلامیہ کو صحیح دین اسلام سے خارج کر دیا گیا، اس پر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے ڈاکٹریٹ کی سند دیا جانا نہ صرف باعث حیرت بلکہ لائق مذمت ہے، یہ کس قدر تکلیف دہ حقیقت ہے کہ جو تعلیمی ادارہ قرآن و حدیث اور دیگر علوم دینیہ کی اشاعت اور صحیح علوم کی تعلیم و تفہیم کے لئے وجود میں آیا تھا، آج اسی علمی و دینی ادارہ سے مسلمانوں کو صحیح دین سے خارج اور نکال دینے کا کام لیا جا رہا ہے۔

مملکت سعودیہ عربیہ کو چونکہ حرمین شریفین سے ایک خاص انتساب ہے، اس حکومت نے حرمین شریفین کی توسیع و تزئین کے سلسلے میں جو تاریخی کارنامے انجام دئے ہیں، نیز فریضہ حج کی ادائیگی سے متعلق جس طرح کی بے مثال سہولتیں فراہم کی ہیں، ان وجوہ سے علمائے دیوبند کا حکومت اور ارباب حکومت سے مخلصانہ جذباتی تعلق رہا ہے، جس کا مظاہرہ بار بار ہو چکا ہے۔ اس دیرینہ تعلق کی بناء پر توقع کی جاتی تھی کہ فرقہ غیر مقلدین، ایک خاص منصوبہ کے تحت علمائے دیوبند پر جو ناروا کیچڑ اچھال رہے ہیں، مملکت سعودیہ اور اس کے کارکنوں کی جانب سے اس انتشار افزا رویہ کی ہمت افزائی نہیں ہوگی، لیکن اس وقت مملکت سعودیہ سے علمائے دیوبند سے متعلق جس طرح

کے غلط اور بے بنیاد مواد پوری دنیا میں پھیلائے جا رہے ہیں، اسے دیکھ کر اب ہمارا یہی احساس ہے دانستہ یا نادانستہ طور پر مملکت علمائے دیوبند کے خلاف اس غلط مہم میں شریک کار ہے بلکہ سرپرستی کر رہی ہے جس سے بے زاری اور نفرت کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ ع دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

علمائے دین :

پورے حالات آپ کی نگاہوں کے سامنے ہیں کہ آپ کے مذہب، آپ کے ملک فکر اور آپ کے اکابر کو خارجیت جدیدہ کے علم بردار غیر مقلدین کس قدر ہدفِ طعن و تشنیع بنائے ہوئے ہیں، ان حالات میں آپ کی مذہبی و فکری حمیت کا کیا تقاضا ہے، اسے آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ آپ حضرات کے بلند عزائم اور جہد و عمل کی بے پناہ قوت سے مجھے یہ توقع ہے کہ اس تقاضے کو بروئے کار لانے میں آپ کسی کوتاہی اور غفلت کے شکار نہیں ہوں گے۔

(۱) فتنہ غیر مقلدیت کے اس موجودہ دور میں ضرورت ہے کہ ہمارا اختلاط اس فرقہ کے لوگوں سے کم سے کم ہو، تاکہ ہماری موجودہ نسل اباحت پسندی کی راہ سے دور رہے اور اسلاف، اکابر کے مسلک و عقیدہ کے بارے میں کسی طرح کے تذبذب کا شکار نہ ہو۔

(۲) ضرورت اس کی بھی ہے کہ ہمارے بچے اور بچیاں اس فرقہ کے قائم کردہ مدارس و اسکولوں میں داخل نہ ہوں، اس لئے کہ اس کا تجربہ ہے کہ ہمارے جو بچے اور بچیاں غیر مقلدین کے مدارس اور اسکولوں میں داخل ہوتے ہیں ان کے اذہان و افکار پر غیر مقلدیت کی چھاپ پڑنی شروع ہو جاتی ہے اور ہمارے یہ بچے اپنے مسلک و عقیدہ اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے آہستہ آہستہ دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

(۳) مدارس و مکاتب کے ذمہ داروں کو نصابِ تعلیم میں کچھ منتخب احادیث جن کا تعلق فقہی مسائل سے ہو ضرور شامل کرنا چاہئے ان احادیث کو طلبہ زبانی یاد کریں اور ان کے ترجمہ و معنی سے بھی واقف ہوں تاکہ ان کو شروع ہی سے یہ احساس ہو کہ جس مذہب کی وہ تقلید کرتے ہیں، اس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔

اگر ان کا لحاظ کیا جائے تو اللہ کے کرم سے امید ہے کہ ہمارے بچے اور بچیاں غیر مقلدیت کے فتنہ کا شکار ہونے سے بڑی حد تک محفوظ رہیں گے۔

اس سمع خراشی کی معذرت کے ساتھ اپنی گزارشات کو اب ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عزائم میں، ارادوں میں پختگی، اعمال میں اخلاص پیدا فرمائے اور ہمیں اپنے دین، مذہب اور اکابر کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے قبول فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام

علی سید المرسلین و علی الہ و اصحابہ اجمعین۔

- ۴۳ جناب مفتی محمد جاوید صاحب، کشن سمنج
 ۴۴ جناب محمد غلام مصطفیٰ صاحب مونگیر
 ۴۵ فشی محمد زکریا صاحب، مدرسہ دارالعلوم ڈوریا ضلع پورنیہ
 ۴۶ مولانا ابوخطیب محمد صالح صاحب مرحوم ماڈرن ضلع مونگیر
 ۴۷ ماسٹر محمد شفیع الہدیٰ صاحب، جل کوزا ضلع مونگیر
 ۴۸ حافظ محمد شعیب صاحب اڈسار ضلع مونگیر
 ۴۹ حافظ محمد جمال الدین صاحب، بدلوچک بھاگلپور
 ۸۰ جناب حبیب الرحمن صاحب، چھوٹی اڈسار ضلع مونگیر
 ۸۱ مولانا عبدالحکیم صاحب، موضع کروڈیہ بھاگلپور
 ۸۲ مولوی محمد ایوب صاحب بلاس پور میا گھاٹ در بھنگہ
 ۸۳ مولوی تجل حسین صاحب ارشاد منزل کچہری روڈ گیا
 ۸۴ ماسٹر محمد باشم صاحب، موضع اڈسار ضلع مونگیر
 ۸۵ ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب چندن پارہ ضلع چمپارن
 ۸۶ مولانا جعفر حسین صاحب مرحوم، مقام کوائے ماری ضلع پورنیہ
 ۸۷ حافظ سعید احمد صاحب، چمپانگر بھاگلپور
 ۸۸ مولوی عبدالحمید صاحب، کروڈیہ بھاگلپور
 ۸۹ جناب محمد ولی الدین صاحب، تھنہ ضلع بھاگلپور
 ۹۰ جناب توحید علی صاحب، دوگا چھی ضلع بھاگلپور
 ۹۱ مولانا محمد اشفاق صاحب مرحوم سریا ضلع بھاگلپور
 ۹۲ جناب عبدالصمد صاحب، بنائے ارون ضلع گیا
 ۹۳ جناب غلام غوث الاعظم صاحب، صاحب بن ضلع دمکا
 ۹۴ جناب مولوی صلاح الدین صاحب سریا بھاگلپور
 ۹۵ جناب خوجہ شہاب الدین صاحب پٹنہ شی
 ۹۶ مولوی بشیر احمد صاحب ضلع پورنیہ
 ۹۷ مولوی عبدالقیوم صاحب پرائیس ضلع بھاگلپور
 ۹۸ جناب شمعون صاحب چندن پارہ ضلع مظفر پور
 ۹۹ جناب ظہور عالم صاحب سیتا مڑھی
 ۱۰۰ حاجی محمد طیب صاحب چامل ضلع بھاگلپور
 ۱۰۱ حاجی جان علی صاحب برلو، ضلع ہزاری باغ
 ۱۰۲ جناب احمد حسین صاحب گھڑی سلاز توپ خانہ بازار ضلع مونگیر
 ۱۰۳ جناب حافظ منیر الدین صاحب کھنٹی
 ۱۰۴ جناب محمد منصور صاحب چمپانگر
- ۴۵ جناب علی حسن صاحب، بھاگون والا بجنور
 ۴۶ جناب محمد جمیل صاحب خان پور گنگوہ
 ۴۷ ماسٹر انتظار احمد صاحب بھدیوہ ضلع سہارنپور
 ۴۸ حکیم محمد ذکی جوگی پور ضلع سہارنپور
 ۴۹ جناب زندہ حسن صاحب، چکوالی ضلع سہارنپور
 ۵۰ مولانا محمد عرفان صاحب کیرانہ مظفرنگر
 ۵۱ جناب محمد شاہد صاحب، رتو پورہ غازی آباد
 ۵۲ مولوی محمد عباس صاحب مدرس مدرسہ اصلاح السنین بجل باغیت
 ۵۳ مولانا عبدالحفیظ صاحب، مرحوم، بلند شہر
 ۵۴ حافظ محمد خورشید صاحب بلوا ضلع مظفرنگر
 ۵۵ مولانا عبدالحمید صاحب سریاواں بازار بستہ
 ۵۶ مولوی صیغرا احمد صاحب، تاج پورہ ضلع سہارنپور
 ۵۷ مولوی محمد داؤد صاحب، بڑھانہ مظفرنگر
 ۵۸ جناب محمد سلیم صاحب بھوجپور ضلع سہارنپور
 ۵۹ حافظ محمد فرقان صاحب، ننگہ راعی ضلع سہارنپور
 ۶۰ جناب اسرار رفیع صاحب، ڈھانسوی ضلع مظفرنگر
 ۶۱ جناب مولانا اسعد صاحب دیور یاوی مدرسہ شاہی مراد آباد
 ۶۲ جناب مفتی محمد سلمان صاحب، منصور پوری مدرسہ شاہی مراد آباد
 ۶۳ جناب سید لائق علی صاحب مرحوم ضلع میرٹھ
- صوبہ دلی**
- ۶۴ جناب حاجی محمد یونس صاحب دیوبندی، نظام الدین دہلی
 ۶۵ حافظ محمد عرفان صاحب، کوچہ رحمان، دہلی
- صوبہ ہریانہ وراجستھان**
- ۶۶ میاں جی محمد فاروق صاحب، دھانہ ضلع نوح میوات
 ۶۷ میاں جی مہتاب صاحب، بگینہ ضلع گڑگاؤں میوات
 ۶۸ ماسٹر محمد یونس میواتی گڑگاؤں
 ۶۹ مولانا عبد الرحیم صاحب، بڈیڈوی میوات ہریانہ
 ۷۰ میاں جی دانی صاحب، موضع روپڑہ ضلع گڑگاؤں ہریانہ
- صوبہ بہار**
- ۷۱ مولانا عبدالرحمن صاحب، کرن پور بھاگلپور
 ۷۲ حافظ محمد صالح صاحب اعزازی موضع کروڈیہ بھاگلپور

- ۱۰۵ جناب عالم گیر صاحب، ڈھرا بھاگلپور
 ۱۰۶ جناب نعیم الدین صاحب بالو باری پورنیہ
 ۱۰۷ جناب ڈاکٹر مقبول عالم آ رہ
 ۱۰۸ ماسٹر عبدالرشید صاحب سین پور دسکا
 ۱۰۹ جناب محمد شفیق العارفین صاحب دمکا
 ۱۱۰ جناب مولوی عبدالوحید صاحب کاکوڈیا ضلع بیر بھوم
 ۱۱۱ مولانا محمد قاسم صاحب بھاگلپور
 ۱۱۲ جناب عین الحق صاحب مظفر نگر
 ۱۱۳ جناب مولانا غیاث الدین صاحب مہتمم جامعہ حسینہ اندر کجرات
 ۱۱۴ جناب ماسٹر جمال احمد خان صاحب کمن پور پٹنہ
 ۱۱۵ جناب مولانا قاری امتیاز احمد صاحب مدھونی سابق
 استاذ مدرسہ شاہی مراد آباد
 ۱۱۶ جناب محمد سعید صاحب بھاگلپور
 ۱۱۷ جناب قاری نجیب الرحمن صاحب بھاگلپوری استاذ
 مدرسہ تعلیم القرآن مراد آباد
 ۱۱۸ جناب روح الامین صاحب گڈھ وارہ بیگوسرائے
 ۱۱۹ مولوی قمر الدین صاحب ڈھا کہ چپارن
 ۱۲۰ جناب - یاد احمد صاحب گیہواں ضلع پورنیہ
 ۱۲۱ ماسٹر عبدالسلام بیر نگر پورنیہ
 ۱۲۲ مولوی رفیع اللہ صاحب کرن پور بھاگلپور
 ۱۲۳ جناب محمد ذکیر الدین صاحب بیر نگر پورنیہ
 ۱۲۴ جناب مفتی دبیر حسن صاحب بیر بھوم
 ۱۲۵ حاجی محمد الیاس اکراہا پورنیہ
 ۱۲۶ مولانا جنید صاحب پواکھالی ضلع کشن گنج
 ۱۲۷ فشی کبیر الدین صاحب بارسوتی کھیاری
 ۱۲۸ ماسٹر منصور علی صاحب سلطان گنج بھاگلپور
 ۱۲۹ جناب محمد شفیع صاحب سدھولی در بھنگہ
 ۱۳۰ جناب محمد شفیق صاحب جلال گڑھ پورنیہ
 ۱۳۱ جناب قاری محی الدین صاحب قاضی محلہ شیر گھانی گیا
 ۱۳۲ جناب حاجی محمد الیاس صاحب اکراہا پورنیہ
 ۱۳۳ مولوی عبدالرشید صاحب پورنیہ
 ۱۳۴ حکیم عبدالجبار صاحب بیر نگر سہرا پورنیہ
- ۱۳۵ حاجی ظہور الحق صاحب لٹھنی بہار
 ۱۳۶ جناب محمد حشمت علی صاحب بھاگلپور
 ۱۳۷ جناب عبدالماجد صاحب پورنیہ بہار
 ۱۳۸ جناب عبدالرزاق صاحب بارسوتی داس گرام کھیاری
 ۱۳۹ جناب مولانا فیض الدین قاسمی صاحب مہیشن پور کھیاری
 ۱۴۰ جناب سراج الدین صاحب سیوان بہار
 ۱۴۱ جناب عبدالصمد صاحب شکار پور ضلع کھیاری
 ۱۴۲ جناب محمد سمین صاحب سوتی کمانی ضلع کشن گنج
 ۱۴۳ جناب مولانا عماد الدین رانچوی، سیرانگو ضلع رانچی
 ۱۴۴ جناب قاری محمد سلیمان نعمانی، انجمن اسلامیہ خزانچی پات پورنیہ
- صوبہ آسام**
 ۱۴۵ جناب محمد عبداللطیف صاحب سلچر
 ۱۴۶ جناب مولانا عباس علی صاحب پرتاپ گڑھی بن بازی ضلع کچھار
 ۱۴۷ جناب مولانا عبدالقادر صاحب بھویانی پور ضلع کچھار
 ۱۴۸ جناب مولانا منزل علی صاحب پھول بازی ضلع کچھار
 ۱۴۹ جناب مولانا محمد ایوب علی صاحب دھولائی ضلع کچھار
 ۱۵۰ جناب مولانا محمد یوسف صاحب مدرسہ مرکز علوم ہند ضلع کچھار
 ۱۵۱ جناب ماسٹر عبدالسبحان صاحب دھوبڑی
 ۱۵۲ جناب ریف الدین صاحب دھوبڑی
 ۱۵۳ جناب عبدالحی صاحب گور پور گوالپاڑہ
 ۱۵۴ جناب قاری مفیض الدین صاحب امام جامع مسجد دھوبڑی
 ۱۵۵ جناب مولوی احمد حسین صاحب سنگار یا ضلع کچھار
 ۱۵۶ جناب مولوی عبدالرحمن صاحب بد پوری نگر نینک جو ریات کچھار
 ۱۵۷ جناب مولوی فیض احمد صاحب مدرسہ عالیہ بوزی باک ضلع کچھار
 ۱۵۸ جناب مولوی عبدالنجیر صاحب کریم گنج
 ۱۵۹ جناب مولوی حبیب الرحمن صاحب ہیلا کنڈی
 ۱۶۰ جناب مولوی محبت اللہ صاحب ہیلا کنڈی
 ۱۶۱ جناب مولوی محمد یاسین صاحب کاموری ڈھوبڑی
 ۱۶۲ جناب عبدالعزیز صاحب ڈھوبڑی
 ۱۶۳ جناب عبدالرحمن صاحب پردھانی
 ۱۶۴ جناب عزت اللہ صاحب پردھانی ڈھوبڑی

حکومت کے خاتمے کے لئے طالبان پر ظلم و تشدد اور بربریت و جارحیت کے پہاڑ توڑ ڈالے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج پھر بد امنی کا دور دورہ ہے، ان پر اور ہر جگہ بے قصور مسلمانوں پر طرح طرح کے بے بنیاد الزامات عائد کیے جا رہے ہیں، ان کو دقیا نوس، بنیاد پرست، غیر مہذب سب کچھ کہا، ان کے لئے دہشت گردی کی اصطلاح ایجاد کی گئی، اس طرح کے الزامات کی تردید امت کی ذمہ داری ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ العالی نے فرمایا کہ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم دہشت گردی کو کسی طرح کا تعاون دینے کو تیار نہیں۔ آج ساری دنیا جانتی ہے کہ ہمارے ملک میں لاکھوں لوگ ہیں، جو دہشت گرد تنظیموں سے جڑے ہوئے ہیں۔ کروڑوں لوگ ناجائز ہتھیار رکھے ہوئے ہیں اور ہر طرح کے جرائم کے مرتکب ہیں اور اسی کی انہیں ٹریننگ دی جاتی ہے، لیکن انہیں دہشت گرد کہنے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ آج بھی حکومت سے غداری کر رہے ہیں۔ مدارس کو بدنام کرنے کی مسلسل کوششیں کی جا رہی ہیں، آج امریکہ، اسرائیل، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور دیگر ممالک اسلام کے خلاف مسلسل غلط پروپیگنڈے کر رہے ہیں، دینی مدارس اور مسلمانوں کے اداروں کی تحقیقات ہو رہی ہیں، سروے کیا جا رہا ہے، ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور ان کو ختم کرنے کے لئے کروڑوں ڈالر خرچ کیے جا رہے ہیں۔

ان حالات میں ہم مدارس والوں کے بھی کچھ فرائض ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق استوار اور مستحکم ہونا چاہئے۔ ہمارے اندر خشیت الہی، توکل اور استغناء ہونا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت عالمی پیمانہ پر ہمارے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں، ہمیں مطمئن ہو کر نہیں بیٹھنا ہے، ہم کو بڑے احتیاط اور حزم و تدبر سے کام لینا چاہئے۔ ملک میں بھائی چارے اور یک جہتی کو فروغ دینا چاہئے اور خانہ جنگی کی ہر کوشش کو ناکام بنا دینا چاہئے لیکن اگر ان تمام چیزوں کے باوجود مسلمانوں کے خلاف خانہ جنگی چھیڑی جاتی ہے اور اس ملک میں امن و سکون سے جینا ان کے لئے مشکل کر دیا جاتا ہے تو پھر ایسے حالات میں ضروری ہے کہ اپنے دفاع کے لئے تیار رہا جائے، اور ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے، مسلمانوں نے ہمیشہ قربانی دی ہے اور اپنی حفاظت و دفاع کے لئے آج بھی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے.....

ع اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، فہم و فراست سے نوازے، بروقت صحیح فیصلے اور صحیح عمل کی توفیق بخشے،

تمام تر خطرات سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جولائی ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہرست خلفاء و مجازین حضرت امیر الہند

حضرت امیر الہند فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے دست حق پرست پر جن خوش نصیب حضرات نے بیعت کر کے راہ سلوک مکمل کی ان کے اسماء ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں یہ فہرست حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بیاض خاص سے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا سید محمود مدنی زید مجتہد کے توسط سے حاصل ہوئی ہے ممکن ہے کہ اس میں بعض حضرات کے نام رہ گئے ہوں ان کے اسماء تحقیق کے بعد اس میں شامل کر دیئے جائیں گے، ہم نے اس فہرست کو علاقہ دار مرتب کر دیا ہے جس سے حضرت کے روحانی فیوض کی وسعتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے (مرتب)

صوبہ اتر پردیش

۲۱	صوفی محمد الیاس شہوڑ ضلع سہارنپور	۱	حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی، دارالعلوم دیوبند
۲۲	حاجی محمد قاسم سوہنچرا ضلع سہارنپور	۲	حضرت مولانا سید محمود مدنی، مدنی منزل دیوبند
۲۳	مولانا محمد اشرف صاحب، دیوبند ضلع سہارنپور	۳	حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب، منصور پوری دارالعلوم دیوبند
۲۴	مولانا ابوالحسن حیدری صاحب الہ آباد	۴	جناب عبدالعزیز صاحب، بجنور
۲۵	مولانا حشمت علی صاحب مرحوم سوہنچرا سہارنپور	۵	مولوی محمد عثمان صاحب، ہزاروی مرحوم، دیوبند
۲۶	حافظ ولی محمد صاحب بڑھی مزرعہ سہارنپور	۶	جناب صوفی عبدالرزاق صاحب، محلہ خیرات علی متصل امام باڑہ ضلع میرٹھ
۲۷	جناب محمد حسن صاحب ماجری ضلع سہارنپور	۷	مولوی محمد شبلی صاحب، محلہ چندنپور کوپانج ضلع اعظم گڑھ
۲۸	جناب محمد سلیم صاحب، شہوڑ ضلع سہارنپور	۸	حاجی محمد حسن صاحب، چھپائی والی گلی کرنیل گنج کانپور
۲۹	جناب ملا علی حسن صاحب، تیوڑہ ضلع مظفرنگر	۹	مولوی محمد انیس الحق صاحب، جامع مسجد دیوبند سہارنپور
۳۰	جناب مولوی خورشید احمد صاحب سراسواہ ضلع سہارنپور	۱۰	مولوی عبدالغفار صاحب، قصبہ لہسار ضلع سہارنپور
۳۱	جناب شکیل احمد صاحب، دودھ گڈھ سہارنپور	۱۱	مولوی حکیم وحسی احمد صاحب، مرحوم، علی گڈھ دو خانہ گورگپور
۳۲	جناب نذیر احمد صاحب برلا ضلع مظفرنگر	۱۲	مولوی ظفر الحسن صاحب، کان پور
۳۳	جناب حافظ ظہور احمد صاحب خان پور	۱۳	مولوی عادل محمد صاحب نگلہ ہرے رو ضلع میرٹھ
۳۴	جناب مولانا محمد نبیہ صاحب، جلال پور فیض آباد	۱۴	ڈاکٹر محمد زاہد صاحب، امر وہہ ضلع مراد آباد
۳۵	صوفی محمد انوار صاحب منصور پور مظفرنگر	۱۵	حافظ ابراہیم صاحب، گلاوشی بلند شہر
۳۶	جناب سید بشارت علی صاحب اکبر پور بیربل کان پور	۱۶	صوفی ابوالحسن صاحب، مرحوم، دودھ گڈھ ضلع سہارنپور
۳۷	مولانا عبداللطیف صاحب، بھینسار بڑھی ضلع مظفرنگر	۱۷	جناب فیاض خاں سٹھلہ میرٹھ
۳۸	جناب محمد یاسین صاحب شہوڑ ضلع سہارنپور	۱۸	جناب حکیم ضیاء الدین کرسی ضلع لکھنؤ
۳۹	جناب محمد اسلام صاحب، کیرانہ ضلع مظفرنگر	۱۹	صوفی محمد لیاقت صاحب تھیل ہیرا ضلع مظفرنگر
۴۰	جناب محفوظ صاحب درگوزی	۲۰	مولانا محمد کامل گڈھی دولت ضلع مظفرنگر
۴۱	جناب محمد عامل موہن پورہ گنگوہ		
۴۲	جناب وکیل احمد صاحب، درگوزی		
۴۳	ملا فخر الدین صاحب، چکراالی ضلع سہارنپور		
۴۴	مولوی جمیل احمد صاحب، دودھ گڈھ ضلع سہارنپور		

انتخاب ! حافظ محمد طیب

دینی مدارس کی بقاء اور ہماری ذمہ داریاں

کل ہند اجلاس مجلس عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند
(منعقدہ ۳۰ اپریل ۲۰۰۲ء) سے مولانا سید اسعد مدنی کا خطاب

صدر محترم بزرگو اور بھائیو ! ہم لوگ اس وقت اس ملک میں مدارس کے لحاظ سے اسلام کے نظریات اور مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو کے اعتبار سے سخت امتحان کے دور سے گزر رہے ہیں، ہمیں ایسے حالات میں اسلام کا مطالعہ کرنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ اسلام کے ماننے والوں نے اس طرح کے حالات کا کس طرح سے مقابلہ کیا۔ ضرورت یہ ہے ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے لئے کیا ضروری ہے، ہمارے اندر کیا کمی آگئی ہے اور ہم کس طرح اپنے اندر سدھار پیدا کر سکتے ہیں، ہم کس طرح ان بدلے ہوئے حالات میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ مدارس کے حوالے سے ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مدارس اسلامیہ کی تاریخ کیا ہے؟ نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مکی اور مدنی زندگی کا مطالعہ ضروری ہے۔ مکی زندگی میں اسلام کو کتنی مشکلات اور امتحانات سے گزرنا پڑا تھا۔ اذان دے کر ایک ساتھ نماز پڑھنا بھی مشکل تھا، جان و مال کی بربادی عام ہو گئی تھی، ان حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے کون سا راستہ اور کون سی حکمت عملی اختیار کی تھی؟ آپ اور صحابہ کرام نے انفرادی اصلاح کا اہتمام کیا اور صبر و ضبط سے کام لیا۔ مکہ والوں نے جب سب ہی مظالم آپ اور آپ کے اصحاب پر توڑ ڈالے اور دارالندوہ میں آپ ﷺ کے قتل کی اسکیم تیار کی گئی تو آپ حکم خداوندی کے پیش نظر مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے، لہذا سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت و ضرورت دین کی بقاء کے لئے جزو اعظم ہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کی بقاء اور علوم اسلامیہ کی اشاعت میں مدارس دینیہ کے کردار کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ: سویت یونین میں کسی شخص کو مذہبی تعلیم دینا حرام تھا اور اس کی سزا قتل تھی، چنانچہ ایک روسی مسلمان نے یہ اعتراف کیا کہ نہ ہم نے اسلام کو سیکھا اور نہ کبھی نماز پڑھی، چنانچہ ایک روسی مسلمان تاجر نے دہلی میں مدرسہ دیکھنے اور نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی اور پہلی بار نماز ادا کی۔

حضرات علمائے کرام کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ یہ صرف ہندوستان کی بات نہیں ہے بلکہ ان بزرگوں اور علمائے کرام نے دیگر ممالک کی آزادی اور ان میں اسلامی ثقافت کی بحالی میں بھی نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اس حوالے سے الجزائر کی جہاد آزادی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے مدینہ منورہ میں اپنے ایک شاگرد بشیر ابراہیمی سے فرمایا جو الجزائر کے تھے اور وہاں فرانس کے سامراجی مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کی غرض سے مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ ان سے فرمایا کہ ہجرت کا ارادہ ترک کرو اور الجزائر واپس جاؤ اور وہاں علماء کی ایک تنظیم قائم کر کے فرانسیسی استعمار کے خلاف منظم جدوجہد کرو۔ چنانچہ شیخ بشیر ابراہیمی نے حضرت کی نصیحت اور ہدایت کے مطابق الجزائر واپس جا کر جمعیت علماء الجزائر قائم کی اور منظم جدوجہد کا آغاز کیا، جس کے نتیجے میں الجزائر کو آزادی ملی۔

آپ نے اپنے خصوصی خطاب میں فرمایا کہ سراج الدولہ نے بنگال، ٹیپو سلطان شہید نے جنوبی ہندوستان اور شاہ عبدالعزیز نے متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے جہاد کا بگل بجایا۔ جہاد کے ذریعہ ملک کو آزاد کرایا۔ ملک بھر میں ہتھیار اور رضا کار جمع کیے اور جہاد کے لئے لوگوں کو تیار کیا۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے اندر دوسرے جہاد کا آغاز ہوا جس میں لاکھوں مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مولوی کی پہچان یہ بتلائی کہ جس کی داڑھی لمبی ہو اور وہ لمبا کرتا پہنتا ہو وہ مولوی ہے۔ چنانچہ گاؤں گاؤں، محلہ محلہ مولویوں کا ہاش کیا گیا۔ جہاد آزادی میں حضرات اکابر علمائے دیوبند کے کارناموں کا آپ نے ذکر کیا اور عیسائی مشنری کے خلاف علماء کی جدوجہد کا ذکر کیا اور فرمایا کہ علمائے دین نے پادریوں کے ساتھ مناظرہ کیا اور مسلمانوں کو عیسائی بننے سے بچایا۔ اس سلسلے میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے عیسائیت کے خلاف زبردست کارنامہ انجام دیا۔ اس طرح اکابر علمائے کرام نے عیسائیوں کا مقابلہ کیا، اسلام کا زندہ رہنا عیسائیوں کو پسند نہ آیا۔

دارالعلوم کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ نے بے حد قبولیت عطا فرمائی اور دور دراز علاقوں اور دیگر ممالک سے بھی تشنگان علم کھنچ کھنچ کر دارالعلوم آنے لگے۔ چنانچہ افغانستان سے بھی بڑی تعداد میں طلبہ آتے رہے اور یہ سلسلہ ملک کی تقسیم تک جاری رہا۔ یہاں سے فارغ ہو کر جانے والے فضلاء نے دارالعلوم کے نصاب و نظام کے مطابق اپنے یہاں ادارے اور مدارس قائم کیے۔ افغانستان میں چند نوجوانوں نے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی، امن قائم کیا اور ملک کو مختلف حصوں میں بٹنے سے بچایا۔ ہر طرف امن و سکون عام ہوا، عوام نے ان کی ان کوششوں کو پسند کیا، ان کی حمایت کی یہ چیز دشمنان اسلام کو پسند نہ آئی اور دنیا کے ظالموں و دہشت گردوں نے امن قائم کرنے اور دہشت گردی ختم کرنے کے بہانے، اسلام اور اسلامی

بنگال میں ایک شخص جاتا تھا اور جرج میں جو وہ کہلوانا چاہتے تھے کہہ دیا کرتا تھا اور پیسے کچھ لے آیا کرتا تھا، پھر گاؤں میں آ کر اللہ کے آگے روتا پینتا تھا، استغفار تو بہ کرتا تھا۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں تو سچا ایماندار ہوں، پیسے کی مجبوری ہے، غربت ہے کیا کروں کلمہ کفر کہنا پڑتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس کی کسی نے اطلاع مشنری والوں کو دیدی کہ جب یہ گاؤں جاتا ہے تو استغفار تو بہ رونا پینتا کرتا ہے تو اس کے بعد جب یہ گیا تو اس کو پادری نے کہا تم سچے عیسائی نہیں ہو اور تم جھوٹ بولتے ہو ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کریں گے، چلے جاؤ۔ اب یہ گھر والوں کو مصیبت میں چھوڑ کر آیا تھا کہ پیسے لاؤں گا تو کھانا ہوگا، یہ ہوگا وہ ہوگا، اب کہاں جائے پریشان ہوا، تو اس نے خوشامد در آمد کی اور یہ کہا کہ بھئی جو کہو میں کہہ دوںگا، کہا کہ نہیں نہیں تم ایسے نہیں ہو جب زیادہ کہا تو کہنے لگے کہ جو ہم کہیں وہ کرنا پڑے گا۔ قرآن زمین پر رکھا اور اس شخص کو قرآن پر کھڑا کیا اور یہ کہا کہو میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن جھوٹا اور بائبل سچا ہے۔ یہ جو آج میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں، کرچین لوگ یہ ہے ان کی حقیقت، آج تم ان کے ساتھ منافقت برتو اور ان کے ساتھ (خلاف) صحیح معاملہ نہ کرو اور اسلام کو غارت کرو اور تو بوسنیا بنے گا بوسنیا کو سونے گا، کو سو و تمہارا پاکستان انڈونیشیا بنے گا اور تم چین سے نہیں رہو گے اور تمہارے ہی میں سے تیار کئے ہوئے لوگ تمہارے پیٹ میں چھرا ماریں گے، انڈونیشیا کے مسلمانوں کا گوشت کباب بنا بنا کر پکایا ہے۔

دنیا میں دیکھو تو ہو کیا رہا ہے، اسلام کی فکر نہیں اور نسلوں کی نسلیں مرتد ہو رہی ہیں، عیسائی ہو رہے ہیں، یہودی ہو رہے ہیں، قادیانی ہو رہے ہیں اور کوئی توجہ نہیں، میں نہیں کہتا کہ جھگڑا کرو لیکن کم سے کم ان کو دین کی تعلیم تو دو، سمجھاؤ تو سہی نماز باجماعت کا پابند تو کرو، حرام حلال کا تو پتہ ہو کوئی نظام بناؤ کوئی تنظیم بناؤ اور زکوٰۃ، صدقات خیرات دنیا بھر کے مصرف میں خرچ کرتے ہو، اسلام کے لئے بھی خرچ کرو، ان غریبوں کو تم زکوٰۃ نہیں دو گے تو پھر یہ کرچوں کے پاس ہی جائیں گے اور اگر ان کی صدقات خیرات سے مدد کرو گے بیواؤں کا تیموں کا غریبوں کا ہاتھ بٹاؤ گے تو پھر یہ تمہاری بات سنیں گے۔ تمہاری بات میں اثر ہوگا۔ بنگلہ دیش میں مولانا فضل الرحمن صاحب دیکھ کر آئے ہیں، کچھ کام ہو رہا ہے تو تقریباً چالیس پچاس لاکھ روپے کا سالانہ جو کام شروع ہوا ہے، پچاس دنوں میں نظام قائم ہوا ہے اور دنیا بھر سے زکوٰۃ صدقات جمع کر کے ان غریبوں کو دے رہے ہیں اور ان کو اسلام پر پختہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ خود معمولی مدد کرنے پر کہتے ہیں کہ مسلمان اگر ہمیں دیکھیں، ہماری کچھ خبر لیں تو ہم کافروں کے پاس کیوں جائیں، تو اس لئے بھائیو سوچو واقعات تو بہت ہیں میں تفصیل میں نہیں جاتا لیکن آج دنیا سے اسلام کو مٹانے کے لئے اسرائیل اور تمام عیسائی ممالک کروڑوں ڈالر خرچ کر کے لگے ہوئے ہیں۔

تو اللہ کے بندو ! دیندار علماء ہفتہ میں ایک دن صرف نکال لو اور کسی ایک گاؤں میں دو چار اس میں ہر ضلع کے اور مدرسے کے لوگ جائیں اور جا کر پہلی بات یہ کہ نماز اور جماعت اور ہر گاؤں میں یہ کام ہوتا کہ نماز اور

جماعت ہو، پانچوں وقت اور بچوں کو دین کی تعلیم ہو سکے اور یہ نگرانی ہو کہ کوئی اسلام دشمن عورت یا مرد اس گاؤں میں نہ آنے پائے، اس کی فکر کرنی چاہئے، کم از کم اتنا تو کرنا چاہئے لیکن وہ مدرسے والے بد قسمتی سے اے سی کولر اور جناب کیا کہوں؟ کیسے ان کو مصیبت اٹھانے کی قربانی کی توفیق ہو، وہ عیش و آرام میں زندگی گزار رہے ہیں اور اسلام کا بستر بوریابندھ رہا ہے، آپ کو یہ تکبر ہے کہ ہمارا ملک پاکستان ہے، حالانکہ اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہے۔ ضلعوں کے ضلعے اتداد کے شکار ہیں اور قسم قسم کی تحریکات چل رہی ہیں، کوئی گمراہی ایسی نہیں جو آپ کے ملک میں برآمد نہ ہوتی ہو، آپ کچھ توجہ کیجئے، مسلمانوں کو سیدھے راستے پر لائیے، بچائیے، اللہ نے آپ کو کاریں بھی دی ہیں، پیسہ بھی دیا ہے، زکوٰۃ بھی نکالتے ہیں، مدرسوں میں بھی خرچ کیجئے لیکن غریبوں کی طرف بھی توجہ کیجئے۔

تو بھائیو! اس طرف توجہ کرو اور اللہ کے راستے پر چلو۔ ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے ملک میں شہروں میں فتنہ ہے، اہل قرآن کا، یہودیوں اور شیعوں کی جھوٹی کتابیں لکھی اور پڑھی جا رہی ہیں، قرآن کے مقابلے میں۔ قرآن نے اس کو حرام کیا ہے۔ حضور ﷺ نے اس کو حرام کیا ہے، اس کے باوجود اس کو دلیل بنایا جاتا ہے، جھوٹی کہانیوں کو، اسرائیلیات کو اور صحابہ کرامؓ کو متہم کیا جاتا اور ایمان خراب کیا جاتا ہے، وہ جو لوگ اہل قرآن ہیں حقیقت میں وہ جھوٹے ہیں، قرآن کو نہیں مانتے، قرآن میں اللہ نے اللہ کی اطاعت اور حضور ﷺ کی اطاعت دونوں کا حکم دے کر دونوں کو فرض کیا ہے، جب حضور ﷺ کی سنتوں کا انکار، حدیثوں کا انکار کرتے ہیں تو قرآن کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ اہل قرآن نہیں ہیں، وہ جھوٹے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں، اپنے آپ کو بھی اور آپ کو بھی جہنم میں لے جانے کی تیاری کر رہے ہیں اور یہودیوں کی اور شیعوں کی کتابیں پڑھتے ہیں، ان کو اللہ نے صحابہ کرامؓ کی مخالفت کی لعنت میں گرفتار کر لیا ہے تو بہر حال ان کے ایمان کی فکر کرو اور گمراہیوں سے بچاؤ۔

ہمارے ہندوستان میں کچھ نوجوان اسی طرح کے بکے ہوئے، ایک نوجوان باہر سے آ رہا تھا، گورنمنٹ نے اسے پکڑ لیا، پکڑا گیا، کوئی اطلاع ہوئی ہوگی، پانچ کروڑ روپیہ پکڑا گیا لے کر آ رہا تھا، پانچ کروڑ روپیہ اسی تحریک کے لئے تو مسلمان کا ایمان کوئی چیز نہیں، جب چاہو خرید لو، قادیانی بنا لو، جب چاہو خرید لو عیسائی بنا لو، جب چاہو خرید لو اہل قرآن بنا لو، تمام گمراہیاں مسلمان قبول کرنے کو تیار ہے۔

بد قسمتی سے ایسا ہو گیا، ایمان نے بیر ہے اور پیسہ خدا بن گیا۔ ان چیزوں سے بچنا چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہئے اور گمراہی اور جہنم سے بڑا مانگنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور شرور و فتن سے بچائے اور صحیح راستے پر چلائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

- ۱۶۵ جناب محمد اسحاق خان صاحب ڈھوہری
 ۱۶۶ جناب محمد شمشیر علی صاحب ڈھوہری
 ۱۶۷ جناب مولانا محمد ضمیر الدین صاحب نوڈانگانوگاؤں
 ۱۶۸ جناب مولوی معین الدین صاحب کچھاڑ
 ۱۶۹ جناب سکندر علی صاحب گوری پور
 ۱۷۰ جناب ماسٹر ضمیر الدین صاحب لوہارکانا ضلع کامروپ
 ۱۷۱ جناب عبدالحلیم صاحب بہاری بالوچہ ڈھوہری
 ۱۷۲ جناب مولوی ابوالکلام آزاد صاحب گنوری پور گوالپاڑہ
 ۱۷۳ جناب خلیل الرحمن صاحب گنوری پور گوالپاڑہ
 ۱۷۴ جناب مولوی شذاور علی صاحب بھانگہ بازار ضلع کچھاڑ
 ۱۷۵ جناب قطب الدین احمد صاحب لوہارکانا ضلع کامروپ
 ۱۷۶ جناب مولوی محمد ایوب صاحب کھدرہ کنڈی ضلع کچھاڑ
 ۱۷۷ جناب مولوی عبدالرقيب صاحب کھدرہ کنڈی ضلع کچھاڑ
 ۱۷۸ جناب مولانا نسیم صاحب مامہ منجی کھدرہ کنڈی ضلع کچھاڑ
 ۱۷۹ جناب محمد عبدالصبور صاحب لالہ بازار ضلع کچھاڑ
 ۱۸۰ جناب مولوی شعیب الرحمن صاحب مالوا کچھاڑ
 ۱۸۱ جناب محمد مقدس علی صاحب ہولا شنگھر رانا بازی کچھاڑ
 ۱۸۲ جناب مولانا مطیع الرحمن صاحب کبازی بند پتھار کنڈی
 ۱۸۳ جناب مولانا عبدالصبور صاحب کھدری کنڈی کچھاڑ
 ۱۸۴ جناب مولوی خلیل الرحمن صاحب بانسکندی کچھاڑ
 ۱۸۵ جناب حاجی شمس الدین خان صاحب کنگش پور کچھاڑ
 ۱۸۶ جناب محمد بلال علی صاحب برہہ بار پینا
 ۱۸۷ جناب مولانا تاج الدین صاحب ہیلان کنڈی
 ۱۸۸ جناب مولوی فراز الدین صاحب ہیلان کنڈی
 ۱۸۹ جناب مولوی ابوالقاسم صاحب لکھنوی پور آسام
 ۱۹۰ جناب مولانا بدر الدین اجمل صاحب ہوجائی آسام
 ۱۹۱ جناب مولانا کمال الدین صاحب ہیلان کنڈی
 ۱۹۲ جناب مولانا عبدالجید صاحب گوبانی آسام
- صوبہ مغربی بنگال**
 ۱۹۳ جناب حکیم محمد حسن صاحب جھنگری آسنول ضلع بردوان
 ۱۹۴ جناب ماسٹر محمد رضا منڈی صاحب سوہ پوکھری منڈی چکہ بھون
- ۱۹۵ جناب مولانا محمد یونس صاحب براگوپال ضلع ہاؤزا
 ۱۹۶ جناب مولانا ضمیر الدین آروی صاحب آسنول
 ۱۹۷ جناب محمد مصطفیٰ صاحب اکھڑ آسنول
 ۱۹۸ جناب مولانا محمد شفیع صاحب ندیادی
 ۱۹۹ جناب مولوی انیس الرحمن صاحب بیربھوم
 ۲۰۰ جناب مولوی حمید اللہ صاحب برن پور
 ۲۰۱ جناب عارف الدین صاحب مغربی دینانچ پور
 ۲۰۲ جناب محی الدین صاحب ڈرائیور سیتارا پور بردوان
 ۲۰۳ جناب مولوی عبدالجید صاحب مرشد آبادی بردوان
 ۲۰۴ جناب مولانا ارشد علی صاحب ندیا مغربی بنگال
 ۲۰۵ جناب مولوی امداد الاسلام صاحب جے نگر ۲۳ پرگنہ
 ۲۰۶ جناب آفتاب الدین صاحب مونا پور مغربی بنگال
- صوبہ منی پور**
 ۲۰۷ جناب مولوی عزیز الرحمن صاحب پائیری پوک منی پور
 ۲۰۸ جناب مولوی امجد علی صاحب پائیری پوک ٹولی تل منی پور
- صوبہ گجرات**
 ۲۰۹ جناب مولانا رشید احمد صاحب بزرگ سملک، ڈابھیل
- صوبہ اڑیسہ**
 ۲۱۰ جناب مولانا عبدالصمد صاحب راؤڑ کیلا
 ۲۱۱ جناب مولوی نور اللہ صاحب جد پور
 ۲۱۲ جناب شیخ تقی الدین صاحب بری جان پور
 ۲۱۳ جناب مولانا محمد صابر صاحب منجھاپور ضلع کٹک
 ۲۱۴ جناب عبدالرشید صاحب راؤڑ کیلا
- راجستھان**
 ۲۱۵ جناب علی محمد صاحب پتراوہ جھالاواڑ
 ۲۱۶ جناب مولوی محمد صاحب بازہمیر
 ۲۱۷ جناب سید عبدالرحمن صاحب کروی
- صوبہ تمل ناڈو**
 ۲۱۸ جناب مولانا منزل حسین صاحب سلیم مدراس

۲۱۹ جناب لیاقت علی صاحب

مہاراشٹر

۲۲۰ جناب سلیم اللہ صدیقی صاحب بمبئی

آندھرا پردیش

۲۲۱ جناب مولانا عزیز الدین صاحب نلگنڈہ

متفرق مقامات

۲۲۲ جناب مولوی رکن الدین صاحب بھودا

۲۲۳ جناب حاجی حبیب احمد صاحب گھانم پور

۲۲۴ جناب مولوی بہاؤ الدین خانپوری

بنگلہ دیش

۲۲۵ جناب مولوی عبدالصمد صاحب مدرسہ معین الاسلام چنگام

۲۲۶ جناب مولانا فیض الباری صاحب محدث کنانی گھاٹ ضلع سلہٹ

۲۲۷ جناب مولانا عزیز الحق صاحب سندیپ سنتوش پور، چانگام

۲۲۸ جناب مولانا عبدالشکور صاحب سلہٹ چانگام

۲۲۹ جناب مولانا علیم الدین صاحب دارالعلوم کنانی گھاٹ سلہٹ

۲۳۰ جناب مولانا رشید احمد صاحب سلہٹ

۲۳۱ جناب مولانا امداد اللہ صاحب سلہٹ

۲۳۲ جناب مولانا عبدالباری صاحب نواکھالی

۲۳۳ جناب مولانا ارجمند قاسم صاحب سلہٹ

۲۳۴ جناب عبدالمتین صاحب ڈھاکہ

۲۳۵ جناب مولوی حسین احمد صاحب لاف ٹاؤٹ سلہٹ

۲۳۶ جناب مولانا فرید الدین مسعود صاحب ڈھاکہ

۲۳۷ جناب مولوی ثار احمد صاحب بارہ کوٹ سلہٹ

۲۳۸ جناب مولوی عتیق الرحمن صاحب قاضی بازار سلہٹ

۲۳۹ جناب مولوی محسن احمد صاحب چوکی دیکھی سلہٹ

۲۴۰ جناب مولوی عبداللہ صاحب برہمن باڑیہ

۲۴۱ جناب مولانا عمران مظہری صاحب جامعہ حسینہ عرض آباد ڈھاکہ

۲۴۲ جناب مولانا احسن حبیب صاحب ڈھاکہ

۲۳۳ جناب مولوی عبدالخالق صاحب سلہٹ

۲۳۴ جناب مولوی احمد اللہ صاحب برہمن باڑیہ

۲۳۵ جناب محمد عاشق الرحمن صاحب جی گنج

۲۳۶ جناب مولانا روح الدین صاحب سیدی اعلیٰ مغزیل پاک سہٹ

۲۳۷ جناب مولانا عبدالسلام صاحب تانیر گل شام گنج

۲۳۸ جناب مولانا سعید الرحمن صاحب ناز پور پیروز پور اسال

۲۳۹ جناب مولانا نور محمد صاحب غفار گاؤں میمن سنگھ

برما

۲۵۰ جناب مولانا عبدالرحمن قاسمی مدرسہ رحمانیہ پڑاناں کالج رنجون

ایران

۲۵۱ جناب مولانا تاج محمد صاحب دارالعلوم عزیز پور پڑناں پوچستان (ایران)

انگلینڈ

۲۵۲ جناب مولانا محمد حسن بوڈھا نوی انگلینڈ

۲۵۳ جناب مولانا محمد طریق اللہ صاحب لندن

۲۵۴ جناب محمد معاذ صاحب کڈرمنسٹر انگلینڈ

۲۵۵ جناب مولوی شہزاد خاں برمنگھم انگلینڈ

جنوبی افریقہ

۲۵۶ جناب مولانا محمد ایوب کاچھوی صاحب بیسبرگ ساؤتھ افریقہ

۲۵۷ جناب شیخ احمد مسلم مرحوم جان اٹس ہائی دے ساؤتھ افریقہ

۲۵۸ جناب حاجی ابراہیم موسیٰ پانڈور بیسبرگ ساؤتھ افریقہ

۲۵۹ جناب ڈاکٹر محمد بدات صاحب ساؤتھ افریقہ

۲۶۰ جناب حاجی یعقوب اسمعیل پانڈور ساؤتھ افریقہ

۲۶۱ جناب حاجی محمد محسن پانڈور ساؤتھ افریقہ

پاکستان

۲۶۲ جناب مولانا ایوب جان صاحب مرحوم پشاور صوبہ سرحد

۲۶۳ جناب مولانا سید محمد مظہر اسعدی صاحب بہاول پور

۲۶۴ جناب ڈاکٹر شاہد اشرف صاحب لاہور

○○

مزید فہرست مجازین حضرت فدائے ملت

گذشتہ شمارہ میں حضرت فدائے ملت کے خلفاء و مجازین کی نامکمل فہرست شائع ہوئی تھی اس کے بعد درج ذیل حضرات کے بارے میں خلافت کی تصدیق موصول ہوئی، اس لئے مذکورہ فہرست میں ان ناموں کا اضافہ کر لیا جائے۔ (مرتب)

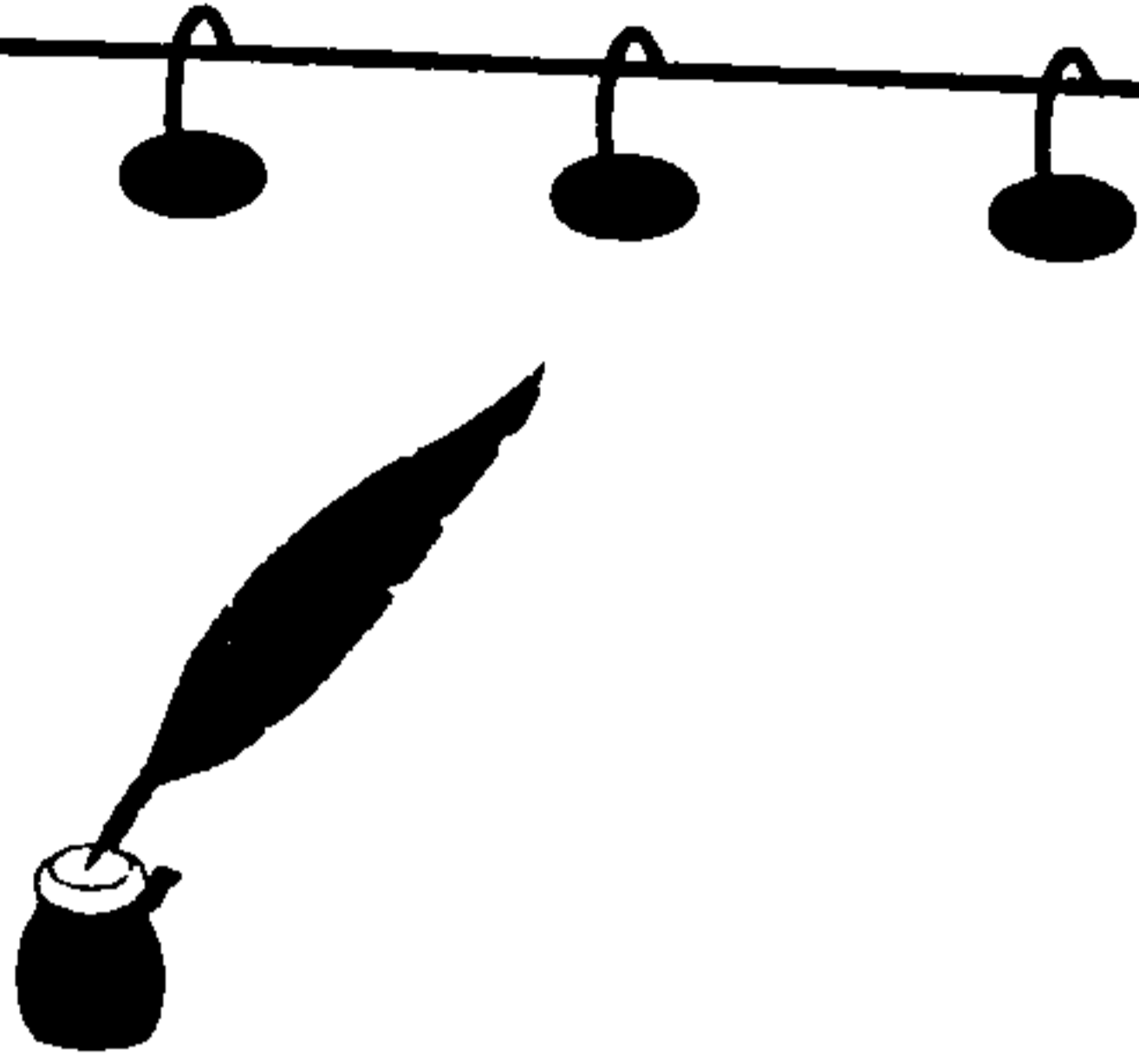
حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب موضع امراہی سرسوادہ ضلع سہارنپور
الحاج صوفی سرفراز صاحب موضع نگرالا، مورنہ ضلع مظفرنگر
الحاج صوفی ماسٹر لیاقت علی صاحب چڑھاول ضلع مظفرنگر
مولانا مفتی محمد اصغر صاحب مدرسہ اعزاز العلوم ویت ضلع غازی آباد
مولانا محمد اقبال صاحب منگا چک سنہولہ ہاٹ ضلع بھاگلپور، بہار

حضرت فدائے ملت کی آخری رقت آمیز تقریر

۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ کو ظہر کے بعد جامع رشید دیوبند میں سیکڑوں معکفین کے مجمع میں بحالت احتکاف خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا: ”محترم بزرگ و دوستو! اللہ تعالیٰ کا بے انتہا انعام و اکرام ہے کہ اس نے ہمیں رمضان المبارک جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی اور اس میں اپنی عبادتوں کی توفیق عنایت فرمائی، اللہ تعالیٰ ہماری ان ٹوٹی پھوٹی عبادتوں کو قبول فرمائیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ہم میں کون کون ایسا ہوگا جس کو اگلا رمضان المبارک نصیب ہوگا۔ آپ سب لوگوں نے اپنا راحت و آرام کو چھوڑ کر صرف اپنی آخرت کو بنانے کے لئے یہاں کا سفر کیا اور یہاں کی پریشانیاں اٹھائیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ آپ ہمارے یہاں آئے اور ہم سے آپ کا صحیح اکرام نہیں ہو سکا، دیوبند ایک چھوٹی سی جگہ ہے یہاں تھوڑے وسائل ہیں، یہاں نہ ڈھنگ کے کھانے ملتے ہیں، نہ کھانا بنانے والے ملتے ہیں، میرے کچھ ساتھی ہیں جنہوں نے میرا ساتھ دیا اور آپ کی خدمت کی، اللہ تعالیٰ ان کی خدمتوں کو قبول فرمائے اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آپ کو نہ ڈھنگ کا کھانا ملا، نہ صحیح آرام کی جگہ ملی، میں اس کے لئے آپ سے معافی کا خواستگار ہوں، مجھ کو اپنی زندگی کی زیادہ توقع نہیں ہے، میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جا رہا ہوں، آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ میرے لئے دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایمان پر موت نصیب فرمائے، بلکہ ہر ایک کو ایمان پر موت نصیب فرمائے۔ میں دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں کا شکر یہ ادا کرتا ہوں کہ میرے مہمانوں کو مسجد میں احتکاف کی اجازت دی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔“

اس کے بعد حضرت نے چند حضرات کو بیعت کی اجازت دی۔ اور تقریر کے دوران بار بار روتے رہے اور مجمع بھی آنسو بہاتا رہا۔

ضبط کردہ: جناب قاری نجیب الرحمن صاحب بھاگلپوری، استاذ مدرسہ فیض الاسلام بروالان مراد آباد



باب : ۱۲

منظوم خراج عقیدت

جانشینِ شیخِ اُمتِ سوائے علیین چلا

جانشینِ شیخِ اُمتِ سوائے علیین چلا
 باشکوہ و با جلال و باوقار و باجمال
 اللہ اللہ خدمتِ دیں جہدِ پیہم بہر قوم
 سیدِ والا نسبِ اعلیٰ حسبِ اجلی لقب
 لالہ زارِ فہم و دانشِ مرجِ اہلِ ہدیٰ
 وہ امیرِ کاروانِ حقِ سفیرِ درد و شوق
 خانوادہٴ حسینی کے گلِ سرسبد واہ
 کس خرامِ ناز سے اور امتیازی شان سے
 ساقیِ آبِ محبتِ دافعِ کفر و فساد
 جن کے دم سے تھا یہاں اسلام کا جھنڈا بلند
 اہلِ دلِ اہلِ نظر والائے اوصافِ کمال
 بوذروسلماں صفت تھے فقر و درویشی میں جو
 وہ امیرِ محترم اب آہ دنیا میں نہیں
 رہنمائے قدسیاں و قدوۃ اربابِ فضل
 عالمِ اسلام کا فانی وہ فرزندِ جلیل
 سوائے خلد و سوائے جنت سوائے علیین چلا

مفتی اسرار احمد دانش نجیب آبادی

محسن و غم خوار کہاں ہے

- ☆ اے قوم ترا محسن و غم و خوار کہاں ہے
☆ اے ارضِ وطن تیرا وفادار کہاں ہے
☆ اے حسن تیری گرمی بازار کہاں ہے
☆ اے باد صبا ابر گہر بار کہاں ہے
☆ اے گردشِ دوراں ترا احسان بتا دے
☆ وہ قافلہٴ علم کا سالار کہاں ہے
☆ ڈھونڈو تو ذرا اب دل بیدار کہاں ہے
☆ اخلاص کے جذبات سے سرشار کہاں ہے
☆ ہر موڑ پر وہ حق کا طرفدار کہاں ہے
☆ تھا درد جس کے دل میں سبھی اہل جہاں کا
☆ باطل کی صفوں میں جو اک پلچل سی چادے
☆ وہ وارثِ محمود و حسین احمد مدنی!
☆ ہر وقت جو ملت کے لئے سینہ سپر ہو
☆ اے چشمِ فلک دیکھا ہے تونے تو بتا دے
☆ اک گوشہ نشین شیخ اور میدان کا مجاہد
☆ جس در پہ ملے جام اور سنداں کا سبق ساتھ
☆ روشن ہو خردِ قلب و نظر جس کی ضیاء سے
☆ جو قوم کو ہر وقت صحیح رخ کا پتہ دے
☆ وہ شیخ جہاں پیرِ زماں مرشدِ دوراں
☆ پر نور اور صد رشکِ قمر جس کی جبین تھی
☆ اے پیرِ مغاں آج بھی محفل تو سچی ہے
☆ اے نحرِ وطن زیبِ چمن شاوِ زمن ہاں
- ☆ اے کارواں تیرا بتا سالار کہاں ہے
☆ ملت ترا بتلا ذرا سردار کہاں ہے
☆ اے عشق ترا محرم اسرار کہاں ہے
☆ اسلاف کے گلشن کا نگہدار کہاں ہے
☆ ملت کی قیادت کا سزا وار کہاں ہے
☆ احسان و طریقت کا خبردار کہاں ہے
☆ دیکھو تو کوئی چشمِ اثر دار کہاں ہے
☆ ہو حق کے لئے برسرِ پیکار کہاں ہے
☆ باطل کے لئے برہنہ تلواریں کہاں ہے
☆ وہ حزن و المِ غم کا گرفتار کہاں ہے
☆ اب آہ وہ آوازِ گرج دار کہاں ہے
☆ اسلاف کی عظمت کا وہ شہکار کہاں ہے
☆ بتلاؤ تو وہ قوم کا معمار کہاں ہے
☆ اسلاف کا آئینہ کردار کہاں ہے
☆ وہ راہِ رو وادی پر خار کہاں ہے
☆ اب دین و سیاست کا وہ دربار کہاں ہے
☆ بتلاؤ تو وہ نور کا مینار کہاں ہے
☆ دانائے زماں وقت کا ہشیار کہاں ہے
☆ افسوس اب وہ ذاتِ گراں بار کہاں ہے
☆ بتلاؤ اب وہ روئے ضیاء بار کہاں ہے
☆ محفل میں مگر بارشِ انوار کہاں ہے
☆ اب ہند میں تجھ سا کوئی دلدار کہاں ہے

کہتے ہیں سبھی اہل خرد آج اے دانش

تھا اپنے زمانے کا جو شہکار کہاں ہے

عظمت دارالعلوم دیوبند

عین حق ہے جو تجھے علم کا دریا کہہ دوں
 یہ بھی سچ ہے کہ تجھے گلشنِ تقویٰ کہہ دوں
 ایشیا ہے جو انگٹھی تو پھر اس میں تجھ کو
 کیوں نہ میں ایک چمکتا ہوا ہیرا کہہ دوں
 جتنے دل والے ہیں وہ تجھ پہ شیدا دل سے
 کیوں نہ دل والوں کی میں تجھ کو تمنا کہہ دوں
 تو نے پیدا کئے محمودؑ و رشیدؑ و انورؑ
 زیب دیتا ہے انہیں جس قدر اچھا کہہ دوں
 ہاں بجا ہوگا کہ میں تیرے حسین احمدؑ کو
 پیکرِ عشق کہوں علم سراپا کہہ دوں
 ہاں ترے اشرفؑ و عثمانیؑ و طیبؑ کو میں
 جھوٹ کیا ہوگا ، اگر فخرِ زمانہ کہہ دوں
 ایک دو چار جو ہوتے تو گنا دیتا میں
 حق ہے یہ ، تجھ کو نوادر کا خزانہ کہہ دوں
 بار بار آتا ہے گیلانی کے دل میں کہ تجھے
 دلِ افرنگ میں انکا ہوا کانٹا کہہ دوں

مولانا امام علی دانش صاحب

جس سے ملتی تھی ہدایت آہ رخصت ہو گیا

رہبر علمائے امت آہ رخصت ہو گیا
 پاسباں ملک و ملت آہ رخصت ہو گیا
 مرشد راہ طریقت آہ رخصت ہو گیا
 جانثار قاسمیت آہ رخصت ہو گیا
 وہ نگہبان صداقت آہ رخصت ہو گیا
 واقف دینی سیاست آہ رخصت ہو گیا
 جس کو تھی فکر حفاظت آہ رخصت ہو گیا
 سب پے تھی جسکی عنایت آہ رخصت ہو گیا
 معدن جود و سخاوت آہ رخصت ہو گیا
 نازش اسلاف امت آہ رخصت ہو گیا
 وہ امیر اہل سنت آہ رخصت ہو گیا
 حامی ختم نبوت آہ رخصت ہو گیا
 جس سے لرزاں تھی حکومت آہ رخصت ہو گیا
 وہ فدائے ملک و ملت آہ رخصت ہو گیا
 جلوہ گاہ نور سنت آہ رخصت ہو گیا
 جس سے ملتی تھی ہدایت آہ رخصت ہو گیا

قافلہ سالار امت آہ رخصت ہو گیا
 اس کی رحلت پر سبھی اہل وطن غمگین ہیں
 سونا سونا ہے حسین احمدؒ کا روحانی چمن
 فکر شیخ الہند محمود الحسن کا پاسباں
 حق پرستی اور حق گوئی رہا جس کا شعار
 بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
 ہر طرف دینی مدارس پر اداسی چھا گئی
 اپنے بیگانے سبھی پر جو کرم کرتا رہا
 خوگر اکرام مہماں پیکر لطف و کرم
 یادگار قاسمؒ و امدادؒ و محمودؒ و رشیدؒ
 فتنہ لامذہبیت پر لگائی جس نے روک
 پارہ پارہ ہو گیا دجل و فریب قادیاں
 سب سمجھتے تھے کہ حق گو شیر زندہ ہے ابھی
 جس کے اخلاق کریمانہ پہ شاہد ہیں سبھی
 نور تقویٰ جس کے چہرے پر تھا ہر دم جلوہ گر
 حال دل کس کو سنائیں کون دے گا مشورہ

رہبری جس کی تھی دانش کے لئے: یہ حیات
 وہ سراپا خیر و برکت آہ رخصت ہو گیا

نالہ غم

از: قاری عبدالستار فہیم قاسمی میرٹھی
 بحر غم میں غرق ہے سارا جہاں
 ہو گیا ویران سارا گلستاں
 ہم ہی کیا، ہے آسماں ماتم کناں
 دے گیا ہر فرد کو رنج رواں
 یعنی ملت کا مجاہد پاسباں
 وہ محبت اور مروت کا نشان

ہر طرف کیسی ہے یہ آہ و فغاں
 لالہ و گن سوگ میں مرجھا گئے
 ماہ و انجم، ماہتاب و آفتاب
 اک ربی سے جدائی ہو گئی
 ناخدا کشتی کا تھا رخصت ہوا
 ہیں کہاں حضرت اسعد اے دیوبند

داغ فرقت دے گئے وہ تو فہیم
 صبر دے بس صبر دے اللہ میاں

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری

اے حسین احمد کے بیٹے زندہ و پائندہ باد

رہنمائے قوم و ملت ، نازش ہندوستان
 برد باری ، نکتہ سنجی ، دور بینی ، آگہی
 آپ کے ذوقِ عمل کا اک زمانہ معترف
 عقل و دانش کے جلائے آپ نے ہر سو چراغ
 خامہ رنگیں ادا ہے آپ کا جادو نگار
 آپ کی اک اک ادا سے علم و حکمت آشکار
 حق نوائی ، حق نگاری ، حق پرستی ہے شعار
 آپ لے جائیں گے ان کو منزل مقصود پر
 بڑھ رہے ہیں جانب منزل بڑی تیزی سے آپ
 ہیں یقین محکم ، عمل پیہم کی تصویر حسین
 دین ابراہیم کی تخریب کو جو بھی اٹھے
 جب بھی ملت پر مصیبت کا کہیں ٹوٹا پہاڑ
 جانشین شیخ ” اے نور نگاہ اہل حق
 آپ کی خو میں ہے شامل ، استقامت اور صبر
 آپ نے موڑا ہراک بڑھتے ہوئے طوفاں کا رخ
 قوم مردہ میں نئی اک روح پھونکی آپ نے
 خدمتِ انسانیت میں آپ ہر دم ہیں مگن
 ذات پر ہے آپ کی نازاں بہت ہندوستان

بہر حق ہیں آپ اک مدت سے مصروفِ جہاد

اے حسین احمد کے بیٹے، زندہ و پائندہ باد

☆☆☆☆☆☆☆☆

میر کارواں جاتا رہا

شیخ اسعد، شیخ کل، شیخ زماں جاتا رہا
 قوم و ملت کا محافظ، پاسباں جاتا رہا
 وہ امیر الہند، میر کارواں جاتا رہا
 ایسا ہادی، رہنما، شیخ جہاں جاتا رہا
 وہ جری، حق گو، مجاہد، ترجمان جاتا رہا
 باندھ کر سر سے کفن، باطل سے ٹکراتا رہا
 جس کی ہر آواز سے باطل لرز جاتا رہا
 حق کا وہ مرد مجاہد، ترجمان جاتا رہا
 ظالموں کی صف میں بجلی بن کر گر جاتا رہا
 اہل سنت کا محافظ، باغباں جاتا رہا
 حق ادا کر کے دکھایا اور پھر جاتا رہا
 نقش ہائے زندگی وہ چھوڑ کر جاتا رہا
 بے خطر، خطرات میں ہر موڑ پر جاتا رہا
 وقت کا تیور ہمیشہ خود بدل جاتا رہا
 نقش جس کا دل پہ ہے، وہ نقش جاں جاتا رہا
 خود تو ہے، فردوس میں اور ہم کو تڑپاتا رہا

چھوڑ کر ملت کی کشتی ناخدا جاتا رہا
 رو رہا ہے پورا عالم، پوری دنیا سوگوار
 اہل جمعیت کا دل ہے، جس کے غم سے پاش پاش
 فیض جس کا عام تھا، اقوام عالم کے لئے
 ملت بیضا کو جس کی جراتوں پر ناز تھا
 دین حق پر جب کبھی یلغار باطل کی ہوئی
 حق میں آمیزش نہیں برداشت تھی اس ذات کو
 اہل حق ششدر ہیں، دے گا کون باطل کا جواب
 زندگی تھی وقف مظلوموں کی خدمت کے لئے
 زندگی جس نے گزاری سنتوں کی چھاؤں میں
 مادر علمی کا مایہ ناز وہ فرزند تھا
 زندہ جاوید ہیں، خدمات اس کی ہر طرف
 رب سے رشتہ زندگی میں کس قدر مضبوط تھا
 کامیابی جس کے قدموں میں ہمیشہ کھیلتی
 غم غلط ہو جائے گا، ہم کو نہیں اُمید ہے
 زندگی بھر فکر اُمت میں تڑپتا چل بسا

بخش دے موٹی ہمارے شیخ کی ہر چوک کو

ذکر میں زندہ رہا اور ذکر میں جاتا رہا

وہ آسمانِ علم کا بدرِ منیر تھا

اس دورِ پُرفتن میں وہ روشن ضمیر تھا
 لرزیدہ جس سے ملک کا ہر اک شریہ تھا
 نامہربان جس پہ بہت چرخِ پیر تھا
 دردِ وطن بھی جس کے لئے ناگزیر تھا
 ہندوستانیوں کا جو سچا مشیر تھا
 اس دور میں جو آپ ہی اپنی نظیر تھا
 مخلوقِ کائنات کا جو ہم صغیر تھا
 جس کی نظر میں ایک ، صغیر و کبیر تھا
 جو مومنوں پہ فضلِ خدائے قدیر تھا
 جو آشنائے لذتِ ہر دار و گیر تھا
 ناکام و نامراد کا جو دستگیر تھا
 جو بے نیازِ زعم ”قلیل و کثیر“ تھا
 ”فکرِ مآلِ قوم“ کا ہی جو ”اسیر“ تھا

وہ آسمانِ علم کا بدرِ منیر تھا
 بے خود و حق شناس ، جوان مرد شیر دل
 بے چینوں میں جس نے گزاری تمام عمر
 ملت کے درد میں جو تڑپتا رہا مدام
 اسلامیانِ ہند کا بے خوف ترجمان
 جس کی کوئی مثال نہیں آج دوستو!
 ہر اک سمجھ رہا تھا جسے ”ترجمانِ دل“
 یکساں رہا جو مفلس و زردار کے لئے
 ہاتھوں میں جس کے دین کا پرچم رہا بلند
 ”ہنگامہ ہائے سخت“ سے فرصت نہ تھی جسے
 آتے تھے در پہ جس کے ہزاروں ستم زدہ
 جہد و عمل میں جس نے گزاری تمام عمر
 حافظ تھی جس کو قوم کی ہی فکر ہر گھڑی

آخر وہ اپنے باپ کے پہلو میں سو گیا
 ”پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا“

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلامیوں ہند کا سردار چل دیا

حاصل تھے جس کو دین کے انوار چل دیا
ملت کا آج ایسا فدا کار چل دیا
جو قوم کا تھا ”طالع بیدار“ چل دیا
وہ ”بے نیاز سایہ دیوار“ چل دیا
تھامے ہوئے تھا اُس کی جو پتوار چل دیا
اُس قافلے کا قافلہ سالار چل دیا
بھارت کا وہ شجاع طرح دار چل دیا
دل میں تھا جس کے ”جذبہ احرار“ چل دیا
وہ قصر ملک و قوم کا معمار چل دیا
قوم و وطن کا مونس و غم خوار چل دیا
واللہ مغفرت کا سزاوار چل دیا

اسلامیوں ہند کا سردار چل دیا
ہر سانس جس کا وقف تھا ملت کے واسطے
جس کا بلند عزم تھا ، مضبوط تھا یقین
مانی نہ جس نے ہار ”مصائب کی دھوپ“ سے
کشتی پھنسی ہوئی ہے جو امواج بحر میں
جس قافلے کی تاک میں رہن ہیں سینکڑوں
جو ملک دشمنوں سے لڑا خوب تا حیات
”حب وطن کی مے“ جسے بیحد پسند تھی
تھا جس کے دل میں جذبہ تعمیر موجزن
فرقت میں اُس کی قوم و وطن بیقرار ہیں
اسعد کی مغفرت کا ہے حافظ مجھے یقین

تواریح وفات

محبوب زمان حضرت امیر الہند صاحب ۲۰۰۶ء

امیر محفل صدر جمعیت علماء ہند ۱۳۲۷ھ

مقبول عالم کی موت عالم کی موت ہے

۱۳۲۷ھ

منجانب اشکبار حبیب الرحمن معروفی ۱۳۲۷ھ

مقبول الانام فدائے ملت مولانا محمد اسعد مدنی ۱۳۲۷ھ

آہ لوائے نصرت مولانا سید محمد اسعد صاحب مدنی ۱۳۲۷ھ

رہنمائے قوم مولانا محمد اسعد صاحب مدنی رحمہ اللہ الحبيب

۱۳۲۷ھ

اقلیتوں کا باہمت رہنما چلا گیا ۱۳۲۷ھ

گوہر سعیدی، کوپا گنج، منو

وہ بحر معرفت کے شناور چلے گئے

پیغام اپنا سب کو سنا کر چلے گئے
 سوئے ہوئے تھے ہم وہ جگا کر چلے گئے
 خاموش اٹھ کر بزم سے باہر چلے گئے
 دردِ جگر وہ اور بڑھا کر چلے گئے
 جانے کہاں وہ صبح نہا کر چلے گئے
 اپنے گھروں کو اشک بہا کر چلے گئے
 ساحلِ قریب تر ہے بتا کر چلے گئے
 سنگیت رہ گیا ہے نواگر چلے گئے
 وہ راستے کو کر کے اُجاگر چلے گئے
 وہ بحرِ معرفت کے شناور چلے گئے

ہنتے ہوئے جہاں کو زلا کر چلے گئے
 مثلِ جس رہے سدا غافل کے واسطے
 کس نے بلا دیا کہ کسی سے نہ کچھ کہا
 تسکینِ قلب کے لئے آئے تھے جو یہاں
 کچھ لوگ انتظار میں بیٹھے تھے شام تک
 کرتے بھی لوگ اس کے سوا اور کیا بھلا
 دیکھا سوادِ شہر تو پتوار رکھ دیا
 علم و ہنر کہاں وہ سخنور کہاں رہے
 نقشِ قدم پہ ان کے عزیز و چلے چلو
 اب کون ہے جو دے ہمیں گوہر نکال کر

ڈاکٹر راحت مظاہری

اسعد تھا جس کا نام روشن ضمیر تھا

اسلاف کا نمونہ تھا روشن ضمیر تھا
 اسعد تھا جس کا نام روشن ضمیر تھا
 ملت کے کارواں کا وہ تنہا امیر تھا
 ایوانِ سلطنت میں جو برسوں سفیر تھا
 حاکم تھا بحرِ قوم، وہ خود اک فقیر تھا
 قرآن کی زباں میں سراجِ منیر تھا
 اسعد ہے میری گود میں، میرا ضمیر تھا

اسلامیانِ ہند کی صف میں دبیر تھا
 سویا جگا کے قوم کو خود خوابِ دائمی
 منصب تھا اس کے پاس جمعیت کے صدر کا
 لیکے وہ دل میں دردِ مسلمان کا سو گیا
 قرطاس پر رقم ہوں کیا اس کی خوبیاں
 شیخوں کا شیخ بھی اور ان کا جانشین
 راحتِ بغل میں لیکے یہ کہہ دیں رسولِ خدا

قاری محمد فرمان میرٹھی

استاذ جامعہ عربیہ خادم الاسلام، ہاپوڑ

ہم کو تڑپائیں گے تیری قربانیاں

ہم سے رخصت ہوئے آج اسعد میاں
 الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں
 آپ کے فیض کو کر رہے ہیں بیاں
 الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں
 ہم قیادت پہ تیری ثنا خوان ہیں
 الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں
 کاروانِ حسینی کی پہچان تھے
 الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں
 آپ نے قوم و ملت پہ احسان کیا
 الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں
 تجھ کو نسبت ملی شاہِ ابرار سے
 الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں
 باغبانِ چل بے او ر یہ سونا چمن
 الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں
 ہاں محمد و احمد و مودود ہیں
 الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں
 جس چمن میں ہوئی بارہا حاضری
 الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں
 جا کے بتلاؤ تم قرۃ عین سے
 الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں

الوداع ، الوداع ، الوداع ، شیخ اسعد میاں
 ہو گیا تیرے جانے سے سونا جہاں
 آپ کی ذاتِ اقدس ہے سب پر عیاں
 جن و انس و ملک کائنات جہاں
 کس قدر ملک و ملت پہ احسان ہیں
 ہم کو تڑپائیں گے تیری قربانیاں
 شیخ اسلام کے جانشین آپ تھے
 گلشنِ قاسمی کے تھے تم پاسبان
 ہاں کسی نے اگر ہم کو رسوا کیا
 آپ میں اس قدر تھی شجاعت عیاں
 تھا منور جہاں تیرے انوار سے
 شیخ و مرشد پہ اسعد بڑے مہرباں
 تم تھے شیریں ذہن تم تھے شیریں سخن
 ہر گلی آج رو کر کرے یوں بیاں
 کتنے غمگین محمود و مسعود ہیں
 بھائی اسجد و ارشد و خرد و کلاں
 آج مغموم ہیں گلشنِ ناظری
 خوب تشریف لاتے تھے اسعد میاں
 ہوگا آقا کا فرمان نکیرین سے
 آئے ہیں ہم بھی اٹھ جاؤ اسعد میاں

شاہد رامپوری رامپور

آج خاموش ہے طوفان اٹھانے والا

وہ کہ عالم ہی نہیں غازی گفتار بھی تھا
وہ کہ ناصح ہی نہیں صاحب کردار بھی تھا
حق پرستوں کے لئے قافلہ سالار بھی تھا
وہ کوئی شخص نہیں دور کی تاریخ تھا وہ
قوم کے جھیلے ہوئے جور کی تاریخ تھا وہ
وہ کسی پیری میں بھی اک عزمِ جواں رکھتا تھا
دردِ ملت کا سدا دل میں نہاں رکھتا تھا
وہ ستائش کی تمنا ہی کہاں رکھتا تھا
آج خاموش ہے طوفان اٹھانے والا
اپنی تقریر سے سوتوں کو جگانے والا
قوم روئے گی اسے یاد کرے گی برسوں
گلشنِ دیں میں ہوا اس کی چلے گی برسوں
دل سے شاہد کے صدا یہ بھی اٹھے گی برسوں
تیرا بندہ تھا عطا کر اسے جنت یارب
مشعلِ راہ بنے اس کی صداقت یا رب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

افتخارِ ملک و ملت

حضرت سید محمد اسعد والا تبار
مخفل علم و عمل کی شمع نورانی ہے تو
دانش و حکمت تری تحریر میں تقریر میں
”کُلُّ مُؤْمِنٍ إِخْوَةٌ“ کے راز سے واقف ہے تو
ہیں سلف کے کارنامے اس طرح پیش نظر
اے سراپائے محبت دشمن بغض و عناد
پاسبان، ملک و ملت آدمیت کے نقیب
پھر ذرا اٹھ کر ازاں دیدے بلالی شان سے
آدمیت پھر ہے محو خواب پھر آواز دے
پھر نئے ساغر میں تہذیب کہن کو ڈھال دے
دام فرقہ داریت پھیلا ہوا ہے چار سو
منتشر قوموں کو دیدے پھر سے جام اتحاد
جوڑ دے ٹوٹے ہوئے دل پھوڑ دے جام و سبو
پھر سے کردے رشتہ قوم وطن کو استوار
ڈوبتی کشتی کو پھر سے کردے ساحل آشنا
زندہ باد اے آبروئے ملک و ملت زندہ باد
زندہ باد اے ساقی بزم محبت زندہ باد

نتیجہ فکر: عارف باللہ حضرت محمود احمد عارف ہوش یار پوری رحمۃ اللہ علیہ

رکسِ اہلِ وفا، جانِ بزمِ اہلِ تقا

وہ آئے حضرت اسعد بہ فضلِ ربانی
 رکسِ اہلِ وفا، جانِ بزمِ اہلِ تقا
 عمل میں جہدِ مسلسل ہے آپ کا حصہ
 متاعِ اہلِ جہاں بیچ ہے نگاہوں میں
 عروج پر ہے ستارہ تری سعادت کا
 رضائے ذاتِ مقدس نصیب ہو دائم
 دہائے عارفِ مہجور ہے دل و جاں سے
 وہ جاں نشین حسینِ زمانِ لامانی
 مثالِ سیرِ تاباں ہیں شمسِ عرفانی
 سراپا عشق و محبت و نورِ ایقانی
 محیطِ دل پہ ہوا عشقِ ذاتِ ربانی
 سعید ہی نہیں اسعد ہیں مردِ حقانی
 یہی ہے غایتِ ادلی، روحِ ایمانی
 کریں یہ امتِ مرحوم کی جگہبانی

از ہد لطف کشن گنج

یہ وفاتِ اسعد مدنی

- ☆ بڑا ہی سانحہ ہے یہ، وفاتِ اسعد مدنی
- ☆ پپا اک شور ہے یہ، قائدِ ملت کہاں ہیں اب
- ☆ نہیں تابِ بیاں مجھ میں، کروں کیسے بیاں ان کو
- ☆ سیاست اور تصوف میں یگانہ، نازشِ ملت
- ☆ کبھی جب ملت بیضاء پہ کوئی آنچ آ پینچی
- ☆ جگر کے خون سے سینچا، جمعیت کے شجر کو جب
- ☆ بہت ہی لہلہایا باغِ قاسم، تیری محنت سے
- ☆ کوئی انگلی اٹھاتا جب، مسلمانوں کی عزت پر
- ☆ اے پیاسو! تم بھاتے تھے ہمیشہ، پیاس کو ان سے
- ☆ سبھی مجلس میں ماتم ہے سبھی محفل میں رنج و غم
- ☆ کہاں سے لائیں گے اب ہم وہ ذاتِ اسعد مدنی
- ☆ امیر ہند، فدائے قوم جنابِ اسعد مدنی
- ☆ تھی رشکِ قدسیاں ہر سو، حیاتِ اسعد مدنی
- ☆ یقیناً مرجعِ خلقت تھی، ذاتِ اسعد مدنی
- ☆ پلٹ جاتی تھی پھر اس دم، بساطِ اسعد مدنی
- ☆ انوکھا رنگ لایا پھر، جہادِ اسعد مدنی
- ☆ تو تھا اک گوہرِ نایاب، جنابِ اسعد مدنی
- ☆ گر جتا مثلِ اسد، پھر عتابِ اسعد مدنی
- ☆ کیا اب بھی پاؤ گے تم وہ، شرابِ اسعد مدنی
- ☆ بڑی کلفت کا باعث ہے وفاتِ اسعد مدنی

لطیفِ غم زدہ غمگین دل سے یہ دعا گو ہے

ہو آساں آخرت میں کنی حسابِ اسعد مدنی

ملتِ اسلامیہ کی آبرو و فخرِ زمن

ملتِ اسلامیہ کی آبرو ، فخرِ زمن تھے امیر الہند ثانی ، نازشِ ہندوستان بتکدانِ ہند پر ، اسلام کی ڈالی کند ان سے وابستہ رہی ہے ، نسبتِ دارالعلوم رہتی دنیا تک ، درخشاں ہوگا ، نقشِ جاوداں کاروانِ اہلِ حق کا ، ایک سچا ، پیشوا مشعلِ راہِ طریقت ، پیکرِ فضل و کمال صاحبِ فہم و فراست تھے مجاہدِ جاں نثار مرگِ اسعد پر ، زمانہ کر رہا ہے ہائے ہائے صاف گوئی کی علامت ، صاحبِ قلبِ سلیم سرپرستِ قومِ مسلم ، رہنمائے خوش خصال عشقِ حق میں تھے فنا ، وہ اہلِ سوز و ساز تھے ہاں زمانے میں مثالی ، قائدِ ملت تھے وہ کارنامے ، شیخِ اسعد کے ہوئے ہیں لازوال ان کی آرا ، پرکھل ہو رہا تھا ، اتفاق گر رہے تھے ، ہر کس و ناکس سے وہ اچھا سلوک عالمِ دیں ، متقی تھے ، مصلحِ امت رہے

اسعد مدنی فدائے ملت و دین و وطن رہنمائے ملک و ملت ، قائدِ عہدِ رواں حضرتِ مدنی ، حسین احمد کے ابنِ ہوشمند ان سے دو بالا رہی ہے عظمتِ دارالعلوم صدرِ جمعیت رہے ، بہتر امیرِ کارواں اک مفکر ، اک مدیر ، ایک قومی رہنما تھے وہ جمعیت کے صدرِ محترم چونتیس سال تھے وسیع الفکر ، عالی ظرف ، قائد ، باوقار دور اندیشی صفت تھی ، خوب تھا اظہارِ رائے وہ علمبردارِ حق تھے ، عہد کے رجلِ عظیم ایم پی ، تھے محترم ، وہ بے گماں اٹھارہ سال قومِ مسلم کی جہاں میں ، معتبر آواز تھے وہ محاسن کے تھے پیکر ، اسعدِ ملت تھے وہ عہدِ حاضر کے اکابر میں رہے وہ بے مثال سادگی ، سنجیدگی ، مجددِ شرافت میں تھے طاق تھے مریدوں کے مربی ، رہبرِ اہلِ سلوک رہبرائے معرفت تھے ، صاحبِ نسبت رہے

دے گئے ہیں، قومِ مسلم کو وہ تعلیمی شعور
 وہ تھے گونا گوں، صفاتِ فاضلہ سے متصف
 ان کی فرقت سے ہوا، محصول، رنجِ جانگسین
 اسعد مدنی کے ہیں لاکھوں، کروڑوں سوگوار
 سب دعا گو ہیں، الہی: کرا نہیں جنت عطا
 ان کی تربت کو بنا دے، نازشِ دارِ نعیم
 ہے ”ولی“ کی یہ دعا! ہو جنت الماویٰ نصیب

ہے دعا کہ: سرخرو، ہو کر اٹھیں، یومِ نفور
 ان کی ہمدردی کے ہیں اپنے پرانے معترف
 مدتوں روتے رہیں گے، یاد کر کے، اہلِ دل
 جو کہ، ہیں ان کی جدائی پر برابر اشکبار
 اور دے پسماندگوں کو، جذبہٴ صبر و رضا
 حشر میں ان کو عطا کر، سایہٴ عرشِ عظیم
 روزِ محشر، اسعد مدنی رہیں تیرے قریب

تیری تربت پر، زمانہ فاتحہ خوانی کرے
 تا قیامت رحمتِ باری، نگہبانی کرے



اسعد فردوس بریں رفت

گلبائے عقیدت

۱۳۲۷ھ

مولانا قاری محمد اصغر صاحب جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ

- ☆ امروز فدائے دیں از مابہ قرین رفت
- ☆ اعراض زما کردہ پوشیدہ پس پردہ
- ☆ کردار و خصلت بر منوال نبی بودہ
- ☆ تقریر و کلام او درہائے شمیں سفتہ
- ☆ از مرگ نہ ترسیدہ چوں فتنہ پیا دیدہ
- ☆ اخبار حوادث چوں در گوش فرا آمد
- ☆ از رحلت حضرت آل میخانہ ہمہ دیراں
- ☆ مضبوط و قوی کردہ اہداف جماعت را
- ☆ در عہد حسینیت در جمعیت ما ہرجا
- ☆ گلبائے عقیدت را در سلکِ حسین سفتہ
- ☆ ابیاتِ رثا اصغر از قلب حزین گفتہ
- ☆ از بند جہاں رستہ او خندہ جبیں رفتہ
- ☆ فردوس بریں رفتہ یک قصر حسین جتہ
- ☆ رفتار متین بودہ گفتار حسین شتہ
- ☆ صوتش بشنود آں کو در قعر زمیں نختہ
- ☆ بس کوہِ گراں بودہ در عزمِ چینیں پختہ
- ☆ بے خوف و خطر بودہ زودے زکیمیں جتہ
- ☆ ہر قلب و جگر زخمی ہر بیت و کلمیں ختہ
- ☆ ہر ختمِ اخوت را در آل زمیں کشتہ
- ☆ صد گلشنِ گونا گوں پر فرش زمیں کشتہ

تاریخ وصال او ہاتفِ بمن این گفتہ

شاداں بشوی اسعد فردوس بریں رفت ہ

۱۳۲۷ھ

صالح احقر، سہارنپور

الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم

عالم اسلام کو ہے آپ کے جانے کا غم
آپ تھے مرد مجاہد ایک عالم باکمال
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم
کارنامے درج ہیں سب آپ کے اوراق میں
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم
آپ کے جانے سے ہے پوری جماعت سوگوار
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم
آپ کے در سے ہزاروں آکے ہوتے فیضیاب
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم
برکتوں کا سلسلہ ہے اب بھی جاری آپ کا
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم
جنت الفردوس میں ہو آپ کا رتبہ عظیم

الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم
آپ کا تقویٰ مثالی سادگی تھی بے مثال
آپ جیسے اس جہاں میں اب نظر آتے ہیں کم
آپ سے بہتر نہ پایا کوئی بھی اخلاق میں
آپ کے دم سے تھا حضرت پوری ملت کا بھرم
آپ کے دم سے تھی حضرت اس جمعیت کی بہار
آپ کی فرقت کو حضرت کیسے سہ پائیں گے ہم
در کھلا رہتا تھا آپ کا عالی جناب
آپ کا چہرہ نورانی آپ کا لہجہ نرم
بعد مرنے کے حضرت فیض جاری آپ کا
ہے لحد پر آپ کی ہر وقت بارانِ کرم
ہے دعا احقر کی رب سے آپ کو بخشے کریم

مغفرت کرنا خدایا واسطہ شاہِ اُمم
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم

ہدایہ اور صاحبِ ہدایہ از! مولانا عبدالقیوم حقانی

ہدایہ اور صاحبِ ہدایہ کا تذکرہ وسوانح، اقران و امثال، مرتبہ و مقام، خدمات و تصنیفات، کتابِ ہدایہ کی
خصوصیت و جامعیت، اسلوبِ بیان، فضل و امتیاز، اصطلاحات، رموز و اشارات، احادیثِ ہدایہ کے متعلق مباحث
اور بعض مسامحات، شروح و حواشی اور تعلیقات، اپنے موضوع پر دلچسپ، جامع، اساتذہ اور طلبہ کے لئے ایک نادر
علمی تحفہ صفحات : 74 قیمت : 21 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری

لٹ گیا سرمایہٴ اسلامیاں

رو رہا ہے آج ہر پیر و جواں
گر گئی ہے آج برق بے اماں
ہو نہ ہو ، اپنا نشیمن جل گیا
کون سا چہرہ ہے وہ جس سے نہیں
چل دیا ہے کارواں کو چھوڑ کر
تا قیامت رویے سر پیٹے
ہاں وہی اسعد ہمارا رہنما
دکھ اٹھائے جس نے ملت کے لئے
”غیر“ جس کے خون کے پیاسے رہے
رو رہے ہیں اس کو اب قلب و جگر
ہو نہیں سکتی تلافی عمر بھر
روح کو حافظ ملے اس کی قرار
ہوں خدا کی رحمتیں اس پر نثار

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نمبر : ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

عالم اسلام کے عظیم رہنما، بین الاقوامی شہرت کے حامل، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سیرت
وسوانح، اخلاق و اعمال، دعوت و تبلیغ، اتحاد امت کی مساعی اور تصنیف و تالیف کا جامع اور مفصل تذکرہ۔ ماہنامہ
”القاسم“ کی خصوصی اشاعت صفحات : 600 قیمت : 240 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

غم کے آنسو

چھپ گیا زیر زمیں علم و عمل کا پاساں
دیوبند میں ہو رہا ہے ہر طرف شور و فغان
ایسے عالم کا زمانے میں نہیں ملتا نشان
کرتے تھے قربان ملت کے لئے وہ جسم و جاں
اپنے والے کی طرح تھے دین حق کے سائباں
خوف ہے کہ گم نہ ہو جائے کہیں وہ کارواں
کہہ رہا ہے اپنا رہبر ڈھونڈ کر لائیں کہاں
یاد ہم کرتے رہیں گے جس کا مقصد بے گماں
جس کے باعث یاد کرتے تھے انہیں پیر و جواں
حضرت مدنی سا رہبر ڈھونڈ کر لائیں کہاں
اک اشارے پر ہی اُن کے جمع ہوتے مہرباں
آج آزادی کے باعث اُن کے جمع ہوتے مہرباں
لاکھوں آجاتے تھے سننے جب وہ کرتے تھے بیاں
تا ابد قائم رہے گا اُن کی عظمت کا نشان
اپنی رحمت میں جگہ دے اُن کو رب دو جہاں

ہر طرف ہے آج سارے ہند میں غم کا سماں
غمزدہ ہے اُن کے غم میں آج ہر پیر و جواں
رہنمائے قوم کا ہے یہ سفر آج آخری
اُن کی نظروں میں تھا ہر دم قوم و ملت کا مفاد
اُن میں باقی تھا حسین احمد کی عظمت کا اثر
کھینچ لائے تھے جسے وہ حد منزل کے قریب
غمزدہ ہے آپ کی فرقت میں یہ دارالعلوم
علیت کا دے گئے ہیں آپ وہ سب کو سبق
حضرت مدنی نے کی تھی خدمت قوم و وطن
چھا رہی ہے آج ہر طبقے میں یہ غم کی لہر
ہندو مسلم سکھ عیسائی تھے اُن کے معتقد
جشن آزادی کے رہبر تھے محب قوم و ملک
اُن کے دل میں تھی ہمیشہ اک ترقی کی جھلک
مل گیا ہے آج ایسا غم بھلا سکتے نہیں
مغفرت کے واسطے کرتے ہیں ہم سب یہ دعا

ہو رہا ہے آج اُن کے غم میں واحد بے قرار

صبر آئے کس طرح اس غم کے مارے کو یہاں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شفیق احمد اعظمی، امام و خطیب، ابو ظہبی، امارات

ہنگامہ فراق

کہ آنکھوں میں کلی کی آگنی اشکوں کی طغیانی
 زلاتی ہے عنادل کو گلوں کی چاک دامانی
 جدھر بھی دیکھتے ہیں ہو رہی ہے مرثیہ خوانی
 برستی ہے سراسر دامن گل سے پریشانی
 گیا جس وقت محفل چھوڑ کر وہ ہدم جانی
 اچانک ہو گئی گم چھا گئی ہر سمت ویرانی
 گلوں کے ہار میں اس کا نہیں ہے اب کوئی ثانی
 شبانہ روز ہو تربت پہ اس کی لطف ربانی

چلی بادِ خزاں ہمراہ اپنے لے کے حیرانی
 کہاں نغمہ سرائی صبح دم شاخِ نشیمن پر
 مسرت تھی، غزل خوانی تھی لیکن ان شبستاں میں
 غم و اندوہ کی کالی گھٹنا گلشن پہ چھائی ہے
 یکا یک خرمین دل پر گری برقِ تپاں آ کر
 نوائے عندیپ گلشنِ الجمیۃ ہدم
 نزالہ رنگ تھا خوشبو بھی تھی اس کی انوکھی ہی
 شفیق ناتواں کی یہ دعائے عاجزانہ ہے

امیر الہند مولانا مجیب بستوی

وہ سوئے خلد ، خلد بداماں چلے گئے
 کر کے ہماری زیستِ ہراساں چلے گئے
 وہ چھوڑ کے اسے پئے ایماں چلے گئے
 لے کر وہ ساتھ عیش کا ساماں چلے گئے
 کیسا اٹھا کے درد کا درماں چلے گئے
 دل آج کس قدر ہے پریشاں چلے گئے
 وہ کر کے ان کو کس طرح گریاں چلے گئے
 دنیا میں آج کر کے چراغاں چلے گئے
 وہ پیکرِ اخوت و احساں چلے گئے

افسوس آج فخرِ مسلمان چلے گئے
 وہ اسعدِ مدنی جنہیں کہتا تھا زمانہ
 جمیۃ علماء ہند کا محافظ خدا رہے
 ہندوستان کو ناز تھا ان پر خدا گواہ
 وہ تھے امیر ہند ، وہ سردارِ ملک تھے
 یا ان کی دل کو جانے کہاں لے کے جائیگی
 محمود مدنی آج بہت سوگوار ہیں
 اللہ ان کی قبر منور رہے سدا
 ہو ان کی مغفرت کی دعالب پہ اے مجیب

شاعر ملت: قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری انبالہ شہر

”پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا“

اس دور پر فتن میں وہ روشن ضمیر تھا
 لرزیدہ جس سے ملک کا ہر اک شریک تھا
 نا مہرباں جس پہ بہت چرخ پیر تھا
 دردِ وطن بھی جس کے لئے ناگزیر تھا
 ہندوستانیوں کا جو سچا مشیر تھا
 اس دور میں جو آپ ہی اپنی نظیر تھا
 مخلوقِ کائنات کا جو ہم صغیر تھا
 جس کی نظر میں ایک، صغیر و کبیر تھا
 جو مومنوں پہ فصلِ خدائے قدیر تھا
 جو آشنائے لذتِ ہر دار و گیر تھا
 ناکام و نامراد کا جو دستگیر تھا
 جو بے نیازِ زعم ”قلیل و کثیر“ تھا
 ”فکرِ مالِ قوم“ کا ہی جو ”اسیر“ تھا

وہ آسمانِ علم کا بدرِ منیر تھا
 بے خوف و حق شناس، جواں مرد شیر دل
 بے چینوں میں جس نے گزاری تمام عمر
 ملت کے درد میں جو تڑپتا رہا مدام
 اسلامیانِ ہند کا بے خوف ترجمان
 جس کی کوئی مثال نہیں آج دوستو!
 ہر اک سمجھ رہا تھا جسے ”ترجمانِ دل“
 یکساں رہا جو مفلس و زردار کے لئے
 ہاتھوں میں جس کے دین کا پرچم رہا بلند
 ”ہنگامہ ہائے سخت“ سے فرصت نہ تھی جسے
 آتے تھے در پہ جس کے ہزاروں ستم زدہ
 جہد و عمل میں جس نے گزاری تمام عمر
 حافظ تھی جس کو قوم کی ہی فکر ہر گھڑی

آخر وہ اپنے باپ کے پہلو میں سو گیا

”پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا“

ابو حنیفہ ہند مولانا مفتی کفایت اللہ نمبر: ترتیب! مولانا عبدالقیوم حقانی

بڑی سائز، مضبوط جلد، الجمعیت ”دہلی“ کا ۲۳ فروری ۱۹۵۳ء اور ۱۳ مئی ۲۰۰۰ء میں شائع کردہ ”مفتی اعظم

نمبر“ نئی ترتیب اور جدید اضافوں کے ساتھ۔ صفحات: 231 قیمت: 150 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

حافظ حبیب الرحمن نقشبندی

رکن القاسم اکیڈمی

ہر سمت اُجالا ہے چراغِ مدنی سے

ہر سمت اُجالا ہے چراغِ مدنی سے
 ربطِ آپ کا قائم تھا مدینے کی گلی سے
 نکلے نہ کبھی آپ سیاست نگری سے
 حکام بھی ڈرنے لگے اسعد کی چھڑی سے
 اس وقت میں ایسا نہ ہوا اور کسی سے
 پایا یہ شرف آپ نے دربارِ نبی سے
 جاہل کو نوازا نہ گیا شانِ کئی سے
 علم آئے گا دیوبند کی درپوزہ گری سے
 حقانی نے چھاپا ہے اسے دیدہ وری سے
 گر ڈھونڈنا چاہو ملے قاسم کی گلی سے
 واقف نہ تھے علم و ہنر و شانِ کئی سے
 بخشش ہے ضیا ذوقِ ہنر کو مدنی سے
 القاسم و حقانی کی درپوزہ گری سے
 پڑھتا ہوں میں اس لئے اسے دلجمعی سے
 اب مجھ کو کوئی کام نہ کھوٹی نہ کھری سے
 ہے کون؟ مزیتیں ہے سرورق اسی سے
 خیرہ ہے نظر میری شیری جلوہ گری سے

لکھتا ہوں حبیب ان سے محبت کی بنا پر
 ہے ایسا تعلق مجھے اسعد مدنی سے

آواز یہ آئی کوئی کہتا تھا کسی سے
 تھے گرچہ جہاں بانی میں مشہورِ زمانہ
 اس طرح سے خدمت کو بنایا تھا وطیرہ
 کام آیا مساجد و مقابر کا تحفظ
 مسلم کا جو اوقاف تھا کی اس کی حفاظت
 حفظِ حرمِ پاک کے بھی ساعی تھے حضرت
 کہتے تھے کہ ہے علم کا مقصد بڑا اعلیٰ
 در بند ہو گر علم کا دیوبند میں آؤ
 نمبر ہے تیرے دستِ ہنر میں مدنی کا
 دلدادہ نہ اسعد کا جہاں بھر میں ملے گا
 بخشا ہے شعور اس نے ہمیں تادمِ محشر
 برجستہ مضامین نگہ شوق میں آئے
 نمبر کے علاوہ بھی مجھے فیض ملے گا
 شوق اپنا فراواں ہوا جب آیا نظر میں
 نظریں ہیں سرورق سے ہمتی ہی نہیں ہیں
 نمبر کی اشاعت میں کوئی لے گیا نمبر
 اے نمبر اسعد مدنی سینے سے لگ جا

”غیر مسلم ہند“ بھی کرتا ہے اسعد کو سلام

غیر مسلم شاعر قوم ! ڈاکٹر پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی کا شہکار نذرانہ عقیدت

یادگارِ بانیان و فاضلانِ دیوبند
تو حسین احمد کی روح اسعد و مسعود تھا
جمعیتہ علماء کی خدمت کر گیا چالیس سال
قاسم و محمود کا وارث، حسین احمد کا دل
یا د پھر آتے ہیں مجھ کو مولوی احمد سعید
حفظِ رحمانی ” کی جانے گم ہوئی تصویر کیا
اب یہاں مفتی کفایت کا بھی لے گا نام کون؟
میرے ان سب عالموں کیساتھ گزرے ساٹھ سال
”شیخ اسلامی“ کا مجھ پر یہ خصوصی تھا کرم
جتنے اسلامی ممالک کے اکابر ہند آئے
کاش اب محمود مدنی پیکرِ اسعد بنیں
پھر بلائے جمعیتہ علماء برہمن زاد کو
آج رنجیدہ ہے کتنی مسجد عبد انبی
مختصر میری دعا کا ہو اثر فردوس میں

پیکرِ خدمات ملک و قوم جانِ دیوبند
آج لا موجود ہے کل شاہد و مشہود تھا
سارے ہندوستانیوں کو کر گیا تو پر ملال
”شیخ ہند“ اور ”شیخ اسلامی“ کا تو تھا عکس و ظل
کھو گئی کیا قاری طیب کے خزانوں کی کلید
ہائے وہ ”شاہ جہاں پور“ کی اٹھی رسم وفا
عالمِ اسلام کا پہنچائے گا پیغام کون؟
مجھ کو ہر اجلاس کا جمعیتہ کے حاصل ہے جمال
نہرو و آزاد و مدنی نے رکھا میرا بھرم
ان کے استقبال کو گلزار دہلی یاد آئے
جمعیتہ علماء کے بڑھ کر خادمِ ارشد بنیں
پھر تسلی مل سکے اس کے دلِ ناشاد کو
وہ کہ ”دے او بند“ کا دہلی میں سایہ ہے غنی
مولوی اسعد کا ہو گھر جنت الفردوس میں

حضرت گلزار کے ہے رنج و غم کا یہ پیام
”غیر مسلم ہند“ بھی کرتا ہے اسعد کو سلام

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تھایہاں پر جو رئیسِ اولیاء جاتا رہا

شیخ مدنی کا دلارا دوستو جاتا رہا
 کیا بتائیں ہم سے کیسا رہنما جاتا رہا
 جو خدا کی یاد میں ہر دم تڑپتا ہی رہا
 جو سدا مظلوم کی خاطر پگھلتا ہی رہا
 سرزمینِ ہند سے وہ رہنما جاتا رہا
 شیخ مدنی کا دلارا دوستو جاتا رہا
 حال ارشد اور اسجد کا تو آکر دیکھ لے
 مضطرب محمود و ازہد ہیں تو آکر دیکھ لے
 ہیں پریشاں کتنے عثمان آج آکر دیکھ لے
 خانوادہ شیخ مدنی مضحل ہے دیکھ لے
 تو نثار احمد کو روتا چھوڑ کر جاتا رہا
 شیخ مدنی کا دلارا دوستو جاتا رہا
 رو رہا ہے غم میں تیرے آج یہ دارالعلوم
 ہو گیا ہے آج سونا بن ترے دارالعلوم
 ہر طرف ماتم کناں ہے آج یہ دارالعلوم
 کہہ رہا ہے آج تجھ سے یہ ترا دارالعلوم
 لاڈلے ہو کر جدا مجھ سے سدا جاتا رہا
 شیخ مدنی کا دلارا دوستو جاتا رہا
 رو رہے ہیں گلشنِ محمود کے یہ بام و در
 حسرت ورنج و الم سے جھک گئے برگ و ثمر
 تھا یہاں پر جو رئیسِ اولیاء جاتا رہا
 شیخ مدنی کا دلارا دوستو جاتا رہا
 یا خدا حضرت کو تو اب قبر میں آرام دے
 کر عطا جنت انہیں منزل خدا آسان دے
 میرے مولیٰ آبِ کوثر کا انہیں تو جام دے
 حشر میں ان کو شہیدوں کی سی یارتِ شان دے
 رب کے آگے جھک کے امجد یہ دعا کہتا رہا
 شیخ مدنی کا دلارا دوستو جاتا رہا

نچھاور تم پہ ہوا اللہ کی رحمت اسعد مدنیؒ

اٹھے ہیں اس طرح دنیا سے حضرت اسعد مدنیؒ
 ملا جمعیت علماء کا دل روتا ہوا ، مجھ کو
 امیر الہندؒ کی یہ حق پسندی کا تاثر ہے
 ”مدینہ“ ملک ہندوستان سے پہنچا دیا حق نے
 تمہاری رہبری سے قوم مسلم نے سکون پایا
 اہم قوم و وطن کی تم نے خدمت ایسی کر ڈالی
 رسول پاک ﷺ کی سیرت چراغِ راہ منزل ہے
 شبوں کو زندہ تم رکھتے تھے ، تابندہ دنوں کو بھی
 ہمیشہ مذہبِ اسلام کا کلمہ رہا لب پر
 بغیر اسعد مدنیؒ ” جہاں اچھا نہیں لگتا
 مرے پیارے وطن کا فخر سے سر اُونچا ہے اب تک
 حدیثِ پاک تھی وردِ زباں تا زندگی ، پیہم
 حسین احمد مدنیؒ ” کو دُنیا یاد کرتی ہے
 زمانہ عمر بھر رویا کرے گا واسطے تیرے
 خدا توفیق بخشے مجھ کو میں دیکھوں مدینہ کو
 تمنا تھی ترا دیدار ہوتا زندگانی میں
 تمہاری قبر پر ہو رات دن انوار کی بارش
 منور دل کی گہرائی سے یہ آواز آتی ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

ہستی تیری علومِ حقیقت کی کان تھی

اے دیوبند! تجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے
ماضی کو وہ مہیب فسانہ بھی یاد ہے
یعنی مقیمِ ظلمتِ خانہ بھی یاد ہے
آزادیِ وطن کا دوانہ بھی یاد ہے

رکھا تھا تیری خاک میں عزت نشیں جسے
کیونکر بھلا سکے گی تری سرزمین اُسے

اے ”میر ہند“ اُف یہ ترا عظمت و وقار
ہندوستان میں قاسمِ ملت کی یادگار
اے وارثِ رشید ترے نام پر نثار
اسلامیانِ ہند کو تو وجہ افتخار

ہستی تری علومِ حقیقت کی کان تھی
باقی ابھی اکابرِ اُمت کی شان تھی

اے رہنمائے ملک وطن میرِ حق پسند
نازاں ہے تیری ذاتِ گرامی پہ دیوبند
کتنا ترا مقامِ فضیلت ہے ارجمند
ہر ذرہ تیری خاک کا گردوں سے سر بلند

تھی تیری ذاتِ شانِ حقیقت لیے ہوئے
اسلاف کا وہ رُعبِ جلالت لیے ہوئے

جہد و عمل کی شان لیے حریتِ مآب
ظلمت کی شب کو چاک کرے مثلِ آفتاب
یارب عطا ہو قوم کو وہ جذب و اضطراب
جاگ اٹھے جس کی شورشِ پیہم سے انقلاب

کر دے عیاں اکابرِ اُمت کی شان کو
ہو سوزِ ”میر ہند“ عطا ہر نوجوان کو

اے قوم اٹھ کے قائدِ ملت کو دیکھ لے
روشن گر چراغِ ہدایت کو دیکھ لے
مدفن میں اہلِ دل کی امانت کو دیکھ لے
وہ سو رہا ہے، یوسفِ حکمت کو دیکھ لے

شوریدہ سر جو موجہ بادِ صبا ہے آج
کنجِ لحد میں اسعدِ شیریں نوا ہے آج

اللہ اُس کے عزمِ مقدس کی طاقتیں
لائیں نہ تابِ قوتِ باطل کی نخوتیں
ابھیں چراغِ نورِ ہدایت سے ظلمتیں
دہشت میں مبتلا تھیں یزیدی حکومتیں

اربابِ حق کا عزمِ حقیقت پناہ ہے
اسلام کا فسانہ ماضی گواہ ہے

وہ جس کا ہر قدم تھا تمنائے انقلاب
وہ جس کا ہر نفس تھا مجاہد کا بیج و تاب
اسلام کا نقیب تھا وہ حریتِ مآب
جس کی صدائے حق سے تھا باطل کو اضطراب

بے مثل اپنے شوقِ شہادت کے رنگ میں
جیسے مجاہد برسرِ پیکار جنگ میں

جو زندگی میں موردِ الزام ہی رہا
لیکن پناہِ عظمتِ اسلام ہی رہا
عالم میں مشقِ گردشِ ایام ہی رہی
تبلیغِ حریت سے مگر کام ہی رہا

جو ختم ہوا تھا خالقِ اکبر کے سامنے
وہ سر نہ جھک سکا کسی خود سر کے سامنے

جنوبی افریقہ آمد منظوم استقبالیہ

حضرت مولانا سید اسعد مدنی "بلند پایہ عالم دین، ملک و ملت کے بے مثال رہنما اور جمعیت علمائے ہند کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ حق تعالیٰ نے بے مثال باریک بینی، بالغ نظری اور عجیب و غریب سیاسی بصیرت سے نوازا ہے۔ امیر الہند کے لقب سے ملقب اور پورے ہند میں مسلمانوں کے ہر و عزیز رہنما ہیں۔ مسلمانان ہند کے لئے آپ کی خدمات تاریخ ہند کا تابناک باب ہے۔ آپ کی جنوبی افریقہ آمد کے موقع پر شیخ الحدیث مولانا رضاء الحق مدظلہ نے بعض احباب کی فرمائش پر یہ استقبالیہ نظم کی تھی، نذر قارئین ہے۔

ہر طرف بادِ صبا کا ہے گزر آہی گئے
ہاں امیر الہند سید معتبر آہی گئے
صاحب علم و عمل، بالغ نظر، آہی گئے
وادی شفق ہے جن سے ترتر آہی گئے
جس نے باطل کو کیا زیر و زبر آہی گئے
قوم کے احوال سے ہیں باخبر آہی گئے
قوم و ملت کے لئے ان کا سفر آہی گئے
پرتو انوار وہ رشکِ قمر آہی گئے
یہ ہماری ہے دعا شام و سحر آہی گئے
پی رہے ہیں دم بدم خونِ جگر آہی گئے
منذ ایام فکنت المنتظر آہی گئے
عزوة و تقی و انسان البصر آہی گئے
کہہ رہی ہے خیر مقدم، خوب تر آہی گئے
بیکرِ اخلاص، قصہ مختصر آہی گئے
خیر مقدم کہہ رہے ہیں بحر و بر آہی گئے
اے رضا شیخ طریقت نامور آہی گئے

ہو مبارک سب کو شیخ دیدہ و آہی گئے
مُسترت ان کی آمد پر سعادت ہے قدوم
ان کی آمد سے ہوا ہے ذرہ ذرہ آفتاب
جو شرافت کے فلک پر درخشاں ہیں روز و شب
رہنما و رہبر و دین نبی کا باغباں
سب نے ان کو چن لیا ہے وہ امیر الہند ہیں
پر وقار و قائدِ حق، شیر دل، شیریں زباں
ان کے فیضِ عام سے سیراب ہے ہر خاص و عام
یا الہی تو عطا کر دے انہیں عمر دراز
قوم و ملت کے لئے اللہ یہ محنت یہ غم
یا فقید المثل فی الاکناف قواد الوری
ذاک نجل الشیخ مولانا حسین احمد فذا
ساؤتھ افریقہ کی ساری ملت بیضا انہیں
حیثہ تحریر میں آتی نہیں ان کی صفات
ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے آپ کو خوش آمدی
حاملِ علم شریعت، ہیں سیاست کے امام

پروفیسر ریحانہ تبسم فاضلی

علامہ عثمانیؒ نمبر پر ایوارڈ کا اعزاز

محترمی و مکرمی مولانا عبدالقیوم حقانی

السلام علیکم : فون پر آپ کی خیریت معلوم کر کے دل مطمئن ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ القاسم کا خاص نمبر مولانا سید اسعد مدنیؒ پر شائع ہو رہا ہے۔ آپ اپنی نظم مولاناؒ پر تحریر کر کے جلد ہی روانہ کر دیں۔ میں نے نہ جانے کس خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے فوراً ہی حامی بھر لی۔ بعد میں میں یہ سوچنے لگی کہ کسی موضوع پر فوری طور پر کوئی نظم لکھنا بہت مشکل ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے میں نے چند قطععات مولانا سید اسعد مدنیؒ کی شخصیت پر تحریر کئے تھے۔ اب ایسی مشفق و عظیم ہستی نے نظم لکھنے کا حکم دیا جن کو میں صرف القاسم کا ہی سرپرست نہیں مانتی بلکہ اپنی جیسی ہزاروں طالبات کا سرپرست مانتی ہوں۔ قلم اٹھایا، اللہ سے مدد مانگی اور پھر ایک نظم اور چند قطععات ہو گئے، جو القاسم کی نذر کر رہی ہوں۔ اللہ کرے آپ کی طرف سے پسندیدگی کی سند مل جائے۔ تین قطععات آپ کی عظیم شخصیت کیلئے.....

اعزاز^(۱) جو حقانی تھے آج ملا ہے
جیسے کہ بہاروں میں نیا پھول کھلا ہے
یادیں جو اکابر کی بھی ہیں تیر دل میں
یہ انہی اکابر کی دعاؤں کا صلہ ہے

یہ تو کہہ سکتی نہیں کہ یہ بڑا اعزاز ہے
تیرے مداحوں کا لیکن یہ حسین انداز ہے
رب عالم جب عطا فرمائے گا اجر و ثواب
یہ پذیرائی اسی اک وقت کا آغاز ہے

اعتراف سعی و کاوش بھی بڑا اعزاز ہے
یہ بھی اظہارِ تشکر کا نیا انداز ہے
وہ جو اخلاص و محبت سے یہاں معمور ہیں
ان دلوں کی دھڑکنوں کا بولتا اعجاز ہے

گر قبول افتدز ہے عز و شرف

فاضلی صاحب اور بچوں کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام۔ میرے گھر والوں اور مجھ ناچیز کو اپنی دعاؤں میں ہمیشہ رکھیں۔ شکر یہ۔
ناچیز ریحانہ تبسم فاضلی

(۱) مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نمبر نکالنے پر آپ کو اعزاز و ایوارڈ سے نوازا گیا۔ (ڈاکٹر صلاح الدین ثانی کی طرف سے)

عاشقِ رسول ﷺ

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ

کارنامے تیرے آبِ زر سے لکھے جائیں گے
 شعلہٴ عشقِ نبی کو اور بھی بھڑکائیں گے
 ایسے اچھے کام تیرے نام کو چمکائیں گے
 چاند سورج کی طرح وہ روشنی پھیلائیں گے
 دیدہٴ دل میں وہ خوشبو کی طرح لہرائیں گے
 بے حسی کی نیند سے سب ہوش میں آجائیں گے
 رفتہ رفتہ یہ ہی ذرے کہکشاں بن جائیں گے
 تیرے فتویٰ قلب و جاں کو حشر تک مہکائیں گے
 خونِ مسلم کو بہر انداز اب گرمائیں گے
 کارنامے قوم کے جذبے کو یہ چمکائیں گے
 کام یہ ہی زیت کا عنوان اب بن جائیں گے
 آئینوں میں اُن چراغوں کی جلا ہم پائیں گے
 ہم دل مضطر کو اپنے کس طرح بہلائیں گے

جب مورخ آج کی تاریخ کو دہرائیں گے
 جب ترے افکار کے جھونکے دلوں تک آئیں گے
 کام جو تو نے کئے انسانیت کے واسطے
 وہ رفاہی سلسلے پھیلے ہیں تیرے ہند (۱) میں
 تیرے ارشاداتِ عالی مرکزِ دین میں
 ساری خلقت جاگ اٹھے گی ترے افکار سے
 تربیت پائی ہے جن لوگوں نے تیرے فیض سے
 دینِ حق کے واسطے ہر سانس تیرا وقف تھا
 قضیہٴ کشمیر اور آسام پر تیرے خیال
 سلسلے میں بابرہی مسجد کے جو تو نے کیا
 کام جو اُردو زباں کے واسطے تو نے کیا
 تو نے چھوڑے ہیں نقوش ایسے رہ افکار میں
 تیری رحلت کی خبر سے دل کو جو صدمہ ہوا

کل تلک تو بولتا گلشن تھا اب خاموش ہے
 ہم گلِ شاداب چنے اب کہاں پر جائیں گے

پروفیسر ریحانہ تبسم فاضلی

قطعات امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی

جب حسین احمد جہاں آب و گل سے چل بے
 اس خلا کو آ کے بھر دے کوئی بھی ایسا نہ تھا
 اُن کی فطرت میں عجب شرم و حیا کا حسن تھا
 میں تبسم کیا بتاؤں کیا تھیں اُن میں خوبیاں
 علم کی عظمت سے اُن کو آشنا تم نے کیا
 تاکہ اپنے دین میں بھی دسترس حاصل کریں
 ہند میں جو شورشیں تھیں سب پہ تھی اُن کی نظر
 سلسلے ملتے تھے اُن کے اپنے شیخ الہند سے
 اپنے کردار و عمل سے تم نے ثابت کر دیا
 روشنی اپنا سفر جاری رکھے گی حشر تک
 مسجدوں کا اور مقابر کا تحفظ بھی کیا
 حق دلانے کے لئے تم نے ہر اک حقدار کو
 یوں تو آنے والے آتے جائیں گے
 بارگاہِ علم میں تیرے بغیر
 مولوی اسعد حسین احمد کا اک عکس جمیل
 حشر تک روشن رہیں گے ماہِ تاباں کی طرح
 شخصیت کا باپ کی بیٹے پہ پڑتا ہے اثر
 شخصیت میں جو حسین احمد کی وصفِ خاص تھا
 جو فتنہ ارتداد کا اٹھا تھا ہند میں
 جب بھی مہِ صیام کا وہ دور آئے گا

اک خلا اُن کے چلے جانے سے جو پیدا ہوا
 آپ نے اپنے تدبیر سے اُسے پُر کر دیا
 وہ حسین احمد کی لہجہ کی حسین تنویر تھا
 سادگی میں ہو بہو وہ باپ کی تصویر تھے
 تم نے مسلم قوم پر تعلیم کے در وا کئے
 یوں جمعیت کے تحت اُن کو وظیفے بھی دیئے
 وہ نگاہِ تجزیاتی اب کہاں سے پائیں گے
 ایسا عالم ہم تبسم اب کہاں سے پائیں گے
 زندہ قومیں زندہ رہتی ہیں کبھی مرتی نہیں
 روشنی ہے روشنی یہ موت سے ڈرتی نہیں
 حوصلہ تم نے سدا مایوس لوگوں کو دیا
 کام بے باکی و ہمت سے سدا تم نے کئے
 سوجھ بوجھ ایسی کہاں سے لائیں گے
 علم کے تیور کہاں سے آئیں گے
 نام اپنے باپ کا کچھ اور روشن کر گئے
 نقش ہائے زندگی میں رنگ ایسے بھر گئے
 اُس کے علم و فضل سے قطرہ بھی بنتا ہے گہر
 شخصیت میں وہ امیر الہند کی آیا نظر
 اس سلسلے میں تیرے عمل یاد آئیں گے
 وہ تیرے اہتمام ہمیں یاد آئیں گے

محمد اصغر مدرس جامعہ عربیہ خادم الاسلام، ہاپوڑ

صد حیف ! آج نازشِ دوراں چلا گیا

دنیا سے ایک نیرِ تاباں چلا گیا
 درد آں کہ قصرِ دین کا درباں چلا گیا
 اس بزم کا وہ شمعِ فروزاں چلا گیا
 وہ رہنما وہ قائدِ ذی شان چلا گیا
 کر کے سبھی کو رنج میں حیراں چلا گیا
 وہ کیا گیا کہ حسنِ گلستاں چلا گیا
 نجم و ہدیٰ و مشعلِ عرفان چلا گیا
 سرخیل قوم و پیکرِ ایماں چلا گیا
 بے مثل قوم کا وہ نگہباں چلا گیا
 عشاق کا وہ دلبر و جاناں چلا گیا
 دکھتے دلوں کے درد کا درماں چلا گیا
 افسوس ہے کہ آج وہ انسان چلا گیا
 وہ شیر وہ مجاہدِ یزداں چلا گیا
 ملت پہ کر کے جاں کو قربان چلا گیا
 وہ سب سے پہلے بے جھجک زنداں چلا گیا
 ہم ناتواں ہیں قوم کا سلطان چلا گیا
 وہ ہادی و قرارِ دل و جاں چلا گیا
 وجہ بقائے شانِ مسلمان چلا گیا

صد حیف آج نازشِ دوراں چلا گیا
 سونی ہے آج انجمنیں محفلیں سبھی
 چھائی ہوئی ہے تیرگی دارالعلوم میں
 غمگین ہے جماعتِ علمائے ہند آج
 سوتا ہے کل جہاں فضائیں خموش ہیں
 مرجھا گیا ہے آج گل و غنچہ و شجر
 ساقی بغیر میکدہ بھی ہو گیا اداس
 ملت کا جو فدائی تھا اور ہند کا امیر
 وہ جانشینِ شیخ تھا وہ میرِ کارواں
 شیدا تھے جس پہ دل سے مریدانِ باصفا
 بے چین غم میں قوم کے سیماب کی طرح
 باطل کے آگے سینہ سپر تھا وہ عمر بھر
 ہر فتنہ و فساد میں جاتا تھا بے خطر
 تھا ملک کے لئے بھی پریشان و فکر مند
 تحریک جبکہ دین کی خاطر چلائی تھی
 دورِ فتن میں جس کا سہارا سبھی کو تھا
 چشمے اہل رہے تھے ہدایت کے جس کے گھر
 تھا اس کو غم کہ ہند میں مسلم ہو سربلند

ہوتی تھی اس کی رائے اصابت لئے ہوئے
 اُمت کے غم میں رات کو روتا تھا زار زار
 پھیلا ہے ترا فیضِ ہدایت کہاں کہاں
 دیوانے تیرے بس ل و بے جاں ہو گئے
 رویا کریں گے دیر تک ارباب ملک و دیں
 تازیت ہو سکے گا نہ ہم سے ادائے شکر
 دیوانے منتظر کہ چنیں گفتگو کے پھول
 کر دے خدایا شیخ کو فردوس میں مکیں
 غمگین آج اصغر ناچیز ہے یہاں

وہ دور ہیں وہ مہر درخشاں چلا گیا
 قربانِ ضیف و خادمِ مہماں چلا گیا
 دنیا سے وجہ بخششِ دوراں چلا گیا
 تو کیا گیا کہ زیت کا سماں چلا گیا
 ملت کے غم میں تھا جو پریشاں چلا گیا
 اُمت پہ کر کے اُن گنت احساں چلا گیا
 خاموش ہو کے شہرِ خموشاں چلا گیا
 دنیا سے آج عاملِ قرآن چلا گیا
 ملت کے سر سے سایہِ یزداں چلا گیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

توضیح السنن شرح آثار السنن للامام النبیویؐ

(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

آثار السنن سے متعلق مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی تدریسی، تحقیقی، درسی افادات اور نادر تحقیقات کا عظیم الشان علمی سرمایہ، علم حدیث اور فقہ سے متعلق مباحث کا شاہکار، مسلک احناف کے قطعی دلائل اور دلنشین تشریح، معرکہ آراء مباحث پر مدلل اور مفصل مقدمہ اور تحقیقی تعلیقات اس پر مستزاد۔
 کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی اور اب نئے کمپیوٹرائزڈ چار رنگہ ٹائٹل، ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار، اساتذہ، طلباء اور مدارس کے لئے خاص رعایت۔

صفحات : 1376 ریگزیں قیمت : 600 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس آباد نوشہرہ

محمد راشد اسعد الرحیمی بیٹوی

استاذ دارالعلوم محمدیہ میل کھیڑلا، میوات

چل بے شیخ زمن

چل بے شیخ زمن اے آج اسعد نامدار
 کچھ نہیں بس آنسوؤں کی بندھ گئی پھر تو قطار
 تیری فرقت کے الم ہیں جھیلنے اب ناگوار
 یاد تیری آئے گی تڑپائے گی جب لاشمار
 چھپ گیا تو ہمیشہ کے لئے کر اشکبار
 ارشد و اسجد کے دلبر سو گئے تم کس کنار
 جا ملے مولیٰ سے اپنے کر کے کتنے شاہکار
 ہم خیالِ حفظِ رحماں اے چمن کے افتخار
 چل بسا محمود کو صدے کا تو پہنا کے ہار
 ہے محمد اور احمد پہ نہایت غم کا بار
 چل بے دارالفنا سے جانب دارالقرار
 ہیں یہ پروانے بنا تیرے اداسی کے شکار
 کیسے بھولیں آہ تجھ کو اے وفا کے تاجدار
 اتباعِ مصطفیٰ میں دن دیئے سارے گزار
 جس کے ایک ایک لفظ سے ملتا رہے گاہق کا پیار
 دانش و حکمت کے پیکر اے شجاعت کے مدار
 تیرے گل بوٹے سبھی ہیں آج بے رو بے بہار
 غم کے مارے یہ بیچارے ہیں پریشاں و غمخوار
 چل بے کر کے مکمل اپنے کل لیل و نہار
 کارواں کے آج رہبر چل بے تربت کے دوار

آہ اے اسلاف کی نامی گرامی یادگار
 یہ خبر مغموم پہنچی ہو گیا دل گریہ زار
 اے حسین احمد کے بیٹے رب کے پیارے ذی مقام
 نازِ ملت نازِ دوراں آہ اے رشکِ جمال
 شفقت و اُلفت کے گلشن مہ وطن شمس الحیاء
 اے محمد ﷺ کے نواسے حیدر و زہرا کی جاں
 نیک سیرت پاک طینت زینت دارالعلوم
 اے تمنائے زکریا او رعلی ندوی کی یاد
 جانشینِ شیخِ اسلام اے امیرِ اولیاء
 چھن گئی خوشیاں بھی مسعود اور مودود کی
 چھوڑ کر یہ پانچ بیٹے غمزدہ دو بیٹیاں
 اے کرم کے ابر بارانِ نسلِ سید کے چراغ
 تقویٰ و اخلاص کے گلدستہ و بحرِ العمل
 یاد میں راتوں کو رب کی آپ رہتے تھے فنا
 داستانِ دینِ حق کی آپ ہیں ایسی کتاب
 مصدرِ فضل و کمال و محورِ حسن و جمال
 اے گلستانِ طریقت اے شریعت کے پہاڑ
 اے ہمارے شیخِ پیارے یہ تمہارے عاشقان
 عاملِ قرآن و سنت حاملِ عالی صفات
 کارواں مایوس ہے بے رونق و بے شوق ہے

فکر اُمتِ آخری دم تک رہا اُن پر سوار
ہو گیا رخصت جہاں سے وہ امیر الہند یار
جراتِ ایماں تیری کیا شیر دل عالی وقار
اُٹھ گئے کیونکہ جہاں سے آج صادق نمگسار
ہو گیا محروم عالم چل بسا وہ جاں نثار
اور کتنا سخت تھا حور و ملک کا انتظار
تھی یہ سن چودہ سو ستائیس قمری سوگوار
صبر کی توفیق دے سب کو میرے پروردگار
جن کی ذاتِ و بات پر سو دل سے ہے راشد نثار

عمر بھر جو خاطرِ ملت تڑپتا ہی رہا
صاحبِ ایماں حقیقی نائبِ حضرت رسول ﷺ
زُعب تھا اغیار میں دہشت زدہ باطل کبھی
ہر طرف ہیں چھا گئی اب رنج و غم کی بدلیاں
وہ تجربے اور جذبے اب نظر آتے نہیں
منتظر تھی کب سے جانے آپ کی جنت بریں
سات محرم پیر کو آخر بلاوا آ گیا
چھوڑ کر جس آل کو اولاد کو وہ چل بے
بارشِ رحمت ہو تیری شیخ پر میرے خدا

ایک دن جانا ہے لازم آدمی غافل نہ ہو
کر لے جو کرنا ہے موقع ورنہ پھر کھائے گا مار

روشن آفتاب

جناب زاہد ٹانڈوی

- ☆ بھگ گیا آخر کو زاہد، ایک روشن آفتاب
- ☆ رہنمائی کے پییر، تھے شجر اک سایہ دار
- ☆ با عمل تھے، با شریعت، سنتوں کے پاساں
- ☆ ظاہر و باطن کا یار و چارہ گر جاتا رہا
- ☆ جانے کیا کیا نقش تھا، اس کے در و دیوار پر
- ☆ فکر ملت نے کبھی نا، چمن سے رہنے دیا
- ☆ ایک ہو جائیں چلو ہم سب خدا کے واسطے
- ☆ لکھنے والوں نے لکھا ہے، جو بھی ان کو خیر سے
- ☆ قید خانہ ہے یہ دنیا، ایک مومن کے لئے
- ☆ ہے دعائے قلب میری، اے مرے پروردگار
- ☆ میرے مولا ہے دعا تجھ سے یہی شام و سحر
- ☆ خاک آخر خاک ٹھہری، زندگی آخر سراب
- ☆ یاد سب کو آئیں گے، وہ محترم عالی جناب
- ☆ ہو نہیں سکتا ہمیں اب ایسا گوہر دستیاب
- ☆ کھو گیا ہے آج ہم سے نسخہ ہائے کیمیاب
- ☆ موت نے جس کو مقفل کر دیا وہ ایک باب
- ☆ نام تھا ان کا ہی سید اسعد مدنی جناب
- ☆ بس یہی ان کا رہا ہے قوم سے اکثر خطاب
- ☆ میں نے ان کو لکھ دیا ہے ماہ تاب و آفتاب
- ☆ یہ حدیثِ پاک میں ہے، من و عن عالی جناب
- ☆ مومنوں کے ساتھ اٹھیں جب اٹھیں یوم الحساب
- ☆ ساتی کوڑ پلائیں، خود انہیں کوڑ کا آب

وہ پیامی تھے وفا کے دیکھنا زاہد میاں

قبر پر ان کی کھلیں گے، موتیا، بیلا، گلاب

ماجد بستوی، جنرل سیکرٹری بزمِ اسلم

فدائے ملت کے اوصافِ حمیدہ

قوم و ملت کے لئے وہ برسرِ پیکار تھا
 ولولہ سینے میں دل میں جذبہ بیدار تھا
 سینہ دل میں وہ رکھتا جذبہ ایثار تھا
 وہ تیسوں بیکسوں بیواؤں کا غمخوار تھا
 کیا سمجھ تھی کتنا اونچا آپ کا معیار تھا
 بت کدہ بھی ان کے دم سے جلوۂ انوار تھا
 رہنما تھا راہبر تھا قوم کا سالار تھا
 کیا حسین کردار تھا وہ کیا حسین گفتار تھا
 عزم و ہمت خالد عبیدہ حیدر کرار تھا
 عزم و ہمت میں سراپا آہنی دیوار تھا
 قوم و ملت کے لئے مرنا کسے درکار تھا
 حق کی خاطر بند ان کا کب لب گفتار تھا
 سر ہتھیلی پر وہ لے کر ہر گھڑی تیار تھا
 وقت کا مرد قلندر تھا کفن بردار تھا
 سر جو دیدے حق کی خاطر وہ وہی سردار تھا
 وہ جمعیت کا علمبردار تھا معمار تھا
 ساری دنیا سے الگ ان کا طریق کار تھا
 سر جدا کر دے جوتن سے وہ وہی تلوار تھا
 گویا میدانِ سیاست کا علمبردار تھا

وقت کا مردِ مجاہد صاحبِ کردار تھا
 کود پڑتا نزعہ باطل میں بے خوف و خطر
 قوم کی افسردگی کو وہ رہا دیتا حیات
 بے وطن کا وہ وطن تھا بے پناہوں کی پناہ
 دشمنوں کو بھی لگاتا پیار و اُلفت سے گلے
 اللہ اللہ فیض ان کا ہر گھڑی تھا فیض عام
 مشعلِ نورِ الہی جس نے روشن کر دیا
 ہو رہی تھی قوم ساری پائے اقدس پر نثار
 وصف میں صدیق تھا فاروق تھا عثمان تھا
 منزل مقصد سے پہلے وہ نہیں کھاتا شکست
 کون کون بربریت کی دھکتی آگ میں
 آنچ آئے قوم پر اور وہ تماشائی رہے
 قوم و ملت کے لئے وہ جاں کو جاں سمجھا نہیں
 راہِ حق میں پائے استقلال کب کھایا شکست
 عزم و ہمت پر زمانہ محو حیرت ہو گیا
 روزِ روشن کی طرح ہے ان کا کردارِ حسین
 اللہ اللہ کیا رہا وہ پیکرِ حسنِ خلوص
 سینہ باطل میں وہ چبھتا ہوا خنجر رہا
 ہر گھڑی رہتی تھی جس پہ ساری دنیا کی نگاہ

جام میخانہ سے ان کے ہر کوئی سرشار تھا
 وہ حسین ابن علی تھا حیدر کرار تھا
 موج تھی گرداب تھی طوفان تھا منجد ہار تھا
 متمماتا سرخ چہرہ کتنا شعلہ بار تھا
 کون سی سوزش تھی جس پر وہ سداخوں بار تھا
 کہہ رہے ہیں جانے والا قوم کا غمخوار تھا
 ظلم کا دشمن عدوئے نخوت و پندار تھا
 جب وطن کو خونِ دل خونِ جگر درکار تھا
 جس کا مرنا جینا ملت کے لئے درکار تھا
 ہر کوئی بیتاب ہو کے طالب دیدار تھا
 منزلِ دشوار کا بھی راستہ ہموار تھا
 میں بھی ان کے میکدے کا ایک بادہ خوار تھا
 درحقیقت وہ غلامِ سید ابرار تھا
 کس قدر لوگوں پہ طاری نشہ دیدار تھا
 وہ قلم خاموش ہے جو تم پہ احساں بار تھا

تھا سراپا خاندانِ حضرتِ مدنی " کی لاج
 زعمِ باطل کانپ جاتا سن کے جن کا نام بھی
 بے خطر لے کر سفینہ قوم کا بڑھتا رہا
 اہلِ باطل خوف کھاتے تھے ملاتے آنکھ بھی
 کون سا وہ درد تھا دل میں رلاتا تھا انہیں
 سوزشِ فرقت میں روئے کیوں نہ ساری کائنات
 دے رہا تھا ساری دنیا کو اخوت کا پیام
 لشکرِ برطانیہ سے کون تھا سینہ سپر
 جس کا سونا جاگنا سب قوم کی خاطر رہا
 آرہی تھی چاروں جانب سے صدا لیک کی
 جب قدم اٹھے کمر باندھی تھکا ہارا نہیں
 یاد نے جس کی بھگا رکھی ہے اب تک آستیں
 نور سے پر نور چہرہ اور ملکوتی صفت
 ہر کوئی بیتاب پھر تا شیخِ مدنی کے لئے
 منتظر کس کے ہو ماجد کون بھیجے گا خطوط

اب نہ وہ ساتی نہ وہ بادہ نہ وہ پیانہ ہے
 دل شکستہ رند ہیں اجڑا ہوا میخانہ ہے

ترتیب : مولانا عبدالقیوم عثمانی

مشاہیر کی علمی اور مطالعاتی زندگی

جناب مدیر "الحق" حضرت مولانا سید الحق صاحب مدخلہ کے سوالنامہ کے جواب میں برصغیر پاک و ہند کے اکابر علماء،
 مشائخ، مصنفین مشاہیر اور دینی و علمی زعماء کی گرانقدر اور وقیع علمی تحریریں، ایک نادر تاریخی شاہکار، علم، مطالعہ اور تبحر کے تجربات کا مجموعہ،
 اسلام کے وسیع اور عظیم کتب خانہ میں نافع اور مفید کتابوں کی نشاندہی، علمی اور مطالعاتی زندگی میں اہل تبحر و توفیق کی توجیح، علماء،
 طلباء، وکلا اور علمی و مطالعاتی ذوق رکھنے والے تمام احباب کے لئے یکساں مفید۔ صفحات : 356۔ قیمت: 150 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ براچی پوسٹ آفس خاق آباد نوشہرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لوح حادثہ جانگاہ دین پرور سید اسعد مدنی

۱۳۲۷ھ

لوح فرزند شیخ الاسلام

۱۳۲۷ھ

بسم اللہ القدوس التواب الرحمن الرحیم

۱۳۲۷ھ

نحمد الخالق العزیز الحلیم و نصلی علی رسولہ الکریم

۲۰۰۶ء

قال الواحد الکریم : کل نفس ذائقة الموت

۱۳۲۷ھ

قال النبی الناصح : الموت جسر یوصل الحیب الی الحیب

۱۳۲۷ھ

وقد لقی ربہ الحی والمتعال ذاکراً

۲۰۰۶ء

غفر الاحد الاول له ☆ ہمسفر شیخ الاسلام

۱۳۲۷ھ

۱۳۲۷ھ

آہ رہنمائے حق، فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی

۱۳۲۷ھ

آہ رکن رکین، وقار اہل مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

۲۰۰۶ء

آہ جانسپار، زاہد پاک مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیتہ علماء ہند

۱۳۲۷ھ

از: نیاز مند، عاصی محمد شاکر الاعظمی • ایجاد شاکر شار منجیر پٹی

۲۰۰۶ء

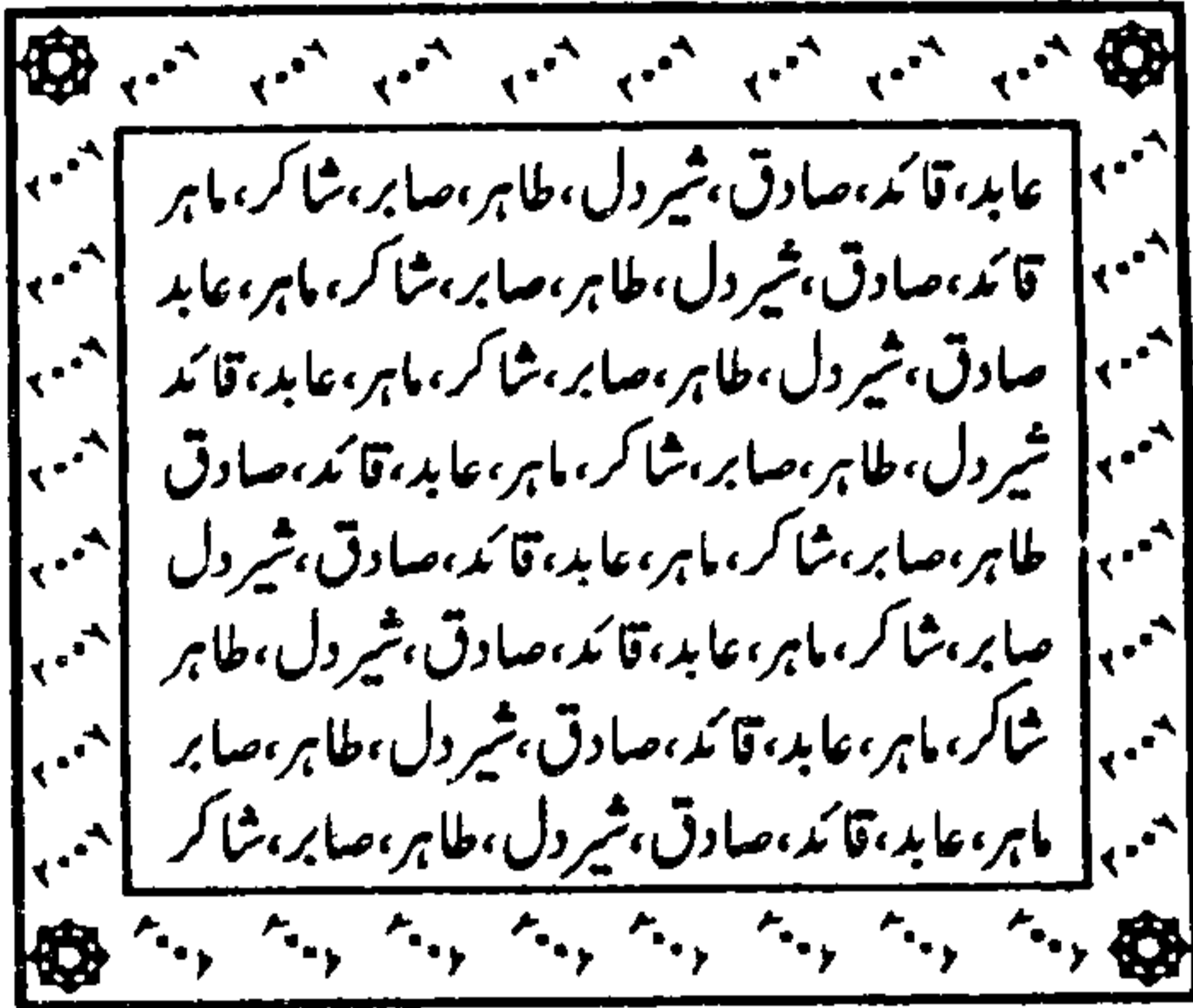
۲۰۰۶ء

صنعت مربع ، پاک لسان امیر الہند

۱۳۲۷ھ

بیان وفات جانشین شیخ اسلام

۲۰۰۶ء



یہ مصرعہ ۶۴ بار پڑھا جاسکتا ہے اور ہر چہار طرف سے حضرت امیر الہند فدائے ملت مولانا سید محمد اسعد صاحب مدنی رکن رکیں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیتہ علماء ہند کا سال رحلت ۲۰۰۶ء برآمد ہوتا ہے جو ۱۳۲۷ھ کے مطابق ہے۔

فرشے آگئے لینے کہ حیف اب ہمیں سکوں آتا نہیں

۲۰۰۶ء

کاوش محبت صادق محمد شاکر القاسمی

۱۳۲۷ھ

زرنجور، ملول محمد شاکر القاسمی

۱۳۲۷ھ

حضرت مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہ

نفس نفس ہے غم نصیبِ زندگی تیرے بغیر

امیر الہند فدائے ملت شیخ العرب والعجم کے نورِ نظر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے سچے جانشین کے وصال پر دل و دماغ پر بہت اثر رہا اور اسی ضمن میں گزشتہ رات خواب میں اپنے آپ کو دیوبند کے قبرستانِ قاسمی میں حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے مزار مبارک کے قریب پایا اور علامہ انور صابری مرحوم کے پُر درد مرعے کا ایک شعر میں بار بار دُہرا رہا ہوں اور اسے دہراتے دہراتے میری آنکھ کھل گئی تو اس وقت بھی زبان پر یہی شعر تھا.....

خزاں کی زد پر آ گیا رشید وقت کا چمن
اُجڑ گئی بہارِ باغِ قاسمی تیرے بغیر
یہ پُر درد مرثیہ ہمارے والد ماجد زاہد العصر شیخ التفسیر حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مرقدہ کبھی کبھار انتہائی سوز و گداز سے پڑھا کرتے تھے اور اس وقت حضرت کی آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات برس رہی ہوتی تھی۔
رحمة اللہ علیہم رحمة كاملة واسعة۔ بار بار دل میں آیا کہ ان مبارک لمحات کو تحریر میں محفوظ کر کے آپ کے ماہنامہ کی وساطت سے تمام عشاقِ مدنی تک پہنچا دوں۔
والسلام مخلص دعا گو و دعا جو

محمد ارشد الحسینی ۲۶ رصفر المظفر ۱۴۲۷ھ

جگر کے داغِ دل کے زخم دکھلانے کہاں جائیں؟
بتا! روح حسین احمد! وہ دیوانے کہاں جائیں؟
اُم کدہ ہے کائناتِ سرمدی تیرے بغیر
خموش ہے چراغِ علم و آگہی تیرے بغیر
وہ نبضِ ذکر و شغلِ دل بھی رُک گئی تیرے بغیر
کہاں گئی تجلی رُخِ نبی ﷺ تیرے بغیر؟
اُبھر رہی ہیں اُلجھنیں نئی نئی تیرے بغیر
ہے بند بابِ فیضِ دیدہ علیؑ تیرے بغیر
نظر میں اپنی ہم بھی خود ہیں اجنبی تیرے بغیر
کرے گا کون بے کسوں کی دلدہی تیرے بغیر؟
اُجڑ گئی بہارِ باغِ قاسمی تیرے بغیر
ہے کون اب وہ جانِ برّ احمدی تیرے بغیر
کسے پکارتا پھرے گا صابری تیرے بغیر؟

سکونِ زندگی کی دوا پانے کہاں جائیں؟
تیرے گیسوئے ہستی سے جُوں کی جن کو نسبت تھی
نفس نفس ہے غم نصیبِ زندگی تیرے بغیر
دماغِ دل سے چھن گئی ہے روشنی تیرے بغیر
حیات و عشق و معرفت کی دے رہی تھی جو خبر
ہیں تا حدودِ چشمِ شوق، ظلمتیں ہی ظلمتیں
کٹیں گی کیسے صبح و شام آرزو کی ساعتیں
قرنِ اولین کی یاد کس کے پاس آئے گی؟
محبّتوں کا وہ مقامِ اتصال اب کہاں؟
عجم کے شیخ، مرہدِ عرب، زعمیم کائنات
خزاں کی زد پہ آ گیا رشید وقت کا چمن
شجاعتِ حسینؑ کو تھا ناز جس کی ذات پر
بنامِ نسبتِ قوی سکونِ روح کے لئے



باب : ۱۳

سفرِ آخرت

ایڈیٹر "نئی دنیا" دہلی

رحلتِ اسعد مدنیؒ ملک و ملت کا ناقابلِ تلافی نقصان

ہندوستان کے شہرہ آفاق عالم دین اور متحدہ ہندوستانی قومیت کی سب سے بڑی علمبردار مذہبی تنظیم جمعیت علماء ہند کے صدر، امیر الہند مولانا اسعد مدنیؒ نے پیر (۶ فروری) کی شام بعد نماز مغرب دہلی کے اپولو ہسپتال میں جہاں وہ پچھلے تین ماہ سے زیر علاج تھے، داعی اجل کو لبیک کہا اور اگلی صبح بعد از نماز فجر دیوبند میں سپردِ خاک کئے گئے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ایک سچے غمخوار اور ایک درد مندر ہنمانے جس وقت اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا، مغرب کے اُفق پر سورج ڈوب چکا تھا اور جب انہیں سپردِ خاک کیا گیا مشرق کے اُفق پر اگلی صبح کا سورج طلوع ہونے کو چل رہا تھا۔ علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی جیتی جاگتی تفسیر ہماری نگاہوں کے سامنے تھی.....

جہاں میں مردِ مؤمن صورتِ خورشید جیتے ہیں

ادھر ڈوبے ادھر نکلے ، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

مولانا مدنیؒ نے زندگی بھر ہندوستانی مسلمانوں کو ایک باعزت زندگی دلانے کی جنگ لڑی۔ ملک کے سیاسی و سماجی نظام میں ایک مؤثر اور باوقار کردار ادا کرنے کی راہیں ہموار کرنے کی جدوجہد کی تاکہ وہ دنیا میں سر اٹھا کر جی سکیں اور اس دارِ فانی سے گئے تو جاتے جاتے بھی اُمتِ مظلوم کو زندگی کا پیغام دے گئے۔ وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین اور ان کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ قومی و ملی خدمت کا جذبہ انہیں وراثت میں ملا تھا۔ ان کے ممتاز والد نے ملک کی تحریکِ آزادی میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ شخصی آزادی، خاندان اور عیش و آرام سب کچھ نثار کر دیا تھا۔ قید و بند کی صعوبتیں تک برداشت کی تھیں، جن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ سیاسی، سماجی، دینی اور علمی زندگی کے گونا گوں میدانوں میں قیادت کے فرائض بخوبی انجام دیئے۔ پیرانہ سالی کے باوجود انتہائی عزم و استقلال کے ساتھ وہ اپنی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔ ان کی قیادت میں جمعیت علماء ہند ہندوستانی مسلمانوں کی ایک مؤثر آواز اور تعمیر ملت کے داعی و نقیب کی حیثیت سے اُبھری۔ مولانا اسعد مدنیؒ نے اس خلاء کو پُر کرنے کی بڑی سخت جدوجہد کی تھی جو مجاہد ملت مولانا حافظ الرحمن کی رحلت سے پیدا ہوا تھا، اور اس راہ میں انہیں ایک حد تک کامیابی بھی ملی۔ ان کے دور میں جمعیت علماء ہند نے فرقہ

وارانہ فسادات کے متاثرین کی راحت رسانی اور آبادی کاری کا جو گرانقدر کام کیا، وہ ناقابل فراموش ہے۔ قومی وحدت کا جو نظریہ انہیں اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا، وہ اس پر ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ متحدہ قومیت کے نظریہ سے ان کی سچی وابستگی نے جمعیت علماء ہند کے سیکولر اور انسان دوست کردار کو قائم رکھا۔ انہوں نے اپنے کارکنوں اور عقیدت مندوں کو کبھی اس روش سے بال برابر بھی ہٹنے نہیں دیا، حالانکہ اس دوران آزمائشوں کے کئی مرحلے ایسے آئے جب اس راہ پر چلنا کٹھن ہو گیا تھا۔

بابری مسجد کی شہادت اور گجرات کے فسادات کے دور میں بھی جب ہندوستانی جمہوریت اور سیکولر ازم کے بڑے بڑے قصیدے خوانوں کا ایمان ڈگمگا گیا، جمعیت علماء ہند نے اپنے سیکولر جمہوری کردار اور متحدہ قومیت کا دامن نہیں چھوڑا۔ وہ برصغیر میں امن و امان اور ہندوپاک میں ایک مضبوط ترین علمبردار کی حیثیت سے بھی برصغیر میں عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ انہوں نے اس موقف کو تقویت پہنچانے کے لئے اپنی زندگی کے آخری تین چار برسوں کے دوران جدوجہد کافی تیز کر دی تھی۔ ضعف پیری کے باوجود پاکستان کے دورے کئے اور جمعیت علماء اسلام (پاکستان) کے رہنماؤں کو اس کے لئے کام کرنے پر آمادہ کیا۔ یہ اس لئے ممکن ہوا کہ ان کی شخصیت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے جانشین کی حیثیت سے جس طرح ہندوستان میں احترام و عقیدت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی، اسی طرح پاکستان میں بھی۔ مولانا کی رحلت کے بعد علماء کی صفوں میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو دونوں ملکوں میں یکساں احترام و عقیدت کا حامل ہو۔ وہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں علمائے دین کے سرگرم کردار کی آخری علامتوں میں سے ایک تھے۔

برصغیر میں رنج و غم کی لہر :

۶ فروری کی شام مولانا اسعد مدنی کی رحلت کی خبر جیسے ہی پھیلی ملک و بیرون ملک ان کے چاہنے والوں میں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں تعزیتی جلسے ہونے لگے۔ ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا ایک لانتنا ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ دنیا بھر میں مولانا کے ہزاروں چاہنے والوں کا رُخ دہلی اور دیوبند کی طرف تھا، جو ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے چل پڑے تھے۔

غیر ملکی وفد میں سب سے بڑی جماعت پاکستان سے آئی جس میں پاکستان کی قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ۱۶ ارکان شریک تھے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے قائد مولانا فضل الرحمن سمیت قومی اسمبلی کے ۸ ارکان، مختلف صوبائی اسمبلیوں کے ۷ ارکان اور بلوچستان کے وزیر مولانا حافظ مطیع اللہ پر مشتمل اس وفد نے اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے نئی دہلی میں نامہ نگاروں سے کہا کہ دیوبندی مکتب فکر کے مسلمان مولانا مرحوم کو پاکستان میں بھی اپنا سب سے بڑا رہنما تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی موت پر پاکستان میں

بھی دور دور تک غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ قومی اسمبلی کے رکن حافظ حسین احمد بتاتے ہیں کہ جس وقت مولانا مدنی کے انتقال کی خبر انہیں ملی، وہ اسلام آباد میں پارلیمنٹ کی عمارت میں تھے، کیونکہ آج کل پارلیمنٹ کا اجلاس چل رہا ہے، وزیراعظم شوکت عزیز نے پارلیمنٹ کو بھی اس کی خبر دی اور پارلیمنٹ کی کارروائی روک دی گئی۔

پاکستان کے سبھی ٹی وی چینلوں اور ریڈیو نے اس خبر کو خاص اہتمام کے ساتھ نشر کرنا شروع کر دیا، پھر وزیراعظم نے خصوصی طیارے کا بندوبست کیا اور ہندوستانی ہائی کمشنر ٹکنر مینن نے رات ۱۲ بجے اپنا دفتر کھلوا کر ویزے پر مہر لگائی تاکہ جمعیتہ علمائے اسلام (پاکستان) کی قائدین اپنے محبوب رہنما کے جنازے میں شریک ہو سکیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر موقع ملتا تو پاکستان سے ہزاروں لوگ جنازے میں آتے۔ بہر حال تاریخ میں پہلے کبھی کسی کے جنازے میں پاکستان سے اتنا بھاری بھر کم وفد ہندوستان نہیں آیا تھا۔

القاسم اکیڈمی کی تازہ، عظیم اور شاہکار علمی پیش کش

شرح شمائل ترمذی (تین جلد مکمل)

ایک عظیم خوشخبری

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ایک نادر تحفہ

حدیث کی جلیل القدر کتاب شمائل ترمذی کی سہل و دلنشین تشریح، سلجھی ہوئی سلیس تحریر، اکابر علماء دیوبند کے طرز پر تفصیلی درسی شرح، لغوی تحقیق اور مستند حوالہ جات، متعلقہ موضوع پر ٹھوس دلائل و تفصیل، رواد حدیث کا مستند تذکرہ، متنازع مسائل پر تحقیق اور قول فیصل، معرکہ الآراء مباحث پر جامع کلام، علماء دیوبند کے مسلک و مزاج کے عین مطابق، جمال محمد ﷺ کا محدثانہ منظر، نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے، اردو زبان میں پہلی بار منصفہ شہود پر جدید ایڈیشن میں تمام حوالہ جات اور عربی عبارات کا بھی اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

صفحات : 1608 ریگزیں قیمت : 750 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

ادارہ ندائے شاہی

لوگِ خضرِ کاروانِ حال کہتے ہیں تجھے

حضرت امیر الہند کی وفات کی خبر ملت اسلامیہ پر ایک صاعقہ بن کر گری، ہر طرف ایصالِ ثواب، تعزیتی جلسوں اور دعائے مغفرت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا، اور ملت کے ہر طبقہ نے آپ کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ انہی میں سے آپ کے ہم عصر علماء کے چند منتخب تاثرات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں جو عموماً تعزیتی جلسوں کی تقاریر سے ماخوذ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے تعزیتی جلسہ کی مفصل رپورٹ ہمیں حضرت مولانا شوکت علی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ موصول ہوئی۔ اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے زیر اہتمام منعقدہ عظیم الشان تعزیتی جلسے کی تفصیلات مولانا عمران اللہ صاحب قاسمی نے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ مرتب فرمائیں۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ (مرتب)

دارالعلوم کی بے لوث و بے مثال خدمت

حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے جذبات رنج و غم اور دلی تاثرات میں فرمایا، حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی وفات ہم سب کے لئے بہت بڑا اندوہ ناک سانحہ ہے، بحر ان کے وقت میں دارالعلوم دیوبند کی ذمہ داری کا بار میرے کاندھوں پر رکھ دیا گیا، مالی اعتبار سے بڑی پریشانی تھی، مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں یہ موضوع زیر بحث آیا، انتشار کا وقت تھا، چندہ نہیں ہو رہا تھا، کبھی دس روپے کا منی آرڈر آتا، کبھی ۲۰ روپے کا، حضرت مولانا نے اس بحرانی اور مشکل ترین وقت میں دارالعلوم دیوبند کی بے لوث اور بے نظیر خدمت کی۔ حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ مجلس شوریٰ میں تشریف لائے اور روپیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا مجلس شوریٰ میں پیش کیا جس میں دارالعلوم کے ۹ ماہ کے خرچ کے برابر خطیر رقم تھی۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے بحرانی دور میں اتنی بڑی رقم اتنی کم مدت میں فراہم کر کے پیش کرنا یہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی ہی کا کام ہے کسی اور کے لئے ممکن نہیں، انہوں نے نظام بہتر کرنے پر پوری توجہ دی۔ طلبہ عزیز کے معاملات سے خصوصی دل چسپی لی، ان کے وظائف بڑھوائے ان کے قیام و طعام کا نظم بہتر کرنے پر زور دیا۔ دارالعلوم میں حضرت کی رحلت سے بڑا زبردست خلا پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی خدمات قبول فرمائے، اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، دارالعلوم دیوبند کی اور جمعیۃ علماء ہند اور تمام مذہبی اداروں اور مسلمانان ہند کی حفاظت فرمائے۔

کشادہ دل، مرد مومن تھے مولانا مرحوم

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم وقت دیوبند نے فرمایا کہ: مولانا سید مدنی اپنے اجتماعی فکرو ذہن اور اعمال و خدمات کی وسعتوں کے لحاظ سے ملت اسلامیہ کی

ایک معتبر و متعارف شخصیت تھے، اسی لحاظ سے ان کی وفات سے عمومی طور پر غیر معمولی غم محسوس کیا گیا ہے۔ مولانا مرحوم اختلاف اور اتفاق میں بھی اصولوں کو اہمیت دیتے تھے، نفاق کا مزاج میں دخل نہیں تھا ان کا ظاہر اور باطن یکساں تھا، ماضی میں باہمی روابط میں فی الجملہ فرق سے پیدا شدہ جماعتی بُعد میرے لئے طبعی طور پر تکلیف دہ تھا، اسی لئے تمام حوادث سے صرف نظر کرتے ہوئے جب میں نے مولانا سے رابطہ قائم کیا، تو مجھے بے حد خوشی اور مسرت محسوس ہوئی کہ مولانا مدنی نے حسب توقع فراخ حوصلگی سے لبیک کہا اور اس کے نتیجہ میں الحمد للہ تمام جماعتی بعد ختم ہو گیا اور زمانہ طالب علمی کے خوشگوار لمحات کی یاد ایک مرتبہ پھر سے تازہ ہو گئی، اختلافات کو درکنار کر کے انہوں نے میرے اور اپنے دیرینہ تعلقات کو جو بعض وجوہات کی بنا پر کشیدہ ہو گئے تھے پھر سے استوار کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی، بعض حضرات نے تعلقات کی استواری کو طرح طرح کے معنی پہنائے لیکن مجھے اطمینان تھا کہ ہم دونوں کے درمیان ایک جذبہ صادق تھا جو اس کی وجہ بنا، جہاں تک مولانا کے کام اور خدمات کا سوال ہے وہ اظہر من الشمس ہے، عمر کے آخری پڑاؤ پر بھی وہ ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبودی کے لئے سرگرم عمل رہے۔

ابرسخا، کرم نفسی کے پیکر تھے

حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری، شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند نے اپنے نثرات ان الفاظ میں ظاہر فرمائے: مولانا اسعد مدنی کے والد مرحوم مرشد کامل، سپاہی مجاہد، نڈر انسان، سخی بلکہ ابرسخا، کریم، کرم نفسی کے پیکر تھے، مولانا اسعد مدنی صاحب مرحوم نے اپنی ان آبائی روایات کو بڑی حد تک نبھایا، وہ جمعیت العلماء کے صدر نشین رہے، دارالعلوم دیوبند کے قائد، مسلم فنڈ دیوبند کے بانی اور بہت سی ملی و ملکی تحریکات کے معمار و شریک تھے۔ خانقاہ مدنی ان کے انفاس سے گرم، ہندوستانی سیاست ان کے آتشیں نفوس سے پتہا ہوا ماحول، مستعد، فعال دوڑ دھوپ، جدوجہد ان کا امتیاز، لاریب وہ وسیع الحوصلہ و فراخ دل تھے، انہوں نے بڑے سے بڑے مجرم کو بھی معاف کرنے میں تامل نہ کیا جس کا مظاہرہ خاتمہ عمر تک بھی ہوتا رہا، کون ایسا ہے جس کی تمام زندگی اختلاف کی زد میں نہ ہو؟ چنانچہ مرحوم کی سیاسی مصروفیات پر اشکالات بھی رہے اور بے چیدیاں بھی، تاہم وہ ہر مخالفت کو برداشت کرتے، اور مصلحت شناسی ان کا عنصر غالب تھا، اپنے نامور باپ کی ہر گوشہ میں جانشینی کی اور کافی حد تک اس کا حق ادا کیا۔

عوامی خدمت اور تزکیہ نفس کا مثالی امتزاج

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے فرمایا: مولانا سید اسعد مدنی کی وفات ایک اہم حادثہ ہے ملت اسلامیہ خصوصاً مسلمانان برصغیر کو قدم بہ قدم ایسی باغ نظر شخصیات کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، جو علم و عمل کا حسین آئینہ دار ہو۔ درحقیقت انہوں نے اپنے عظیم والد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی صحیح جانشینی اختیار کی اور انہوں نے ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے لیے بڑی جانفشانی سے کام لیا، تاریخ میں ایسی کم شخصیات گزری ہیں جنہوں نے سیاست کے ساتھ

اصلاح باطن کو بھی جمع کیا اور عوامی و سماجی زندگی میں رہتے ہوئے بھی علمی اشغال اور تزکیہ نفس کی طرف توجہ کی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے پوری ایمانی جرأت و حمیت کے ساتھ انگریزوں سے مقابلہ کیا تھا اور متعدد بار جیل بھی گئے، وہ ایک ربانی بزرگ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور ہندوستان کی جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے، دوسری طرف تربیت و تزکیہ نفس اور دعوت و اصلاح کا کام بھی کرتے تھے، ان سب خصوصیات کو ان کے فرزند اکبر مولانا سید اسعد مدنی نے اپنے اندر جمع کرنے کی کوشش کی، چنانچہ وہ تعلیم و تدریس سے بھی وابستہ رہے، انہوں نے دعوت و اصلاح کے کام کے ساتھ سیاست کے میدان کو بھی اختیار کیا، جس کی انہوں نے ملت کے فلاح و بہبود کے لئے ضرورت سمجھی، چنانچہ انہوں نے پارلیمنٹ کی سطح سے مسلم مسائل کے حل کی کوششیں کیں، انہوں نے مسلمانوں کے مسائل کو اعلیٰ حکام و ارباب اقتدار تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا، انہوں نے عرب ممالک کے بھی دورے کئے، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے پروگرام میں بھی مدعو کئے جاتے تھے، جمعیت علماء ہند کے وہ صدر رہے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور متعدد اداروں کے سرپرست و روح رواں تھے، ان کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔

مولانا اسعد مدنی عالم اسلام کی مثالی شخصیت تھے

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ : مولانا مدنی نہ صرف ایک عالم دین تھے بلکہ عظیم الشان بھی تھے، مولانا مدنی ہندوستان کے ہی نہیں عالم اسلام کی مثالی شخصیت تھے۔ مولانا فضل الرحمن صاحب سولہ رکنی وفد کی قیادت کرتے ہوئے مولانا مدنی کے ابدی سفر میں شرکت کے لئے خصوصی طیارے سے دیوبند آئے تھے، تاخیر کی وجہ سے مولانا فضل الرحمن صاحب کو نماز جنازہ تو نہیں مل سکی، مگر انہوں نے مولانا مدنی کی آخری آرام گاہ پہنچ کر ایصال ثواب کیا، دارالعلوم کے مہمان خانہ میں مولانا مدنی کے خاندان کے افراد کے ساتھ تعزیت کی، انہوں نے کہا کہ مولانا مدنی قومی یکجہتی کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات میں ہمیشہ بہتری لانے کی کوشش کرتے رہے تھے، مولانا نے کہا مولانا مدنی کے اندر ہمدردی عم گساری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ پاکستان میں ہلاکت خیز زلزلہ آیا تو مولانا مدنی نے کروڑوں روپیہ وہاں روانہ کیا، مولانا فضل الرحمن صاحب نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا مولانا اسعد مدنی جیسی شخصیت صدیوں میں جا کر پیدا ہوتی ہیں۔

عظیم باپ کی اداؤں کے امین

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب (صاحب زادہ حضرت شیخ الحدیث) سرپرست جامعہ مظاہر علوم سہارن پور نے فرمایا : بھائی اسعد صاحب مرحوم کا تعلق میرے والد حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ساتھ جتنا مجانبہ اور بے تکلفانہ تھا اس کو دیکھنے والے آج بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب مولانا اسعد صاحب اپنے معاملات اور مسائل چاہے وہ گھریلو

ہوں اور چاہے ملی و دینی ہوں، میں مشورہ کرنے کے لئے بہت کثرت کے ساتھ سہارن پور کے گھر میں تشریف لایا کرتے تھے۔ عام طور سے یہ آذان اور نماز فجر کے درمیان ہوا کرتی تھی، وہ تشریف لاتے اور خاموشی کے ساتھ تھکے میں والد ماجد سے مشورہ کر کے فوراً روانہ ہو جایا کرتے تھے، حضرت والد صاحب بھی ان کے ساتھ بہت بے تکلف ہو کر بات کیا کرتے تھے، اور عام طور پر زبانی گفتگو میں یا خط و کتابت میں پیارے اسعد کہہ کر مخاطب ہوا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا مرحوم نے تحریک شروع کی اور اس کے لئے گرفتار ہو کر سہارن پور جیل گئے اور والد ماجد کو اس کی تفصیلات کا علم ہوا تو ان کو سن کر بے اختیار یہ جملہ فرمایا تھا کہ ”اب اسعد اپنے باپ کی اداؤں پر آگیا“، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور ان کی تمام دینی و ملی نشانیوں کی بالخصوص دارالعلوم اور جمعیتہ العلماء کی پوری پوری حفاظت فرمائے اور اپنوں وغیروں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

قوم و ملت کے سرپرست اور جماعت کے ستون اعظم

حضرت مولانا عبد الحق صاحب اعظمی دامت برکاتہم شیخ ثانی دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ قوم و ملت کے سرپرست امیر الہند اور ہماری جماعت کے ستون اعظم تھے، باطل نے کہیں بھی سر اٹھایا، انہوں نے اس کا مقابلہ کیا، ہمارے اطراف میں جماعت اسلامی نے سر اٹھایا تو شیخ العرب و انجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے سب سے پہلے اس کا مقابلہ کیا، بیت العلوم سرانے میر کے جلسے میں حضرت نے فرمایا کہ خوارج، معتزلہ، جمعیہ، جبریہ اور قدریہ کی طرح موذی جماعت بھی ضال اور مضل ہے۔ اسی طرح حضرت امیر الہند نے بھی تمام باطل فرقوں اور جماعتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ موت برحق ہے اسے کوئی نال نہیں سکتا:

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی جان ٹھہری جانے والی جائے گی

لیکن جانے والے مختلف ہوتے ہیں ایک وہ ذات ہوتی ہے جس کی وفات پر زمین و آسمان، شجر و حجر، حتیٰ کہ سمندروں میں مچھلیاں سب رورہے ہیں اس لئے کہ وہ ذات باعث رحمت تھی، اس کی وجہ سے عالم میں رحمت آتی تھی، حضرت کی ذات بھی ملک و ملت اور دنیا کے لئے رحمت تھی، ان میں بڑوں کا احترام اور توقیر بہت تھی آج ہم سب قابل تعزیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

جامع کمالات شخصیت

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب زید مجددہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: تاریخ بتاتی ہے کہ اگر باب اقتدار کے ظلم و جبر کے خلاف علماء کوفہ نے سب سے زیادہ آواز اٹھائی ہے اور ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف سینہ سپر رہے ہیں۔ علماء کوفہ ہی کی طرح علماء احناف بھی ہیں، ہندوستان میں حکومت کے فیصلوں کے خلاف جہاد سب سے پہلے انہیں علماء احناف نے کیا ہے۔ ان سے متاثر ہو کر دوسروں نے بھی یہ کام کیا ہے، علماء احناف میں حضرات علماء دیوبند کا تو طرہ امتیاز یہ وصف رہا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی بڑے کمالات اور اوصاف حمیدہ کی حامل تھی، اپنے معاصرین میں وہ تمام کمالات و خوبیوں کے جامع نظر آتے تھے، وہ سیاست کے میدان میں بھی نمایاں رہے، تعلیم و تدریس کے میدان میں بھی فائق رہے، سلوک و تصوف میں بھی کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ ان کے معاصرین میں کوئی علمی میدان میں نمایاں ہے، کوئی خانقاہی میدان میں ممتاز ہے، کوئی اصلاحی کام میں بڑھا ہوا ہے، لیکن ان تمام کاموں میں جامع حضرت شیخ الاسلام کی ذات تھی۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ان تمام کمالات میں ان کے جانشین تھے، جو جامعیت ان میں تھی وہ ان کے معاصرین میں نہ تھی، وہ بڑے فہم و فراست اور تدبیر کے حامل تھے، فتنوں اور حالات آئندہ کا بہت پہلے ادراک کر لیتے تھے، حضرت نے جو نقوش چھوڑے ہیں، ہم کو انہیں باقی رکھنا ہے۔

باطل کے خلاف سینہ سپر

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم نے فرمایا: ہمارے حضرت اقدس امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی برد اللہ مضجع کی وفات کے صدے میں ہم یہاں اتنی تعداد میں جمع ہوئے ہیں کہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد میں نے یہاں نہیں دیکھی، یہ بڑا مجمع شاہد عدل اور بہترین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو برگزیدہ بنایا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا درجہ عطا فرمایا تھا جو خال خال کسی کو ملتا ہے اور لاکھوں میں کسی کو ملتا ہے، حضرت مولانا کے اندر اتنی زیادہ خوبیاں تھیں، تھوڑے سے وقت میں ساری خوبیاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ دو تین باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں حضرت کی ایک اہم خوبی ان کی تواضع تھی وہ اپنے بڑوں کے سامنے نکمھے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید احمد صاحب نے اپنے ساتھ پیش آمدہ ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک ریلوے اسٹیشن پر حضرت سے ملاقات ہوئی تو حضرت نے ہم چھوٹوں کا بڑا خیال رکھا اور ٹکٹ لینے کے لئے کھڑکی پر لائن میں خود لگ گئے، ہم نے بہت اصرار کیا کہ ہم خود لے لیں گے لیکن حضرت نہ مانے۔ ان کی دوسری بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ باطل کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے وہ باطل سے کپرو و مائز کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ آپ کو ہندوستان میں ان کے علاوہ کوئی نہ ملے گا جس نے مودودیوں سے ایسی ٹکری ہو، اسی طرح پورے ملک کو قادیانیوں کے خلاف حضرت مولانا نے بیدار کیا اور دارالعلوم دیوبند میں تحفظ ختم نبوت کا شعبہ بہت پہلے قائم کرایا، وہ ملک اور دنیا کے حالات سے باخبر رہتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ پاکستان میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیئے جانے کے بعد ضرور ہندوستان کا رخ کریں گے اور ایسا ہی ہوا، انہوں نے غیر مقلدین کا کامیاب رد کیا، اور تحفظ سنت کا نفرنس کی جو بے حد کامیاب رہی، ان کے اندر خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں ان کی وفات سے ساری ملت کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔

صفات محمودہ کی جامع ہستی

حضرت مولانا قمر الدین صاحب استاذ حدیث و سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند زید مجدہم نے فرمایا: حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت

جاری ہے کہ جس ذات گرامی کے ذریعہ سے دین اور ملک و ملت کا کام لینا ہوتا ہے تو اس میں خوبیاں اور صفات بھی ویسی پیدا کر دی جاتی ہیں، حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی ذات گرامی رات میں شب زندہ دار اور دن میں مجاہد و شہ سوار کی مصداق تھی، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے جانشین تھے اور صفات محمودہ کے حامل تھے، انہوں نے ملک و ملت کی خدمت میں اپنی حیات طیبہ کے روز و شب صرف کئے، اپنے راحت و آرام کا خیال نہ کیا، حضرت کے یہاں سب سے زیادہ اہتمام نماز کا تھا ان جیسی نماز پڑھنے والا میں نے کسی اور کو نہ دیکھا، حضرت بڑے سر پرست تھے جو ہر موقع پر دارالعلوم کے لئے اور قوم و ملت کی خدمت کے لئے کمر بستہ رہتے تھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا نے زندگی کا حق ادا کیا

کار گزار مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش زید مجدہم نے فرمایا: حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر جتنا افسوس ہے، ان کی زندگی پر اتنی ہی خوشی بھی ہے، انہوں نے بڑی قابل رشک زندگی گزاری ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زندگی کا حق ادا کر دیا اور بتا دیا کہ دنیا میں اس طرح زندگی گزاری جاتی ہے، ان کی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو دیکھئے، دین کے لئے اور امت کی فکر میں کتنے اسفار کئے، کتنی پریشانیاں جھیلیں، وہ سفر سے بھی تھکتے نہ تھے، یہاں دارالعلوم کی شور مچی ہوتی، تو ایک دن پہلے معلوم ہوتا کہ وہ فلاں صوبے یا فلاں ملک میں ہیں لیکن وہ دور دراز کا سفر کر کے تشریف لاتے اور شور مچی میں شریک ہوتے، حضرت مولانا کتنے تقویٰ اور عبادت کی زندگی گزارتے تھے سب سے بڑی ان کی خوبی یہ تھی کہ انہیں جس مقصد کے لئے اللہ نے پیدا کیا تھا انہوں نے اس مقصد میں اپنی زندگی گزار دی، مولانا نے اپنی پوری جوانی اس میں لگائی، مولانا نے اپنی دولت اس میں لگائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیماری بھی لگا دو اور مولانا نے بیماری بھی لگا دی، اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ہمہ جہت شخصیت

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب فاسمی استاذ دارالعلوم و مدیر ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" زید مجدہم نے حمد و صلاح کے بعد فرمایا:

ہزاروں سال زگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ☆ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا میرادل و دماغ اس حادثہ جاں کاہ سے بے حد متاثر ہے، میں اپنی معلومات کی حد تک حضرت کی شخصیت پر اس وقت روشنی ڈالنے پر قادر نہیں ہوں، میں ۳۶ سال سے زیادہ عرصہ تک حضرت سے وابستہ رہا ہوں حضرت مولانا کی شخصیت بے حد ہمہ جہت اور ہمہ گیر تھی، حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس ظلمت کدہ ہند میں اسلام کی بقاء و استحکام کے لئے جو تحریک شروع کی تھی اور ان کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جس کو عروج و کمال تک پہنچایا، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ اس تحریک کی آخری کڑی تھے۔ آپ نے زندگی کے

ہر شعبہ میں اپنی ایک چھاپ چھوڑی، وہ ایک طرف پارلیمنٹ میں حق و صداقت کی آواز بلند کر رہے تھے تو دوسری طرف ہزاروں مدارس کے سرپرست تھے۔ وہ مسلمانوں کے مسائل کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے دیوبندیت کے فروغ اور اسلامی عقائد کے تحفظ اور باطل کی سرکوبی کے سلسلہ میں ان کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ دیوبندیت اور مسلک حق پر یلغار ہوتی تو ان کی ذات سد سکندری بن جاتی، ہندوستان میں جب قادیانیوں نے سر اٹھایا یا عیسائیت کی تبلیغ ہوئی یا غیر مقلدین نے جارحیت شروع کی تو حضرت مولانا نے ذمہ داران و اساتذہ دارالعلوم کو متوجہ کیا اور دارالعلوم میں اپنے اثر و رسوخ سے تحفظ ختم نبوت، محاضرات علیہ اور رد عیسائیت کے شعبے قائم کرائے، اسی طرح جب مدارس کے خلاف فرقہ پرستوں نے آواز اٹھائی تو انہوں نے پوری پامردی سے فرقہ پرستوں کا مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔

ملک و ملت فکر مند شخصیت سے محروم

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے فرمایا کہ: ہندو پاک کے مسلمان ایک عظیم عالم و رہنما اور ملک و ملت کیلئے فکر مند شخصیت سے محروم ہو گئے، وہ اپنے عظیم والد کے نقش قدم پر چلتے رہے، جب کبھی دین و ملت کے خلاف کوئی نازیبا بات سامنے آتی تو وہ سینہ سپر ہو جاتے، اور آواز اٹھاتے، متعدد تاریخ ساز اجلاس جمعیت علماء کے پلیٹ فارم سے انہوں نے کیے اور ”ملک و ملت بچاؤ“ کے عنوان سے تحریک چلائی، مولانا اعظمی نے کہا کہ کسی بھی رہنما اور قائد کیلئے یہ خوش نصیبی ہوتی ہے کہ اسے مخلص و جاں نثار معاونین مل جائیں، جو اس کے مشن سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مولانا سید اسعد مدنی کو ایسے رفقاء و معاونین مل گئے تھے، جنہوں نے ان کی مہم اور مشن کو اپنا نصب العین بنایا حتیٰ کہ انہوں نے صورت اور وضع قطع میں بھی اپنے آپ کو مولانا سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، یہ تاثیر مولانا مرحوم کی عند اللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔

عظیم والد کی عظیم اولاد

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا نثر: مولانا مرحوم ایک عظیم باپ کے عظیم بیٹے تھے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علم و عمل کے پیکر تھے، مولانا نے بھی ان صفات کو اپنے اندر اتارنے کی کوشش کی، انہوں نے ملی مسائل کو بغیر کسی مرعوبیت کے پوری قوت و جرأت سے ایوان حکومت میں اٹھایا اور انہیں ارباب اقتدار و حکومت تک اپنی بات مؤثر انداز میں پہنچانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی، موجودہ دور میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، ان کا سیاسی مقام جو تھا وہ اپنی جگہ ہے، ان کا دینی مقام بھی بہت بلند تھا، وہ رخصت پر عزیمت کو ترجیح دیتے تھے، سخاوت و مہمان نوازی اور ایثار ان کی نمایاں صفات تھیں، دو شنبہ کے دن ان کی وفات ہوئی اور اتنے بڑے مجمع نے ان کے جنازہ و تدفین میں شرکت کی جسے ایک تاریخی مجمع کہا جائے گا، یہ سب اچھے آثار و علامات ہیں۔

صحابہ کرام کی جھلک

مولانا امام علی دانش قصبہ محمدی لکھیم پور: حضرت والا کی زندگی صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ تھی، ایک شخص نے صحابہ کرام کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے ”وہم فرسان بالنہار ودرغبان باللیل“ وہ دن میں گھوڑ سوار ہیں، دین کی سر بلندی کے لئے جہاد کرتے ہیں اسلام کو غلبہ دلانے کے لئے قربانیاں دیتے ہیں، اور رات کو کچھ دیر آرام کیا پھر اللہ کے حضور کھڑے ہو گئے نماز پڑھتے ہیں، روتے ہیں، گڑ گڑاتے ہیں، جیسے دنیا کی لذت سے انہیں کوئی واسطہ ہی نہ ہو، تو دن کے شہ سوار اور رات کو رونے گڑ گڑانے والے صحابہ کرام تھے۔ اسی طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بھی ہمہ جہتی زندگی ہے، انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں، حضرت کی زندگی میں صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ کی جھلک موجود تھی،

زندگی کے چند روشن پہلو

حضرت مولانا سید اشہد رشیدی مہتمم مدرسہ اہلی: عزیز ساتھیو! ایک انسان بہت سی خوبیوں کا مالک ہوتا ہے، وہ عالم بھی ہے، ڈاکٹر بھی ہے، بہت اچھا فنکار بھی ہے، مگر ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ دیکھو کہ اس کے معاملات کیسے ہیں؟ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟ اس کا لوگوں سے ملنا جلنا کیسا ہے؟ برتاؤ بھی دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ ہے جو مریدین کے ساتھ ہوتا ہے، متوسلین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ایک وہ جو خاندان والوں کے ساتھ ہوتا ہے، بھائی بہنوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ انسان کی بہتری اور کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے حقوق بھی ادا کرے، اگر حضرت والا کی زندگی پر نظر ڈالو گے تو یہ خوبی پوری طرح روز روشن کی طرح عیاں دکھائی دے گی، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد ان کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پسماندگان میں بچتی ہیں، سب بھائی اور بہن چھوٹے ہیں اور حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی بڑے ہیں، ان تینوں کے سروں پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں، جن کا باپ دنیا سے چلا گیا ان بہنوں کو کون وداع کرے گا، جن کے ہاتھ ابھی پیلے نہیں ہوئے جن کی رخصتی نہیں ہوئی، باپ جن کو نکاح کے بندھن میں نہیں باندھ سکا، ایک صرف بڑا بھائی ہے جس کو لوگ مولانا سید اسعد مدنی کہتے ہیں، اس بھائی نے اپنے بھائیوں اور بہنوں کی ایسی تربیت کی ہے جس کی نظر ملنی مشکل ہے، اس بھائی نے اپنی بہنوں کو، اپنے بھائیوں کو اور اپنی والدہ کو کبھی والد کے جانے کا احساس نہ ہونے دیا، ساری پریشانی خود برداشت کی ان کو کوئی غم نہ اٹھانے دیا۔ حضرت مولانا کی زندگی کا یہ پہلو ہمیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اے مسلمانوں اپنے اقرباء کی اپنے بھائی بہنوں کی حق تلفی سے بچو، ان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرو۔

حضرت کی زندگی میں حقوق العباد کی ادائیگی کا پہلو صاف و شفاف نظر آتا ہے اب حقوق اللہ کو دیکھئے! جن لوگوں نے حضرت کی نماز کو دیکھا ہے، حضرت کے رمضان کو دیکھا ہے، جنہوں نے حضرت کی تلاوت کو دیکھا ہے، جنہوں نے حضرت کے تہجد کو دیکھا ہے اور جنہوں نے حضرت کی رات کو دیکھا ہے وہ گواہی دیں گے کہ اللہ کا یہ بندہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی کبھی غفلت کا شکار نہیں ہوا۔ جس کا ایک پاؤں گھر میں اور ایک پاؤں گھر سے باہر رہتا

ہو، وہ نماز باجماعت کا اتنا اہتمام کرے، اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور جب نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے جب نیت باندھ لیتے اب کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی، نہایت ہی اطمینان سے نماز پڑھتے، ارکان کی ادائیگی کا اس قدر لحاظ کرتے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ حقوق اللہ کو اس قدر دل چسپی سے ادا کرتے تھے، اور پھر حقوق العباد کو صرف اپنے خاندان والوں، اپنے رشتہ داروں تک ہی محدود نہیں رکھتے، بلکہ اس کے احسانات اور اس کے عنایات سے امت کے ہر فرد نے فائدہ اٹھایا ہے۔

یہ ایک عجیب خصوصیت ہے کہ اسلام کے نام پر، قرآن کے نام پر، اللہ کے اور اس کے رسول کے نام پر، باطل کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے تھے، کبھی کسی کے سامنے جھکنے اور مرعوب ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھاتا تھا، اللہ نے اس قدر قوت اور حوصلہ عطا کیا تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک صاحب نے بتایا کہ حضرت کی مغفرت کے لئے ایک ہی کارنامہ کافی ہے کہ حکومت ہند نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آسام کے مسلمان اور بنگال کے مسلمانوں کو غیر ملکی کہہ کر ان کو ہندوستان کی حدود سے باہر نکال دیا جائے۔ بارڈر سے باہر ان کو نکال دیا جائے، اور یہ نا انصافی صرف مسلمانوں کے ساتھ تھی، جو برسوں سے ملک کے اندر رہے تھے، آپ ذرا سوچئے! کہ ان کو غیر ملکی کہہ کر ملک بدر کر دیا جائے کہ بنگلہ دیشی ہیں تو ان مسلمانوں کی بربادی کا کیا عالم ہوگا؟ ان کے پاس رہنے کو مکان نہیں، کھانے کو کھانا نہیں، کیا عالم ہو گیا؟ تنہا مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی ذات تھی، آپ کھڑے ہوئے، جمعیتہ العلماء کو کھڑا کیا، ایک ایک سیاسی لیڈر سے ملے اور بہت ہی جدوجہد فرمائی، جس کے نتیجے میں وہ لاکھوں مسلمان جو در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور تھے، حضرت کی کوششوں سے چین و سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں، یہ سب مسلمان آخرت میں حضرت کی مغفرت کی سفارش کریں گے۔ آج اہانت رسول کا موضوع ہے اگر حضرت زندہ ہوتے تو رسول کی عظمت کی خاطر رام لیلا گراؤنڈ میں حضرت کی آواز پر لاکھوں آدمی لا الہ الا اللہ کا پرچم لہراتے۔

ایک مسلمان آسمانی آفات سے برباد ہوتا ہے یا فسادات کی وجہ سے برباد ہوتا ہے، جو بھی شکل ہو مولانا اسعد مدنی اس کی مدد کے لئے وہاں موجود ہیں، ”خیر الناس من یبضع الناس“ لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے، حضرت کی زندگی سے جو لوگوں کو فائدہ پہنچا، اس کو بیان کرنے کے لئے ایک دن نہیں ہفتے نہیں، اگر اس کو گنایا جائے تو اس کے بیان کے لئے مہینوں چاہئے، ہم سب یہاں پر ان کے محاسن کو بیان کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں کو دو کام کرنے ہیں ایک کام تو یہ ہے کہ حضرت کی زندگی کی جو بات ہمارے سامنے آئے ہم اس کو اپنے دل و دماغ میں پیوست کرنے کی کوشش کریں۔ اولیاء کرام کے واقعات بیان کرنے کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ ہم اس کی روشنی میں خود کو سنوارنے کی کوشش کریں، اور دوسرا کام یہ ہے کہ ان کے رفع درجات کے لئے ایصال ثواب کریں، اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے۔

ہم نے دیکھا تھا ایک فدائے قوم

جناب حافظ محمد صدیق صاحب سابق ایم پی : حضرت کی وفات ہمارے لئے بہت

تکلیف دہ ہے، حضرت کا میرے ساتھ جو شفقانہ اور ہمدردانہ سلوک رہا ہے، اس کو میں ساری زندگی نہیں بھول سکتا، سفر میں ساتھ رہا، دہلی میں ساتھ رہا، اس میں کوئی شک نہیں اعتماد فرماتے تھے، اور میں کبھی کبھی گستاخی کرتا تھا۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ جمعیتہ العلماء کا اجلاس عام رام لیلہ گراؤنڈ میں ہونا طے ہوا، گرمی کا موسم تھا حضرت سے درخواست کی کہ حضرت گرمی کا موسم ہے، فصل کٹے گی، تیاری نہ ہو سکے گی، لوگ نہ آسکیں گے، تو حضرت نے فرمایا کہ اسی موسم میں اجلاس ہوگا اور انشاء اللہ کامیاب ہوگا۔ آپ سب حضرات نے دیکھا کہ اجلاس کامیاب ہوا، اور اس کے نتائج بھی ہمارے سامنے آئے۔ آپ نے سنا، حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ حضرت کی تین زندگیاں تھیں: حضرت جہاں کٹر مذہبی تھے وہاں سیاسی بھی تھے، سماجی بھی تھے، مجھے خوب یاد ہے جب حضرت ایم پی تھے حضرت نے مجھ سے کہا کہ فیض آباد چلنا ہے، وہاں جھگڑا ہو گیا ہے کر فیولگ گیا ہے، حضرت دیوبند سے دہلی کے لئے تشریف لانے لگے، میرٹھ میں ایکسی ڈنٹ ہو گیا، ٹانگ ٹوٹ گئی، اور اسپتال میں ایڈمٹ ہو گئے، میں دہلی پہنچ چکا تھا، اطلاع ملنے پر میرٹھ اسپتال حاضر ہوا، حضرت بے ہوش تھے، ہوش آنے پر فرمایا: تم فیض آباد جاؤ گے اپنا پروگرام کنسل مت کرنا، یہ ان کے اندر تڑپ تھی، کوئی بات وہ مسلمانوں کے بارے میں سننا گوارا نہیں کرتے تھے، ہر موقع پر سینہ سپر ہو کر میدان میں آتے تھے، مسلمانوں کے لئے ایسی تڑپ رکھنے والا انسان مشکل سے پیدا ہوگا، اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی کمی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جیسا کوئی انسان پیدا کر دے اور انشاء اللہ مدنی خاندان میں کوئی اور پیدا ہوگا جو جماعت اور قوم کی رہنمائی کرے گا، یہ اجلاس اس لئے ہو رہا ہے تاکہ ہم حضرت کی سوانح کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو سدھاریں۔ علماء کرام نے حضرت کی نماز کا حال بیان کیا، میں نے خود دیکھا ہے کہ پارلیمنٹ کا اجلاس چل رہا ہے، مجھے بلایا کہ آؤ چلو نماز پڑھیں گے، مسجد عبدالنبی آ کر ایسی نیت باندھی کہ پھر کوئی پتہ نہیں کہ مجھے کہاں جانا اور نہیں جانا ہے، اللہ کے ولی اس کے ایسے شیر بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ ایک بات نہیں ہے بلکہ اگر میں سناؤں تو ختم نہیں ہوں گی، بابر کی مسجد کی شہادت کے موقع پر فساد ہوا، احمد آباد میں مسلمانوں کی املاک کو جلا دیا گیا، اسی طرح بمبئی میں، اسی طرح بھوپال میں، حضرت نے فرمایا چلنا ہے، میں حاضر ہو گیا، گئے ایک ایک چیز دیکھی، ہر جگہ گئے اور نماز جمعہ میں اس طرح کا خطبہ دیا کہ سننے والے سب کے سب رو رہے تھے، ان کے قلب میں درد بھرا ہوا تھا۔

آسام کے چیف منسٹر سے ملتے ہیں کہ مسلمانوں کی املاک کو جلا دیا گیا ہے؟ ان کو نقصان پہنچایا گیا ہے، آپ کو تدارک کرنا ہے اور ان کو معاوضہ دینا ہے، اور ان کے اندر جو احساس کمتری ہے اس کو دور کرنا ہے، اس بات چیت کے بعد مجھ سے فرمایا کہ ابھی اسی شام کی ٹرین سے بمبئی کا سفر کرنا ہے، اس وقت سفر اتنا مشکل ہو رہا تھا کہ مسلمان ڈر ڈر کر سفر کرتے تھے، اسی خوف کی حالت میں بمبئی پہنچے، وہاں پر مسلمانوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا تھا، ان کی بہت ساری املاک جلا دی گئی تھیں، لوگ اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ اپنے متعلقین کو اسپتال میں دیکھنے نہیں جاتے تھے، آپ نے سب لوگوں کو لیا اور اسپتال گئے، لوگوں کے دلوں سے ڈر کو دور کیا، آسام میں ہندو مسلم فساد ہوا، مسلمانوں کی املاک کو جلا ڈالا گیا، ہم اور مولانا سجد مدنی دورہ کرنے گئے، ایسی ایسی جگہ گئے کہ لوگ تصور نہیں

کر سکتے تھے، مسلمان ڈرے ہوئے تھے کمپ میں رہ رہے تھے، ان کے مکان جلادئے گئے تھے، وہ اب تک کمپ ہی میں پڑے ہوئے تھے، چند دنوں کی بات ہے کہ آسام کی راجدھانی گوہاٹی میں اجلاس جمعیت علماء ہور ہاتھا، وہاں چیف منسٹر بھی تھے اور گورنر بھی تھے اور دیگر وزراء بھی تھے ان سب کی موجودگی میں آپ نے کہا کہ آج تک دس سال ہو گئے، ان مسلمانوں کو آباد نہیں کیا گیا، آخر کیا وجہ ہے؟ اور اس بات کا جب چیف منسٹر نے کوئی جواب دیا تو اس سے لاؤڈ اسپیکر چھین لیا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اس طرح کے کام کے لئے ہمت چاہئے، ایسا انسان ہم سب کے بیچ سے چلا گیا ہم سب کو ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنا چاہئے۔

خانوادہ مدنی کا گل سرسبد

حضرت مولانا الطاف الرحمن صاحب شیخ الحدیث مدرسہ حیات العلوم مراد آباد: حضرت مولانا کے خاندان سے میرے خاندان کا قریبی تعلق رہا ہے، اور علمی فیض جو کچھ بھی ہے وہ اسی خاندان کا فیض ہے۔ میرے والد مرحوم کی پرورش اور علمی تربیت حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ نے فرمائی، اور میرے اوپر بھی حضرت کی سرپرستی رہی، میرے والد صاحب مجھے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں لے کر پہنچے کہ حضرت اس کے لئے دعا کر دیجئے، اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیجئے۔ حضرت نے پوچھا کیا نام ہے؟ والد صاحب نے بتلایا کہ: ”الطاف الرحمن“ نام ہے، حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا جاؤ! اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم رہے گا، عنایات رہیں گی۔ حضرت کی خدمات تاریخ کے انمول نقوش ہیں ان کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ حضرت نے مسلمانوں کے اندر وہ اجتماعیت پیدا کی ہے جس کی بہت زیادہ ضرورت تھی، آزادی کے بعد مسلمانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، کوئی ان کا پرسان حال نہیں تھا، حضرت نے اکابر کے ایک بڑے خواب کو پورا کیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کا ایک امیر ہونا چاہئے، جس کی سب لوگ بات مانیں، اس سلسلے میں حضرت نے جمعیت علماء کے دفتر دہلی میں نومبر ۱۹۸۶ء میں ایک بہت بڑا اجتماع کیا، اس میں حضرت نے فرمایا کہ مسلمانوں کا شیرازہ جو بکھرا ہوا ہے، اس کا کوئی علاج نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ان کا ایک امیر ہو، لہذا اس اجلاس میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ امیر الہند منتخب کئے گئے، اور آپ کو نائب امیر الہند منتخب کیا گیا، آج بھی الحمد للہ وہ نظام سارے ملک میں امارت شرعیہ کے نام سے قائم ہے، اور ہمارے شہر مراد آباد میں بھی قائم ہے، اور کافی مسائل طلاق و نکاح کے اس میں حل کئے جاتے ہیں۔

عالم اسلام کی عظیم شخصیت

حضرت مولانا محمد اعلم صاحب مہتمم جامع الہدیٰ مراد آباد: موت برحق ہے، ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے، جب حضور ﷺ اس دنیا میں نہیں رہے تو کون ایسی شخصیت ہے اور کون ایسا فرد ہے جو یہاں باقی رہے گا؟ لیکن جانے والوں کے کارنامے یاد کئے جاتے ہیں اور ان کو یاد کرنا بھی چاہئے، آپ کو معلوم ہے کہ عید گاہ مراد آباد کے میدان میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، اور گل شہید پر چند شہسپندوں کی

شرارت کی وجہ سے پورے علاقہ کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی گئی، آگ و خون کی ہولی کھیلی گئی، لاشیں تڑپ رہی تھیں، انہیں کتے گھسیٹ رہے تھے کسی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ مراد آباد میں قدم رکھ سکے وہ پہلا مرد مجاہد تھا جو مراد آباد میں ایسے حالات میں آیا، وہ مولانا اسعد مدنی ہی تھے جو اس وقت کے وزیر داخلہ گیانی ذیل سنگھ کو مراد آباد لے کر آئے اور انہیں وہ لاشیں دکھائیں کہ یہ ہے آپ کی جمہوریت، اس کی وجہ سے پندرہ اگست کو ملک کی وزیراعظم اندرا گاندھی کو یہ کہنا پڑا کہ میں مراد آباد میں مارے گئے مسلمانوں کی وجہ سے غمگین ہوں، آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں اپنے بیٹے بچے گاندھی کے حادثہ پر منموم ہوں، ایسا نہیں ہے بلکہ میں مراد آباد کے فساد کی وجہ سے منموم ہوں۔ صرف یہی نہیں بلکہ مولانا کی خدمات اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ یہ ہماری امت کا سانحہ ہے کہ جو لوگ کام کرتے ہیں ہم انہیں کوگالیاں دیتے ہیں اور جو شور مچاتے ہیں کام کچھ نہیں کرتے ہم ان کی تعریف کرتے ہیں۔

یہ جمعیت علماء ہند کا کارنامہ ہے کہ اگر آزادی کے بعد ۱۹۴۷ء کے واقعات کے موقع پر جمعیت کھڑی نہ ہوتی اور جدوجہد نہ کرتی اور مسلمانوں کے اندر حوصلہ پیدا نہ کرتی تو وہی حشر ہوتا جو برما کے اندر ہوا، کچھ کوسمندروں میں پھینک دیا گیا، اور کچھ قتل کر دئے گئے، اور بیچارے جگہ جگہ مہاجر بنے ہوئے ہیں، کس مہر سی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر جمعیت علماء سہارا نہ دیتی تو یہاں پر بھی ایسے ہی حالات پیدا ہو سکتے تھے، جمشید پور کا فساد ہوا کس نے آواز اٹھائی؟ جبل پور کا فساد ہوا کس نے آواز اٹھائی؟ حضرت مولانا حفیظ الرحمن صاحب نور اللہ مرقدہ نے جمہوری کنونشن بلا کر یہ کارنامہ انجام دیا، ملک و ملت بچاؤ تحریک چلا کر مسلمانوں کو کس نے یہ حوصلہ دیا کہ وہ میدان میں آئیں؟ اور وہاں جا کر قربانیاں دیں۔ یہ مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی خدمات ہیں کہ آج مسلمان اس قابل ہیں کہ وہ اپنے مطالبات کو برسر عام حکومت کے سامنے رکھ سکتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ کون سا مطالبہ پورا ہوا اور کون سا پورا نہیں ہوا؟ قوموں کی زندگی میں یہ حالات پیش آتے رہتے ہیں لیکن قوم کے اندر حوصلہ پیدا کرنا اس کو اس کے مطالبات کا احساس دلانا، اس میں ہمت و جرأت پیدا کرنا یہ ایک بہت بڑا کام ہے، جس کو الحمد للہ حضرت مولانا نے کر دکھایا۔ ہمیں امید ہے کہ جمعیت علماء اور اس کے اکابر آئندہ دنوں میں بھی یہ کام انجام دیتے رہیں گے، بلکہ ہمیں یقین ہے کہ اس خانوادے کے افراد حضرت کے مشن کو جاری رکھیں گے، حضرت کی کون کون سی خوبیاں شمار کرائی جائیں یہ حسین امتزاج تھا کہ راتوں کو نوافل و عبادت میں مصروف ہیں اور دن کو جمعیت کی میٹنگ چل رہی ہے، پورے دن ریلیف کے لئے دوڑ رہے ہیں، چاہے مسلمانوں کا مسئلہ ہو، چاہے انسانیت کا مسئلہ ہو، زلزلہ آئے، فسادات ہوئے، گجرات میں آپ نے بلا تفریق مذہب و ملت انسانیت کی خدمت کی اور اس سلسلے میں آپ نے کبھی امتیاز نہیں برتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

ہر معاملہ میں سینہ سپر

امام شہر جناب مولانا سید معصوم علی آزاد صاحب : حضرت کی وفات ملت کا ایک

بہت بڑا سانحہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند کا ایک خاص مزاج ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دین کی بھی رہنمائی کرتے ہیں اور دنیا کی بھی رہنمائی کرتے ہیں یہ دونوں باتیں عرصہ دراز سے چلی آرہی ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ قائم رہیں گی، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی قدر و منزلت انسان کے کارنامے اور انسان کی خصوصیات اس کے چلے جانے کے بعد ہی معلوم ہوتے ہیں زندگی میں مولانا نے قوم و ملت کے لئے بہت کچھ کیا ان کے اندر تعمیری جذبہ تھا ہر معاملہ میں وہ سینہ سپر ہو کر سامنے آتے ملک کے ہر شہر میں دہلی اور متعدد مقامات پر آواز بلند کرتے ملت اسلامیہ کی عزت کے لئے اور اس کی حفاظت کے لئے اور اتحاد باہمی کے لئے جدوجہد کرتے تھے اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تجویز تعزیت

بموقع: تعزیتی اجلاس منعقدہ ۹ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۸ فروری ۲۰۰۶ء بروز بدھ بعد نماز ظہر، بمقام مسجد رشید دارالعلوم دیوبند حضرت امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیت علماء ہند و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی وفات حسرت آیات پر، دارالعلوم دیوبند کی جانب سے منعقدہ یہ تعزیتی اجلاس انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے، حضرت مرحوم کا سانحہ ارتحال، موت العالم موت العالم کا حقیقی مصداق ہے، اس سے جو زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا بے حد مشکل ہے، ان کا انتقال پر ملال دارالعلوم دیوبند، جمعیت علماء ہند اور مسلمانان ہند ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا زبردست نقصان ہے۔

وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد

ولکنہ بنیان قوم تہدما

حضرت مولانا مرحوم خلوص و اللہیت، روحانیت و عزیمت اور حق و صداقت کا پیکر جمیل تھے، کاروان شیخ الہند کے سالار اور ملت اسلامیہ کے اس عظیم معمار نے ملک و ملت کی تعمیر، اسلامیان ہند کی دینی و ملی قیادت، ان کی جان و مال کے تحفظ، ان کے بنیادی دستوری حقوق کی بازیابی، اسلامی اوقاف کی نگہبانی، مدارج اسلامیہ کی پاسبانی، مسلم معاشرہ کی اصلاح، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، یکساں سول کوڈ کی مخالفت اور فرق باطلہ کی بیخ کنی کے لئے جو زریں خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ میں آب زر سے لکھی جائیں گی۔

حضرت مرحوم کی شخصیت اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی، جس کا ہمہ جہت فیض مسلمانان عالم اور اسلامیان ہند کے لئے نصف صدی سے زائد عرصہ سے جاری تھا۔ ان کی ہمہ جہتی قیادت سے ملت کو ہر میدان میں فائدہ پہنچا، ملت کے سیاسی مسائل ہوں یا مذہبی، اقتصادی، مشکلات ہوں یا تعلیمی، ہر شعبہ میں وہ ایک دیدہ وراور دور اندیش رہنما کا کردار ادا کرتے تھے، اور اپنی پر عزیمت اور مخلصانہ جدوجہد سے معاملات کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے تھے، قوم ہر نازک موقع پر رہنمائی کے لئے ان کی طرف دیکھتی تھی اور دست گیری فرما کر مردہ قلوب میں نئی روح پھونک دیتے تھے۔

ملت اسلامیہ کے اس میر کارواں کو خالق کائنات نے ذہانت، تدبیر، دوراندیشی، اصابت رائے، بروقت صحیح فیصلہ کی صلاحیت اور پہاڑوں جیسا عزم و حوصلہ عطا فرمایا تھا، اپنے ان اوصاف حمیدہ کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے سب سے عظیم رہنما اور ”ہند میں سرمایہ ملت کے نگہبان“ کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔

جمعیت علماء ہند جیسی عظیم اور تابناک تاریخ کی حامل جماعت کو انہوں نے اکابر کے نچ پر رہتے ہوئے حالات زمانہ کے تحت نئی سمت عطا کی، اس کو مسلمانان ہند کی نمائندہ جماعت کے مقام پر باقی رکھا اور اس کے پلیٹ فارم سے ملت کی ہمہ جہت خدمات انجام دیں۔

ملت اسلامیہ کے اس بے باک قائد نے سیاسی حلقوں اور ایوان حکومت میں بھی ملت کی جرأت مندانہ اور بے باک نمائندگی سے ایک تاریخ رقم کی اور ملت کے لئے فتنوں کے مقابلے میں ڈھال کا کام کیا۔

اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند اور مسلک دیوبند کے لئے ان کی خدمات نہایت وسیع ہیں، دارالعلوم نے گذشتہ سالوں میں تعلیمی اور تعمیری اعتبار سے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اور مختلف میدانوں میں دارالعلوم کی خدمات میں جو وسعت آئی ہے اس میں حضرت مرحوم کی مساعی جلیلہ کا بڑا دخل ہے انہوں نے ہر مشکل اور نازک گھڑی میں خدام دارالعلوم کی رہنمائی فرمائی اور ہر موقع پر دارالعلوم کے لئے سینہ سپر رہے، ان کی ذات مبارک سے خدام دارالعلوم کو بڑی تقویت حاصل ہوتی تھی، آج دارالعلوم کا یہ عظیم معمار ہم سے جدا ہو چکا ہے، اس موقع پر صبر و رضاء کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ **إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَىٰ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسْمًى۔**

اس اندوہ ناک موقع پر یہ تعزیتی اجلاس، حضرت مرحوم کی والدہ محترمہ دام ظلہا اور صاحبزادگان و برادران محترم، تمام اہل خاندان اور پوری ملت اسلامیہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے، اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو امت کے عظیم قائدین، خاص طور پر ان کے والد گرامی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے جلو میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، ملت اسلامیہ اور دارالعلوم دیوبند کی دست گیری فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

تجویر تعزیت بروفات حضرت فدائے ملتؒ

بموقع : جلسہ تعزیت: منعقدہ ۱۵ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق 14 فروری 2006ء بروز منگل، بعد نماز ظہر، بمقام جامع مسجد مراد آباد، زیر اہتمام: جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والا یہ تعزیتی اجلاس ملت اسلامیہ ہند کے قائد جلیل، جمعیت علماء ہند کے صدر عالی وقار، امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے الم ناک سانحہ وفات پر گہرے رنج و صدمہ کا اظہار کرتا ہے۔

آج حضرت امیر الہند کی جدائی کا غم جمعیت علماء ہند، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی یا ملک کے کسی خاص ادارے اور آپ کے متعلقین تک ہی محدود نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سانحہ پر ملت کا ہر فرد تعزیت کا مستحق ہے۔

آپ کی اسی سالہ زندگی جہد مسلسل، بے مثال استقامت اور بے نظیر عزم و استقلال کی جیتی جاگتی تصویر تھی، جرأت و حق گوئی کے ساتھ گہری بصیرت اور جوش عمل کے ساتھ ہوش مندی اور دوراندیشی کی تابناک صفات آپ کی ذات میں جلوہ گر تھی، آزاد ہندوستان میں ہر آڑے وقت میں اور مصیبت کی ہر گھڑی میں یہ فدائے ملت بلاشبہ قوم و ملت کا سہارا بن کر سامنے آیا۔ 1963ء کا کلکتہ کا فساد ہو، یا 1964ء میں راولپنڈی اور جمشید پور میں فرقہ واریت کی دہکتی ہوئی آگ ہو، 1980ء کا مراد آباد میں پی اے سی کی ذریعہ مسلمانوں کا قتل عام ہو، میرٹھ اور ملیانہ بھاگلپور اور سورت کے فسادات ہوں، یا چند سال پہلے گجرات میں حکومت کی سرپرستی میں کھیلی جانی والی خون کی ہولی ہو، آخر کون تھا جو ان جگہوں پر خاک و خون میں تڑپتی لاشوں کو اٹھانے اور زخم سے سکتے انسانوں کو دلاسا دلانے کے لیے پہنچا؟ کس نے فسادات کے متاثرین اور کھلے آسمان کے نیچے رات گزارنے والوں کے لیے محلے اور بستیاں تعمیر اور آباد کیں؟ کس نے جیلوں میں بند بے قصور افراد کی معقول قانونی پیروی کرنے کا انتظام کیا؟۔ تاریخ جواب دے گی کہ ان کاموں کو انجام دینے والا جرأت و استقامت کا پیکر اور بلند حوصلہ شخص وہی تھا جسے دنیا نے بجا طور پر ”فدائے ملت“ کہا اور جس نے اپنے روشن کردار سے اس لقب کی سجائی دنیا کو دکھلادی۔

آج ہماری آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں اس صاحب بصیرت کو جس کی اصابت رائے سب کے نزدیک مسلم اور ملت کے لیے جس کی درد مندی اور فکر مندی اظہر من الشمس تھی جو اپنے سینہ میں ملت کے لیے دھڑکتا ہوا دل رکھتا تھا۔ جس کی پرواز خیال کا محور قوم و ملت کی سر بلندی اور ترقی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ملت کی دینی، دنیوی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی رہبری کے لیے ان کی خدمات آب زر سے لکھی جائیں گی۔ اور تادیر قدم قدم پر ان کی کمی کی کک محسوس کی جاتی رہے گی۔

حضرت امیر الہند اس دور میں اکابر کی وراثت کے سچے امین تھے، آپ جہاں ہزاروں افراد کے مرشد و مصلح تھے وہیں آپ کے ذات ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہزاروں دینی مدارس کے لیے مضبوط پشت پناہ کی حیثیت رکھتی تھی، آپ مسلم مسائل پر ارباب حکومت کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے، اور حکمت عملی کے ساتھ نازک مسائل و معاملات کے حل کی بہترین صلاحیت کے مالک تھے، افسوس ہے کہ اب ایسی باوزن، پر وقار اور جرأت مند شخصیت دور دور تک نظر نہیں آتی۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد آج اپنے سرپرست اعلیٰ کی جدائی پر جتنا بھی غم کرے کم ہے یہ ادارہ حضرت فدائے ملت کی فکر کا ہمیشہ سے حامی اور مؤید رہا، اس سے وابستہ افراد نے شروع سے لیکر آج تک حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب، حضرت امیر الہند اور ان کی جماعت ”جعیۃ علماء ہند“ سے ذہنی و نظریاتی وابستگی رکھی، اور الحمد للہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ حضرت امیر الہند نے اس ادارہ کو تقریباً 48 سال تک مسلسل اپنے مفید ترین مشوروں، تعاون اور سرپرستی سے سرفراز فرمایا۔ اس لیے اس سانحہ پر اظہار غم کے لیے ہم اپنے پاس الفاظ نہیں پاتے، بس بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی خدمات کا عظیم الشان بدلہ آخرت میں عطا فرمائے، درجات عالیہ سے نوازے اور بالعموم پوری ملت اور بالخصوص خانوادہ کے افراد: والدہ صاحبہ، صاحبزادگان و برادران محترم کو صبر جمیل سے سرفراز فرمائیں۔ آمین۔

□□□

حضرت مولانا محمد شاہد ڈیروی
مدیر ماہنامہ الجمعیتہ راو پینڈی

رحلتِ مدنی ایک علمی اور سیاسی حادثہ

۶ فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ محرم الحرام بروز پیر شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی کے جانشین اور جمعیت علمائے ہند کے قائد امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دریغا کہ وہ بے قرار دل جو اسلام اور مسلمانوں کی ہر مصیبت پر بے تاب ہو جاتا تھا اور اوروں کو بے تاب کرتا تھا، اب قیامت تک کے لئے ساکن ہو گیا۔ ان کے نام نامی کے ساتھ ہمیشہ قلم کو دامت برکاتہم العالیہ لکھنے کی عادت رہی، لیکن اب وہ وہاں کو سدھارے جہاں کی برکات واقعی ہمیشہ ہیں۔ بلا مبالغہ آپؒ کی رحلت اس دور کا سب سے بڑا علمی اور سیاسی حادثہ ہے۔ آپؒ کی رحلت سے جہاں کروڑوں مسلمانانِ ہند کو عظیم صدمہ پہنچا، وہاں اس سانحے سے پاکستان اور دنیا بھر کے فکر حریت سے سرشار مسلمان ایک عظیم سہارے سے محروم ہو گئے۔ آپؒ کی رحلت سے علم و معرفت کا وہ چراغ گل ہو گیا اور وہ مینارہٴ نور بجھ گیا جس کی ضیاء پاشیوں سے لاکھوں افراد فیض یاب ہو رہے تھے۔ آپؒ کی شخصیت نہ صرف ایک باکمال عالم کے طور پر شہرت کے اوج ثریا پر پہنچی بلکہ ایک لائق سیاستدان اور زمانہ شناس رہنما ہونے کی حیثیت سے بھی آپؒ کو بے انتہا مقبولیت حاصل رہی۔

سچ تو یہ ہے کہ آپؒ نے جہدِ مسلسل کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا تھا اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے مشن اور ان کی جماعت ”جمعیت علماء ہند“ کو استحکام بخشنے کی خاطر اسی خلوص کے ساتھ محنت اور جدوجہد کی جس طرح کی محنت کی ذمہ داری بحیثیت جانشین شیخ الاسلامؒ ان پر عائد ہوئی تھی۔

حضرت امیر الہندؒ کی سیاسی بصیرت کے اعتراف میں بھارت میں مرکز کی حکمراں جماعت کانگریس نے ملت اسلامیہ سے اپنی قربت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں تین مرتبہ لوک سبھا (قومی اسمبلی) کی رکنیت دی لیکن آپؒ بجائے اس کے کہ کانگریس سرکار کے ساتھ حق نمک ادا کرتے، ہر ایسے موقع پر جبکہ ملت امتحان و بحران کے دور سے گزری، سینہ سپر ہو کر ہندوستانی مسلمانوں کے مفادات کو اٹھایا اور مظالم کے خلاف آہنی عزائم کے اظہار میں جرات مندی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ بالعموم ایسے مواقع پر جبکہ فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکائی جاتی حضرت امیر الہندؒ

اور ان کے حلقہ اثر کے لوگ مظلومین کی خبر لینے والوں میں سب سے آگے نظر آتے۔ آپ کی قیادت میں جمعیت علمائے ہند نے محدود دائرہ عمل رکھتے ہوئے بھارت میں ملک گیر پیمانے پر خدمت انسانیت اور حق پرستی کے جو نقوش چھوڑے، اس کی نظیر اور کہیں نہیں دیکھی جاسکتی۔

بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت امیر الہند کی قیادت میں جمعیت علمائے ہند نے ملک گیر پیمانے پر ملت کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں، اس کا مثبت پہلو بے انتہار روشن اور قابل تقلید ہے۔ ملت اسلامیہ کو آپ کی جدائی سے جو عظیم خسارہ ہوا، اس کی تلافی کسی صورت ممکن نہیں۔ آپ کی وفات پر ہم جہاں آپ کے جانتین مولانا محمود مدنی صاحب مدظلہ اور دیگر لواحقین کے لئے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں، وہاں آپ کی رحلت پر پاک و ہند میں آپ کے کروڑوں پیروکار بھی تعزیت کے مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم حضرت مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی دینی و ملی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

القاسم اکیڈمی کی تازہ علمی، روحانی اور عظیم تاریخی پیشکش

مرویات سیدہ عائشہ صدیقہؓ و سیدنا امیر معاویہؓ

مؤلف : مولانا سعید الرحمن علوی پیش لفظ : مولانا عبدالقیوم حقانی

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کا منتخب مجموعہ جسے ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے مدیر شہیر مولانا سعید الرحمن علوی نے ترتیب دیا ہے جس میں فہم دین، اُمت مسلمہ کی فضیلت، انصار کی محبت، فاروق اعظم کی شان، بیماری گناہوں کا کفارہ، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال، سخاوت عثمانی، سمع و طاعت، سیدہ عائشہ کا مقام دنیا کے بے ثباتی، حریت و مساوات، صحابہ معیار حق ہیں، مقام صحابہ عدل و انصاف، تقدیر، اسوۂ نبوی، ہجرت، توبہ، یاد الہی، لیلۃ القدر، مصنوعی بال، مقام صدیق اکبر، سونا، چاندی، ریشم کا استعمال، ہمسایہ کے حقوق، صلہ رحمی، زیارت قبور، حسن اخلاق، جاہلوں سے اعراض، تصاویر سے اجتناب، رفقاء کار، میل و ملاقات، عیادت، نماز جنازہ، مسواک و اعتکاف، یوم عرفہ، عورتوں کا جہاد، غیبت، بے فائدہ قسمیں، خدمت و محنت، نسر و سہولت اور متعدد موضوعات سے متعلق احادیث کی آسان، سادہ، سلیس زبان میں تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ القاسم اکیڈمی نے اسے پہلی مرتبہ کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کی ہے۔

صفحات : 152 قیمت : 75 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

مفتی ذکات حسین قاسمی امر وہی، دہلی

امیر الہند کا سفرِ آخرت

اپولو سے مزارِ قاسمی تک

دین و سیاست کے مثالی امتزاج کی حسین تصویر فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی علالت، وفات اور تجہیز و تکفین کا ایک ہلکا سا نقش ان لوگوں کے لئے خاص طور پر قابلِ اعتنا ہوگا جو آپ کی آخری رسومات میں شرکت نہ کر سکے، اسی جذبے کے تحت چند سطور مشاہدے کے بعد حافظے کے تعاون سے تحریر کی جا رہی ہیں :

علالت :

مولانا سید اسعد مدنیؒ ۵ نومبر ۲۰۰۵ء مطابق ۲ شوال ۱۴۲۶ھ ہفتہ کے دن دیوبند میں اپنی وہیل چیئر سے گرنے کے سبب زخمی ہو گئے تھے اور آپ کے سر میں چوٹ آئی تھی، زخم کی شدت و درد کی تاب نہ لا کر اسی دن عصر کی نماز کی تیاری کے دوران بے ہوش ہو گئے، آپ کو فوراً دہلی کے اپولو ہسپتال میں داخل کیا گیا، مگر قابلِ اطمینان افاقہ نہ ہو سکا، اگرچہ کبھی کبھار ہاتھ پیر اور آنکھوں میں معمولی حرکت کے آثار دکھائی دیئے، مگر ۵ نومبر ۲۰۰۵ء سے مسلسل تین ماہ ۶ فروری ۲۰۰۶ء انتقال کے دن تک غشی طاری رہی۔

وفات :

۷ محرم ۱۴۲۷ھ مطابق ۶ فروری ۲۰۰۶ء پیر کے دن شام ۴:۵۵ بجے اپولو ہسپتال میں حیرت انگیز طور پر (غشی کی حالت میں) کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔ (انا لله وانا اليه راجعون)

ہسپتال سے دفترِ جمعیت :

انتقال کے بعد تقریباً ۸ بجے شب کو مرحوم کے جسدِ خاکی کو اسپتال سے جمعیت علماء ہند کے صدر دفتر مسجد عبدالنبی، بہادر شاہ ظفر مارگ، آئی ٹی او، دہلی لایا گیا، جہاں تقریباً دو گھنٹے تک ہزاروں عقیدت مندوں اور عظیم

سیاسی رہنماؤں نے آخری دیدار کیا اور گلہائے عقیدت پیش کیے، جن میں ملک کے موجودہ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ، کانگریس کی صدر سونیا گاندھی، شیلادکشت (وزیر اعلیٰ دہلی) راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیئر پرسن کے رحمن خان، ریلوے کے وزیر لالو پر ساد اور شاہی جامع مسجد دہلی کے امام مولانا سید احمد بخاری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دہلی سے دیوبند :

پھر تقریباً ساڑھے دس بجے آپ کی نعش مبارک کو دہلی سے دیوبند ایک عظیم قافلے کی معیت میں روانہ کیا گیا اور جمعیت کی نجی ایسولینس میں رکھ کر ۲:۳۰ پر دیوبند پہنچے۔ جہاں پہلے سے مرحوم کے ہزاروں عقیدت مند دیدار کی تڑپ لیے موجود تھے۔ جگہ جگہ انتظامی سہولت کے پیش نظر پروگرام کی اطلاع اور امن و سنجیدگی کا حوالہ بنائے رکھنے کے لئے مائیک لگائے گئے تھے۔ دیوبند میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کی وسیع دارالحدیث میں رکھا گیا، جہاں ہزاروں لوگوں نے اپنی طاقت کا استعمال کر کے مرحوم کا آخری دیدار کیا۔ مجمع کی کثرت اور دیدار میں بد نظمی کے سبب ہزاروں لوگ دیدار سے محروم رہے۔ اسی بھیڑ بھاڑ اور بد نظمی میں تقریباً دو گھنٹے کے عام دیدار کے بعد جنازہ دارالحدیث سے نکال کر باہر صحن میں فوارے کے قریب باب الظاہر کے سامنے رکھ دیا گیا اور نماز جنازہ کی تیاری کا اعلان کر دیا گیا۔

نماز جنازہ :

نماز جنازہ کے لئے صفوں کی ترتیب و درستی کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کے صاحبزادے، مشہور صوفی، شیخ طریقت اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی (سرپرست اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور) کا نام لے کر مرحوم کے چھوٹے بھائی مولانا سید ارشد مدنی نے اعلان کیا کہ مولانا محمد طلحہ حضرت مدنی کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ مولانا جہاں تشریف فرما ہوں آگے تشریف لے آئیں۔ کثرت ازدہام کی وجہ سے مولانا کو جنازے تک پہنچنے میں کافی وقت لگا۔ ادھر سورج طلوع ہو رہا تھا، اس وجہ سے مولانا طلحہ کے پہنچنے کے ۵ منٹ بعد تک طلوع آفتاب کا انتظار کیا گیا اور جیسے ہی طلوع آفتاب کے بعد مکروہ وقت ختم ہوا، ویسے ہی مرحوم کے اولیاء مولانا سید ارشد مدنی اور بڑے بیٹے مولانا سید محمود مدنی نے مولانا طلحہ کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مولانا محمد طلحہ صاحب نے ۲۰:۰۰ بجے بھرائی ہوئی آواز اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ ”اللہ اکبر“ کی صدا لگاتے ہوئے نماز جنازہ شروع فرمادی اور چند ہی لمحوں میں نماز کی تکمیل ہو گئی۔

تدفین :

نماز جنازہ کے بعد دارالعلوم کے مدنی گیٹ سے جنازے کو ”مزار قاسمی“ کی طرف لے جایا گیا۔ یہ وہی

مقبرہ ہے جہاں مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی " اور حکیم الاسلام قاری طیب " آرام فرما ہیں۔ مزار قاسمی کی مسافت دارالحدیث دارالعلوم سے پیادہ پا بمشکل تمام ۵ منٹ کی ہے، مگر عقیدت مندوں کی کثرت اور غم سے بوجھل قدموں کے سبب یہ معمولی مسافت تقریباً ایک گھنٹے میں طے ہوئی اور ۸:۲۰ بجے قبر مبارک میں اتارا گیا۔

آپ کی قبر آپ کے والد بزرگوار شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کے بالکل پہلو میں تیار کی گئی ہے اور ان سے بالکل متصل ان کے استاذ گرامی شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی آرام فرما ہیں۔ تدفین کے موقع پر ضلع سہارنپور کی پولیس انتظامیہ کے اعلیٰ افسران پولیس فورس کے ساتھ موجود تھے، جنہوں نے مولانا مرحوم کو سرکاری اعزاز کے ساتھ " گارڈ آف آئرز " پیش کیا اور یوپی کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو کی طرف سے یوپی کے ریاستی وزیر جناب شاہد منظور نے شرکت کر کے گلہائے عقیدت پیش کیے۔ اس کے بعد جذبے سے معمور لوگوں نے اپنی طاقت و جسامت کا استعمال کر کے نحیف و کمزور انسانوں کو دھکیلتے ہوئے مولانا کی قبر پر "منہا خلقناکم" کے ورد کے ساتھ مٹی چڑھانی شروع کر دی اور کمزور لوگ کھڑے اپنی بے بسی پر کفِ افسوس ملتے رہے، بھیڑ کے چھٹ جانے اور عمل تدفین کی تکمیل کے بعد بھی ارادت مند و دراز سے آتے رہے اور حصولِ ثواب و سعادت کے لئے قبر ہی سے مٹی اٹھا کر دوبارہ قبر پر ڈالتے رہے اور یہ عمل تقریباً پورے دن جاری رہا اور قوم و ملت کا بے لوث خادم جو ہمیشہ دوسروں پر احسان کرتا رہا اور خود احسان لینے سے باز رہا، آج احسان مند کی خاموش تصویر بنا رہا، شاید اس خادمِ ملت و محسنِ قوم کی روح قبر پر مٹی ڈالنے والوں کے احسان کا ان الفاظ میں اقرار و اعتراف کر رہی ہو.....

شوق سے مٹھیاں بھر بھر کے مجھے مٹھی دی

آج تو لا دیا آپ نے احسانوں سے

واضح ہو کہ تدفین کے بعد دوپہر تقریباً دو بجے پاکستان کی قومی اسمبلی کا سولہ رکنی وفد، قومی اسمبلی کے اپوزیشن لیڈر اور جمعیتہ علماء اسلام (پاکستان) کے صدر مولانا فضل الرحمن صاحب کی قیادت میں دیوبند پہنچا، جس میں آٹھ (۸) ایم پی اور سات ایم این اے موجود تھے، اور مرحوم کے اہل خانہ سے ۴ بجے ملاقات کر کے اپنی اور اپنے ملک پاکستان کی طرف سے تعزیت کا اظہار کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ تقسیم (۱۹۴۷ء) کے بعد اب تک کسی بھی سیاسی وفد ہی رہنما کی وفات پر پاکستان سے اتنا عظیم وفد نہیں آیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ملک و بیرون ملک کے تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد نے نمازِ جنازہ اور آپ کی آخری رسومات میں شرکت کی۔ اس سے مولانا مرحوم کی عند اللہ اور عند الناس مقبولیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ صرف ہند میں ہی "سرمایہ کلت کے نگہبان" نہ تھے بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کے "میر کارواں" اور ساتھ ہی "میدانِ سیاست کے عظیم شہسوار تھے"۔

دارالعلوم دیوبند کے ایک ممتاز استاذ مولانا محمد سلمان بجنوری نے فرمایا اور بالکل بجا فرمایا :

”یہ حادثہ ایک فرد کا نہیں، ایک امت کا ہے، رونا ایک خاندان کا نہیں، پوری ملت کا ہے۔
حادثہ صرف اہل مذہب کا نہیں، اہل سیاست کا بھی ہے اور یہ حادثہ صرف مسلمانوں کا نہیں،
پورے وطن عزیز کا ہے۔“

قوم و ملت کا روحانی طبیب اور ملت کے روحانی مریضوں کو دوائے دل اور شفا کے قلب عطا کرنے والا
حکیم ہم سے رخصت ہو گیا۔ اب بظاہر کوئی ایسا حکیم و طبیب نظر نہیں آتا جو اس خلا کو پُر کر سکے۔ اس کرب و یاس کی
اضطرابی کیفیت میں ملت کے ہر فرد کی دلی صدا اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے.....

سنے کون ہائے صدائے دل، ملے آہ کس سے شفا کے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین پیش کش

ماں کی عظمت

مصنف ! مولانا جمیل احمد بالا کوٹی

پیش لفظ ! مولانا عبدالقیوم حقانی

جس میں ماں کی عظمت قرآن کریم کی روشنی میں، ماں کی عظمت احادیث مبارکہ کی روشنی میں، سخن ہائے زریں،
ماں کا احترام، ماں کی خدمت، ماں کی محبت، عظیم مائیں، والدین سے زیادتی کا تلخ احساس، ماں کی نافرمانی کا انجام
اور دیگر دلچسپ اور نصیحت آموز واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ خوبصورت
چار رنگہ ٹائٹل اور مضبوط جلد بندی، شاندار کاغذ، عمدہ طباعت کے ساتھ منظر عام پر آ گیا ہے۔ خواہشمند حضرات القاسم
اکیڈمی سے خط لکھ کر منگوا سکتے ہیں۔

صفحات : 234 قیمت : 100 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ



باب : ۱۴

متفرقات

شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ

ضبط ! مولانا عبدالغنی

ناظم جامعہ ابو ہریرہ

اُصول کے پکے

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے ساتھ میں نے زیادہ وقت نہیں گزارا۔ حضرت جب وہاں مدینہ میں تشریف لاتے تو ہمارے سارے احباب انہیں چائے کی دعوت دیتے چائے کی دعوت پر جب احباب مطالبہ کرتے کہ ہمیں کچھ نصائح بیان فرماویں تو حضرت فرماتے! نہیں چائے کے لئے بلایا ہے تو صرف چائے پیئیں گے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مکی بھی وہاں پر اپنی رباط میں اکثر موجود ہوا کرتے تھے۔ اسی رباط میں ہم لوگ چائے کی دعوت دیتے۔ یہ حضرت مولانا خیر محمد مکی احناف کے بہت بڑا عالم تھے۔ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ سے بہت محبت تھی، بہت زیادہ خاموش پسند اور خاموش شخصیت تھے۔ جب ڈیڑھ صد سالہ کانفرنس پشاور میں منعقد ہوئی تو حضرت مولانا اسعد مدنیؒ خصوصی طور پر مدعو تھے۔ ان کی تقریر کا وقت دوسرے شخصیات غالباً حضرت مولانا اجمل خان لاہوری اور حضرت مولانا عبدالمجید ندیم صاحب نے لے لیا۔ جب حضرت مولانا اسعد مدنیؒ صاحب کو تقریر کی دعوت دی گئی تو حضرت نے فرمایا کہ میری تقریر کا جو وقت مقرر تھا وہ دیگر حضرات نے لے لیا، میں صرف خطبہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ حضرت نے خطبہ پڑھا اور آخر میں و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین پڑھ کر اپنا بیان ختم کر دیا۔

اُصولوں کی پابند شخصیت تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے مجاہد اور عظیم لیڈر بھی تھے ہندوستان کے علماء کے سرپرست تھے اور مسلمانان ہند کے بہت زیادہ ہمدرد تھے۔ جہاں بھی فسادات شروع ہو جاتے تو حضرت اسعد مدنیؒ خود موقع پر پہنچ جاتے اور فساد کو ختم کر دیتے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے صحیح جانشین تھے، عظیم قربانیاں دی تھیں، سارا وقت مسلمانان ہند کے لئے وقف کیا تھا۔ تمام ہند علماء کی کمران سے مضبوط تھی۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حیات تھے تو ان کی معیت و رفاقت میں حضرت (اسعد مدنیؒ) بھی بنگلہ دیش جایا کرتے تھے اور وہاں اپنے والد کی سرپرستی و ہدایت میں مسلمانوں اور مریدوں اور متعلقین کو وعظ و نصیحت کرتے تھے ان کے چھوٹے بھائی مولانا ارشد مدنیؒ علمی لحاظ سے بہت بڑا مقام رکھتے ہیں۔ ان کی علمی استعداد بہت مضبوط ہے۔ وہ شیخ مدنیؒ کے علوم و معارف کے امین ہیں۔ آج کل دارالعلوم دیوبند میں احادیث کا درس دیتے ہیں۔ مولانا اسعد مدنیؒ ہمارے ہاں جب بھی تشریف لاتے تو حضرت مولانا عزیز گل صاحبؒ کے ہاں ضرور تشریف لے جاتے حضرت مولانا عزیز گل صاحبؒ پر بہت زیادہ فریفتہ تھے۔ حضرت اپنے اوقات کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔

حافظ حبیب الرحمن نقشبندی

رکن القاسم اکیڈمی

چند لمحے دیدار کے تاثرات

ڈیڑھ سو سالہ دیوبند کانفرنس اور صرف ڈیڑھ منٹ کی تقریر وہ بھی اس شخصیت کی جس کا پچھلے ڈیڑھ ماہ سے انتظار ہو رہا تھا، جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے لاکھوں تشنگان دیدار کا دل بیقرار ہو رہا تھا، مگر یہ کیا کہ.....

نظر تو آئی تھی ہلکی کرن تبسم کی

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

تشنگی برقرار تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت نے جس وقت میں تقریر کرنی تھی وہ گذر چکا تھا، چونکہ

حضرت وقت کے سختی سے پابند تھے۔ اپنے ہر اصول کے پاس دار تھے، اس لئے تشنگان دیدار کے حصے میں یہی

ڈیڑھ منٹ آیا، لیکن آپ کی یہ اصول پسندی دل میں گھر کر گئی۔ یہ تھے مدنی ابن مدنی فرزند حضرت شیخ الاسلام سید

اسعد مدنی، آپ قائد حریت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا فضل

الرحمن قائد جمعیت علمائے اسلام پاکستان کی دعوت پر ہندوستان سے تشریف لائے تھے، گرچہ دونوں بڑے باپ

کے بیٹے تھے، لیکن اپنی محنت سے، کوشش سے، اخلاص و عمل سے، جہد مسلسل سے مسلم اُمہ کی اپنے دل میں تڑپ

رکھنے کی بنا پر ہندوستان کے مظلوموں کے دل جیتنے کی وجہ سے جو مقام سید اسعد مدنی نے نصف صدی میں بنایا، وہ

شیخ الاسلام کی نظر کیسی گر کا اثر بھی تھا اور اپنی شبانہ روز کی محنتوں کا ثمرہ بھی.....

اپنی کوشش سے مقام اپنا بنانے والے

اپنی کشتی کو بچانے کے ہنر جانتے ہیں

ان کے اخلاص و عمل کا اندازہ ان کی مساعی کے بطن سے برآمد ہونے والے نتائج سے لگایا جاسکتا ہے،

مگر شاید اندازہ لگانے میں اگلی صدی ناکافی ہو۔ جن کا ایک سجدہ معاصر کی چار اہلیتوں سے بھی لمبا ہو، تو ان کے

خشوع کا کیا عالم ہوگا۔ جو اپنا قد بڑھانے کے لئے لفظوں کا متلاشی نہ ہو بلکہ الفاظ ان کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔

تابع روزگار، بہترین مدرس، محقق، راسخ فی العلم، متدین، متصلب مفتی، شیخ الحدیث کے الفاظ و القاب دارالعلوم

دیوبند کی علمی فضا میں ۱۲ سال تک ان کا طواف کریں۔ مسند نشین، مجاز طریقت، خلیفہ شیخ الحدیث، خلیفہ خلفائے شیخ

الاسلام، جانشین شیخ الاسلام اور امیر الہند، فدائے ملت، جیسے حسین و دل نشین القاب نصف صدی تک ان کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہوں اور وہ کبھی راوڑ کیلا میں، کبھی جمشید پور میں، کبھی مراد آباد میں، کبھی میرٹھ میں، کبھی کوئٹہ میں، کبھی ملیانہ میں، غرباء کے، مظلوم مسلمانوں کے بے خانماں برباد لوگوں کے، مصیبت زدگان کے، بیواؤں اور یتیموں کے دکھ درد سمیٹتا پھرتا ہو، کڑکتی دھوپ میں پسینے سے شرابور، تھکن سے چور، اپنے مستقر سے سینکڑوں میل دور مارا مارا پھر رہا ہو.....

دیں اذانیں کبھی پورپ کے کلیساؤں میں

کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

علامہ اقبال کا یہ شعر جن پر حرف بہ حرف صادق آتا ہو، جس کا دل گداز تھا، جگر سوختہ تھا، سینہ غم سے لبریز تھا، جسم اسپنی تھا، چہرہ دل آویز تھا، سراپا عطر بیز تھا، جس کی مسکراہٹ دلوں کو موہ لینے والی تھی، بولتے تو پھول جھڑتے، خاموشی میں سات سمندروں کا تلاطم پنہاں تھا، جس کا غصہ زندگانیوں کو سنوارنے والا، جس کی جھکی ہوئی نگاہیں لوگوں کو دیدار کی فرصت مہیا کرتیں، جس کی اٹھی ہوئی نظریں لوگوں کو نظر جھکانے پر مجبور کر دیتیں، جن کا احترام شاگردوں سے زیادہ اساتذہ کے دل میں تھا، جو اکیلا اک انجمن تھا جو انجمن میں بھی اکیلا تھا، جن کا پہلا گھر مدینہ میں تھا، جس کی ہجرت ہندوستان کی تھی، جن کی نصرت پاکستان والوں کے لئے تھی، جن کی آخری آرامگاہ شیخ الاسلام کے پہلو میں بنی، جن کی قبر کو ان کی آمد کا انتظار تھا، لیکن وہ.....

..... تین مہینے سے بے ہوش تھے، تین مہینے پہلے حضرت نے نماز عصر کی اذان سنی تھی، کسی کو بلا کر کہا تھا ”میری وہیل چیئر وضو خانے تک لے جاؤ، وہیل چیئر برقی تھی، بٹن دبایا تھا اور خود دوڑ پڑے تھے، گر گئے تھے، سر میں چوٹ آئی تھی، جب اٹھایا تھا تو فرمایا تھا، مجھے جلدی سے وضو کراؤ اور جب اہل خانہ نے کہا کہ آپ وضو نہیں کر سکتے تو فرمایا تھا جلدی سے تیم کراؤ، تیم کرتے وقت ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا اور اب تین مہینے سے بے ہوش تھے..... شاہ ولی اللہ کی فکر کا امین، شیخ الاسلام کے واسطے سے بھی اور براہ راست بھی شیخ الہند کا شاگرد متین شیخ الاسلام کا جانشین، لاکھوں چاہنے والوں کے قلوب کی تسکین، تین مہینوں سے بے ہوش تھا، مسلسل اسفار میں رہتا تھا، مساجد کے تحفظ میں، مقابر کی نگہداشت میں، اکابر کی تقلید میں، مسلم اُمہ کے مسائل حل کرانے کی تگ و دو میں، بیواؤں کے سر پر دوپٹہ اور یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لئے فسادات کے زخمیوں کے زخم پر مرہم رکھنے کیلئے مسلمانوں کا مستقبل سنوارنے کے لئے، مریدوں کے قلوب کو نکھارنے کے لئے مسلسل سفر پر تھا۔

نہ دن میں چین تھا، نہ رات کو آرام، رات کو شب بیداری اور دن میں انسانوں کی غم گساری، کتنے لوگ ان کی اس روش سے مسلمان ہوئے، کتنے مسلمان ان کی کوششوں سے صاحب ایقان ہوئے، کتنی خانقاہیں ان کے دم

قدم سے آباد ہوئیں، کتنی غیر آباد ویران مساجد میں اذانیں اور نمازیں شروع ہوئیں، اس ساری تنگ و دو کا مقصد میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی میں اسی لئے مسلمان، میں اسی لئے نمازی اس مقصد کے حصول میں وہ اللہ جل شانہ کے ذکر کو بلند کرتا رہا۔ دین کی سر بلندی کے لئے مسلسل چلتا رہا اللہ کریم کو یہ ادائے دنوازی پسند آئی۔ دنیا میں تھکن سے چور جسم کو دنیا ہی میں آرام دینا مطلوب ہوا۔ دنیا کی تھکن کو دنیا ہی میں اتار جا رہا تھا۔ اگلے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے کچھ تو آرام کرنا چاہئے۔ اسعد مدنی کا کیا تھا وہ (ترمیم پر معذرت کے ساتھ)۔

اگر اور جیتے رہتے تو ”وہی شعار“ ہوتا تیری زندگی کا اسعد کوئی اعتبار ہوتا اللہ جل شانہ نے اپنے بندے کو تین مہینے کا آرام دے کر الارم بجادیا، سر اٹھایا تو ”نماز عصر“ سے فارغ ہو چکے تھے اور اللہ کے ذکر میں مشغول تھے، یہ آخری نماز تھی، ذکر سے فارغ ہوئے تو قبر اپنی باہیں پھیلا چکی تھی۔ فرشتے لینے آگئے تھے، تھوڑی دیر کے بعد سید اسعد مدنی اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

مرسلہ ! سینئر قاری محمد عبداللہ بنوی

ایک طالب علم کا جذبہ محبت

مَاذَا عَلِيٌّ مَنْ شَمَّ ثُرْبَةَ أَحْمَدِ ☆ أَنْ لَا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا ☆ صُبَّتْ عَلَيَّ الْإَيَّامِ صِرْنَ لِيَالِيَا

حضور ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ مزار اقدس کی پاک مٹی سونگھنے کے بعد دنیا کی خوشبوؤں کی ضرورت نہیں رہتی، میرے اوپر اتنی زیادہ پریشانیاں آئیں اگر یہ پریشانیاں دن کے اوپر آئیں تو دن کی روشنی ختم ہو کر دن رات میں تبدیل ہو جاتا۔

فدائے ملت امیر اہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔ انتقال کے بعد ایک

تعزیتی مجلس میں ایک طالب علم نے یہ شعر پڑھا۔

یہ بے جا ظلم تو کب تک کرے گی

مجھے اے موت ! تو اتنا بتا دے

سید اسعد کو لے کر کیا کرے گی

نہ تو کچھ کر سکی قاسم کو لے کر

مولانا محمد ایاز حقانی کانگرہ

حضرت مدنیؒ کی دینی غیرت و حمیت

جانشین شیخ العرب والعجم امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہ غالباً ۱۹۸۶ یا ۱۹۸۷ء ماہ دسمبر میں پشاور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد ایوب جان بنوریؒ کے ہاں بھانہ مانڑی بنوری سٹریٹ تشریف لارہے تھے۔

حضرت بنوری صاحبؒ اور مولانا محمد امیر بجلی گھر صاحب ودیگر علماء پشاور انرپورٹ تشریف لے گئے تھے اور بنوری ہاؤس میں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب امیر جمعیت علماء اسلام وقائد حزب اختلاف اور پشاور کے دیگر علماء کرام موجود تھے، نماز عشاء کی جماعت میں پندرہ منٹ باقی تھے، کسی نے کہا کہ ہم اپنی جماعت کرا لیتے ہیں تاکہ حضرت والا کے استقبال کے لئے فارغ ہوں۔

ہم نے حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہ کی اقتداء میں نماز باجماعت پڑھی اتنے میں امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنی مرحوم تشریف لائے فرمایا کہ کتنا وقت جماعت میں باقی ہے؟ کسی نے کہا کہ پانچ چھ منٹ۔ تو حضرت مدنی صاحبؒ فوراً وضو خانہ تشریف لے گئے۔ جب باہر تشریف لائے تو کسی نے کہا حضرت! ہم نے تو یہاں نماز باجماعت پڑھ لی ہے۔ حضرت اسعد مدنی صاحبؒ بہت غصہ ہو گئے اور فرمایا بھائی! تم لوگوں کے سامنے مسجد ہے اور مسجد کی جماعت سے پہلے یہاں کیوں نماز پڑھی، آخر یہ مسجدیں کس لئے بنی ہیں پھر جب علماء تساہل کریں گے تو عوام کا کیا حال ہوگا۔ تم لوگوں نے بہت ظلم اور زیادتی کی کہ مسجد کی جماعت سے پہلے یہاں گھر میں نماز پڑھ لی غصہ میں بہت باتیں فرمائیں۔ ہم نے دوبارہ مسجد میں امام کے ساتھ نوافل کی نیت کی اور نماز پڑھی یہ تھی حضرت مدنی صاحبؒ کی دینی غیرت اور حمیت، نماز باجماعت کی پابندی کا اہتمام اور اس میں وہ کسی بھی بڑے چھوٹے کی رعایت نہیں کرتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد قاسم صاحبزادہ مولانا محمد امیر بجلی گھر صاحب بھی اس واقعہ کے گواہ ہیں اور مفتی محمد قاسم صاحب نے اسی رات حضرت مدنی صاحبؒ سے بیعت بھی کی۔

مدنی معمولات

ماہنامہ القاسم کی خصوصی اشاعت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی "نمبر پریس میں جانے کو ہے اور الحمد للہ طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔ ان شاء اللہ یہ خصوصی اشاعت ظاہری و معنوی خوبیوں سے مرصع ہو کر عنقریب منصفہ شہود پر آ جائے گی۔

امیر الہند حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی "اپنے والد نامہ دار شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی" کے بلاشبہ حقیقی جانشین تھے اور ولد صالح یدعولہ کا مصداق تھے۔ حضرت امیر الہند نے اپنے والد گرامی کے مشن کو آگے بڑھایا اور زندگی اسی میں کھپا دی.....

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اب جبکہ والدی المکرم مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ کی محنت و کاوش اور تگ و دو سے حضرت امیر الہند پر خصوصی نمبر شائع ہو رہا ہے تو بطور تبرک مولانا اسعد مدنی کے والد گرامی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے چند خصوصی اعمال و معمولات بھی حیطہ تحریر میں لائے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو انہیں اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین) ویرحمک اللہ عبدا قال امینا۔

ارشاد مبارک :

اول اول ایک ارشاد ملاحظہ ہو :

نفس طبعی طور پر اصلاح نفس کے حوالے سے عالم تجرد سے متنفر ہے، چونکہ خود قاری ہے اسی کی اس کو طبعی رغبت ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مثل اطفال اس کو بہلا پھسلا کر آہستہ آہستہ راہ پر لگایا جائے.....

والنفس كالطفل ان تهمله شب علی حب الرضا و ان تفضمه بنفطم

اور نفس کی حالت تو اس شیر خوار بچے کی طرح ہے جو دودھ پیتا ہے اگر اس کے دودھ کو بچپن میں نہ چھڑایا جائے تو جوان ہونے میں دشواری ہوگی۔

اگر نفس کو ایون، سکھیا یا گانج، بھنگ وغیرہ غیر لذیذ کا عادی بنایا جاسکتا ہے، اگر اس سے جفاکشی کے وہ کام جن پر غیر متعود ہرگز صبر نہیں کر سکتا لیے جاسکتے ہیں۔

اس سے انجنوں اور بھٹیوں کے سامنے دن و رات سخت گرمی میں خدمت لی جاسکتی ہے۔ وہ جمنا سٹک کی ظاہر الاستحالیہ باتوں پر قابو پاسکتا ہے تو کیا نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تدریجاً عالم قدس کا حاضر باش نہیں کیا جاسکتا، مگر محنت اور استقلال، قوتِ عزم شرط ہے۔

بدست سر بیدہ میدہ جام

یقین میدان کہ آن شاہِ نگو نام

(مکتوبات ج ۱ ص ۱۶۷)

روزانہ کے معمولات :

شیخ طریقت حضرت قاضی محمد زاہد الحسنی احمدؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :
”جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے۔ حضرت مدنیؒ کے ذاتی وظائف اور اقرآنِ عزیز کی تلاوت درود شریف اور نوافل پر آپ کا سفر و حضر میں عمل رہتا تھا۔“

(چراغِ محمد ص: ۴۹۶)

”تاریخ دیوبند“ کے حوالے سے حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ :
آخر شب میں نمازِ فجر تک تہجد اور ذکر و وظائف وغیرہ اور نمازِ فجر کے بعد تقریباً تلاوتِ قرآن مجید اور مطالعہ کتب، مغرب کی نوافل میں کم از کم ایک پارہ کی تلاوت روزانہ کا معمول تھا (دن میں اسباقِ حدیث کے اور دوسرے معمولات کے علاوہ) عشاء کے بعد بھی اکثر صحیح بخاری کا درس پڑھاتے تھے جو بارہ بجے تک جاری رہتا تھا۔ (تذکرہ حضرت مدنیؒ ص ۴۷)

ختم ہفت سلاطین :

حضرت قاضی محمد زاہد الحسنیؒ تحریر فرماتے ہیں :
”احقر جب ۱۹۳۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر گھر آیا تو کئی مسائل درپیش تھے، والد صاحب مرحوم کا سایہ چھ سال پہلے اتر چکا تھا، حقیقی بھائی کوئی نہ تھا، کوئی مخلص ہمدرد نہ تھا، اپنی پریشانیوں کے لئے دعا کا حضرت مدنیؒ کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت نے سورۃ یسین شریف کے ختم کی اجازت اور طریقہ بھی تجویز فرما کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ ختم آج ۱۹۹۴ء تک جاری ہے اور اس کی برکات مخصوص طور پر نازل ہو رہی ہیں۔ اس کا طریقہ یہ فرمایا کہ کلمہ یسین گیارہ بار پڑھ کر بارہویں بار تلاوت جاری کر دی جائے، یہی طریقہ ہر ”یسین“ پر کیا جائے لیکن آخری ”یسین“ (فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ) پر واپس نہ لوٹے بلکہ سورۃ پوری کر لی جائے اور مندرجہ ذیل بزرگانِ دین کے نام ایصالِ ثواب کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی مشکل آسان کرنے کی دعا مانگے۔ احقر کا عمل یہ ہے کہ سوموار کے ایصالِ ثواب بنام

حضرت ابراہیم بن ادہم اور منگل کے دن بایزید بسطامی اور بدھ کے دن محمد حسین سبخر اور جمعرات کے دن حضرت احمد حضرویہ، جمعہ کے دن حضرت قاضی اسماعیل سامانی، ہفتہ کے دن ابوسعید ابوالخیر اور اتوار کے دن حضرت سلطان محمود غزنوی کے روح پر ایصالِ ثواب کیا جائے۔

(چراغِ محمد ص ۴۹۶)

آشوبِ چشم اور ہر مرض کی دوا :

۱۹۳۲ء میں موسم سرما میں احقر آشوبِ چشم کا ایسا شکار ہوا کہ پڑھنا اور دیکھنا بھی مشکل ہو گیا۔ علاج اور ادویات کا استعمال کیا، مگر کوئی افاقہ نہ ہوا، آخر حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھوا کر بھیجا، تو آپ نے قصیدہ برء الداء کا مندرجہ ذیل شعر سات بار پڑھ کر آنکھوں پر دم کرنے کا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فوراً آرام ہو گیا اور آج تک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس مرض کا شکار نہیں ہو۔ عمر کے تقاضا کے لحاظ سے کبھی کبھی اثر ہو جاتا ہے لیکن اس طرح کی تکلیف پھر نہیں ہوئی۔ اپنا معمول اس وقت سے کہ ہر فرض نماز کے بعد سات بار پڑھ لیتا ہوں اور کسی بھی بدنی تکلیف کے لئے کالی سیاہی اور کلک کے قلم کے ساتھ لکھ کر مریض کو پلانے کے لئے دے دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شفاء ہو جاتی ہے، وہ شعر درج ذیل ہے.....

كَمْ اَبْرَاثٍ وَ صَبَا بِاللَّمْسِ رَاحَتُهُ
وَ اَطْلَقْتُ اِرْبَا مِّنْ رَّبْقَةِ اللَّمَمِ

۱۹۳۵ء میں ہمارے علاقہ کے ایک بزرگ پر کپڑے کے راشن کے خلاف ورزی کے الزام میں بعض شر پسندوں نے انتظامیہ کے بعض ارکان کے ساتھ مل کر مقدمہ بنا دیا۔ آپ کو گرفتار کر لیا گیا، دوسرے دن ضمانت پر رہائی ہوئی۔ حضرت نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں دعا کی درخواست کی گئی تو آپ نے دعا کے ساتھ سورۃ الفتح اور سورۃ الطور روزانہ ایک ایک بار پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہ صرف آپ کو باعزت بری کیا گیا بلکہ مجسٹریٹ نے ضبط شدہ کپڑا بھی واپس کرنے کا حکم دیا اور پولیس کے خلاف ہتکِ عزت کا دعویٰ دائر کرنے کی اجازت بھی دے دی۔

اولاد کے لئے حضرت مدنی مندرجہ ذیل عمل ارشاد فرمایا کرتے تھے :

۳۱ سالم لونگ لے کر ان میں سے ہر ایک پر سات بار سورۃ النور کی آیت نمبر ۴۰ اَوْ كَظَلُمْتُ فِي بَحْرٍ

لُجِّي کامل آیت پڑھ کر دم کر دی جائے اور لونگ وہ عورت روزانہ رات کو سوتے وقت منہ میں چبالے لونگ کے ساتھ پانی وغیرہ نہ لے بلکہ خشک چبالے اور لونگ کھانے کے بعد رات کو کچھ نہ کھائے، یہ عمل ۳۱ رات بلا ناغہ (ایام ماہواری میں بھی) کرے۔ ان شاء اللہ اولاد ہو جائے گی۔

احقر نے کئی بے اولاد خواتین کو لونگ دم کر کے دیئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بعض کو گیارہ سال

بعد اور بعض کو اٹھارہ سال بعد بھی اولاد عطا ہوئی ہے۔

تذکرہ سوانح مولانا سید اسعد مدنی ----- ﴿ ۵۱۳ ﴾

حضرت نے اپنے ایک پریشان حال مرید کو ستر (۷۰) بار درود شریف تجھنا پڑھنے کا فرمایا کہ اس سے ان شاء اللہ سب پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

از مرتب : یہ درود شریف ہمارے اکابر کے ہاں معمول رہا ہے، میرے والد ماجد نور اللہ مرقدہ بعد از نماز فجر ہم سب کو ساتھ بٹھا کر ۳۱۳ بار پڑھا کرتے تھے۔

مولانا عبدالسلام فیض آبادی نے فرمایا: ایک مولوی صاحب نے کہا میں ایک مصیبت میں گرفتار تھا، دشمن سازشیں کر رہے تھے، دامن مدنی میں پناہ ڈھونڈی، فرمایا: انہ پانچ سو مرتبہ حَسْبُنَا اللَّهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ پڑھ لیا کرو، چنانچہ چند ہی دن مداومت کرنے پر بادل چھٹ گئے اور دشمن ذلیل و ناکام ہو گئے۔

ایک مجنون کے لئے دعا کی درخواست کی گئی، فرمایا کہ ایک گھڑے پانی پر سورۃ فاتحہ مع بسم اللہ ۴۱ مرتبہ اور آیت کریمہ وَ مَا لَنَا إِلَّا نَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ وَ قَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا لَنَصْبِرَنَّ عَلَى مَا آذَيْتُمُونَا وَ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ (ابراہیم: ۱۲) ۱۱ مرتبہ پڑھ کر دم کر کے مریض کو شب یک شنبہ سے شنبہ کی ساتھ راتوں میں ۱۱ بجے کے بعد اور ۱۲ بجے سے پہلے چوراہے پر لے جا کر غسل دے دیں، اگر خارجی اثر ہوگا تو زائل ہو جائے، یہ عمل کیا گیا اور وہ مریض بالکل شفا یاب ہو گیا۔

ایک شخص نے ضعف بصر کی شکایت کی، فرمایا ہر فرض نماز کے بعد تین مرتبہ اول آخرد درود شریف اور تین مرتبہ آیت کریمہ فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ (ق: ۲۲) پڑھ کر ہاتھ کے دونوں انگوٹھوں کی پشت پر دم کر کے آنکھوں پر پھیر لیا کرو۔

فرمایا دفع سحر و آسب کے لئے نمک پر ایک ہزار مرتبہ آیت وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا تَا تَعْقِلُونَ با وضو معہ اول آخرد درود شریف ۱۱ مرتبہ پڑھ کر دم کر کے مریض کو کھانے میں دیا کریں۔

دعا کی تلقین :

حضرت شیخ الاسلام مدنی نے اپنے ایک مسرشد مولانا حکیم انظار احمد صاحب انصاری کو تحریر فرماتے ہیں کہ: ”ذکر پر ہمیشہ مداومت رکھو، اثناء ذکر میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد (خواہ ایک تسبیح کے بعد یا کم و بیش کے بعد) یہ دعا دل سے مانگا کرو۔

يَا رَبِّ اَنْتَ مَقْصُودِي تَرَكْتُ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةَ لَكَ تَمَّمْ عَلَيَّ نِعْمَتَكَ وَ ارْزُقْنِي وَ صَوْلِكَ التَّامَّ وَ رِضًا لاسْخَطَ بَعْدَهُ اَبَدًا۔ اس کا التزام کرو۔ (مکتوبات ص ۲۴۳)

☆☆☆☆☆☆☆☆

خصائل اور شمائل نبوی ﷺ

بیر

مولانا عبدالقیوم حقانی
کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں

صفحہ	نام کتاب
۲۰۶	۱۔ جمال محمد ﷺ کا دلربا منظر
۱۵۶	۲۔ روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں
۲۱۰	۳۔ ماہتاب نبوت ﷺ کی ضوافشانیاں
۲۰۲	۴۔ آفتاب نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں
۱۹۷	۵۔ محبوب خدا ﷺ کی دلربا ادائیں
۱۸۷	۶۔ محبوب خدا ﷺ کی عبادت و اعتدال
۱۶۶	۷۔ خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر
۱۵۳	۸۔ شمائل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

القاسم اکیڈمی کی تازہ، عظیم اور شاہکار علمی پیش کش



شرح شمائل ترمذی

(تین جلد مکمل)

ایک عظیم خوشخبری

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ایک نادر تحفہ



حدیث کی جلیل القدر کتاب شمائل ترمذی کی سہل و دلنشین تشریح، سلیس و سلیس تحریر، اکابر علماء دیوبند کے طرز پر تفصیلی درسی شرح، لغوی تحقیق اور مستند حوالہ جات، متعلقہ موضوع پر ٹھوس دلائل و تفصیل، رواد حدیث کا مستند تذکرہ، تنازعہ مسائل پر تحقیق اور قول فیصل، معرکہ الآراء مباحث پر جامع کلام، علماء دیوبند کے مسلک و مزاج کے عین مطابق، جمال محمد ﷺ کا محدثانہ منظر، نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے، اردو زبان میں پہلی بار منصفہ شہود پر جدید ایڈیشن میں تمام حوالہ جات اور عربی عبارات کا بھی اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

صفحات : 1608 ریگزین قیمت : 750 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی ایک عظیم اور شاہکار علمی پیشکش

توضیح السنن شرح

آثار السنن للامام النبیومیؒ

(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

آثار السنن سے متعلق مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی تدریسی، تحقیقی، درسی افادات اور نادر تحقیقات کا عظیم الشان علمی سرمایہ، علم حدیث اور فقہ سے متعلق مباحث کا شاہکار، مسلک احناف کے قطعی دلائل اور دلنشین تشریح، معرکہ الآراء مباحث پر مدلل اور مفصل مقدمہ اور تحقیقی تعلیقات اس پر مستزاد۔
کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی اور اب نئے کمپیوٹرائزڈ چار رنگہ ٹائٹل، ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار، اساتذہ، طلباء اور مدارس کے لئے خاص رعایت۔

صفحات : 1376 ریگزین قیمت : 600 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین عظیم علمی اور فقہی پیش کش

اسلامی آدابِ زندگی

تحریر ! محمد منصور الزمان صدیقی
پیش لفظ ! مولانا عبدالقیوم حقانی

قرآنی تعلیمات، احادیثِ نبوی، عبادات، معاملات، اعمال کے فضائل، بلندیِ اخلاق و
خصائل، محبت و اطاعتِ رسول، محرمات سے اجتناب، منہیات کی نشان دہی، فرقِ باطلہ کا
تعاقب، ردِّ بدعات، دعوتِ سنت و اتحادِ امت، خدمتِ انسانیت الغرض زندگی کے
ہر موڑ پر رہنمائی کے ہدایات سے معمور، مہد سے لحد تک اہم ضروری مسائل و احکام، سلیس
اور با محاورہ زبان میں ایک مطالعاتی معلم اور محسن کتاب، اپنے موضوعات کے تنوع،
تفہیم و تسہیل، افادیت اور تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک لاجواب کتاب۔

صفحات : 938 ریگزین قیمت : 350

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، نوشہرہ

القاسم اکیڈمی کی ایک اور عظیم تاریخی پیشکش

معروف سکالر، عظیم داعی، مفسر قرآن، شارح حدیث
حضرت علامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسنیؒ کے علمی و دینی مکتوبات کا مجموعہ

کشکولِ معرفت

(مکمل)

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

علم و عمل، دین و دنیا، مسنون و وظائف، مفید کتابوں کا تعارف، مغربی سیاست کی مضرت، دینی
سیاست کی ضرورت، تصوف و سلوک اور شریعت و طریقت کی جامعیت کا دلچسپ مرقع

صفحات : 458 قیمت : -/180 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق نوشہرہ سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی کی ایک تاریخی پیشکش

سوانح شیخ الاسلام حضرت مولانا

حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

☆ سلسلہ نسب، ابتدائی تعلیم، اساتذہ اور دلچسپ واقعات ☆ احترام اساتذہ، شیخ الہند سے عشق و محبت اور دوران اسارت خدمت و مصاحبت ☆ شیخ الہند کا جانشین ☆ سیرت و کردار، اخلاص و للہیت، جود و سخا، بے نیازی و استغناء اور جامعیت ☆ انداز تدریس، درس حدیث سے عشق و انہماک، طلبہ پر شفقت و محبت، محدثانہ جلالتِ قدر اور بعض درسی افادات ☆ خوف خدا، تقویٰ، ایثار و توکل، اعلیٰ اخلاقی اقدار، خدمتِ خلق اور مہمان نوازی ☆ انابت و عبادت، نماز سے محبت اور شوقِ تلاوت ☆ حضور اقدس ﷺ سے عشق و محبت، اطاعت، اتباع سنت اور استقامت ☆ سادگی و بے نفسی، صبر و تحمل، عفو و کرم اور تواضع و خاکساری ☆ احسان و تصوف اور سلوک و معرفت میں عظمتِ مقام، مرجعیت، محبوبیت اور فنائیت ☆ وعظ و خطابت، ارشادات و ملفوظات اور ایمان افروز باتیں ☆ رویائے صالحہ اور کرامات ☆ ذوق شعر و ادب اور پسندیدہ اشعار ☆ مکتوبات ☆ لطائف و ظرائف ☆ حضرت مدنیؒ کا سفر آخرت ☆ خوانِ یغما اور اس جیسے دیگر دلچسپ واقعات کا حسین مرقع۔

صفحات : 272 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ صوبہ سرحد پاکستان

جمالِ یوسف

(تذکرہ وسوانح مولانا محمد یوسف بنوری)

از!

مولانا عبدالقیوم حقانی

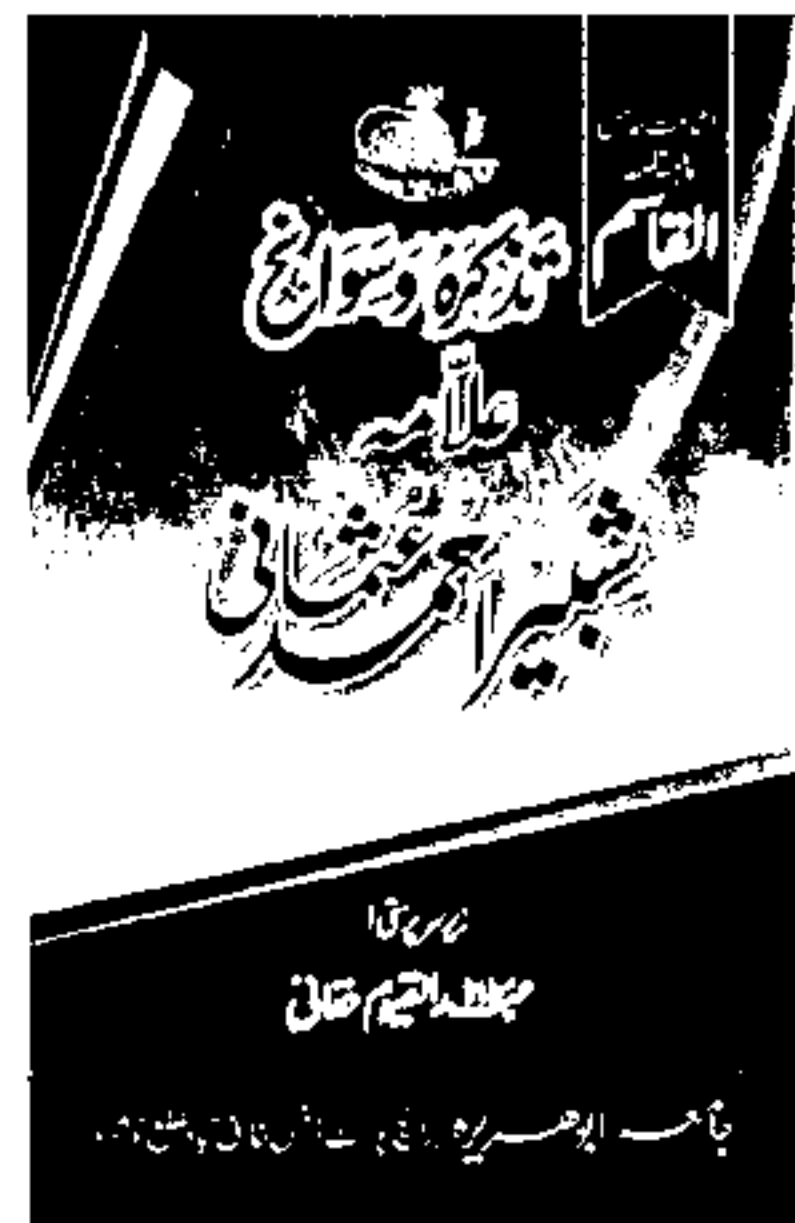
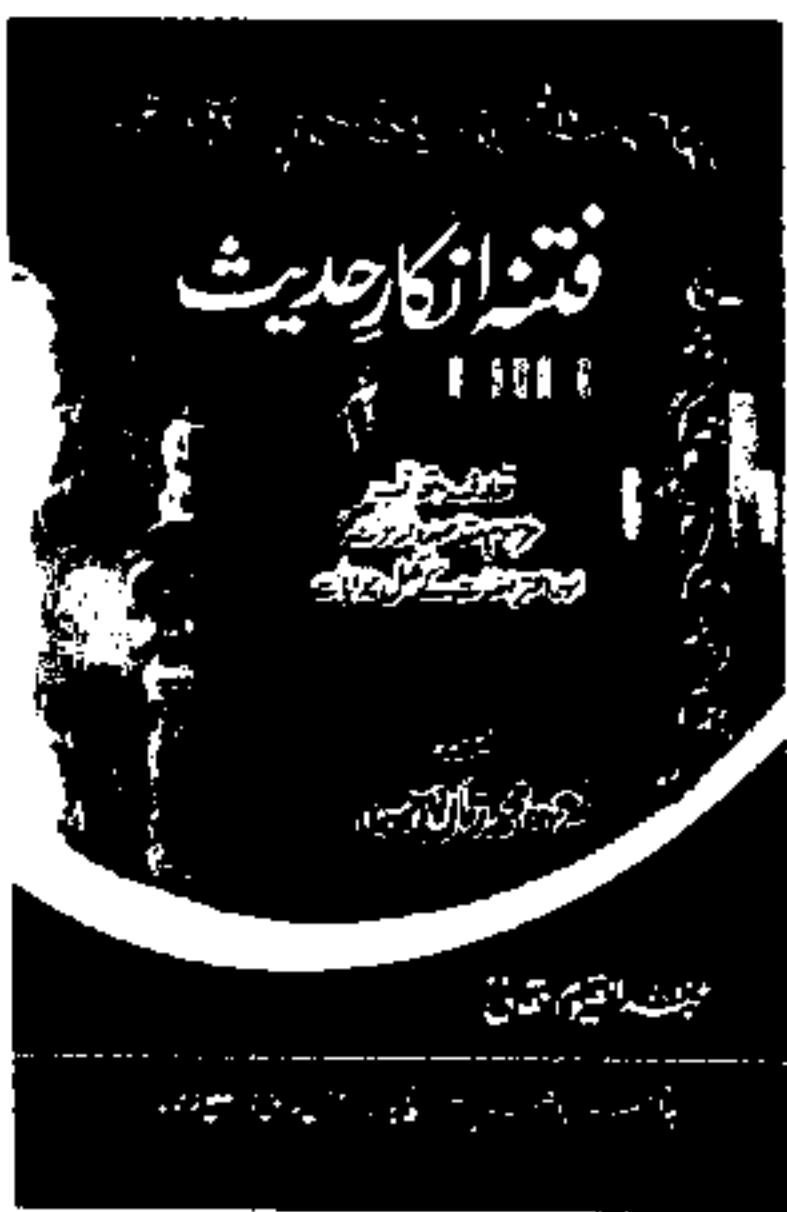
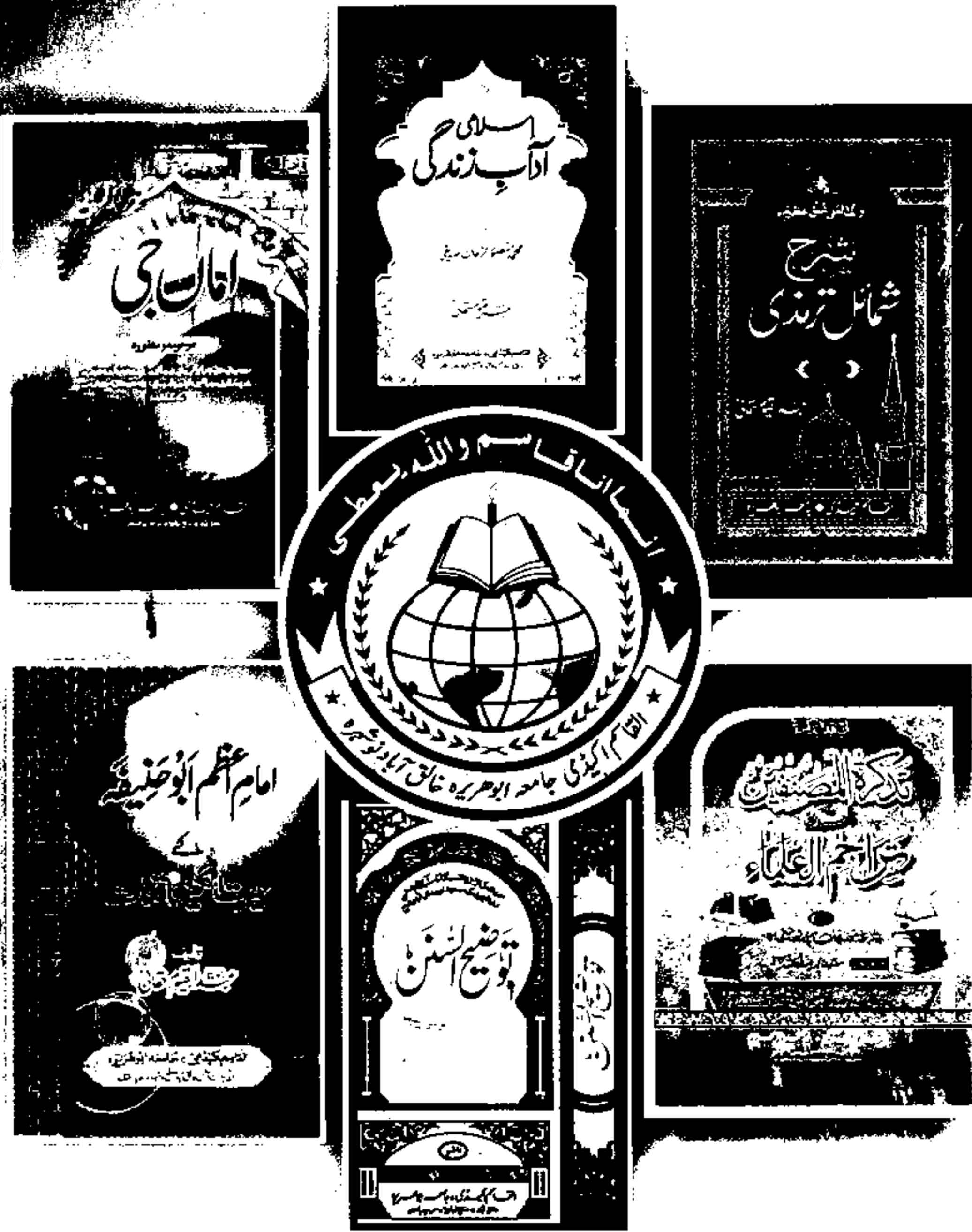
محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تذکرہ وسوانح، تحصیل و تکمیل علم، فقر و درویشی، عبدیت و انابت، عشق رسول ﷺ و اتباع سنت، درس و تدریس حدیث، محدثانہ جلالتِ قدر، عظیم فقہی مقام، فضل و کمال، دینی و علمی کارنامے، سیرت و اخلاق، مجاہدانہ کردار، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف قیادیت کا فاتحانہ تعاقب، اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مساعی، جہاد الغرض دلچسپ، جامع اور رُلا دینے اور عملِ صالحہ کی انگیزت کرنے والے حیرت انگیز واقعات۔

صفحات : 304 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

عبدالقیوم حقانی کی تصنیفات



اقسام اکیڈمی جامعہ ابوسریہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ